اردو زبان کا سب سے ارزاں و بہترین باتصویر ماہوار رسالہ

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

محشر خیال

دہلی

ادبی، سیاسی، تاریخی مضامین روح پرور نظمیں و افسانے



SAMI.. AFTER RODIN'S "THOUGHT"

سالنامہ ۱۹۳۹ء

قیمت فی پرچہ چار آنہ

قیمت سالانہ ایک روپیہ

رسالہ محشر خیال

بنام جہاں دار جاں آفریں

ادب جدید و قدیم کا شاہکار علم و ادب کا مجموعہ

رسالہ محشر خیال دہلی

کا

سالنامہ

سنہ ۱۹۳۹ء

ہندوستان بھر میں سب سے ارزاں کثیر الاشاعت مقبول عام

پروپرائیٹر محمد عبدالحق فاروقی

ایڈیٹر محمد عبداللہ فاروقی دہلوی

قیمت سالنامہ ۳۹ء

ڈھائی آنہ

NIYAZ.

بچوں کا انعامی اعلان

ناظرین محشر خیال کے بچوں کے لئے ہر ماہ ہماری طرف سے معمے شائع ہوتے ہیں او
بچے شوق سے ان کو حل کرکے انعام پا رہے ہیں اس مرتبہ ایک اور نیا معمہ دیا جاتا
ہے اس کو حل کرنے سے **پہلا انعام** نقد میں روپے **دوسرا انعام**
دس روپے کی عمدہ کتابیں **تیسرا انعام** پانچ روپے کی کتابیں
چوتھا انعام جو ہر غلط اور صحیح حل کرنے والے کو ضرور ملے گا ایک
بڑی عمدہ اور تاریخی و اسلامی کتاب **رسول کی زندگی**
جو بچوں کو اپنے رسول کے حالات سے واقفیت کے لئے لکھی گئی ہے اور
جس کی قیمت آٹھ آنے ہے بالکل مفت محصول ڈاک اپنے پاس سے ادا کرکے دی جائے گی۔

فیس داخلہ **تین آنہ** کے سرکاری ڈاک خانہ کے ٹکٹ ہیں جو ایک لفافہ میں مع حل معمہ **دفتر عروج بکڈپو کوچہ چیلان نمبر ۵ دہلی**
کے پتہ پر بھیجنا چاہیئے۔ ہر بچہ جتنے حل چاہے بھیج سکتا ہے۔ مگر ہر حل کے ساتھ تین آنے کے ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔ جو ٹکٹ نہیں بھیجیں گے ان
کا نام داخل انعام نہیں کیا جائیگا۔ ہر بچہ جتنے حل چاہے بھیج سکتا ہے۔

حل طلب معمہ

مسلمانوں کی ایک ایسی مذہبی کتاب کا نام بتاؤ۔ جس کے نام میں اردو کے آٹھ حروف ہیں اور ان حرفوں کو الٹ پلٹ کرنے سے ذیل کا معمہ تیار ہوتا ہے۔ مثلاً اس کتاب کے نام کا پہلا پانچواں اور دوسرا حرف بالترتیب لکھنے سے ایک ایسا لفظ بنتا ہے جس کے معنی چاند کے ہیں۔ یہ مثال نیچے کوپن میں بھی بتا دی گئی ہے۔ وہاں دیکھ لو۔

۱-۵-۲	قمر	یعنی چاند
۸-۲		" دروازہ
۳-۵-۴		" حفاظت
۳-۷-۲-۳-۴		" ایک اسلامی ملک
۴-۲-۵		" ملائم
۵-۸-۸		" امداد
۷-۳-۵		" پیالہ

تمام حل **دفتر عروج بک ڈپو کوچہ چیلان نمبر ۵ دہلی** کے نام مع فیس داخلہ تین آنہ کے ٹکٹ سرکاری ڈاک خانہ کے ۳۰
اپریل ۱۹۳۹ء کو ۴ بجے شام تک پہونچ جانے چاہئیں۔ انعامات یکم مئی ۱۹۳۹ء کو ڈاک کے ذریعہ سے روانہ کئے جائیں گے۔ تاریخ مذکورہ کے
بعد کوئی حل شریک انعام نہ ہوگا۔ اس لئے معمہ میں شریک ہونے والوں کو چاہئے کہ جلد سے جلد حل شدہ معمہ دفتر میں بذریعہ ڈاک بھیجدیں۔
گزشتہ ماہ کے معمہ کے نتیجہ کا اعلان آئندہ ماہ محشر خیال اپریل ۱۹۳۹ء کے پرچہ میں شائع ہوگا۔ کیونکہ یہ پرچہ نتیجہ کی تاریخ سے قبل شائع ہوا ہے۔ منیجر

اردو زبان کا سب سے ارزاں کثیر الاشاعت بہترین ماہوار

رسالہ محشر خیال دہلی

ہر انگریزی مہینہ کی پندرہ تاریخ کو پابندی کے ساتھ شائع ہوتا ہے

قیمت سالانہ
افریقہ وغیرہ سے
چار شلنگ
بذریعہ پوسٹل آرڈر

قیمت سالانہ
ہندوستان، عدن، سیلون
سے ایک روپیہ
صوبہ برما سے
سالانہ
عہ

جلد ۹ | بابت فروری و مارچ سنہ ۱۹۳۹ء | نمبر ۳ و ۴

محمد عبداللہ فاروقی پرنٹر و پبلشر نے محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر محشر خیال جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

انقلاب و احتساب

(حضرت فضا الہ آبادی)

ہر طرف سے آرہی ہے اب صدائے انقلاب　　مسلمِ ہندی رہے گا تا بکے مصروفِ خواب
اب فنا ہو گی غلامی پردۂ تاریک میں　　دیکھ آزادی کا وہ مشرق سے چمکا آفتاب
یہ غریبی یہ مصیبت یہ فلاکت تا بکے　　پھاڑ کر تو پھینک دے اپنی غلامی کا نقاب
رکھ خدا پر تو نظر ہر دم خدا ہے تیرے ساتھ　　بات کیا ہے جس پہ ہے اسدرجہ تجھکو پیچ و تاب
مطرب سے کہدو خنجر لے کر آئے بزم میں　　دور اٹھا کر پھینک دو محفل سے یہ چنگ و رباب
وہ تو منزل پر بھی جا پہونچے پہونچنا تھا جنہیں　　سرنگوں بیٹھا ہوا ہے مسلمِ خانہ خراب
یاد رکھ تجھ سے خدا پوچھے گا اک دن یہ ضرور　　کیا اسی دن کیلئے دی تھی تجھے ام الکتاب
سچ بتا اس وقت ہو گی کس قدر ذلت تجھے　　تو خدا کے سامنے دے گا بتا پھر کیا جواب

قلبِ مومن کو فضا گرمائے گا میرا کلام
میرے نالے ایک دن پیدا کریں گے انقلاب

موت کا گیت

عرش کی آڑ میں انسان بہت کھیل چکا
خونِ انسان سے حیوان بہت کھیل چکا
مورِ بے جان سے سلیمان بہت کھیل چکا

وقت ہے آؤ دو عالم کو دگرگوں کر دیں
قلبِ گیتی میں تباہی کے شرارے بھر دیں
ظلمتِ کفر کو ایمان نہیں کہتے ہیں
سگِ خونخوار کو انسان نہیں کہتے ہیں
دشمنِ جاں کو نگہبان نہیں کہتے ہیں

جاگ اٹھنے کو ہے اب خوں کا تلاطم دیکھو
ملک الموت کے چہرے کا تبسم دیکھو

جان لو قہر کا سیلاب کسے کہتے ہیں
ناگہاں موت کا گرداب کسے کہتے ہیں
قبر کے پہلوؤں کی داب کسے کہتے ہیں
دورِ ناشاد کو اب شاد کیا جائے گا
روحِ انسان کو آزاد کیا جائے گا
نالۂ بے اثر اللہ کے بندوں کیلئے
سلسلۂ دار و رسن حق کے رسولوں کیلئے
قصرِ شداد کے در بند ہیں بھوکوں کیلئے

پھونک دو قصر کو گر کن کا تماشا ہے یہی
زندگی چھین لو دنیا سے جو دنیا ہے یہی

زلزلو آؤ دہکتے ہوئے لاوو آؤ
بجلیو آؤ گرجدار گھٹاؤ آؤ
آندھیو آؤ جہنم کی ہواؤ آؤ
آؤ یہ کرۂ ناپاک بھسم کر ڈالیں
کاسۂ دہر کو معمورِ کرم کر ڈالیں

(مخدوم محی الدین بی۔ اے)

انور پاشا کا محبت نامہ

میدان جنگ سے اپنی بیگم کے نام

میری رفیقۂ حیات اور سرمایۂ عیش و سرور پیاری بخشیہ اللہ تمہارا نگہبان ہو۔

تمہارا آخری خط اس وقت میرے سامنے ہے۔ یقین کرو۔ کہ تمہارا یہ خط ہمیشہ میرے سینہ سے لگا رہے گا تمہاری صورت کو نہیں دیکھ سکتا، مگر خط کی سطروں اور حرفوں میں تمہاری انگلیاں مجھے نظر آرہی ہیں، ہائے یہ انگلیاں میرے سر سے کھیلا کرتی تھیں مجھے اس دھندلے میں کبھی کبھی تمہاری صورت بھی نگاہوں میں پھر جاتی ہے آہ! لکھتی ہو کہ میں نے تمہیں بالکل بھلا دیا ہے۔ اور تمہاری محبت کی کچھ پرواہ نہ کی۔ تم کہتی ہو کہ میں تمہارا محبت بھرا دل توڑ کر کسی دور افتادہ مقام میں آگ و خون سے کھیل رہا ہوں۔ اور ذرا پرواہ نہیں کرتا۔ کہ ایک عورت میرے فراق میں رات بھر تارے گنتی رہتی ہے۔

تم کہتی ہو کہ مجھے جنگ سے محبت ہے اور تلوار سے عشق۔ مگر آہ! پیاری پھر لکھتے وقت تم نے بالکل نہ سوچا کہ تمہارے یہ الفاظ یقیناً کس محبت نے لکھوائے ہیں۔ یہ میرے دل کا کس طرح خون کر ڈالیں گے۔ اے پیاری میں تمہیں یقین دلا سکتا ہوں کہ دنیا میں مجھے تم سے زیادہ کوئی محبوب نہیں۔ تم ہی میری تمام محبتوں کا منتہا ہو۔ میں نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔

لیکن۔ ایک تم ہی ہو جس نے میرے دل کو مجھ سے چھین لیا ہے پھر میں تم سے جدا کیوں ہوں۔

راحت جان! اب تم یہ سوال بجا طور پر کرسکتی ہو۔

سنو! میں تم سے اس لئے جدا نہیں ہوا ہوں۔ کہ مال و دولت کا طالب ہوں، اس لئے بھی جدا نہیں ہوا ہوں کہ اپنے لئے تخت شاہی قائم کر رہا ہوں جیسا کہ میرے دشمنوں نے مشہور کر رکھا ہے۔ میں تم سے اس لئے جدا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کا فرض یہاں کھینچ لایا کہ

جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھکر کوئی فرض نہیں۔ یہی وہ فرض ہے کہ جس کی ادائے گی کی محض نیت ہی مجھ کو فردوس بریں کا مستحق بنا دیتی ہے۔ الحمد للہ کہ میں اس فرض کی صرف نیت ہی نہیں رکھتا بلکہ اسے عملاً سرانجام دے رہا ہوں۔

تمہاری جدائی ہر وقت میرے دل پر آرے چلایا کرتی ہے۔ مگر میں جدائی سے جتنا خوش ہوں اتنا کسی دوسری چیز سے نہیں۔ کیونکہ تمہاری محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو میرے عزم اور ارادے کے لئے سب سے بڑی آزمائش ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالےٰ کا ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ میں اس آزمائش میں پورا رہا۔ اور اللہ تعالےٰ کی محبت و حکم کو اپنی محبت اور نفس پر مقدم رکھنے میں کامیاب ہوگیا۔

تمہیں بھی خوش ہونا اور شکر کرنا چاہیے کہ تمہارا شوہر اتنا مضبوط ایمان رکھتا ہے کہ خود تمہاری محبت کو بھی اللہ کی محبت پر قربان کرسکتا ہے۔

دیکھو!

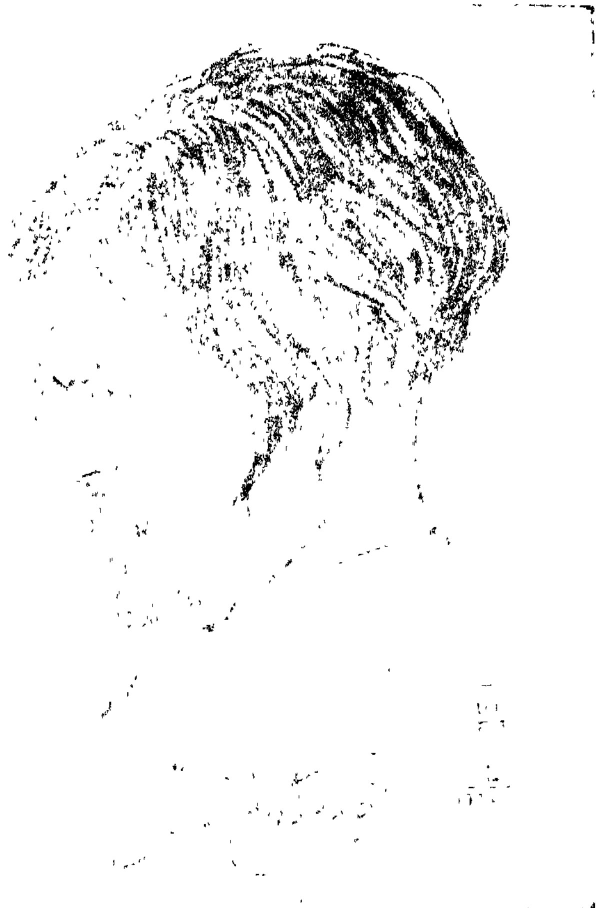
یہ دعا ہرگز نہ کرنا کہ تمہارا شوہر میدان جہاد میں کسی طرح صحیح و سالم تمہارے پاس واپس آجائے۔ کیونکہ یہ دعا خود غرضی کی دعا ہے۔ اور خدا کو پسند نہ آئے گی۔

البتہ دعا کرتی رہو۔ کہ تمہارے شوہر کا جہاد اللہ قبول فرمائے اسے فتحیاب واپس لائے۔

ورنہ جام شہادت اس کے دہن سے لگائے۔ وہ لب جو تم جانتی ہو کبھی شراب سے ناپاک نہیں ہوئے۔ بلکہ تلاوت قرآن شریف اور ذکر الٰہی سے ہمیشہ آشنا رہے۔

پیاری بخشیہ! آہ وہ ساعت کیسی مبارک ہوگی جب اللہ تعالےٰ کی راہ میں یہ سر جو تم خوبصورت بتایا کرتی تھیں تن سے جدا ہوگا۔ وہ تن جو تمہاری محبت کی نگاہوں میں سپاہیوں کا نہیں

خیام ثانی حضرت جگر مرادآبادی



سب کو مارا جگر کے شعروں نے — اور جگر کو شراب نے مارا

آپکے کلام کا مجموعہ شعلہ طور دفتر محشر خیال سے خریدیے

قیمت ڈھائی روپیہ

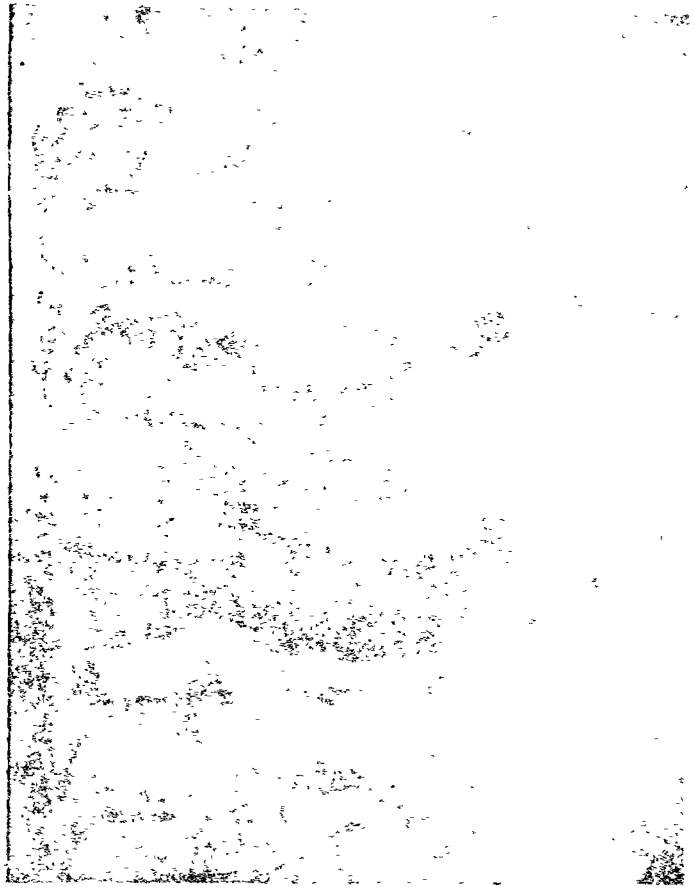
حیام ذہنی حضرت جگر مرادآبادی



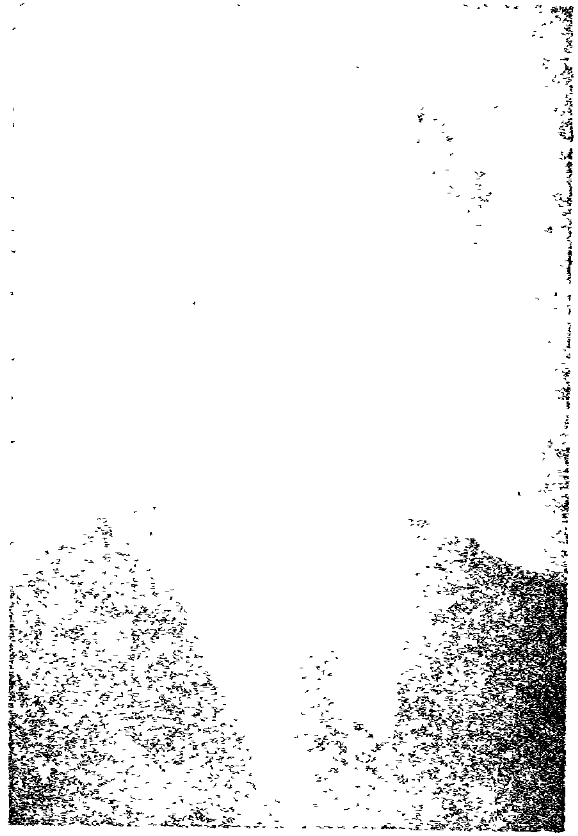
سب کو ... جگر کے شعر [illegible] ہے اور جگر کو سب نے مارا

آپکے کلام کا مجموعہ شعلہ طور دفتر مدرسو دیاں سے مل سکتا ہے

قیمت ڈھائی روپیہ



علامہ اقبال [illegible]



جنگی بیڑہ میں ۱۱ اپریل کو "اقبال ڈے" منایا جا رہا ہے

پولٹیکل غزل

غزنوی کو ایاز نے مارا — یعنی شاہین کو باز نے مارا
حضرتِ عشق کی اکڑفوں کو — حسن فتنہ طراز نے مارا
عہد حاضر میں اہلِ مغرب کو — شوقِ جنگی جہاز نے مارا
آج برطانوی وزارت کو — نازیوں ہی کے ناز نے مارا
آپ کو بھی جناب چیمبرلین — امن عالم کے کاز نے مارا
دھن میں شہرت کی قوم بیکس کو — لیڈرِ خانہ سازؔ نے مارا
برت رکھ کر ریاستوں کو جناب — گاندھیٔ سرفراز نے مارا
شیخ جی کو بھی شوق رندی تھا — اُن کو ریشِ دراز نے مارا
اہل سرحد بھی کم نہیں لیکن — اس ہوائی جہاز نے مارا
مفت پڑھ کر رسائل اور اخبار — ان کو نمونہ باز نے مارا
نوجوان کو فلم کی دیوی کے — نغمۂ دل گداز نے مارا

اور اس اپنے منچلے دل کو
شورشِ فتنہ ساز نے مارا

احسن عثمانی

۵ مارچ ۱۹۳۹ء

تلخئ حیات

آہ بسمل جب بدن میں روح گھبرانے لگے
اور قضا کمبخت کو آتے بھی موت آنے لگے

دل میں جب وہم مآلِ زندگی آنے لگے
جب نظر گورِ غریباں کی طرف جانے لگے

دل کو جب کردہ گناہوں کا خیال آنے لگے
شوق، ناکردہ گناہوں پر ترس کھانے لگے

اے معاذ اللہ، دعا کی ناپذیرائی پہ جب
پاکبازی پر جوانی دل بہکانے لگے

شامِ غم پھر صبحِ عشرت سے نہیں اندوہناک
بزمِ ناؤ نوش پر جب خامشی چھانے لگے

ہائے لُٹ ہائے جوانی کی ہوں صبحیں یوں خموش
کان میں اللہ اکبر کی صدا آنے لگے

وائے ذوقِ مے، کہ نظریں بھی ہوں رہنِ فروش
جب نگہ ملنے سے پہلے آنکھ شرمانے لگے

قرض کی اس طرح پینے سے نہ پینا خوب ہے
شیخ صاحب کی ضمانت پر اگر آنے لگے

مفت میخواری کی جب آجائے نوبت وائے ننگ
نام سے زاہد کے جب میخوار منگوانے لگے

عشق کے جذبات سے بے کیف ہو ایسے دل میں
حسن کی جانب سے جب پیغامِ شوق آنے لگے

باہمہ ذوقِ محبت، باہمہ شوقِ وفا!
دل رہ و رسمِ محبت سے تنگ آنے لگے

دوست کی جانب سے کرکے اعتمادِ دوستی
ہائے وہ حالت کہ جب دشمن ترس کھانے لگے

تلخئ نامہربانی ہائے دنیا، آہ جب!
دل کسی کی مہربانی سے بھی گھبرانے لگے

دم بہ دم لحظہ بہ لحظہ وہ فراوانئ غم
جب کوئی ساعت گزر جائے تو یاد آنے لگے

آہ موجودہ مصیبت کی بھیانک شکل میں
آنے والی بھی مصیبت جب نظر آنے لگے

شادکامِ شوق جب اہلِ ہوس، کو دیکھ کر
حسرتوں کو آہ جنت کا خیال آنے لگے

جستجوئے شوق کی بے آبروئی ہائے ہائے
جب تلاشِ گنجِ مقصد خاک چھنوانے لگے

نالۂ دل متصل، اشکِ مسلسل، آہ جب
ساتھ ہر آنسو کے اک لختِ جگر آنے لگے

ہائے مجبوری میں وہ خودداریوں کی بیکسی
ناکسوں کے جب زمانہ ناز اٹھوانے لگے

ہو زمانہ ٹھوکروں کا جس کی ٹھکرایا ہوا
پھر زمانہ ٹھوکروں سے اس کو ٹھکرانے لگے

آہ بسمل، زندگئ غم کی وہ نوبت کہ جب
جامۂ ہستی سے بدبو موت کی آنے لگے

ٹونک اسٹیٹ
۱۸ مارچ

بسمل سعیدی ہاشمی

چند ضروری باتیں

از ادارہ

محشر خیال کا اجرا۔ اور مقبولیت

محشر خیال ـــــ سات آٹھ سال سے جاری ہے۔ یقین کیا جاتا ہے کہ تادیر باقی اور جاری رہے گا ـــــ اس عرصہ میں کارکنان محشر خیال نے تاحد امکان محنت اور روپیہ خرچ کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور نہ آئندہ کی جائے گی۔

ہمارے لئے مسرت اور خوشی کا مقام ہے۔ کہ ناظرین محشر خیال نے اس کو مقبول بنانے اور خریدار پیدا کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔

آج محشر خیال کا سلسلہ اشاعت صرف ہندوستان اور مملکت نظام ہی تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ برما۔ عدن۔ سیلون۔ سنگاپور اور اطراف افریقہ میں بھی پھیلا ہوا ہے اور آئندہ سلسلہ اشاعت کی توسیع کا بہت امکان ہے۔

سالنامہ کا اعلان اور انتظار

ماہ جنوری کے رسالہ میں سالنامہ محشر خیال کے متعلق اعلان کیا گیا کہ ۲۰ فروری کو سالنامہ شائع ہوگا۔ ماہ فروری میں "پروگرام" شائع ہوا۔ اس میں مشتہر کیا گیا کہ سالنامہ مارچ کے اول ہفتہ میں شائع ہو جائے گا۔ لیکن بعض مجبوریوں اور دشواریوں اور ایڈیٹر محشر خیال کی علالت کی وجہ سے سالنامہ دو ہفتہ کی تاخیر سے ۱۴ مارچ کو شائع کیا جا رہا ہے۔

دو ہفتہ کا انتظار اور ناظرین کا اشتیاق واقعی "الانتظار اشد من الموت" سے کم نہیں۔ ہم اس سلسلے میں سب سے پہلے ناظرین کرام سے معافی خواہ ہیں۔ امید ہے کہ ہماری مجبوریوں کے پیش نظر خریداران محشر خیال اس فروگزاشت کو معاف فرمائیں گے۔

سالنامہ کی اشاعت کا مقصد

۲۵ سال سے اردو رسالوں اور اخباروں کی ہندوستان میں کثرت ہوئی ہے اس عرصہ میں بہت سے رسالے اور اخبار جاری ہوئے اور بند ہوئے۔ محشر خیال ایسا سخت جان واقع ہوا ہے کہ باوجود مخالفین کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے آج تک جاری ہے۔

سالگرہ نمبر۔ خاص نمبر۔ وغیرہ ناموں سے مختلف رسالے اور اخبار کبھی کبھی سال میں ایک دو مرتبہ نمبر شائع کرتے ہیں۔ اور اُن کی قیمت خریداروں سے علیحدہ وصول کی جاتی ہے۔ وہ ایسا کرنے پر مجبور بھی ہیں۔ اگر ایسا نہ کریں تو اخراجات پورے نہیں ہو سکتے۔

محشر خیال اور بعض دوسرے رسالوں نے اپنے سینے پر سل رکھ کر یہ رسم ترک کر دی ہے۔

محشر خیال نے تو یہاں تک جدت کر دی کہ ایک روپیہ قیمت کا سالنامہ بازار میں صرف چار آنے کو فروخت کیا جائے۔ محصول ڈاک اپنے پاس سے لگایا جائے۔ اور ایجنٹ اخبارات کو ۲۵ فی صدی کمیشن دیا جائے۔ تاکہ وہ لوگ جو دو روپے کا یا ایک روپیہ کا سالگرہ نمبر نہیں خرید سکتے وہ صرف چار آنے کے پیسے خرچ کر کے اپنے ذوق اور شوق کو تسکین دے سکیں۔

سالنامہ محشر خیال ۱۹۳۹ء

اس وقت آپ کے سامنے محشر خیال ۳۹ء کا سالنامہ موجود ہے یہ اگرچہ کہنے کو تو دو مہینے کا مشترکہ رسالہ ہے یعنی فروری اور مارچ کا ـــــ لیکن اس پر لاگت چار مہینے کے رسالوں سے بھی زیادہ آئی ہے اس کے مقابلے میں آمدنی کوئی زیادہ نہیں ہوئی ـــــ سب سے زیادہ تصاویر پر روپیہ خرچ ہوا۔ آٹھ صفحے کی تصاویر۔ ہاف ٹون

بلاکوں کی بنوائی اور ان کی رنگین چھپائی۔ آرٹ پیپر کا کثیر خرچ۔ جدید نظم و نثر مضامین کی فراہمی۔ ہر صفحے کا علیحدہ ڈیزائن۔ بیلوں اور عنوانوں کی بنوائی۔ اور اسی قسم کے بعض دوسرے کثیر اخراجات۔ صرف اس لئے برداشت کئے گئے ہیں کہ سالنامہ ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں ہر جگہ پہونچ جائے۔ اردو ادب کا چرچا اور غلغلہ پیدا ہو۔ پبلک فضول اور لغو خیالات اور مناظروں میں اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کرے۔ بلکہ علم اور اخلاق اور سیاست پر سوچے سمجھے۔ تاکہ کوئی مفید نتیجہ ظاہر ہو۔ غلامی کی زنجیریں ٹوٹ جائیں۔ ملک اور وطن کا سدھار ہو۔ آپس میں پریم اور محبت بڑھے۔ تاکہ قدرت اپنے بندوں سے خوش ہو۔ اور ہم سب آرام اور اطمینان کی زندگی بسر کرسکیں۔ اور مغربی ڈپلومیسی اور سیاست نے چونکہ ہمارے دلوں میں نفاق اور عداوت کی آگ لگا دی ہے۔ اور ہمارے دل پاش پاش ہوتے جاتے ہیں جس سے ہماری ہلاکت قریب آرہی ہے۔ یہ ہلاکت دور ہو جائے۔

ان خیالات کے پیش نظر سالنامہ مرتب کیا گیا ہے۔

معاونین اور محسنین کا دلی شکریہ

اس سلسلے میں بعض کرم فرما دوستوں اور خیر خواہوں کا شکریہ ادا کرنا از بس ضروری ہے۔ جنھوں نے سالنامہ کے اخراجات کم کرنے کے خیال سے خریدار بڑھائے۔ دفتر سے کتابیں خریدیں۔ محشر خیال کی توسیع اشاعت کے لئے پروپیگنڈا کیا۔ ایسے تو سینکڑوں احباب اور محسن ہیں جو محشر خیال کو اپنا ذاتی پرچہ سمجھتے ہوئے عملی ہمدردی کرتے ہیں۔

خصوصاً حضرت بسمل سعیدی ہاشمی کے احسانات کم نہیں ہیں۔ آپ قلمی امداد کے ساتھ ساتھ خریدار پیدا کرنے میں بے حد کوشش کرتے ہیں۔

کلکتہ میں مسٹر ایم۔ وائی۔ اختر قلمی امداد کے ساتھ ساتھ جدید خریدار پیدا کرنے میں محنت اور سرگرمی سے کام کرتے ہیں۔

بھوپال میں جناب محمد افضل صاحب قریشی۔ پٹنہ میں مسٹر داسودیواس شاستری۔ اور مظفر نگر میں خان عبد الشکور خاں انسپکٹر پولیس۔ اور رباوڑہ میں ماسٹر محمد عثمان اجمیری شکریہ کے مستحق ہیں۔ جو خریدار پیدا کرنے میں اپنا قیمتی وقت اور روپیہ خرچ کرکے محشر خیال کو ترقی کے اعلیٰ پیمانہ پر پہونچانا چاہتے ہیں۔

کتابیں خریدئے۔ خریدار بڑھائیے

تجارتی حساب سے محشر خیال کی ایک کاپی پرچار آنے لاگت آتی ہے۔ اور خریداروں کو ایک روپیہ سالانہ چندہ میں یعنی پانچ پیسے میں ایک کاپی فروخت کی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے ایک حصہ آمدنی کے مقابلہ میں سہ گنا خرچ ہے۔ حساب کرنے کے بعد اندازہ کیا گیا ہے کہ دو سو روپے ماہوار کا نقصان رسالہ کی اشاعت سے ہو رہا ہے۔ یہ نقصان صرف کتابیں فروخت کرکے اور خریدار بڑھا کر پورا کیا جاتا ہے۔

اگر ناظرین کرام کتابیں نہ خریدیں اور خریدار نہ بڑھائیں تو مجبوراً محشر خیال کو یا تو بند کیا جائے یا سالانہ چندہ تین روپے کر دیا جائے ہمارے لئے یہ دونوں باتیں ناممکن ہیں۔ اس لئے پھر بھی درخواست کی جاتی ہے کہ محشر خیال کے لئے خریدار بڑھائیے۔ اور ہر قسم کی کتابیں دفتر محشر خیال سے خرید کر اس علمی ادارہ کی امداد کیجئے۔

اشتہارات بھی کم کئے جانے لگے

فیصلہ کیا گیا ہے کہ محشر خیال میں سے آہستہ آہستہ دواؤں کے عریاں اشتہار کم کئے جائیں۔ سالنامہ سے اس پر عمل درآمد شروع کیا گیا ہے۔ سالنامہ کے لئے کثیر رقم کے اشتہارات دہلی کے اکثر دواخانوں سے ملنے والے تھے۔ لیکن وہ قبول نہیں کئے گئے۔

محشر خیال چونکہ ہندوستان بھر کے ادبی رسالوں سے زیادہ شائع ہوتا ہے اس لئے بغیر جد و جہد کئے اور بغیر جھوٹا پروپیگنڈا کئے (جیسا کہ بعض رسالے کرتے ہیں ان کی اشاعت تو پانچ سو سات سو ہوتی ہے بتاتے ہیں چار ہزار یا سات ہزار) اشتہارات ملتے ہیں لیکن ہم اُن کو قبول نہیں کرتے۔

کوشش کی جائے گی کہ اشتہاروں کا حصہ رسالے سے بالکل علیحدہ یعنی آخر رسالے میں شائع کیا جائے۔ اس طرح رسالہ کو اگرچہ نقصان کثیر ہوگا۔ لیکن اس کی تلافی کی کوشش کی جائے گی۔

سالنامہ کے بعد افسانہ نمبر

سالنامہ محشر خیال ۱۴ر مارچ کو شائع ہوا ہو ہندوستان کے تمام حصوں میں ۲۵-۲۶-تاریخ تک پہونچ جائے گا۔ غیر ممالک میں

شروع اپریل تک پہونچے گا۔ اپریل کا رسالہ ۱۰ اپریل کو شائع ہوگا۔ اور ماہ مئی کا رسالہ "افسانہ نمبر" ہوگا۔ جس میں اعلیٰ اور عمدہ افسانے شائع ہوں گے۔

افسانہ نمبر کے صفحات معمولی اشاعت کے صفحات سے زیادہ ہوں گے تصاویر بھی ہوں گی۔ افسانہ نمبر صرف ایک ماہ کا پرچہ ہوگا۔ اور ۱۰ مئی کو شائع ہوگا۔ جون کا رسالہ ۱۵ جون کو شائع ہوگا۔ اور اس کے بعد ہر مہینے کی پندرہ تاریخ کو پابندی کے ساتھ رسالہ شائع ہوتا رہے گا۔ اور یہ تمام پروگرام بشرط زندگی اور بشرط صحت پورا ہوگا۔ لیکن ابھی ہم میں سے کسی کے مرنے کے ایام قریب نہیں ہیں۔ اگرچہ انسانی حیات کا بھروسہ ایک منٹ کے لئے بھی نہیں ہوتا۔ لیکن ہمارا اپنا خیال یہی ہے کہ ہم ابھی نہیں مر سکتے۔

سالنامہ کا جدید ڈیزائن

سالنامہ محشر خیال کا ڈیزائن مشہور و معروف آرٹسٹ مسٹر سمیع نے ازراہ نوازش نہایت ہی عمدہ تیار کیا ہے۔ اور محشر خیال کی مناسبت سے ایک اچھا آئیڈیا پیش کیا ہے۔ جو حضرات انگریزی جانتے ہیں وہ ٹائیٹل پر بنائی گئی تصویر کو سمجھ کر بہت خوش ہوں گے۔

مسٹر سمیع اپنے فن میں کمال رکھتے ہیں۔ اس لئے ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں کافی مشہور ہیں۔ مسٹر سمیع کو مولانا محمد علی مرحوم سنہ ۲۲ء میں بمبئی سے دہلی لے آئے تھے۔ مسٹر سمیع کی جس قدر عمر سنہ ۲۲ء میں تھی وہ ہی آج سنہ ۳۹ء میں نظر آتی ہے۔ جو لباس جو طرز معاشرت جو گفتگو۔ جو طریقہ سنہ ۲۲ء میں تھا وہ ہی آج سنہ ۳۹ء میں موجود ہے۔ بال برابر کسی چیز میں فرق نہیں آیا۔ مولانا محمد علی مسٹر سمیع کے کمال کے بہت مداح تھے۔ لیکن ان کے کھدر نہ پہننے پر ناراض ہوتے تھے روایت ہے کہ گاندھی جی ایک مرتبہ مولانا کے یہاں مقیم تھے۔ گاندھی جی کے برابر والے کمرے میں مسٹر سمیع رہتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا نے گاندھی جی سے شکایت کی کہ سمیع صاحب کھدر نہیں پہنتے۔ گاندھی جی نے مسٹر سمیع سے مولانا کی اس شکایت کا تذکرہ اپنے مخصوص انداز میں کیا مسٹر سمیع نے سوکھا سا منہ بنا کر اور اپنی پیشانی پر انگلیاں رکھ کر کہا کہ گاندھی جی آپ اور مولانا صاحب ولایتی اشیاء۔ موٹر۔ کاغذ۔ استعمال کرنا بند کر دیں تب میں کھدر پہنوں گا۔ ورنہ نہیں۔ گاندھی جی مسکرا دئے۔ پھر کبھی کھدر کے لئے مسٹر سمیع سے کسی لیڈر نے نہیں کہا مسٹر سمیع ہر وقت لیڈروں میں رہتے ہیں ان کی ساری زندگی لیڈروں میں اور ایڈیٹروں میں بسر ہوتی ہے۔ لیکن آج تک تمام عمر میں کبھی مذہبی اور سیاسی جلسے میں شریک نہیں ہوئے۔ جلسوں اور جلوسوں سے ایسے بھاگتے ہیں۔ جیسے ....

چند ضروری باتیں نوٹ کر لیجیے

سالانہ چندہ منی آرڈر سے روانہ کرنے میں چار آنے کی کفایت رہتی ہے۔ رسالہ وی۔ پی سے منگوانے میں فیس رجسٹری وغیرہ پر چار آنے زائد خرچ ہوتے ہیں جو پوسٹ آفس ہضم کر لیتا ہے۔ منی آرڈر کرنے میں اگر دشواری ہو تو وی۔ پی منگایا جا سکتا ہے۔

شکایت کرتے وقت نمبر خریداری کا لکھنا ایسا ضروری ہے جیسا مسلمان ہونے کے لئے خدا کو ایک ماننا اور اسلام کو دین حق سمجھنا کسی وجہ سے اگر نمبر خریداری یاد نہیں رہا تو سالانہ چندہ ادا کرنے کی تاریخ یا مہینہ لکھنا چاہئے۔ جو صاحب ان دونوں باتوں پر عمل نہیں کریں گے اور شکایتی خطوط بھیجیں گے۔ ان کا "نامہ مبارک" ردی کی ٹوکری میں ڈالدیا جائے گا۔

جب آپ کسی وجہ سے جائے سکونت ترک کرنا چاہیں تو ایک ہفتہ پہلے تبدیل پتے کا خط آنا چاہئے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک صاحب بمبئی سے روانہ ہو کر پونہ چلے گئے۔ ۱۸ جنوری کو خط لکھتے ہیں کہ جنوری کا رسالہ مجھ کو اب تک نہیں ملا اب میں پونہ آگیا ہوں۔ میرا رسالہ یہاں بھیجا جائے۔

ان حضرت نے نہ نمبر خریداری لکھا اور نہ سابقہ مکمل پتہ۔ ان کا رسالہ وقت مقررہ پر بمبئی کے پتہ پر چلا گیا۔ کسی صاحب نے پوسٹ مین سے لے لیا۔ اور ہضم کر گئے۔ دفتر مفت میں بدنام ہوا۔ بمبئی سے روانہ ہونے والے یہ خریدار گاندھی جی نہیں تھے۔ گورنر بمبئی نہیں تھے جو ان کی ڈاک ان کے پیچھے پیچھے پھرتی۔ اس قسم کے خریداروں سے ہمارا ایسا ہی ناطقہ بند ہے جیسا انگریز کا گاندھی سے۔ اور کانگریسی مسلمان کا مسلم لیگیوں سے۔ اور مسلم لیگ کا سرخپوشان احرار سے۔

بعض دوست ایسے اردو نواز واقع ہوئے ہیں کہ ہر مہینے تین پیسے کا کارڈ لکھ کر نمونہ منگا لیتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ کارکنان محشر خیال کو بے وقوف بنایا جا رہا ہے۔ ہم تو بے وقوف بنتے ہیں یا نہیں۔ البتہ اس طرح اردو زبان ترقی کرتے کرتے۔ عرش اعظم تک نہ پہونچ جائے

تو ہمارا ذمہ ۔۔۔ جو رسالہ پانچ پیسے ماہوار لے کر ہر قسم کے مضامین شائع کرتا ہو۔ اور ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں میں اس کی اشاعت باوجود ہزار ہا روپے خرچ کرنے اور کثیر نقصان اٹھانے کے اس کی اشاعت ۲۵ ہزار بھی نہ ہو تو اردو ترقی کرے کیسے۔؟ کیا ناظرین کرام اس مسئلہ پر سوچنے کی زحمت گوارا کریں گے۔

سالنامہ کے باقی ماندہ مضامین

سالنامہ محشر خیال کے لئے بہت سے اہل قلم دوستوں نے مضامین بھیجے ہیں ہم ان کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ بعض مضامین تو اس نمبر میں شائع ہو چکے ہیں۔ باقی ماندہ قابل اشاعت مضامین آئندہ شائع ہوں گے۔

"عورتیں زیادہ مکار ہوتی ہیں یا مرد" عنوان پر بہت سے مضمون آئے ہیں ان کا سلسلہ آئندہ اشاعت سے باقاعدہ شروع کیا جائیگا۔

محترمہ رضیہ بیگم جواب لکھیں گی

کچھ عرصہ سے محشر خیال میں "اگر میں ڈکٹیٹر ہوتی" کے عنوان پر ملک کی تعلیم یافتہ اور اصلاح پسند خواتین کے مضامین شائع ہو رہے ہیں لیکن اصلاح کے ٹھیکیدار مردوں کو عورتوں کی یہ بیداری ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ چنانچہ علی گڑھ کے ایک اخبار نے اس عنوان پر کچھ لکھا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور لوگوں نے بھی چند اعتراضات بھیجے ہیں۔ ان تمام مضامین کو محترمہ رضیہ سلطانہ بیگم صاحبہ کے پاس بھیجد یا گیا تھا۔ انہوں نے ان کا جواب لکھا ہے۔ وہ تاخیر سے موصول ہونے کے سبب اس پرچہ میں شائع نہ ہو سکا۔ اگلے پرچہ میں شائع کیا جائیگا انتظار کیجئے۔

محترمہ نور النہار بیگم صاحبہ کی وفات

رسالہ خاتون مشرق دہلی کی معاون مدیرہ محترمہ نور النہار بیگم صاحبہ نے بعارضہ نمونیہ ۲۰ فروری ۱۹۳۹ء کو شہر مرزا پور میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال کیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

مرحومہ فارسی۔ اردو۔ زبان کی ادیبہ تھیں۔ رسالہ خاتون مشرق اور دوسرے رسالوں میں فلسفے اور اخلاقی مضامین لکھا کرتی تھیں۔ ایڈیٹر محشر خیال کو مرحومہ کی وفات پر قلبی صدمہ اور رنج ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ مرحومہ کے والد حضرت مولانا شاہ جنید عالم صاحب عباسی اور ان کے بھائی شاہ نظام الدین عباسی علیگ اور شوہر مسٹر محمود فاروقی کو اللہ تعالیٰ صبر عطا کرے۔ مرحومہ نے مصطفےٰ کمال کی سوانح حیات تصنیف کی تھی۔ جو دفتر محشر خیال سے شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہے۔

مولوی مظہر الدین صاحب ایڈیٹر الامان کا قتل

۱۴ مارچ کو ۱۲ بجے دفتر الامان میں گھس کر دس بارہ آدمیوں کی موجودگی میں دو نوجوانوں نے مولانا مظہر الدین ایڈیٹر الامان و وحدت پر چاقو سے حملہ کیا۔ افسوس ہے مولانا اس حملے سے جانبر نہ ہو سکے اور چند منٹ تڑپ کر جاں بحق ہو گئے قاتلوں کا یہ فعل انتہا درجہ کا کمینہ پن اور کم ظرفی ہے مولانا کے اس دردناک اور وحشیانہ قتل سے ہم کو دلی رنج اور افسوس ہے۔ اور مولانا کے پسماندگان اور دوستوں اور عزیزوں سے دلی ہمدردی ہے۔

قتل کے دوسرے روز الزام قتل میں دو نوجوان گرفتار ہوئے ہیں مقدمہ کی سماعت ابھی شروع نہیں ہوئی۔ ہم اس وحشیانہ قتل کی پرزور مذمت کرتے ہیں۔

اخباروں اور رسالوں کا تعارف

سہ روزہ انصاری دہلی

پایہ تخت دہلی سے تین سال سے برابر ہفتہ میں دوبار شائع ہوتا ہے بڑا سائز۔ دس صفحات۔ لکھائی چھپائی۔ کاغذ اچھا۔ پالیسی نیم کانگریسی مقالات اور رائے میں سنجیدگی اور اعتدال۔ سالانہ چندہ پانچ روپے۔ رعایتی چندہ ساڑھے تین روپے۔ منیجر اخبار انصاری دہلی کو خط لکھ کر نمونہ مفت منگایا جا سکتا ہے۔

ماہانہ پیام نسواں۔ لکھنؤ

ایک مہینہ میں ایک مرتبہ لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے۔ اب تک تین پرچے شائع ہو چکے ہیں۔ خواتین کے لئے یہ رسالہ اچھے اور عمدہ مضامین شائع کرتا ہے۔ کاغذ لکھائی۔ چھپائی عمدہ۔ مع سرورق کے ۲۵ صفحات مسٹر محی الدین قائد بی۔ اے۔ اور محترمہ رابعہ سلطانہ صاحبہ لکھنوی کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ سالانہ چندہ دو روپے۔ منیجر پیام نسواں حلقۂ ادب۔ زنبور خانہ لکھنؤ کو خط لکھ کر نمونہ مفت منگائیے یا خریداری قبول کیجئے۔

ہفتہ وار "جدت" مرادآباد

مرادآباد سے مولانا عمر دراز بیگ کی ادارت میں کئی سال سے شائع ہو رہا ہے۔ چند مہینے سے اس اخبار نے اچھی ترقی کر لی ہے پالیسی مسلم لیگ کی حمایت اور کانگریس کی مخالفت کرنا ہے۔ لیکن بعض دوسرے لیگی اخباروں کی طرح مخش نگاری اور گالیوں سے اخبار کو آلودہ نہیں کیا جاتا۔ بڑا سائز۔ کاغذ اوسط درجہ کا۔ کتابت اور چھپائی بہتر نہیں ہے۔ سالانہ چندہ تین روپے فی پرچہ ایک آنہ۔ منیجر اخبار "جدت" مرادآباد۔ یو۔ پی کو خط لکھ کر نمونہ منگائیے اس اخبار کی لوح پر ایڈیٹر کے نام سے پہلے "مولانا" لکھا ہوا ہے۔ جو کسی طرح مناسب نہیں

سالگرہ نمبر رسالہ خاتون مشرق دہلی

رسالہ خاتون مشرق۔ فہمیدہ خاتون صاحبہ فرحت کی ادارت میں ایک سال سے پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ بیگمات اور شریف خواتین کے لئے یہ رسالہ سب رسالوں سے ارزاں اور مفید ہے اس وقت ہمارے سامنے "سالگرہ نمبر" موجود ہے جو ۱۳۲ صفحات پر شائع کیا گیا ہے۔ قیمت آٹھ آنے سالانہ خریداروں کو مفت۔ رسالہ کا سالانہ چندہ صرف ایک روپیہ۔ منیجر خاتون مشرق دہلی کو خط لکھ کر نمونہ مفت منگائیے۔

انقلابی پارے۔ یا اشتراکی اقوال

۴۰ صفحے کی کتاب۔ لکھائی۔ چھپائی۔ کاغذ عمدہ۔ کتاب کا مقصد نام ہی سے ظاہر ہے۔ مزدوروں۔ اور کم ہمتوں۔ اور بزدل نوجوانوں کے لئے مشاہیر عالم کے اقوال کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے۔ قیمت پانچ آنے فیض بخش صاحب پاس نیم بلڈنگ بٹ شیدی پورہ نیو دہلی سے منگا کر دیکھئے۔

حضرت ماہر القادری صاحب کے ایک سو اشعار

حضرت ماہر القادری ہندوستان کے نوجوان شاعر ہیں۔ آپ کا کلام سچے جذبات اور خیالات کا مکمل نمونہ پیش کرتا ہے۔ ہمارے ملک کے اکثر اخبار و رسائل آپ کے کلام سے مزین نظر آتے ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے آپ کا مختصر مجموعہ کلام موجود ہے اس کا نام ماہر القادری کے سو شعر" رکھا گیا ہے جس میں نوجوان شاعر کے ہزاروں اشعار میں سے صرف ایک سو اشعار منتخب کر کے شائع کئے گئے ہیں چھوٹا سائز لکھائی چھپائی۔ کاغذ بہت عمدہ۔ شروع میں تازہ ترین تصویر مع سرورق کے ۴۴ صفحات قیمت آٹھ آنے دس آنے کے ٹکٹ بھیجکر فرحت مکان ۱۲۶۱ جدید

ملک پہنچے حیدرآباد دکن سے شائقین اصحاب کو یہ رسالہ منگانا چاہئے۔

مسلمان ——— کیا کریں؟

مسلم لیگ میں شریک ہوں یا کانگریس میں۔ انگریزی نظام حکومت کا بار کیسے ہٹایا جائے۔ اقوام ہند مشترکہ جد و جہد کر سکتی ہیں۔ یا نہیں۔ مسلمان من حیث القوم مذہبی بنیادوں پر جنگ آزادی لڑ سکتا ہے یا نہیں۔ کیا مسلمانوں کا مذہب خطرہ میں پڑ جائیگا اسی قسم کے خیالات پر ہندوستان کے مشہور اہل قلم اور اہل نظر اور سیاست داں حضرات نے اپنے اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں تمام مضامین کو کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ ۱۲۸ صفحات۔ رعایتی قیمت چار آنے ایک جلد کے خریدار کو پانچ آنے کے ٹکٹ بھیجکر منیجر محشر خیال۔ دہلی سے یہ کتاب منگانی چاہیئے۔ حامیان مسلم لیگ اور حامیان کانگریس کے خیالات کا یہ کتاب بہت اچھا آئینہ ہے۔ ہر مسلمان کو خریدنا چاہئے۔

افسانہ غم۔ اور سوانح حیات مصطفےٰ کمال

کتاب افسانہ غم میں غدر ۵۷ء کے نہایت ہی درد انگیز اور روح فرسا واقعات اور بہادر شاہ بادشاہ کی گرفتاری اور شہزادوں کے سر کٹنے کے حالات لکھے گئے ہیں۔ اسباب غدر اور آزادی کی رو میں غدر پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب "مصطفےٰ کمال" میں غازی اعظم مصطفےٰ کمال پاشا کی مکمل سوانح حیات۔ پیدائش سے وفات تک تمام واقعات لکھے گئے ہیں زبان نہایت عام فہم اور سلیس ہے۔ ادیبہ ہند محترمہ نور النہار بیگم مرحومہ نے اس کتاب کو تالیف کیا تھا۔

ان دونوں کتابوں کی قیمت آٹھ آنے رکھی گئی ہے۔ ناظرین محشر خیال صرف چار آنے کے ٹکٹ بھیجکر دفتر محشر خیال دہلی سے یہ دونوں کتابیں منگا سکتے ہیں۔ محصول معاف۔

دار المجربات مقام قصبہ چرتھاول

اس سالنامہ میں صفحہ ۱۲۳ پر دار المجربات" کا ایک اشتہار شائع ہوا ہے۔ اس اشتہار کی صداقت پر ہم کو بڑی حد تک اعتماد ہے۔ کیونکہ دار المجربات کے مہتمم صاحب مولانا حافظ اشفاق احمد صاحب انصاری نے سینکڑوں خطوط اہل غرض اور صحت یافتہ حضرات کے ہم کو دکھائے ہیں خطوط کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ دار المجربات کی دواؤں اور عمل سے سینکڑوں لوگوں کو آرام اور فائدہ پہونچا ہے۔ یقین کیا جاتا ہے کہ اس سلسلہ خیر کو مہتمم صاحب باقی اور جاری رکھیں گے پروپرائٹر کو بھی خود ان سے ملنے کا اتفاق ہوا نیک آدمی ہیں۔

مختار دولہن ——— اصلاحی افسانے

مختار دولہن نام کی کتاب دفتر خاتون مشرق دہلی سے صرف نو آنے کے ٹکٹ بھیجکر منگائیے۔ اس کتاب میں مسٹر محمد مرزا خاں ملیحی نے خواتین کے خیالات۔ اور حالات کی اصلاح کیلئے عام فہم زبان میں بہت ہی عمدہ اصلاحی اور اخلاقی افسانے درج کئے ہیں۔ لکھائی چھپائی۔ کاغذ بہت عمدہ۔ ایک سو صفحے سرورق دیدہ زیب۔ رنگین۔ خوبصورت۔

حُر کا پیام — غلام کے نام

(دتا رانبالوی)

(۱)

دیکھی نہیں جاتی تری افتاد نظر سے
دیکھا ہے کبھی تجھ کو تو ناشاد نظر سے
دنیا کو کبھی دیکھ تو آزاد نظر سے
اے بندۂ بیداد مری راہ پہ آجا

(۲)

اے بے خبر عظمت انسان تو کہاں ہے
تذلیل پہ توقیر کا کیوں تجھ کو گماں ہے
صد حیف! خوشامد ہی تری روحِ رواں ہے
اے بزدل و ناشاد مری راہ پہ آجا

(۳)

ہمت ہو تو احساسِ خدمت کا فسوں کیا؟
غیرت ہو تو ادراک کو طاعت کا جنوں کیا؟
بیدار ہو تقدیر تو یہ خوابِ زبوں کیا؟
ہو وہم سے آزاد مری راہ پہ آجا

(۴)

طائر بھی گرفتار ہیں یہ تیرا شرف کیا
حیواں بھی شکار ہیں یہ تیرا شرف کیا
کتے بھی وفادار ہیں یہ تیرا شرف کیا
یہ اصل نہ بنیاد مری راہ پہ آجا

(۵)

غیروں کا وفادار ہے اپنوں کا عدو ہے
رنگینیِ طاعت تری اپنوں کا لہو ہے
منت کشِ اغیار ترا ذوقِ نمو ہے
یہ ہے تری افتاد مری راہ پہ آجا

(۶)

یہ مذہبی بحثوں میں تری تلخ کلامی
یہ نام پہ مذہب کے فسادات دوامی
او ننگِ مذاہب! ترا مذہب ہے غلامی
اے پیکرِ الحاد مری راہ پہ آجا

(۷)

ہیں جن کے وظائف جو مسلط ترے سر پر
ہنگامہ پسندی پہ ذرا ان کی نظر کر
ہر جنگ کے میدان میں یہی ہیں سرِ لشکر
چھوڑ ان کا بجا استاد مری راہ پہ آجا

(۸)

یہ عہد حقوق اور یہ تحفظ کے دلاسے
دھوکا ہے دیا جاتا ہے جو تجھ کو سدا سے
یہ تیرے محافظ نہیں ڈرتے ہیں خدا سے
جلاد ہیں جلاد مری راہ پہ آجا

(۹)

دل رکھتا ہے تو عزم کا اثبات طلب کر
سر رکھتا ہے تو افسرِ رایات طلب کر
انساں ہے تو انساں سے مساوات طلب کر
اے صورتِ فریاد مری راہ پہ آجا

(۱۰)

پابند نہ ہو عزم کی رفعت کو نہ شرما
انسان ہے تو انسان کی فطرت کو نہ شرما
بندہ ہے تو اللہ کی حکمت کو نہ شرما
اے رفعتِ ایجاد مری راہ پہ آجا

(۱۱)

افلاس کی گھنگھور گھٹاؤں سے نکل آ
ادبار کی غم انگیز فضاؤں سے نکل آ
تخریب کی ان تند ہواؤں سے نکل آ
اے بیکس و برباد مری راہ پہ آجا

(۱۲)

آزار کا ہر سانس ہمیں ہے خودی کا
جوہر ہے جو انساں میں تو جوہر ہے خودی کا
انسان! ارے انسان! تو پیکر ہے خودی کا
اے پیکرِ افتاد مری راہ پہ آجا

جواہر ریزے

بعض لوگ سن رسیدہ ہو کر بھی انسان کہلانے کے مستحق نہیں ہوتے

آزمائش کے وقت سچ بولنا ہر کسی کا کام نہیں ہے۔

جو بہتر مشورہ دے وہی بہترین دوست ہے۔

جہالت کا دوسرا نام غلامی ہے۔

انتقام لینے سے دشمنی کی آگ بجھتی نہیں تو کم ضرور ہو جاتی ہے۔

دنیا میں جب تک ایک شخص نہ روئے دوسرے کو ہنسی نصیب نہیں ہو سکتی۔

جب اقبال آتا ہے تو خواہشات عقل کی مطیع ہو جاتی ہیں اور جب ادبار آتا ہے تو عقل خواہشات کی تابع ہو جاتی ہے۔

پہلے تو یہ دنیا ماں کی طرح تھپکتی ہے۔ اور جب سو جائیے تو گلا دباتی ہے۔

سب سے بڑی طاقت دماغ کی طاقت ہے اور سب سے بڑی دولت علم کی دولت ہے۔

بہتر گفتگو وہ ہے جو بالترتیب منظم اور عام فہم ہو

بہتر گفتگو وہ ہے جس سے کانوں کو بجائے نفرت کے رغبت ہو۔

بہتر انسان وہ ہے جو اپنے حلم سے قہر و غضب کو مغلوب کرے اور خود کو غالب۔

بہتر انسان وہ ہے جو اپنی پرہیزگاری سے آرزو و تیز خواہشوں کو مغلوب کرے۔

بہتر انسان وہ ہے جس سے دوسروں کو فائدہ پہونچے

بہتر ادب وہ ہے کہ انسان اپنی حد سے نہ بڑھے۔

بہتر بخشش وہ ہے کہ جو حقوق اپنے ذمہ واجب ہیں ان کو فوراً ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔

بہتر مضمون نگار وہ ہے جو دریا کو کوزہ میں بند کر دے۔

بہتر کریم وہ ہے جو بدی پر بھی نیکی کرے۔

حصول علم بہت سے کرتے ہیں لیکن بہت کم اس کی قیمت ادا کرتے ہیں۔

جو کام جتنی نیک نیتی سے کرو گے اتنا ہی بہتر ہوگا۔

مسجد اور مندر میں عبادت کرنے والو خدا صرف وہیں نہیں ہے بلکہ غریبوں کی جھونپڑی میں بھی ہے۔

دنیا میں بڑا آدمی بننے کے لئے ہمت اور استقلال کی ضرورت ہے۔

شرکت کانگریس

جمعیۃ علمائے ہند کے نقطۂ نگاہ سے

مارچ کے اول ہفتہ میں دہلی کے اندر لال قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان وسیع میدان میں جمعیۃ علمائے ہند کا سالانہ اجلاس زیر صدارت مولانا عبدالحق مدنی منعقد ہوا۔ جمعیۃ علماء کا یہ سالانہ اجلاس مشہور جلاوطن مولانا عبید اللہ سندھی کی صدارت میں ہونا قرار پایا تھا۔ چونکہ مولانا وقت مقررہ پر شریک جلسہ نہ ہو سکے اس لئے عارضی صدر مولانا عبدالحق کو بنایا گیا۔ جمعیۃ علماء کا یہ اجلاس چار روز تک ہوتا رہا۔ ہر اجلاس میں حاضرین کی تعداد دس ہزار سے چالیس پینتالیس ہزار تک ہوتی رہی۔ اگرچہ داخلہ ٹکٹ کے ذریعہ تھا۔ لیکن مسلمانوں کی کثیر تعداد پہونچنے کی وجہ سے اکثر دفعہ ٹکٹ ختم ہو گئے تو مجبوراً بغیر ٹکٹ کے داخلہ کیا گیا۔

مجلس استقبالیہ کے صدر ڈاکٹر انصاری مرحوم کے صاحبزادے اور جانشین ڈاکٹر شوکت اللہ انصاری بنائے گئے تھے جس کی وجہ سے جلسے کی اہمیت ایک حد تک زیادہ ہو گئی۔ ہندوستان کے مختلف صوبوں سے اور برما۔ عدن۔ بلوچستان۔ اور آزاد سرحد کے تقریباً ایک ہزار نمائندے شریک ہوئے مہمانوں کے قیام اور طعام کا اعلیٰ انتظام تھا۔

دار العلوم دیوبند کے ایک ہزار نوجوان طلبہ انقلابی جھنڈا لئے کر دیوبند سے دہلی آئے اور اجلاس میں شریک ہوئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی۔ اور مولانا محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند بھی شریک اجلاس ہوئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے دو مرتبہ تقریر کی۔ مولوی انور صابری کی انقلابی نظموں نے کافی جوش پیدا کیا۔ بہر حال ہماری امیدوں کے خلاف اجلاس بہت کامیاب رہا۔

دہلی کے مسلمانوں نے دل کھول کر مہمانوں کی اعلیٰ پیمانہ پر دعوتیں کیں۔ اور اجلاس کے لئے بڑی بڑی رقمیں دیں۔ کافی بحث و مباحثہ اور غور و فکر کے بعد جمعیۃ علمائے ہند کے اجلاس میں مندرجہ ذیل تجاویز پاس کی گئیں۔

کیا جمعیۃ علمائے ہند کے اراکین جو دوسروں کو بے عمل۔ بزدل کہا کرتے ہیں۔ ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اور کامیاب کرانے کے لئے میدان میں نکلیں گے یا حجروں اور مدرسوں میں بیٹھ کر صرف دعا۔ اور نمائندہ ہی اکتفا کریں گے۔

سر دست جمعیۃ علماء کے سامنے فلسطین سے پورہ اور آزادی بلوچستان کا پروگرام ہونا چاہیئے۔ اور عملی اقدام کے لئے میدان میں آجانا چاہیئے۔ (ادارہ)

آزادی اور حقوق کی جنگ

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس شریعت حقہ کی روشنی میں اور اس ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے جو اس پر خدائے عز و جل اور سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس امانت اور قوم و وطن کی حفاظت کے فریضہ کی طرف سے عائد ہوتی ہے۔ مسلمانان ہند کی بصیرت کے لئے حسب ذیل حقائق کا اظہار و اعلان کرتا ہے:۔

(۱) مسلمان کی فطرت میں آزادی کی اور محبت اور مخلوق کی غلامی سے نفرت قدرت نے ودیعت رکھی ہے۔ راسخ العقیدہ مسلمان آزادی حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی جد و جہد کرنے کے لئے آمادہ اور جانی و مالی قربانیاں پیش کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔

(۲) جمعیۃ علماء ہند کا یوم تاسیس سے نصب العین یہی رہا ہے

کہ ہندوستان برطانوی امپیریلزم کے تسلط اور اقتدار سے نجات پائے۔

(۳) تمام عقلاء اور رہنمایان ہندوستان کے نزدیک یہ مسئلہ مسلم رہا ہے کہ ہندوستان کو انگریزی اقتدار سے نکلنے اور کامل آزادی حاصل کرنے کے لئے تمام اقوام ہند کی مشترکہ اور متحدہ جدوجہد ضروری ہے جب تک برطانوی امپیریلزم کے خلاف تمام اقوام ہند مشترکہ محاذ پیش نہ کریں اور جنگ آزادی میں دوش بدوش کام نہ کریں بظاہر اسباب ہندوستان کی نجات ناممکن ہے۔

(۴) جمعیۃ علماء ہند نے اسی نظریہ کے ماتحت گزشتہ دور میں ہندوستان کی مشترکہ جماعت انڈین نیشنل کانگریس سے جنگ آزادی میں اپنی مستقل حیثیت برقرار رکھتے ہوئے اشتراک عمل کیا اور اپنی دیرینہ مجاہدانہ روایات کو سرفروشانہ اقدام کے ذریعہ سے ثابت بلکہ روشن کر دیا۔

(۵) اگرچہ بدقسمتی سے یہ جد وجہد منتہائے مقصد (آزادی کامل) تک پہونچانے سے قبل درمیان میں رک گئی اور برطانوی امپیریلزم نے اپنی عیارانہ حکمت عملی سے ہندوستان کے سامنے "گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ" کی صورت میں حکومت ہند کا دستور جدید پیش کر دیا۔ اس جدید دستور کے وضع کرنے میں چند ہندوستانی بھی شریک کئے گئے جس میں خلافت کمیٹی اور مسلم لیگ کے ارکان بھی تھے مسلم ارکان نے دستور کو جمہوری اصول پر تشکیل کرنے سے اختلاف نہیں کیا۔ اور اپنی طرف سے کوئی ایسا مطالبہ پیش نہیں کیا جس میں مسلم حکومت یا اس کی جداگانہ تشکیل ہو۔

(۶) کانگریس اور اس کے ساتھ مسلم لیگ اور خلافت کمیٹی اور دیگر مسلمانوں نے اس ناقص اور غیر اطمینان بخش دستور کو چلانے اور اس کے ماتحت کام کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ کانگریسی اور غیر کانگریسی سب اسی دستور جدید کے ماتحت کام کر رہے ہیں اسمبلیوں میں سب شریک ہیں۔ اور اجتماعی قوت سے حکومت کی مشنری کو چلا رہے ہیں۔

(۷) اگرچہ دستور جدید نافذ ہو گیا۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ وہ ہندوستان کے اصل مطالبہ "آزادی کامل" کو پورا نہیں کرتا۔ اور اس کے ذریعہ سے ملے ہوئے اختیارات اتنے کمزور اور ناقابل اعتبار ہیں کہ ہر وقت دستور کے فیل ہونے اور حکومت ٹوٹ جانے کا خطرہ ہے۔

(۸) اس التوائے جنگ اور تعمیری زمانہ میں مسلمانوں کے سامنے یہ اہم مسئلہ ہے کہ مسلمان انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کریں یا نہیں؟ جمعیۃ علماء اس مسئلہ پر پورے بحث ومباحثہ اور غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہونچی ہے کہ جب کہ مسلمان اس دستور جدید کے جمہوری اصول اور مشترکہ ذمہ داری کو عملاً تسلیم کر چکے اور اس کے ماتحت اسمبلیوں اور کونسلوں میں باوجود اپنی قلت اور غیر مسلم ارکان کی اکثریت کے شریک ہوئے ہیں اور حکومت کی مشینری کو باہمی اشتراک عمل سے چلا رہے ہیں تو اسلامی اصول اور عقل وبصیرت کی روشنی میں یہ اجلاس مسلمانان ہند سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ہر شہر اور دیہات میں کانگریس کے باضابطہ ممبر بنیں اور کانگریس کمیٹیوں میں شریک ہوکر عملی کارروائیوں میں حصہ لیں اور اس پر قبضہ کریں۔ کیونکہ ملک کی آزادی اور ملت اسلامیہ کے قومی اور مذہبی حقوق کے حاصل کرنے اور ان کے تحفظ (دستوری طریق سے) کا یہی راستہ ہے

(۹) لیکن جمعیۃ العلماء نے کسی وقت اپنی مستقل حیثیت کو فنا نہیں کیا۔ اس نے گزشتہ جنگ کے دور میں کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل تو کیا اور اس کی مبارک اور مشکور مساعی سے مسلمانوں کی قربانیاں ان کی آبادی کے لحاظ سے بہت زیادہ ہیں تاہم اس نے یہ تمام کام اپنے پلیٹ فارم سے کئے اور آئندہ بھی وہ اپنی مستقل حیثیت برقرار رکھنے کی پالیسی پر قائم ہے۔

(۱۰) جمعیۃ علماء پر مخالفین کا نہایت غلط الزام بلکہ افتراء ہے کہ اس نے ہر موقعہ پر ہر جا وبےجا کانگریس کی حمایت کی ہے یا اس کی ہر بات کو تسلیم کر لیا ہے۔ جمعیۃ علماء کا یہ دعویٰ ہے جس کے دستاویزی ثبوت اس کے ریکارڈ اور اخبارات کے کالموں میں موجود ہیں کہ جمعیۃ نے ہر موقعہ پر کانگریس کی ان تجاویز اور اعمال پر سخت نکتہ چینی کی ہے جن کو مسلم مفاد کے خلاف پایا۔ نہرو رپورٹ پر تنقید وتبصرہ اور کانگریس کے مجوزہ ہندو مسلم تصفیہ کے فارمولا سے اختلاف اور جدید فارمولا کی تشکیل وترتیب جمعیۃ نے کی یہ سب باتیں کانگریس کے فائلوں میں موجود ہوں گی کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں دی جا سکتی کہ جمعیۃ نے کسی ایسی بات کو تسلیم کر لیا ہو۔ یا سراہا ہو جس کو مسلمانوں کے مفاد کے خلاف یقین کیا جا سکتا ہو۔

(۱۱) جمعیۃ تمام مسلمانوں کو بتا دینا چاہتی ہے کہ وہ اپنے اصل مطالبہ آزادی کامل کی تحصیل سے غافل نہیں ہے اور ان مسلمانوں سے جو کانگریس میں شریک ہوں مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اسلام کے احکام کی پوری طرح پابندی کرتے ہوئے حکومت کی ہر اس تحریک کی شدت سے مخالفت کریں جس سے آزادی کامل کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ یا جس کا اثر ملت اسلامیہ یا اسلام کے خلاف ہو۔

(۱۲) جمعیۃ یہ اعلان کرتی ہے کہ موجودہ وطنی حکومت کی طرف سے مسلمانوں کی مذہبی اور قومی ضروریات کو پامال کرنے یا بے اعتنائی کی صورت میں جمعیۃ علمائے ہند مقابلہ اور جنگ کی موثر تدابیر کام میں لائے گی۔ اور تدارک نہ کئے جانے کی صورت میں جمعیۃ علماء ہی پہلی جماعت ہوگی جو

وطنی حکومت کے خلاف محاذ جنگ قائم کرکے ہر قسم کی قربانیاں پیش کرنے سے دریغ نہ کرے گی۔

(۳) جمعیۃ علماء ہند کے نزدیک اقوام ہند کا اتحاد و اتفاق صرف اس معنیٰ میں ضروری ہے کہ برطانوی امپیریلزم کے خلاف تمام ہندوستانیوں کی وضع اور تہذیب ایک ہو جائے۔ مسلمان اپنی تہذیب اسلامی عقائد اور اسلامی اعمال اسلامی وضع سے سرمو ہٹنا گوارا نہیں کر سکتا۔ نہ وہ کسی غیر اسلامی تہذیب کو قبول کر سکتا ہے۔

(۴) جمعیۃ علماء ہند تمام مسلمانان ہند کو بتا دینا چاہتی ہے کہ مستقبل میں اسلام کو ہولناک خطرات سے محفوظ رکھنے کی یہی سبیل ہے کہ وہ جمعیۃ علماء کو مضبوط اور مستحکم بنائیں اور اس کی ہدایت پر عمل کریں۔ کیونکہ ناموس اسلام کے محافظ بھی نائبان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ودیا مندر اسکیم

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس ودیا مندر اسکیم کے متعلق ظاہر کرتا ہے کہ حکومت سی۔ پی کا اس نام کے باقی رکھنے پر اصرار درست نہیں اور مسلمانوں کو بیت العلم یا مدینۃ العلم نام رکھنے کی اجازت دینے سے وہ سوال حل نہیں ہوتا جمعیۃ کا خیال یہ ہے کہ حکومت کے زیر انتظام جو ٹرسٹ تعلیم کے لئے قائم ہو اس کے نام کو بھی فرقہ دارانہ امتیاز یا اس کے شائبہ سے پاک ہونا چاہئے۔

اڑیسہ میں کانگریسی وزیر

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس اڑیسہ کی کانگریسی حکومت کے اس طرز عمل کو کہ اس نے کیبنٹ میں کسی مسلمان کو نہیں لیا اور سی۔ پی گورنمنٹ کے اس تغافل کو کہ اس نے مسٹر شریف کی جگہ اب تک دوسرا مسلمان وزیر مقرر نہیں کیا سخت افسوس کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور ان دونوں حکومتوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے اس افسوسناک تغافل اور تساہل کا جلد از جلد تدارک کر کے مسلمانوں کو مطمئن کریں۔

حادثۂ فاجعہ جے پور

جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس نے اپنے نمائندوں کی رپورٹ پر غور کیا جمعیۃ علماء کو یقین ہے کہ اس حادثہ کی ذمہ داری پولیس کے غیر منصفانہ رویہ پر عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ اجلاس ریاست جے پور سے مطالبہ کرتا ہے کہ ایک غیر جانبدار آزاد کمیشن کے ذریعہ سے واقعہ کی تحقیقات کرائی جائے اور جن عہدہ داروں اور افسروں پر اس ظالمانہ خونریزی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے ان کو سنگین اور عبرت آموز سزا دی جائے اور مجروحین کو معاوضے اور مقتولین کے پسماندگان کے گزارے کی سبیل کی جائے قیدیوں کو بلا شرط رہا کر دیا جائے اور جامع مسجد کے دروازے کی توسیع میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔

یہ اجلاس ان جماعتوں کے بعض افراد کے رویہ پر جنہوں نے حکام جے پور سے ساز باز کرکے اس حادثہ فاجعہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی یا کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے خون کو ضائع کر رہے ہیں۔ سخت ملامت اور نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے مفاد کے دشمن اور امن و امان کے لئے ان کا رویہ بے حد خطرناک ہے۔ ان لوگوں کا پیشہ یہی ہے۔

نیز یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ اگر ریاست جے پور نے جلد از جلد ان مطالبات کو پورا نہ کیا تو جمعیۃ عملی کارروائی کرنے پر مجبور ہو گی۔

وفاق ہند

ہندوستانی اداروں اور مفکروں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ مجوزہ فیڈریشن کو جو بجبر مسلط کیا جانے والا ہے کسی حال میں بھی قبول نہ کریں اور اس کے استرداد کے لئے متحدہ محاذ قائم کرکے برطانوی امپیریلزم کی استعماری دست برد کو ناکام کر دیں اور اس کے لئے ہر قسم کی قربانیاں پیش کرنے کے لئے تیار رہیں۔ خواہ سر تن کی بازی لگانی پڑے۔

ہندوستانی زبان

کانگریس نے ہندوستانی زبان کی جو تعریف اپنی دستاویزات میں کی ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستانی زبان وہ ہے جو شمالی ہند میں عام طور سے بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس تعریف کے بموجب ہندوستانی زبان اور اردو زبان کا مطلب ایک ہو جاتا ہے مگر ہم بعض کانگریسیوں اور کانگریسی حکومتوں کے ذمہ دار افراد کا رویہ اس تعریف کے خلاف پاتے ہیں وہ قصداً موقع بے موقع سنسکرت کے ایسے نامانوس الفاظ استعمال کرتے ہیں جو شمالی ہند میں تو درکنار دوسرے صوبوں میں بھی نہیں چلتے اور جن کو سمجھنے سے یہی عام لوگ قاصر رہتے ہیں۔ اس رویہ سے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کانگریسی حکومتیں نامحسوس طریقہ پر یہ کوشش کر رہی ہیں کہ ہندوستانی زبان کو سنسکرت کے قالب میں ڈھال دیں اور خود اپنا متعین کیا ہوا ہندوستانی زبان کا مفہوم بدل دیں

پر ردیہ یقیناً قابل افسوس ہے اور اس سے ہندوستان میں باہمی کشمکش بڑھنے اور مسلمانوں کو کانگریس سے بدظن کرنے کا پورا پورا احتمال ہے۔

فرقہ وارانہ فسادات

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس ملک کے آئے دن فرقہ وارانہ فسادات کو سخت خطرے اور نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے اور افسوس کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہے کہ متعلقہ حکومتیں ان فسادات کو روکنے اور ان کے اسباب کا قلع قمع کرنے میں بڑی حد تک ناکام رہی ہیں یہ اجلاس تمام صوبجاتی حکومتوں سے مطالبہ اور تمام محبان وطن سے اپیل کرتا ہے کہ وہ وطن کو ان فرقہ وارانہ فسادات کی لعنت سے چھڑانے کے لئے موثر اقدام کریں تاکہ ان فسادات کی بدولت ان کی غلامی کی زنجیریں زیادہ مستحکم نہ ہوتی رہیں۔ اور ملک کو امن و اطمینان کی زندگی بسر کرنے اور ترقی کرنے کا موقع ملے۔

حج لائن اور مغل لائن

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس گورنمنٹ ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ حج لائن میں مغل کمپنی اور سندھیا کمپنی کے درمیان مقابلے کی جنگ کو ختم کرنے کے لئے کوئی قانونی اقدام کرے اس کی وجہ سے غریب حجاج کمی کرایہ کی امید پر بندرگاہوں میں چلے جاتے ہیں اور پھر مغل لائن میدان خالی پاکر کرایہ بڑھا دیتی ہے اور یہ غریب مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ سندھیا کمپنی ہندوستانی ہے اور مغل لائن کے سرمایہ کا بڑا حصہ انگلستان کا ہے یہ انگلش سرمایہ ہندوستانی تجارت کو شکست دینا چاہتا ہے جیسا کہ اب تک کئی کمپنیوں کو ختم کر چکی ہے جس کا نتیجہ حجاج کی سخت تکالیف کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ گورنمنٹ ہند کا فرض ہے کہ وہ ہندوستانی تجارت کی حفاظت اور حجاج کے آرام و آسائش کے لحاظ سے اس مقابلے کی جنگ کو ختم کردے۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس مسلمانوں کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ سندھیا کمپنی کے زیادہ سے زیادہ شیئرز خریدیں۔ اور حاجیوں کو بھی مشورہ دیں کہ وہ سندھیا کمپنی کے جہازوں میں حتی الامکان سفر کریں کہ وہ آرام دہ اور ضروریات سفر کے متکفل ہیں۔

- - - - - - - - - - - - - - - -

فلسطین آزاد ہونا چاہئے

جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس کے سامنے فلسطین کے وفد کی رپورٹ کا ماحصل پیش ہوا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ موتمر قاہرہ نے جو تجاویز پاس کی تھیں جمعیۃ کے نمائندوں نے ان سے اتفاق کیا تھا۔

یہ اجلاس ان تجاویز کی مزید تصدیق و توثیق کرتا ہے اور قرار دیتا ہے کہ اگر فلسطین کانفرنس لندن ناکامیاب ہوگئی یعنی عربوں کے مطالبے منظور نہ کئے گئے اور ان کو مطمئن نہ کیا گیا تو ہندوستان کے مسلمان برطانیہ کی مجوزہ اسکیم کو ہرگز منظور نہ کریں گے۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس برطانیہ کی طرف سے اس تشدد اور آتش باری اور دار و گیر کی تمام کاروائی کی جو فلسطین میں جاری ہے سخت مذمت کرتا ہے۔ اور اس کو انسانیت کے خلاف سمجھتا ہے۔

جمعیۃ علماء ہند تمام مسلمانان ہند سے توقع رکھتی ہے کہ وہ بالحاظ فرقہ و مسلک اس مسئلہ میں متفق ہو کر فلسطین کی حفاظت کے لئے مجلس تحفظ فلسطین کی ہدایات کے ماتحت ہر قسم کی قربانیاں پیش کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء

جمعیۃ مرکزیہ کا یہ جلسہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے متعلق صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ چونکہ یہ دستور ہمارے نصب العین آزادی کامل کے خلاف ہے۔ اور اس میں ہندوستان کے مطالبات خصوصاً اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کا خیال نہیں رکھا گیا۔ بلکہ برٹش امپیریلزم کے استحکام و دوام کی لائنوں پر مرتب کیا گیا ہے جمعیۃ کی قطعی رائے ہے کہ یہ دستور ناقابل قبول ہے اور اس کے ساتھ عارضی و جزوی تعاون کرنے کے باوجود ہر ہندوستانی کا مطمح نظر ہر وقت آزادی کامل کا حصول رہنا چاہئے۔ یہ یقینی ہے کہ ہندوستان کی مشترکہ قومی حکومت کے لئے کوئی دستور اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک ہندوستان کی تمام قومیں اسے خود نہ بنائیں اور منظور و قبول نہ کریں۔

سعودی حکومت میں مہاجرین پر ٹیکس

سلطان ابن سعود کی حکومت نے مکہ معظمہ کے رہنے والے مہاجرین پر ایک ٹیکس مقرر کیا ہے جس کی مقدار سالانہ مبلغ عـ۱۲/ روپیہ سے زائد ہے۔

جمعیۃ علمار ہند کا یہ اجلاس حکومت سعودیہ کے اس فعل کو ناجائز اور جابرانہ دست درد تصور کرتے ہوئے افسوس کا اظہار کرتا ہے اور حکومت سعودیہ سے پرزور اپیل کرتاہے کہ وہ اس ٹیکس کو جلد از جلد منسوخ کرکے دنیائے اسلام کو مطمئن کرے۔

سیاسی نظربندوں کی رہائی

مجلس مرکزیہ جمعیۃ علمار ہند کا یہ اجلاس بعض صوبجاتی حکومتوں کے طرزعمل کو کہ انہوں نے سیاسی شاہی نظربندوں کو اب تک رہا نہیں کیا ہے اور ان میں سے بعض نے دہلی جیل میں بھوک ہڑتال کر رکھی ہے اور ان کی صحت بلکہ زندگی خطرے میں ہے سخت نفرت سے دیکھتاہے اور ان حکومتوں سے مطالبہ کرتاہے کہ ان نظربندوں کو جلد از جلد رہا کر دے۔

غیرکانگریسی صوبوں میں مسلم حقوق

جمعیۃ علمار کے علم میں وہ شکایات بھی لائی گئی ہیں جو غیر کانگریسی حکومتوں اور ان کی وزارتوں کی طرف سے مسلمانوں پر کی ہیں جن کا مفاد یا تو مسلم حقوق سے تغافل یا اتلاف حقوق ہے۔ جمعیۃ علمار ان حکومتوں کے وزرار اعظم سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ ایک غیر سرکاری تحقیقاتی کمیٹی جس میں جمعیۃ کے نمائندے بھی شریک کئے جائیں مقرر کریں اور بعد تحقیقات اس کمیٹی کے نزدیک جو شکایات صحیح ثابت ہوں ان کے تدارک کے لئے وزارتیں عملی اقدام کریں۔

ریاست ہائے ہند

یہ جلسہ ریاست ہائے ہند میں رعایا کی طرف سے شہری آزادی کے حقوق کے مطالبہ کی تائید کرتاہے اور والیان ریاست سے مطالبہ کرتاہے کہ وہ استبدادی حکومت کے موجودہ طریقہ کو چھوڑ کر ذمہ دارانہ نظام حکومت قائم کرنے میں عجلت سے کام لیں اور اس طرح ایک طرف اپنی حکومت کے قائم رہنے اور دوسری طرف امن وامان اور خوشحالی و ترقی کے دروازے اپنی رعایا کیلئے کھولنے کی جانب فراخدلی سے اقدام کریں۔

حیدرآباد ایجی ٹیشن

مجلس مرکزیہ جمعیۃ علمار ہند کا یہ جلسہ اس ایجی ٹیشن کو جو فرقہ وارانہ لائنوں پر ہندو مہاسبھا اور آریہ سماج کی طرف سے ریاست حیدرآباد میں کیا جارہاہے نفرت کی نظر سے دیکھتاہے بیرون ریاست کے مہاسبھائی اور آریہ سماجوں کی سرگرمیاں اس کی دلیل ہیں کہ یہ رعایا کی حقوق طلبی کے مقابلے کی حد سے گزر گیاہے اور خالص فرقہ وارانہ حیثیت میں جاری ہے اس قسم کا ایجی ٹیشن ملک کے امن کو تباہ کرنے والا اور آئندہ مہلک خطرات پیدا کرنے کا پیش خیمہ ہے۔

آسام لائن سسٹم

جمعیۃ علمار ہند کا یہ اجلاس آسام گورنمنٹ سے مطالبہ کرتاہے کہ آسام لائن سسٹم کو منسوخ کردیا جائے کیونکہ وہ کانگریس کے فنڈ منٹل رائٹس کی دفعہ ۱۳ کے خلاف ہے اور مسلم حقوق کی پامالی پر مشتمل ہے یہ جلسہ کانگریس کی آل انڈیا ورکنگ کمیٹی کی سابقہ کارروائی سے مطمئن نہیں ہے کہ وہ صورت بھی بنیادی حقوق کی دفعہ ۱۳ کے منشار کو پورا نہیں کرتی۔

یہ جلسہ اس سسٹم کی منسوخی کو ہی اس ناانصافی کا اصل حل سمجھتا ہے اور اسی کا آل انڈیا ورکنگ کمیٹی سے مطالبہ کرتا ہے۔

علوم مشرقی کی درسگاہیں

جمعیۃ علمار کا یہ اجلاس صوبجاتی حکومتوں سے مطالبہ کرتاہے کہ وہ مشرقی علوم کی مستند درسگاہوں مثلاً دارالعلوم دیوبند ندوۃ العلمار لکھنؤ۔ جامعہ اور دیگر مستند مدارس کی متوسط اور اعلیٰ سندات کو وہی حیثیت دے جو مشرقی علوم کے سرکاری ادارں کی سندات کو حاصل ہے۔ یعنی حکومت کے وظائف عہدوں اور ملازمتوں میں ان سندات کا اعتبار کیا جائے۔

وزیرستان اور فارورڈ پالیسی

جمعیۃ علمار ہند کا یہ جلسہ حکومت ہند کے اس جنگی اقدام کو جو وزیرستان کے خلاف اس نے جاری کر رکھاہے نفرت کی نظر سے دیکھتاہے جمعیۃ نے حکومت کی فارورڈ پالیسی کی ہمیشہ مذمت کی ہے اور اب بھی پوری قوت سے وہ مذمت کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں حکومت کی طرف سے سامان خوراک وغیرہ پر جو وزیرستان کے شہری باہر سے جاتے تھے بندش عائد کرکے تمام شہریوں کو ر

عورتوں۔ بچوں کو بھی فاقہ کشی کی مصیبت میں مبتلا کر دینے کی ظالمانہ کارروائی پر سخت نفرت و ملامت کا اظہار کرتاہے یہ جلسہ حکومت سے پرزور مطالبہ کرتاہے کہ اس بندش کو فوراً اٹھالے اور وزیرستان کے خلاف جنگی مہم کو قطعاً بند کر دے اور شمالی ہند کے اس تمام علاقے کو نیپال و بھوٹان کے علاقوں کی طرح آزاد و خود مختار تسلیم کر لیا جائے

مسلمانوں کی حق تلفی

ہندوستان کی صنعت و حرفت کی ترقی و حفاظت کی غرض سے انڈین نیشنل کانگریس کے صدر نے گزشتہ دسمبر میں ایک کمیٹی بنائی ہے اس کمیٹی میں مسلمان ماہرین صنعت و حرفت میں سے ایک شخص کو بھی شریک نہیں کیا گیا جو بظاہر مسلمانوں کے حقوق کو نظر انداز کرنے کے مرادف ہے۔ جمعیۃ علمار اس پر افسوس کا اظہار کرتی ہے اور اگر اس کی تلافی نہ کی گئی تو اس امر کے اعلان کرنے پر مجبور ہوگی کہ اس معاملہ میں عموماً مسلمانوں کی حق تلفی کی گئی اور کی جارہی ہے۔

کانگریس اور ہندو تہذیب

چونکہ انڈین نیشنل کانگریس اقوام ہند کی مشترکہ سیاسی انجمن ہے اس لئے جمعیۃ علمار ہند کا یہ اجلاس ذمہ داران کانگریس کو توجہ دلاتا ہے کہ کانگریس کے اجلاس اور جلسوں کی سجاوٹ اور کارروائیوں اور پروگرام اور تمام کاغذات کو ایسی چیزوں سے پاک و صاف رکھے جو کسی خاص مذہبی فرقہ کی مخصوص تہذیب کو ظاہر کرتی ہوں یا کسی خاص ملت کی مذہبی حسیات اور جذبات کو ٹھیس لگنے کا اندیشہ ہو۔

صوبہ بلوچستان

جمعیۃ علمار ہند کا یہ اجلاس حکومت کی اس پالیسی کو جو صوبہ بلوچستان کی تقسیم کے سلسلہ میں اختیار کئے ہوئے ہے سخت تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور حکومت سے مطالبہ کرتاہے کہ وہ صوبہ کی موجودہ تقسیم کو دور کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ صوبہ کو اپنی حدود کے اندر بحالہ باقی رکھکر اس میں دوسرے صوبجات کی طرح دستوری حکومت جاری کرے ورنہ باشندگان بلوچستان کے اندر سخت بے چینی اور اضطراب پیدا ہوگا اور اس کے نتائج بد کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔ جمعیۃ علمائے ہند بلوچستان کی آزادی کے لئے جدوجہد کرے گی۔

. . . .

واردھا اسکیم

جمعیۃ علمار کا یہ اجلاس واردھا تعلیمی اسکیم کے متعلق سب کمیٹی کی اکثریت کی رپورٹ کو منظور کرتاہے اور اسکیم میں کمیٹی کی رائے کے موافق اصلاح و ترمیم کو ضروری سمجھتاہے اور قرار دیتاہے کہ مسلمانوں کے لئے کوئی تعلیمی اسکیم اس وقت تک منظور نہیں کی جاسکتی جب تک وہ نقائص مذکورہ سے صاف نہ ہو اور جمعیۃ علمار اس کی تصدیق نہ کردے۔

لینن

لینن سیاست میں فنا ہو گیا تھا۔ اس کی زندگی ہر پہلو سے سیاسی تھی اسی وجہ سے اس کی سرگزشت اور روسی انقلاب کی تاریخ ایک دوسرے میں ایسی گھلی ملی ہیں کہ جدا نہیں ہو سکتیں۔ تاریخ میں کوئی شخص نہیں جس کی زندگی کا ماحصل اس کی طرح۔ خالص ایک کام ہو گیا وجہ تھی کہ لینن کے سیاسی ساتھی اس کے دوش بدوش نہیں چل سکے اس کو بالشویک پارٹی کے ایک لیڈر نے یوں حل کیا ہے "کون اس کی طرح ۲۴ گھنٹے انقلاب کی دھن میں ڈوبا رہے گا اس کے دماغ میں انقلاب کے سوا کسی چیز کا گزر ہی نہیں۔ سوتا بھی ہے تو انقلاب ہی کے خواب دیکھتا رہتا ہے۔" ظاہر ہے کہ بات نوبار بڑھا کر کہی گئی ہے۔ لیکن بے جا نہیں بڑھائی گئی ہے۔ لینن کی نجی زندگی اور میل جول پر زیادہ زور دینے سے اس کی تصویر پر جذبات کا جھوٹا رنگ چڑھ جائے گا۔ حیرت تو یہ ہے کہ گورکی کا ایسا ہوشیار مصنف بھی اس جگہ چوک گیا۔ لینن کی سچی آدمیت تو اس کے انقلابی کارناموں میں آکر کھلتی ہے۔

اس بات کی ایک مثال اس کی ازدواجی زندگی ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ وہ انقلابی کام کرنے کے لئے ساتھ ہو گئے۔ نادزدا کانسٹنٹینوناکرپسکایا سے ملاقات اس طرح ہوئی کہ وہ بھی اسی پارٹی کی ممبر تھی۔ جب ۱۸۹۵ء میں لینن کو قید ہو گئی تو باہر والوں سے خفیہ مراسلات رکھنے کیلئے دونوں نے منگنی کر لی (اس طرح کرپسکایا اپنے منگیتر سے ملنے کے بہانے یہ خدمت انجام دیتی رہی) لینن کی موت تک اس کی بیوی اس کی مددگار رہی اس نے اس کے اخبار اسکرا کے سکرٹری کا کام انجام دیا۔ انقلابیوں اور روس سے بھاگے ہوئے لوگوں میں پوشیدہ مراسلات کا انتظام اسی کے ہاتھوں میں تھا۔

لینن کا قد چھوٹا تھا۔ بال کالے، سرخی لئے ہوئے تھے۔ جوانی ہی سے چاندیر کے بال گر چکے تھے۔ ناک۔ نقشہ روس کلاں کے باشندوں کا ایسا تھا جس میں تاتاری جھلک تھی اس کی آنکھوں کی چمک سے ذہانت اور فطنت ٹپکتا تھا، جو کوئی بھی لینن سے ملا، اس کی آنکھوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ باتیں کرنے میں اس کی زبان سے "ر" صاف ادا نہیں ہوتی تھی۔ اس کی وضع قطع بالکل معمولی اور بھدی تھی۔ دو مختلف انشاء پرداز جو اس سے پیٹرز برگ میں ۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۶ء میں ملے ان کی نگاہوں میں وہ معمولی دوکاندار اور منیم سے زیادہ نہ جچا۔

عادات و اطوار میں وہ عام روسی تعلیم یافتہ لوگوں سے بالکل الگ تھلگ تھا۔ رہنے سہنے کا ڈھنگ پڑھے لکھے مزدوروں کا ایسا تھا جب لندن سے اسکرا نکال رہا ہے تو بہت سے مضمون نگاروں کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ ارکان ادارت کے کمروں میں اور ان کمروں میں جس میں لینن اپنی بیوی اور ساس سمیت رہتا تھا۔ زمین آسمان کا فرق ہے۔ ادارے کے کمرے درہم برہم پڑے رہا کرتے تھے جب پیٹرز برگ کا مزدور بابوشکن پارٹی کے کام سے لندن آیا اور ان کمروں میں ٹھہرا تو پھر اس نے ان سب چیزوں کو سلیقہ سے رکھا۔ اس کا قول ہے کہ "روسی تعلیم یافتہ لوگوں کے گھر ہمیشہ گندے رہتے ہیں۔ ان میں انتظام کا سلیقہ نہیں ہوتا۔ اگر سلیقہ مند نوکر مل گئے تو وہ چیزیں رکھ اٹھا دیتے ہیں اس کے برخلاف لینن چاہے جہاں رہے۔ اس کی تمام چیزیں اور کتابیں سلسلہ سے چنی رہتی تھیں باورچیخانہ تک صاف رہتا تھا۔ یہی سلسلہ اور ترتیب اس کے ...... روزانہ کے کاموں میں تھا۔ ہر کام بہت پابندی سے کرتا۔ اور جب تک انقلاب کی نت نئی مصروفیتوں کا بوجھ نہیں آپڑا دن بھر کی تکان ورزش سے ضرور دور کر لیا کرتا تھا۔

پہلے اخبار کی ایڈیٹری کا اور بعد کو مرکزی کمیٹی کے رکن ہونے کا تھوڑا سا معاوضہ ملتا تھا۔ اسی پر زندگی کا بڑا حصہ بسر ہوا۔ پیرس کے کمیون نے یہ رسم قائم کر دی تھی کہ دماغی محنت اور جسمانی محنت کا معاوضہ ایک ہونا چاہیے۔ لینن نے سختی سے اس اصول پر عمل کیا چنانچہ مرکزی کمیٹی کے ممبروں کو وہی ملتا تھا جو مطبع کے کمپوزیٹروں کو لینن کو جو ملتا تھا وہ بہت تھوڑا تھا۔ مگر اتنا نہیں کہ فاقوں کی نوبت

کرپسکایا کہتی ہے کہ" ایسا وقت کبھی نہیں پڑا کہ ہمارے پاس کھانے کو نہ ہو۔ ہماری زندگی غریبانہ ضرور تھی زندگی کا لطف کیا محبوب کھانے اور عیش و عشرت ہی میں دھرا ہے۔ ولادی میر کو زندگی کا لطف اٹھانا آتا تھا" جب حکومت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ آئی اُس وقت بھی اس اصول کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ اور حکومت کے افسروں کی تنخواہ ماہر کاریگروں سے نہیں بڑھنے پائی۔ اس وقت بھی اس کی زندگی کم خرچ اور سادہ رہی صرف ایک تفریح اپنے لئے جائز رکھی وہ یہ کہ کچھ دنوں کے لئے دیہات چلا جایا کرتا۔ یا کبھی کبھار شکار کو نکل جاتا۔

آسائش کی طرف کبھی نہیں جھکا۔ شراب کبھی نہیں پی۔ ایک زمانے میں گوشت ہی چھوڑ دیا تھا۔ لیکن یہ پرہیز صحت کی خاطر تھا نہ کہ پرہیزگاری کے لئے۔ پرہیزگاری کا وہ مذاق اڑاتا تھا۔ اس بات کا ضرور قائل تھا کہ انسان کو اپنی خواہشات پر قابو رکھنا چاہیئے مگر زہد اور نفس کشی سے اس کو قطعی نفرت تھی۔ میل جول میں رواداری سے کام لیتا۔ اپنے ساتھیوں کے نجی معاملات میں اگر دخل دیتا تو صرف اتنا کہ فضول باتوں میں وقت نہ ضائع کرو اور تندرستی کے لئے ورزش کرتے رہو۔

اسے کھلی ہوا میں اور دیہات میں رہنا بھاتا تھا۔ اس لئے سائبیریا کی جلا وطنی کا زمانہ آسانی سے کٹ گیا۔ شکار کا بڑا شوقین تھا ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۸ء تک اس کو شکار کا موقع نہیں ہاتھ لگا۔ مگر جب حکومت کا افسر ہوا تو تھکے ماندے دماغ کو آرام دینے کا اس کے پاس صرف ایک ذریعہ تھا وہ یہ کہ ماسکو کے دیہاتوں میں شکار کو نکل جاتا۔ صرف بیکاری سے وہ فکروں کو نہیں بھلا سکتا تھا۔ بلکہ دھیان بٹانے کے لئے کسی شغل کی ضرورت پڑتی تھی۔

پہلے جب پردیس میں تھا تو جب چھٹی ملتی دیہاتوں اور کھلے میدانوں میں گھوما کرتا۔ پیرس میں بائیسکل پر گھومتا نکل جاتا۔ سوئزرلینڈ اور گلیشیان کے میدانوں میں پیدل چلا جاتا۔ اور اپنے سے کمزور ساتھیوں کو زبردستی اکثر ان کی مرضی کے خلاف ساتھ کھینچ لے جاتا۔

تمام تعلیم یافتہ روسیوں اور لینن میں ایک فرق یہ بھی تھا کہ اس کو فضول بحثوں سے چڑھ تھی وہ سمجھتا تھا کہ بحث اس لئے ہونا چاہیئے کہ آدمی کسی نتیجہ پر پہونچے۔ نہ کہ صرف وقت گزاری کے لئے۔ اس لئے ضرورتاً ہی بحث کرتا۔ اس کے ساتھی اکثر لمبی لمبی فضول بحثوں میں رات گنوا دیتے۔ مگر یہ ان میں کبھی حصہ نہیں لیتا۔ ہاں ایسے مباحثوں میں کہ جہاں مقصد صاف اور عیاں ہوتا بہت خوشی سے شریک ہوتا تھا۔

لینن کو جیسی فضول بحثوں سے چڑھ تھی ویسی ہی کسی کے نجی معاملات میں دخل دینے اور نکتہ چینی کرنے سے۔ جس کا تعلیم یافتہ لوگوں کو بہت شوق تھا۔ وہ آدمی کو خوب پرکھ لیتا تھا اور لگاؤ بھی پیدا ہو جاتا تھا مگر میل جول میں اپنے کو لئے دئے رہتا تھا۔ سائبیریا اور بیرونجات میں جو انقلابی رہتے تھے ان کا یہ خاص مشغلہ تھا کہ ہر ایک کے نجی معاملات کی کرید کرتے اور ہر ایک کے افعال کو اخلاقیات کی کسوٹی پر پرکھتے۔ لینن کو ان کا یہ طرز عمل سخت ناپسند تھا وہ اس کو فضول چیز سمجھتا تھا۔ ایک بار کسی نے اس کے سامنے کہہ دیا کہ فلاں آدمی بڑا خراب ہے تو اس نے تیکھے ہو کر پوچھا ذرا یہ تو بتایئے کہ آپ کے نزدیک اچھے آدمی کی تعریف کیا ہے" اس چڑھ کی خاص وجہ یہ تھی کہ اس کے دل میں دوسروں کی عزت اور دوسروں کے احساسات کا خیال بہت تھا۔

لینن کی دوستی ذاتی جذبات کی بنا پر نہیں بلکہ سیاسی جذبات کے سلسلے میں قائم ہوا کرتی تھی مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ سیاسی تعلقات ختم ہوتے ہی انسیت رخصت ہو جاتی تھی۔ کرپسکایا کہتی ہے:۔

لینن جب کسی دوست سے سیاسی اختلاف کی وجہ سے الگ ہو جاتا تو اسے اتنی کوفت ہوتی جس کا بیان نہیں مجھے خوب یاد ہے کہ جب دوسری کانگرس میں یہ واضح ہو گیا کہ اگر لاؤ زا سو تیچ اور مارٹوف سے الگ ہونا ہی پڑے گا تو لادی میر کی کیا حالت ہو گئی۔ ہم دونوں کی پوری رات بیٹھے بیٹھے سردی سے کانپتے کٹ گئی۔ اس کے دل میں انسیت اتنی نہ ہوتی تو شاید اور جیتا" بستر مرگ پر لینن نے اپنے پرانے ساتھی اور مخالف مارٹوف کو یاد کیا جو خود بھی قریب مرگ تھا۔ لینن کے الفاظ میں ایک طرح کا درد تھا۔ لینن نوجوان بالشویکوں میں وہ ناچارسکی کو بہت چاہتا تھا۔ لیکن جب اس کی "خدا پرستی" کی تبلیغ مارکسی اصولوں سے گزر گئی تو لینن نے بلا تامل قطع تعلق کر لیا لیکن برتاؤ کی سختی صرف ذمہ دار سیاسی لیڈروں تک تھی، مزدور کسان سپاہی اور پارٹی کے دوسرے ممبروں سے ہمیشہ رواداری سے کام لیتا اس کا پکا عقیدہ تھا کہ کبھی نہ کبھی ان لوگوں کی فطرت صحیح راستہ پر ضرور لے آئے گی۔

منشویک اور لور ژوا دشمن لینن پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس میں حکومت کی طلب بہت تھی۔ جو چیز گمان پیدا کرتی ہے وہ اس کا انقلاب سے عشق ہے۔ اس احساس کا کہ اس تحریک کو جس کامیابی سے میں چلا سکتا ہوں دوسرا نہیں چلا سکتا۔ اس خیال میں حق بجانب تھا۔ اس کو تجربہ نے سکھا دیا تھا کہ جس راہ میں جا رہا ہوں وہی ٹھیک ہے۔ اور مخالفت کرنے والے یا تو بھٹک گئے ہیں یا خود غرض ہیں۔ وہ

زیادہ دور بیں تھا اس لئے سب سے پہلے نتیجہ پر پہونچ جاتا۔ باقی ساتھی گھوم پھر کر اسی نتیجہ پر پہونچتے۔

لینن نے مجبوراً اپنے اختیارات سے پوری طرح کام لیا۔ کیونکہ اپنی برتر ذہانت کی وجہ سے وہ معاملہ کی تہہ تک پہونچ جاتا جہاں اس کے ساتھیوں کی رسائی نہیں تھی۔ ان اختیارات سے اس نے نہ تو اپنا کسی قسم کا بھلا چاہا اور نہ اپنی شان و دولت بڑھانے کی خواہش کی درحقیقت خود پرستی اسے چھو نہیں گئی تھی۔ یہ کہنا بھی فضول ہے کہ اس میں انانیت نہیں تھی۔ اس نے نہ تو کبھی اپنی ذاتی خوبیوں اور برائیوں پر غور کیا، اور نہ کبھی "آپ بیتی" لکھنے کا ارادہ کیا۔ اپنے ماضی کو اسی حد تک یاد کرتا جس حد تک آئندہ کاموں میں ضرورت پڑتی یا پھر انقلاب کی عام پالیسی کے بنانے کے لئے اپنے حل کئے ہوئے پچھلے سیاسی مسائل کو یاد کرتا تھا۔

لینن میں تمکنت نام کو نہ تھی اور نہ خود رائی اور وہ رکھ رکھاؤ تھا جو بڑوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اس بات میں وہ پلے خانوف کا بالکل برعکس تھا۔ پلے خانوف نوجوانوں سے ناگوار سوالوں کے جواب میں یہ کہہ دیا کرتا تھا کہ "جب تمہارے ابا اور اماں سے منگنی ہو رہی تھی میں اس وقت سوشلسٹ ہو چکا تھا۔ لاتعداد سوانح نگاروں نے وہ اثر لکھا ہے۔ جو لینن کی پہلی ملاقات نے ان کے دل پر کیا اور سب نے ایک سی بات لکھی ہے ملنے سے پہلے پارٹی کے افسر کا بڑا رعب اور دبدبہ رہتا۔ مگر باریابی ہونے پر خلاف امید ایک بھدی وضع قطع کا انقلاب پرست نظر آتا۔ جو چند ہی فقروں پر اپنی بے تکلفی، ہمدردی، اور قابل اعتبار ہونے کا سکہ دل پر بٹھا دیتا۔ دکھاوے اور ظاہری ٹیپ ٹاپ سے اسے سخت نفرت تھی۔

ایسے وضع کے پکے انقلابی کے دل میں ان چیزوں کی کیا قدر ہو سکتی ہے "جسے تمدن" کی برکتیں کہا جاتا ہے۔ مارکسی کی حیثیت سے اس کا خیال تھا کہ یہ "برکتیں" ایسے تمدن کی ضمنی پیداوار ہیں جس کو صرف ایک طبقہ تیار کرتا ہے۔ اور یہ "برکتیں" اسی طبقہ کی ترجمانی کرتی ہیں۔ ماضی و حال کی تمام تمدنی "برکتیں" دستبرد کرنے والے طبقہ کے قائم کئے ہوئے تمدن کی پیداوار ہیں۔ یہ چیزیں اسی حد تک محفوظ رکھنے کے قابل ہیں جس حد تک مستقبل کے بادشاہ اور بے طبقہ بند سماج کے ضرورت کی ہوں۔ خواہ مخواہ ان کو مٹانے کی بھی حاجت نہیں۔ مگر ان میں فی نفسہ کوئی خوبی نہیں۔ تہذیب کی برکتوں کی پرستش کا وہ بالکل روادار نہ تھا۔ جب کریملن

کے مینار کو بالشویک توپوں سے کچھ نقصان پہونچا اور اس پر نوجوان ادیب لوناچارسکی نے آگ بگولا ہو کر کمیساری سے استعفا دے دیا تو لینن نے اس حرکت کو بہت ذلیل نگاہوں سے دیکھا۔ کہاں پرولتاری کی فتح چاہے وہ معمولی جگہ پر ہو، اور کہاں پرانے شہروں کی بربادی چاہے وہ نیست و نابود ہی ہو جائیں۔

مہاجنی دور کی پیدا کردہ سائنس صنعت و حرفت کی بہت قدر کرتا تھا اور برابر کہا کرتا تھا کہ جب تک طبقہ برخوار کی ان برکتوں سے پورا فائدہ نہ اٹھایا جائے سوشلزم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

بندۂ مزدور

(از علامہ اقبالؒ)

بندۂ مزدور کو جا کر میرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیامِ کائنات

اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دارِ حیلہ جو
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات

دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات

"ساحرالموط" نے تجھ کو دیا برگِ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخِ نبات

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
"خواجگی" نے خوب چن چنکر بنائے مسکرات

کٹ مرا ناداں خیالی دیوتاؤں کیلئے
سُکر کی لذت میں تو لٹوا گیا نقدِ حیات

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

ہمتِ عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنچہ ساں غافل ترے دامن میں شبنم کب تلک

نغمۂ بیداریٔ جمہور ہے سامانِ عیش
قصہ خواب آور اسکندر و جم کب تلک

آفتابِ تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہوا
آسماں! ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک

توڑ ڈالیں فطرتِ انساں نے زنجیریں تمام
دوریٔ جنت سے روئے چشمِ آدم کب تلک

باغبانِ چارہ فرما سے یہ کہتی ہے بہار
زخمِ گل کیواسطے تدبیرِ مرہم کب تلک

کرمکِ ناداں طوافِ شمع سے آزاد ہو
اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

مطبوعہ (ماخوذ)

یورپین سیاح عہد شاہجہان میں

شاہان مغلیہ کے عہد میں جو متعدد یورپین سیاح ہندوستان میں آئے ان میں عہد شاہجہانی کے سیاح پیٹر منڈی کا نام بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس نے نہ صرف ہندوستان بلکہ جاپان کی بھی سیاحت کی تھی، اور چونکہ قوت مشاہدہ غیر معمولی طور پر تیز تھی اس لئے اس نے اپنے سفر کے جو حالات قلمبند کئے ہیں وہ مورخوں کی نگاہ میں بیش قیمت ہیں۔

پیٹر منڈی کارنوال کا باشندہ تھا اور اس کی تاریخ پیدائش ۱۵۹۷ء ہے۔ اس وقت سلطنت ہندوستان کی عظمت و اقتدار کا شہرہ ساحل انگلستان تک پہنچ چکا تھا۔ اور چند سال پیشتر انگلستان کی ملکہ ازابتھ ہسپانوی آرمیڈا کی یورش سے گھبرا کر عاجزانہ خطوط کے ذریعہ "لارڈز لاینڈیم ہیامٹ اکیبار شاہ کبیبہ" (جلال الدین محمد اکبر شہنشاہ ہندوستان) سے امداد طلب کر چکی تھی۔ اگرچہ اس وقت سلاطین ہند کی نگاہ میں برطانیہ عظمیٰ کی اہمیت ماہی گیروں کے چند چھوٹے چھوٹے منتشر جزیروں سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن انگریزوں کے دلوں پر دربار مغلیہ کی عظمت کا گہرا نقش مرتسم ہو چکا تھا اور ہر اولوالعزم نوجوان یہ چاہتا تھا کہ وہ کسی قیمت پر بھی "دنیا کے سب سے زیادہ شاندار" دربار کو ایک مرتبہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ چنانچہ بیس سال کی عمر میں پیٹر منڈی کو بھی یہ شوق دامنگیر ہوا اور چونکہ پرتگالیوں کے تعلقات ہندوستان سے قائم ہو چکے تھے۔ اور ان کے جہاز برابر ہندوستان آتے جاتے رہتے تھے اس لئے وہ اپنے وطن سے بھاگ کر پرتگال پہنچ گیا۔ لیکن اس کی امید پوری نہ ہوئی۔ یہاں اسے ملازمت ملی ضرور لیکن ایک ایسے جہاز میں جو قسطنطنیہ جانے والا تھا۔ قسطنطنیہ پہنچکر جو اس نے ترک سلاطین کی شان و شوکت دیکھی تو متحیر رہ گیا اور اس نے سمجھ لیا کہ شاہان مغلیہ کا دربار ان سے زیادہ پرشکوہ نہ ہوگا۔ اس طرح اس کے دل سے سیاحت ہند کا شوق زائل ہو گیا اور وہ چھ سات سال کی جہاں گردی کے بعد اپنے وطن پہنچ گیا اس زمانہ میں کئی یورپین سیاح ہندوستان جا چکے تھے۔ ان کے بیان کردہ واقعات پراسرار کہانیوں کی طرح انگلستان میں بچے بچے کی زبان پر تھے پیٹر منڈی کو سیاحت ہند کا پھر شوق ہوا اور اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک جہاز میں ملازمت کر لی۔

پیٹر منڈی ۱۶۲۸ء میں اس وقت سورت پہنچا جب کہ جہانگیر کی شمع حیات گل ہو چکی تھی اور شاہجہاں سریرآرائے حکومت تھا۔ پیٹر نے سات برس تک سورت سے آگرہ اور آگرہ سے پٹنہ تک سیاحت کی ۱۶۳۴ء میں وہ انگلستان واپس چلا گیا۔ لیکن ہندوستان کی دلفریبیوں نے اس قدر مسحور کر لیا تھا کہ وہ دوسرے ہی سال پھر آ گیا اور یہیں سے سر ولیم کورٹین کے بیڑے کے ساتھ جاپان کی سیاحت کے لئے روانہ ہوا۔

پیٹر منڈی جب پہلی مرتبہ آگرہ پہنچا ہے تو شاہجہان دکن میں تھا اس نے سیاحت گجرات کا ذکر کرتے ہوئے ۱۶۳۰ء کے مشہور تاریخی قحط کا ہولناک مرقع حسب ذیل الفاظ میں کھینچا ہے:۔

"لوگوں کی حالت دیکھ کر رونا آتا تھا ان کے پاس کھانے کو کچھ بھی نہ تھا۔ ہر طرف درخت لنڈ منڈ سے نظر آتے تھے لوگ ان کی پتیاں تک کھا گئے تھے۔ قدم قدم پر قحط کے ماروں کی لاشیں ملتی تھیں۔ لوگ اپنے بچوں کو چند پیسوں میں فروخت کر دیتے تھے۔ جب ہم قندبار پہنچے تو ہمیں اپنے خیمے نصب کرنے کے لئے کوئی جگہ ایسی نہ ملتی تھی جس کے گرد لاشیں نہ ہوں۔ لاشوں کی بدبو کا تو ہمیں چنداں خیال نہ تھا کیونکہ یہ ہمارے دماغ میں بس گئی تھی۔ لیکن لاشوں کا نظارہ ہمارے لئے ہیبت ناک تھا۔ بہت کچھ تلاش و جستجو کے بعد ہم نے ایک مقابلتاً صاف جگہ تلاش کر کے اپنے خیمے لگائے تھوڑی دیر بعد ہمیں لاشوں کے سڑنے کی سخت بدبو محسوس ہوئی

ہم نے باہر نکل کر چاروں طرف دیکھا قریب میں کوئی لاش نہ تھی۔ لیکن ناقابل برداشت بدبو برابر آرہی تھی۔ ہم نے میدان میں حیرت سے ادہر ادہر دیکھا آخر میں ہمیں ایک گڑھا نظر آیا جس میں اوپر تلے چالیس پچاس لاشیں پڑی ہوئی سڑ رہی تھیں۔ یہ نظارہ اس قدر بھیانک تھا کہ ہم اپنے خیمے اکھیڑ کر راتوں رات وہاں سے چلے۔

گجرات کے دوسرے مقامات پر اسی قسم کے ہولناک نظارے دیکھتا ہوا پیٹر منڈی راجپوتانہ پہنچتا ہے۔ اور سرونج کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

زمین کی شادابی دیکھ کر حیرت ہوئی تھی جس طرف آنکھ اٹھ جاتی تھی غلے کے لہلہاتے کھیت نظر آتے تھے۔ گجرات میں یہ حال ہے کہ لوگوں کو کھانے کیلئے درختوں کی پتیاں بھی نہیں ملتیں لیکن سرونج میں حیران ہوں کہ اس قدر غلہ کھانے والے کہاں سے آئیں گے مجھے معلوم ہوا کہ یہ غلہ شاہی لشکریوں کے لئے بہرام پور دبرہان پور) جائے گا۔"

پیٹر منڈی گجرات اور راجپوتانہ کی سیاحت کرتا ہوا۔ آگرہ پہنچا لیکن یہاں وہ چند روز بھی قیام نہ کرنے پایا تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اسے ایک تجارتی مقصد کے لئے پٹنہ جانے کا حکم دیا۔ پیٹر میڈی کو پٹنہ جانے سے سخت اختلاف تھا اسے یقین تھا کہ وہاں جانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا لیکن اپنے مالکوں کے حکم سے مجبور ہوکر پٹنہ روانہ ہوگیا۔ اور جیسی کہ اسے پہلے ہی امید تھی اس کا سفر ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے بالکل بیکار ثابت ہوا۔ اسی دوران میں سورت کی کونسل نے اپنی غلطی کا حیرت انگیز اعتراف کیا کہ کلرک نے پیٹر منڈی کے نام حکمنامہ میں غلطی سے بجائے سمانو کے پٹنہ کا نام لکھدیا۔ اور سمانو آگرہ سے قریب ہی ایک مقام کا نام تھا۔

۱۶۳۲ء میں جب پیٹر منڈی دوبارہ آگرہ آیا تو شاہجہاں دکن سے واپس آگیا تھا۔ اس نے بہت پرشکوہ الفاظ میں تفصیل کے ساتھ شہر میں شاہجہاں کے داخلہ کا حال لکھا ہے وہ لکھتا ہے:۔

"میں نے دنیا میں کسی بادشاہ کی سواری کا جلوس اس قدر شاندار نہیں دیکھا۔ یورپ کے بڑے بڑے بادشاہ شان و شوکت میں ہندوستان کے بادشاہ کے معمولی سرداروں تک کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ ہاتھیوں کا جلوس ان کی طلائی اور نقرئی عماریاں۔ ہاتھیوں کی پیشانیوں پر جگمگاتے جواہرات اور ان کی زرنگار جھولیں میں یہ پرشکوہ نظارہ تمام عمر فراموش نہیں کرسکتا ہندو (ہندوستانیوں) کے بادشاہ کے چوبداروں کی وردیاں فرانس اور ہسپانیہ کے معزز ترین سپہ سالاروں کی وردیوں سے زیادہ قیمتی اور شاندار تھیں، شاہجہاں بادشاہ کی پگڑی میں ایک ہیرا ایسا لگا تھا کہ یورپ کا کوئی بڑا شہنشاہ اس کی قیمت اپنے ایک سال کے محاصل سے بھی ادا نہیں کرسکتا۔ ہندو (ہندوستانی) تو زیادہ تر کالے اور سانولے رنگ کے ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا بادشاہ بہت گورا ہے۔"

اسی طرح پیٹر منڈی آگرہ میں بقرعید کی شان و شوکت کا ذکر بہت موثر الفاظ میں کرتا ہے جسے پڑھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے اور زبان سے نکلتا ہے کہ ہم کیا تھے اور کیا ہوگئے! اس زمانہ میں ملکہ ممتاز محل کا انتقال ہوچکا تھا اور شاہجہاں اس کے عدیم النظیر مقبرہ کی تعمیر میں مصروف تھا۔ اس کا ذکر پیٹر منڈی حسب ذیل الفاظ میں کرتا ہے:۔

"ہندوؤں کا بادشاہ ان دنوں اپنی ملکہ تاگا محل (تاج محل) کا مقبرہ بنوا رہا ہے۔ بادشاہ کو اس ملکہ سے بہت محبت تھی اس سے بادشاہ کے نو دس بچے پیدا ہوئے اور اس کی محبت کا اندازہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ تاگا محل (تاج محل) کی زندگی میں بادشاہ نے دوسری شادی نہیں کی۔ ایسی حالت میں جبکہ بادشاہ کو اس قسم کی آزادی حاصل ہے اس کا یہ طرز عمل بہت حیرت انگیز ہے"

شاہجہاں اور ممتاز محل کی طویل داستان محبت بیان کر کے پیٹر منڈی تاج محل کی تعمیر کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

"تاگا محل کے مقبرہ کی تعمیر شروع ہوگئی ہے۔ اس پر بے دریغ روپیہ صرف کیا جارہا ہے۔ ہزاروں مزدور کام کر رہے ہیں سونا اور چاندی معمولی دھات کی طرح اور قیمتی سنگ مرمر معمولی پتھر کی طرح استعمال کیا جارہا ہے۔"

اس سلسلہ میں ایک یہ بات بہت قابل ذکر ہے کہ یورپین انشا پرداز دنیا کی بہترین عمارت تاج محل کی تعمیر کا سہرا یورپین معماروں اور دستکاروں کے سر باندھتے ہیں۔ پیٹر منڈی ہندوستان میں چند یورپین دستکاروں کی موجودگی کا ذکر ضرور کرتا ہے لیکن تاج محل کی تعمیر کے متعلق جزوی تفصیلات بیان کرنے کے باوجود انکا عمارت کی تعمیر سے کوئی تعلق ظاہر نہیں کرتا۔ یورپین ادعا کی تردید کا یہ

صبحِ انقلاب

قدامت کی اندھیری رات کا پچھلا پہر آیا
تماشا گاہِ عالم میں نیا منظر نظر آیا
وہ شخصیت کے تارے جھلملائے اور تھرّائے
ندامت کے پجاری کانپ اٹھے اور گھبرائے
نویدِ شادمانی قاصدِ تقدیر لے آیا
وہ پو پھٹنے لگی فرہادِ جوئے شیر لے آیا
غریبی لے کے کروٹ خاک کے بستر سے اٹھی ہے
حرارت پا گئی ہے گرم مزدوروں کی مٹھی ہے
وہ سرمایہ پرستی کا اندھیرا نور سے بدلا
خزانوں کا مقدر قسمت مزدور سے بدلا

شعاعوں سے سحر کی شاہزادی کا شباب اُبھرا
وہ مشرق کے افق پر آفتاب انقلاب اُبھرا

صبائے نرم رو نے باغ عالم پر فسوں پھونکا
فضائے نو بہ نو نے بزم آدم پر فسوں پھونکا
ریاکاری کے دفتر دُھل گئے انوار تازہ سے
دماغ آدمیت بھر گیا افکار تازہ سے
اُدھر ترک و طلب کی چپقلش میں اعتدال آیا
ادھر حزن و طرب کی کشمکش میں اعتدال آیا
امیری مطمئن ہے دست خلق آزار سمٹا ہے
غریبی خوش ہے دام درہم و دنیا سمٹا ہے
نہ اب وہ معدۂ دولت کو سوءِ ہضم کا کھٹکا
نہ دے گی شکم مفلس کو کبھی فاقہ کشی جھٹکا
نگاہِ حرص میں موتی جو ہیں تو اشک غم کے ہیں
جو آنسو تھے غریبی کے وہ گوہر بنکے چمکے ہیں
زری کا شامیانہ خواب ہے اب خوش نصیبی کا
نہ کوئی سایۂ دیوار محرم ہے غریبی کا
نہ دولت کی فراوانی پریشانی کا باعث ہے
نہ وہ ارزانیٔ افلاس حیرانی کا باعث ہے

دماغ ناشکیب اچھا کہ قلب مطمئن اچھا
بتا اے چشم بینا، رات اچھی تھی کہ دن اچھا

وقار۔ انبالوی

مذاحیہ افسانہ

اسرار بیخودی

مسٹر عطار اللہ خاں حفیظی میرٹھی

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

"بے خودی"—— بظاہر اپنی معنویت کے لحاظ سے دقیق ہے نہ عمیق مگر اس کا اطلاق نہایت عریض و طویل ہے—"بے خودی" "خود فراموشی" یا "گردونواح فراموشی" تینوں مرادفات ہیں مگر "بے خودی" کی جو مختلف کیفیتیں اور پُرتنوع حالتیں ہیں وہ عجیب و غریب ہوتی ہیں——

اوّل قسم کی "بے خودی" ہے—جسے "شاہانہ بے خودی" کہہ سکتے ہیں اُسے اُس حالت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جو "حدیقۃ التہاق" یا "معاشرۃ الشعراء" پر طاری رہتی ہے یا کسی خاص وقت ہوجاتی ہے یہاں بے خودی کا مطلب ہوگا—— ایک لطیف، پُرامن، خاموش وجدانی کیفیت جس سے ہلکا۔ ہلکا۔ کیف و سرور حاصل ہوتا ہے۔ انتہائی لطیف بے خودی وہ ہوگی جو محض "اُن کی خمار پاش آنکھوں" یا "چشم نیم باز میں مستی ہے"—— کے تصور یا دیکھنے سے طاری ہوجائے۔ اسی کیفیت کو یوں ادا کیا جاتا ہے ؎

بے پیئے بے خودی سی رہتی ہے
یہ تصور ہے چشم ساقی کا

حقیقتاً اگر دُنیا میں معصوم ترین اور انتہائی سادہ مزاج طبقہ کوئی ہوسکتا ہے تو شعراء یعنی عشاق کا۔ کس قدر بھولے قانع اور علم المعیشت کے اصولوں پر کاربند—— ہر وقت "بے پیئے" "بے خودی" سی رہتی ہے۔ "چشم ساقی" "گویا" "بوئے مے" ہے۔ اس معصومیت پر ہزار مرتبہ صدقہ اور لاکھ بار قربان جایئے۔ مگر اس معصومیت کے ساتھ بعض کشادہ ظرف بھی ہیں جو محض تصوری اور وقتی بے خودی پر اکتفا نہیں کرسکتے۔ چنانچہ غالبؔ نے ترنگ میں آکر کہہ دیا "اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے"!

دوسری قسم کی "بے خودی" میں وہ "مجمع" ہے جسے "رند مشرب" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اُن کے یہاں قسم اعلیٰ و ادنیٰ کا امتیاز نہیں ہوتا۔ غرض صرف مے کشی سے ہوتی ہے، جیسی بی۔ پی۔ بی۔ بس دنیا کا خطرناک ترین اگر کوئی گروہ ہوسکتا ہے تو یہ اور صرف یہ۔ اُن کی بے خودی—— نہایت شاندار۔ پُرہنگام اور کثیف ہوتی ہے اور اُس کے تحت میں، جیسی بھی وحشیانہ اور رکیک الحرکاتی کے مرتکب ہوں کم ہے۔ چنانچہ اگر اس قسم کی مخدوش بے خودی کا مظاہرہ علانیہ کیا جائے تو "بے خود صاحب" "میونسپلٹی کے کسی تنگ نالے میں نظر آتے ہیں۔ یا در میکدہ پر "سیکشن صاحب" کی مخمور تقریر سنی جاتی ہے جس پر بچوں کے تبصرے "شرابی ہے" "اُتھر" کا نشہ چڑھ رہا ہے لطف میں اضافہ کردیتے ہیں۔ اس منظر میں اپنے پورے جسم کو ایک خاص ارتعاش دیتے ہوئے۔ جس میں پیروں کا لڑکھڑانا، کمر کا انتہائی نزاکت و سرعت کے ساتھ لچکانا، گردن کو جنبش، سر کو گردش، سرخ آنکھوں کا تیور بدلنا اور پھر ہاتھ مٹکا کے کہنا—— "نہیں۔ خدا۔ کی۔ قسم تھوڑی سی۔ پی ہے" اور یہ کہتے ہوئے کچھ اس طرح جھک جانا کہ نیم رکوعی شکل پیدا ہوجائے۔ سب ہی کچھ شامل ہے۔

خدا مجھے اور آپ کو اس قسم کی بے خودی سے محفوظ رکھے۔

بے خودی کی حالت میں ہر شخص کچھ اس قسم کی حرکات و سکنات کا مرتکب ہوتا ہے۔ کہ اگر بحالت شعوری کسی دوسرے کو اسی حالت میں دیکھے تو بے اختیار قہقہہ لگائے۔ مگر "حقیقی بے خودی" اسی کا نام ہے کہ اپنے گردوپیش سے بے نیاز ہوکر جو چاہے سو کر بیٹھے۔ اور اُس کی یہ حرکت قابل معافی اور تضحیک کی دست برد سے محفوظ—" وجہ" فطرت انسانی ہے جو مختلف جذبات کے تحت میں ہوتا ہے۔!

بادشاہ جارج پنجم (آنجہانی) کی نقری جوبلی کا جشن تھا۔ دہلی کا، گھنٹہ گھر اور اُس کے بالمقابل میونسپلٹی کی رفیع عمارت چراغاں سے بقعہ نور بنی ہوئی تھی، عمارت کے اندر "عورتوں کا مینا بازار" لگا ہوا تھا۔ نوزائیدہ بچہ سے لے کر قبر میں پیر لٹکائے ہوئی ضعیفہ تک دہلی کی پوری نسوانی دنیا اس کوزہ میں بند ہونے کی کوشش کر رہی

تھی۔ ہم دونوں کو اندر جانے کی ممانعت تھی۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ ایک انبوہ کثیر باہر ہی سے لطف اندوز ہونے کے لئے آہنی سلاخوں کے قریب جمع ہو گیا۔ میں تنہا تھا اور ایک ساتھی، ایک معقول رفیق، کی تلاش میں تھا کچھ اُمید کی جھلک نظر آئی، میں خوش تھا، اسی مجمع میں ایک مذکر انسانی پیکر پر نظر پڑی، فوراً قریب گیا۔ دو قدم کے فاصلہ پر اُن کے مطالعہ کے لئے بیٹھ گیا۔

نوعمر تھے۔ چھریرا بدن، صبیح رنگ، جمیل صورت، شیروانی اور اس کے ساتھ، ضروری چیزیں زیب تن تھیں کوئی وجہ نہ تھی کہ میرا مطلق فیصلہ اُن کے طالب علم ہونے میں غلط ثابت ہوتا۔ بیشک طالب علم تھے۔!

میری بے باک مجالست پسند طبیعت کی شوخی ملاحظہ ہو میں کسی قسم کے تعارف بغیر انہیں اپنا دوست سمجھ چکا تھا یا بنا چکا تھا۔ میں ابھی اسی مسئلہ کو حل کرنے میں مشغول تھا کہ کس طرح انہیں خطاب کروں کیونکہ وہ اس جاذب نظر منظر کو دیکھنے میں محو تھے اور اپنی جگہ ایک مستعد سپاہی کی طرح قائم۔ اُن کی پشت میری طرف تھی۔ کہ عجیب نظارہ میری آنکھوں نے دیکھا۔

میرے بیٹھنے والے دوست کا نصف زیریں حصہ یعنی کمر سے پیروں تک ایک مخصوص انداز میں "لرزاں" تھا، میں سراسیمہ سا ہو گیا افسوس! بصد جستجو ایک ساتھی ملا تھا۔ مگر اُس کے نصف جسمانی حصہ کا توازن ٹھیک نہ تھا، وہ متحرک تھا۔ رقصاں تھا۔ بے چین۔ بیقرار و مضطرب تھا۔ میں سمجھا مفلوج ہے (خدا نخواستہ)۔ میرے دل میں ہمدردی کی لہر دوڑ گئی۔ میں فوراً اپنے سوالات کی طویل بوچھار سے انہیں شاید حواس باختہ کر دیتا۔ مگر وہ غریب پہلے سے حواس باختہ ــــ بے خودی کا شکار تھا" سامنے تو آرسے کے پاس انگریزی باجوں" کی مدہوش کن آوازیں کل فضا پر محیط ہو چکی تھیں۔ ہر شخص بقدر مذاق مست و متوالا بن رہا تھا۔ مگر میرا دوست نہایت ذکی الحس تھا۔ باجوں کی آواز نے اُس کو بے خود کر دیا، وہ اپنے ماحول سے بے نیاز ہو چکا تھا اور اُن سُریلے نغمات کی داد، اپنی کمر کی آزادانہ اور ٹانگوں کی باترتیب جنبش سے دے رہا تھا۔ میں اُس کی حالت سمجھ چکا تھا۔ اور اب اس کے واسطے میرے پاس احترام تھا وہ فطری بیخودی کا حظ حاصل کر چکا تھا۔ میں نے اُس کے کان کے قریب اپنا منھ لیجا کر ایک فربہ اور تند قہقہہ لگایا تھا جیسے خواب سے بیدار ہو گیا ہو۔ وہ سمجھ چکا تھا اور رفع خجالت کے طور پر مجھ سے بے ساختہ کہا۔ "کیوں! آپنے

یہ آتش بازی دیکھی۔" میں نے کہا۔ بے شک ایک آنکھ سے۔"

اب اُنہیں مجھ سے ہمدردی تھی۔ یقیناً میری بدشکل پر دو آنکھیں تھیں۔ میں ایک آنکھ سے دیکھ رہا تھا اور دوسری آنکھ؟ بصیرت سے محروم تھی؟ نہیں! عارضۂ آشوب چشم میں مبتلا تھی؟ ہرگز نہیں!! کچھ پیدائشی نقص تھا!! خدا نہ کرے!!! پھر ــــــ اُن کی انتہائی پریشانی دور کرنے کے واسطے میں نے کہا۔ ایک آنکھ ہنگامۂ آتش بازی میں محو تھی اور دوسری آپ کی بے خودی اور رقص کے دیکھنے میں معروف تھی، میں نے ایک اور قہقہہ لگایا۔ وہ اور محجوب ہو گئے ــــــ!

شام کا وقت تھا۔ جب "ناظرین تصاویر" تماشاگاہ کی طرف تیز قدمی سے جاتے ہیں۔ میں آج بھی تنہا تھا اور "نشاط خفیہ" کی پُر زیب اور مزین بیرونی عمارت کے قریب لا ڈالا گیا نہ انداز میں ضیافت نظر کے واسطے اُن تصاویر کو دیکھ رہا تھا جو دیوار پر آویزاں تھیں ــــ "سبیتا دیوی" ــــ ایک حسین فلم اسٹار۔ کا ایک رنگین فوٹو۔ برقی روشنی میں اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ "ایک صاحب" میں نے دیکھا۔ ایک عرصہ سے اُس کے نیچے کھڑے انتہائی مفتونیت پاش نگاہوں سے اُسے دیکھ رہے تھے۔ میں اُن کے نزدیک گیا اور نزدیک، بہت نزدیک تر ہو گیا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سوائے قوتِ باصرہ کے اُن کے حواس اربعہ زائل ہو چکے تھے، تصویر کے حُسن و جمال سے ان پر بے خودی طاری ہو گئی تھی۔ وہ شاید ماہر مسمریزم تھے اُن کی نگاہیں چشم تصویر میں جذب ہو کر من تو شدم تو من شدی کا درجہ حاصل کر چکی تھیں۔ میرے دل میں اُن کے واسطے کافی عزت ہے، قدرتی بے خودی کے نشہ میں سرشار تھے جو شاذ و نادر ہی کسی کو نصیب ہوتی ہے! البتہ ایک گستاخی مجھ سے عمداً سرزد ہوئی میں نے اُن کی اچکن کی جیب سے وہ رومال جو ذرا باہر جھانک رہا تھا نکال لیا۔ اور انہیں اس کی مطلق خبر نہ ہوئی۔ یہ تھی معراج بے خودی ــــــ

ایک شب "راکسی" میں کوئی تصویر دیکھ رہا تھا۔ ذرہ ذرہ بے خود تھا۔ بعض حضرات اسکرین پر گانے والے کے ساتھ سُر ملانے کی کوشش کر رہے تھے، کچھ بے اختیار ہو کر سیٹی بجا رہے تھے، بعض اپنے پیر فرش پر کچھ اس انداز سے مارتے کہ زیر و بم پیدا ہو جاتا۔ مگر میں اس سے مطمئن نہ تھا، یہ تھیں ادنیٰ درجہ کی کیفیتیں آج بھی کوئی رفیق نہ رکھتا تھا۔ میری نشست کے برابر ایک

نوجوان مہذب خاتون جلوہ فرما تھیں، میں غور کر رہا تھا کہ تصویر جو حقیقتاً اثر سامان سے لبریز تھی دیکھنے میں اُن کا انہماک غالباً اُن جتنے حاضرین پر میں نگاہ پھینک سکتا تھا سب پر سبقت لے گیا تھا، اُن کے خیالات اور ان کا تخیل تصویر کے ساتھ رواں تھا اداکاران کی حالت سے وہ بے چین ہو جاتیں اور خوشی میں اُچھل ہی پڑتیں۔ ایک لمحہ آتا ہے کہ اسکرین پر ہیروئن نہایت یاس کے عالم میں اپنے محبوب عاشق سے بغل گیر ہو جاتی ہے واقعی قابل توجہ منظر تھا اور میری تمام توجہات اس پر مرکوز تھیں میں نے محسوس کیا جیسے مجھے کسی نرم نرم بازو والے پیکر نے دبا لیا ہو۔ احساس یقین میں بدل چکا تھا اور واقعتاً میری مستقل "ناظرہ" نے مجھے اپنے بازوؤں سے دبا رکھا تھا۔ میں شاید اس فردوسی موقع سے نہ معلوم کتنا محظوظ ہوتا۔ مگر چونکہ میں اس ڈرامائی کیفیت کے واسطے تیار ہی نہ تھا۔ میں بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ میں اب گرفت سے آزاد تھا۔ تنفس کی روانی سے مجھے تسکین ہوئی — "ارے۔ معاف کیجیے گا" مجبوبانہ لہجہ میں میں نے سنا۔ اچھا! اُن خاتون پر بے خودی کا غلبہ ہو گیا تھا عالم خود فراموشی میں وہ بجائے اپنے شوہر سے بغلگیر ہونے کے جو بائیں جانب تشریف فرما تھے۔ مجھ سے ..... —!

میں نے فوراً معاف کر دیا۔ مگر اُن کی ساری کا درخشاں پن ہم بھلا کس طرح اُن کے ساتھ واپس جانے دیتے وہ ہم نے کمال صفائی سے نکال لیا تھا۔!

صوفیوں کی بے خودی قابل ذکر چیز ہے۔ مگر اُس سے ہم قصداً احتراز کرتے ہیں۔ زندگی میں ہر وقت اور ہر جگہ بیخودی کی لاتعداد مثالیں مل سکتی ہیں! ہم خود اپنی بے خودی کی کوئی داستان سناتے مگر اُس کے یقین میں شاید کچھ شک کیا جائے یا اُسے طعن و تضحیک کا آماجگاہ بنایا جائے اس لئے نہیں سناتے یہ جو کچھ لکھا۔ عالم بے خودی میں لکھا اور یہی ہماری بے خودی ہے۔!!

عمر خیام کی چند رباعیات

از محترمہ سپہر آرا صاحبہ عندلیب

(۱)

جب مرغِ سحر نے اذان دی میخانے کے سامنے کھڑے ہوئے
شرابیوں نے پکار کر کہا "کھول دو! دروازہ اور دروازہ کھول دو!
تمہیں معلوم ہے۔ کہ ہمیں کس قدر تھوڑی مدت یہاں
ٹھہرنا ہے؟
ایک دفعہ یہاں سے جا کر ہم پھر کبھی یہاں نہ آئیں گے۔

(۲)

آؤ آؤ مے نوشو! آؤ!! اور اپنا پیالہ شراب سے بھر کر توبہ کی سرد
"پوشاک" بہار کی آگ کے شعلوں میں جھونک دو۔
وقت کے طائر کو کس قدر تھوڑا فاصلہ طے کرنا ہے۔
دیکھو طائر اڑنے کے لئے پَر تول رہا ہے۔

(۳)

دیکھو صبح ہوتے ہی ہزارہا غنچے جاگ اٹھے ہیں اور ہزارہا
زمین پر بکھرے ہوئے مٹی میں مل رہے ہیں۔
موسم گرما کا پہلا مہینہ جو اپنے ہمراہ گلاب کے پھول لایا ہے۔
یہاں سے جمشید اور کیقباد کو اپنے ہمراہ لے جائے گا۔

(۴)

ذرا سوچو تو اس کارواں سرائے میں جس کا ایک دروازہ
صبح ہے۔ اور دوسرا شام کس طرح ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ
کے بعد آیا اور گھنٹہ دو گھنٹہ ٹھیر کر اپنی راہ پر چل دیا۔

(۵)

جس قدر دولت لٹا سکتے ہو لٹا دو اس سے پہلے کہ ہم قبر میں جا
اتریں۔ اور وہیں لیٹ کر خاک میں مل جائیں۔
بغیر شراب بغیر گیتوں کے بغیر مطربہ کے اور بغیر
انجام کے۔

(۶)

ان کا بھی یہی انجام ہوگا جنہیں آج پر یقین ہے۔ اور ان کا بھی یہی
جن کا کل پر بھروسہ ہے
تاریکی کے ایک مینار پر چڑھ کر ایک شخص پکار رہا تھا۔
بیوقوفو! تمہارے لئے انعام نہ یہاں ہے نہ وہاں۔

(۷)

میں نے عقلمندی کا بیج بویا۔
اور انتہائی مشقت سے اپنی فصل تیار کی اس فصل سے مجھے کیا حاصل
ہوا۔۔۔ یہی کہ میں پانی کی طرح آیا تھا۔ اور ہوا کی طرح چلا جاؤنگا۔

(۸)

کہتے ہیں۔ چھپکلیوں اور شیروں نے اب ان ایوانوں پر قبضہ کر رکھا
ہے۔ جہاں جمشید پرشوکت محفلوں میں بیٹھ کر شراب کے نشہ میں کھو جایا
کرتا تھا۔

بہرام:۔ وہ زبردست شکاری خاک میں پڑا سو رہا ہے۔ اور جنگلی
گدھے اس کی قبر پر دولتیاں چلاتے نظر آتے ہیں۔

(۹)

ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ کمہار اپنی دوکان میں بیٹھا گیلی مٹی تھپتھپا رہا تھا
مٹی اپنی تباہ شدہ زبان سے یہ کہہ رہی تھی "ذرا آہستہ آہستہ میرے بھائی

(۱۰)

سنو! رمضان کی ایک شام کا ذکر ہے۔ جبکہ چاند پوری تابانی سے چمک
رہا تھا۔ میں بوڑھے۔ کمہار کی دوکان میں تنہا کھڑا تھا۔ اور مٹی کے برتنوں
کی آبادی قطار اندر قطار میرے ارد گرد موجود تھی۔

(۱۱)

میری خاک سے خوشبوؤں کا ایک طوفان اٹھیگا جو ہوا میں اپنا وسیع جال پھیلا دیگا
اس طرح کہ کوئی مومن اس کے حلقوں سے بچکر محفوظ نہیں رہے گا۔

عرب پر قبضہ جمانے کے لئے انگریزوں کی چالاکیاں

یورپین قوموں نے مشرقی ممالک کو زیادہ تر شاطرانہ چالوں سے اپنا غلام بنایا ہے اور قدم قدم پر ان کی وہ "ڈپلومیسی" کارفرما ہوتی ہے جسے صاف الفاظ میں عیاری اور فریب کاری کہا جاسکتا ہے۔ جنگ عظیم کے دوران میں اتحادیوں نے جس طریقہ سے عربوں کو ترکوں کے خلاف آمادۂ جنگ کرکے سلطنت عثمانیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور جس طرح انہوں نے عربوں سے تحریری معاہدے کرکے انہیں ایک عظیم الشان عربی سلطنت کے خواب دکھائے اور آخر میں جس طرح انہوں نے اپنے تمام وعدوں کو بالائے طاق رکھ کر ممالک عربیہ کو ہضم کر لیا وہ موجودہ صدی میں یورپین ڈپلومیسی کا حیرت انگیز شاہکار ہے۔ عربوں کی فریب خوردگی و پامالی کی داستان مضمون ذیل میں ملاحظہ فرما کر اندازہ کیجئے کہ دنیا میں تہذیب و اخلاق کا ڈھنڈورا پیٹنے والے کس دیدہ دلیری کے ساتھ جھوٹے وعدے کرسکتے ہیں۔

"ترکوں کو قبول اسلام کے بعد سے اس وقت تک مذہب سے جو والہانہ شیفتگی رہی ہے اس کا ایک ادنیٰ کرشمہ یہ تھا کہ انہوں نے حجاز مقدس کی حکمرانی پر خدمت گزاری کو ترجیح دی اور ترک سلاطین نے "خادم الحرمین الشریفین" کے لقب پر ہمیشہ فخر و ناز کیا وہ اپنے آپ کو حجاز کا فرمانروا نہیں بلکہ خادم سمجھتے تھے اور اہل حجاز سے کسی قسم کا ٹیکس وصول کرنے کے بجائے الٹے ان کی امداد پر ہر سال شام وغیرہ کے محاصل سے لاکھوں پونڈ صرف کردیتے تھے۔ حجاز کی حکمرانی انہوں نے خاندان رسالت کیلئے مختص کردی تھی اور والئی حجاز جو عرف عوام میں "شریف مکہ" کے لقب سے موسوم تھا۔ بظاہر ترکوں کے ماتحت تھا لیکن بباطن ترک سلاطین اس کی خدمت گزاری پر فخر کرتے تھے۔ ترکی خزانہ اس کے قدموں پر قربان ہوتا تھا۔ ترکی فوجیں اس کی خدمت کے لئے ہر وقت سربکف رہتی تھیں اور حجاز کے ترک گورنر اس کے ادنیٰ اشارہ چشم پر بدل دئے جاتے تھے۔

جنگ عظیم کے شعلے دنیا میں بھڑکے۔ ترک جن پر کئی سال سے مسلسل صلیبی یورش ہو رہی تھی اپنی حیات ملی کو قائم رکھنے اور قسمت کا آخری فیصلہ کرنے کے لئے جرمنی کے دوش بدوش شریک جنگ ہوگئے انگلستان اور اس کے حلیفوں کو خوب معلوم تھا کہ ترک تلوار کے دھنی ہیں ان سے مقابلہ آسان نہیں۔ چنانچہ ترکوں کے خلاف پرفریب ریشہ دوانیاں شروع ہوگئیں۔ اس زمانہ میں شریف حسین والی حجاز تھا۔ اتحادیوں نے اسے سبز باغ دکھانا شروع کئے۔ سب سے پہلے لارڈ کچنر نے شریف حسین پر ڈورے ڈالے اور اسے مشورہ دیا کہ وہ ترکوں کی ماتحتی گوارا کرنے کے بجائے ان کے خلاف علم بغاوت بلند کرکے حجاز میں اپنی مستقل سلطنت قائم کرے۔ لیکن شریف کو اس لئے بغاوت کی جرأت نہ ہوئی کہ عربوں کا بچہ بچہ ترکوں کا دعاگو اور ان کے بار احسانات سے دبا ہوا تھا تاہم شریف حسین نے ترکوں کی آزاد خیالی اور جدید اصلاحات کو آڑ بنا کر مذہبی رنگ میں ترکوں کے خلاف درپردہ پروپیگنڈا ضرور شروع کردیا اسی زمانہ میں شام اور عراق کے حریت پسندوں نے ترکوں سے حکومت خود اختیاری کا مطالبہ شروع کردیا۔ ترک چونکہ اس وقت مرگ وزیست کی کشمکش میں گرفتار تھے اس لئے انہوں نے شام و عراق کی تحریک حریت کو کسی قدر سختی کے ساتھ دبانا چاہا اور چونکہ ان ممالک کی قریب قریب پوری آبادی عربی النسل ہے سر آرتھر مکمہان نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر شریف حسین کو یہ سبز باغ دکھایا کہ اگر تم ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کردو تو اتحادی ممالک تم کو نہ صرف حجاز بلکہ عراق، شام اور فلسطین کا حکمراں بھی تسلیم کرلیں گے اور اس طرح قوم عرب کی ایک عظیم الشان متحدہ سلطنت قائم ہوجائے گی۔ یہ پیش کش ایسی نہ تھی کہ شریف حسین ثابت قدم رہ جاتا۔ چنانچہ وہ ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے پر آمادہ ہوگیا اور اس نے اپنے اطمینان کے لئے انگریزوں سے تحریری معاہدہ طلب کیا۔ جنوری ۱۹۱۶ء میں حکومت برطانیہ نے شریف حسین کا ایمان حسب ذیل تحریری معاہدہ پر خرید لیا۔

(۱) حکومت برطانیہ وعدہ کرتی ہے کہ وہ ایک ایسی مکمل اور مستقل

عربی حکومت قائم کرے گی جو اپنے تمام داخلی و خارجی معاملات میں کلیتاً آزاد ہوگی اور جس کے حدود حسب ذیل ہوں گے:۔

مشرق میں خلیج فارس۔ سرحد ایران اور خلیج فارس میں دریائے دجلہ کا دہانہ۔ مغرب میں بحر قلزم اور نہر سویز۔ شمال میں صوبہ حلب۔ شمالی موصل اور نہر فرات اس جدید سلطنت کے آخری حدود ہوں گے لیکن عدن اس سے خارج ہوگا۔

(۲) حکومت برطانیہ وعدہ کرتی ہے کہ وہ جدید عربی حکومت کو تمام مداخلتوں سے خواہ وہ کسی شکل میں ہوں بچائے گی اور بحری و بری حدود میں ہر قسم کی بیرونی دست اندازی سے اس کی حفاظت کرے گی۔ اگر دشمنوں کی سازش یا امرائے عرب کی باہمی رقابت سے کوئی اندرونی شورش برپا ہوگی تو برطانوی حکومت وعدہ کرتی ہے کہ شریف حسین کی درخواست پر ایسی شورش کو دبانے کی اس وقت تک ہمیشہ مدد کرے گی جب تک جدید عربی سلطنت اپنے پیروں پر کھڑی نہ ہو جائے۔

(۳) جب تک جدید عربی حکومت کی تکمیل مکمل نہ ہو جائے بصرہ کی ولایت حکومت برطانیہ کی زیر نگرانی رہے گی اور اس کے معاوضہ میں حکومت برطانیہ حالات کے اقتضا کے مطابق جدید عربی حکومت کو ایک رقم ادا کرتی رہے گی۔

(۴) حکومت برطانیہ وعدہ کرتی ہے کہ وہ زمانہ جنگ میں جدید عربی حکومت کیلئے جس قدر روپیہ اسلحہ جات اور ذخائر جنگ کی ضرورت ہوگی مہیا کرے گی۔

اس معاہدہ کے بعد جس کی رو سے تمام جزیرۃ العرب پر باستثنائے عدن و بصرہ شریف حسین کی مستقل حکومت تسلیم کر لی گئی تھی۔ شریف نے مکہ معظمہ میں پوشیدہ طریقہ پر ذخائر حرب جمع کرنا شروع کر دیے اور اپنے بڑے بیٹے امیر فیصل کو جس نے ترک سلاطین کے محلوں میں پرورش پائی تھی اور جو اس وقت جمال پاشا کے ساتھ محاذ شام پر تھا۔ نہر سویز پر حملہ کرنے کے بہانے بلا بھیجا۔

ادھر تو شریف حسین حکومت برطانیہ کے تحریری معاہدہ پر تکیہ کرکے سلطنت عثمانیہ کے خلاف مسلح بغاوت کی تیاریاں کر رہا تھا اور ادھر مئی ۱۹۱۶ء میں برطانیہ اور فرانس نے جزیرۃ العرب کو باہم تقسیم کرنے کے لئے ایک اور خفیہ معاہدہ کر ڈالا جس کی رو سے فلسطین برطانیہ کے حصہ میں آیا۔ شام کا ساحلی علاقہ صور سے اسکندرونہ تک فرانس کو تفویض ہوا اور بشرط بغاوت حجاز کے علاوہ حلب سے دمشق تک شام کا بس خود وہ علاقہ شریف حسین کے لئے نامزد ہوا۔ شریف حسین کو برطانیہ اور فرانس کے اس خفیہ معاہدہ کی کوئی خبر نہ تھی۔ اس نے جون ۱۹۱۶ء میں ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ یہ چیز ترکوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ اہل حجاز اُن کے خلاف تلوار اٹھا کر محسن کشی کا بدترین ثبوت دیں گے۔

امیر زید اور امیر عبداللہ (شریف حسین کے بیٹے) نے مکہ معظمہ اور طائف میں ترکوں کا محاصرہ کرکے انہیں نہایت بے دردی کے ساتھ تہ تیغ کیا اور شریف کا بڑا بیٹا امیر فیصل مدینہ منورہ کا محاصرہ کرنے کے لئے بڑھا۔ مدینہ منورہ میں ترکوں کی کافی قوت تھی اور اگر وہ چاہتے تو کئی ماہ تک امیر فیصل کو تگنی کا ناچ نچا سکتے تھے۔ لیکن جن عاشق رسول ترکوں کے کفر و الحاد کا پروپیگنڈا آج دشمنانِ اسلام کر رہے ہیں دربارِ رسالت سے ان کی والہانہ شیفتگی ملاحظہ ہو۔ اس اندیشہ سے کہ کہیں گولہ باری سے گنبد خضرا کو صدمہ نہ پہنچے قوت و استطاعت رکھنے کے باوجود امیر فیصل کی ننگ اسلام فوجوں کا مقابلہ نہیں کرتے۔ ترک سپاہی فوراً قلعہ سے باہر نکل آتے ہیں۔ اس شان کے ساتھ کہ تلواریں نیام میں ہیں۔ بندوقیں مدینہ کی مقدس خاک کے بوسے لے رہی ہیں ہاتھ روضۂ اطہر کی جانب آخری سلام کے لئے اٹھے ہوئے ہیں زبانِ پر درود ہے۔ سینوں پر غدار فیصل کے ان وحشی بدویوں کی گولیاں کھا رہے ہیں جنہیں وہ آن واحد میں اپنی مہیب آتشبار توپوں سے بھون کر رکھ سکتے تھے "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" کے روح پرور نعرے بلند کرکے خاک و خوں میں تڑپ رہے ہیں لیکن تاجدار مدینہ کے پڑوسیوں پر وار نہیں کرتے۔

اکتوبر ۱۹۱۶ء میں نہایت دھوم دھام سے شریف حسین کی تاج پوشی ہوئی۔ اتحادیوں نے تصدیق شاہی کی سند عطا کی۔ انگلستان اور فرانس کے جہاز تہنیت و مبارکباد کے پیام لے کر آئے۔ ترکوں کی عرب فوجیں ترکوں سے غداری کر کرکے شریف مکہ کے زیر علم مجتمع ہونے لگیں۔ ایک جانب سے عراق اور شام فلسطین پر اتحادی بڑھ رہے تھے۔ دوسری جانب شریف مکہ کی فوجیں ترکوں کا قتل عام کر رہی تھیں۔ امیر فیصل کی فوجیں شام پر قابض ہوئیں۔ وہ ارض مقدس فلسطین جس کی حریت کے لئے مسلمانوں نے صدیوں اپنا خون بہایا تھا اس پر امیر فیصل کے منحوس ہاتھوں نے علم صلیبی نصب کیا۔ ترکوں کو شکست ہوئی جنگ عظیم کا خاتمہ ہوا۔ شریف حسین متحدہ عربی سلطنت کے بادہ تخیل سے جھومتا ہوا ہاتھ میں حکومت برطانیہ کا تحریری معاہدہ لیکر آگے بڑھا۔ لیکن اب اسکی وقعت ردی کاغذ کے ایک پرزہ سے زیادہ نہ تھی انگلستان اور فرانس کا خفیہ معاہدہ بر روئے کار آیا۔ شریف حسین کو صرف حجاز کی حکمرانی نصیب ہوئی۔ شام کا جو مختصر علاقہ اس کے لئے پہلے نامزد کیا تھا سو وہ بھی اس کو نہ مل سکا۔ اس پر فرانس نے قبضہ جما لیا اور امیر فیصل شام سے بزور شمشیر نکال دیا گیا۔

حق سے حق کی جنگ

ماخوذ از مسودات کتاب ارض فلسطین

حق سے حق کی جنگ کا فقرہ رائل کمیشن یا پیل کمیشن کی ایجاد ہے جس کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے کہ:-

عربوں کی امداد حاصل کرنے کی غرض سے حکومت برطانیہ نے ۱۹۱۵ء میں شریف مکہ سے وعدہ کیا کہ اتحادیوں کی فتح کی صورت میں ترکی سلطنت کے عربی ممالک کے بڑے حصے پر عربوں کو خود مختار بنا دیا جائے گا تو عربوں نے خیال کیا کہ فلسطین بھی ان کے دائرہ خود مختاری میں شامل کیا۔

پھر دنیا بھر کے یہودیوں کی امداد حاصل کرنے کی غرض سے حکومت برطانیہ نے ۱۹۱۷ء میں اعلان بالفور کیا تو یہودیوں نے خیال کیا کہ اگر ان کو قومی وطن کے قیام کے تجربہ میں کامیابی حاصل ہوگئی اور فلسطین میں یہودی کافی تعداد میں آباد ہوگئے تو قومی وطن کو ترقی دے کر یہود حکومت قائم کر دی جائے گی۔

انتداب کے ذریعہ اعلان بالفور کو تقویت دی گئی اور قومی وطن کی حیثیت مرکز کی سی خیال کی گئی جیسے مکہ معظمہ مسلمانوں کے لئے مرکز ہے۔ پہلا ہائی کمشنر بھی یہودی مقرر کیا گیا اس نے قومی وطن کی یوں تعریف کی کہ وہ یہودی باشندے جو دنیا میں منتشر ہیں مگر ان کے دل فلسطین کے جانب ہیں۔ یہاں آکر آباد ہو سکتے ہیں جو اپنے ذرائع و رسائل اور کوششوں و محنتوں سے اس ملک اور اس کے باشندوں کو ترقی دیں۔

کم از کم یہ امر مشتبہ ہے کہ بانیان انتداب نے یہ خیال کیا ہو کہ قومی وطن کی تحریک کو عملاً کامیاب بنانے کے لئے یہود کی درآمد اس قدر سرعت سے رونما ہوگی؟ یہود نے یورپ میں مصائب سے بچنے کے لئے فلسطین کو پناہ کی جگہ خیال کیا اور بھاری تعداد میں ہجرت کرنا شروع کر دیا۔ یہودی لیڈروں نے رفتار درآمد میں ایڑ لگا کر اور حقبنوں کو نکال کر لا سکے لائے۔

اب یہ حق سے حق کی جنگ تصور کی جا رہی ہے اسی طرح کمیشن نے رائش کا ماسٹری حق ثابت کیا ہے کہ مسیحؑ سے گیارہ سو سال قبل یہودی فلسطین میں آکر آباد ہوئے تھے اور ۱۳۵ء تک یعنی اپنے آخری اخراج اور انتشار تک وہیں آباد رہے۔ پھر عرب آئے اور اب تک ان کو بھی فلسطین میں بارہ صدیاں گزر چکی ہیں۔

عرب ان سب تاویلوں اور اعمال کا یہ جواب دے رہے ہیں کہ یہ حق سے حق کی جنگ ضرور ہے مگر یہودیوں سے نہیں ہے۔ بلکہ برطانیہ اور صیہونیت سے ہے اس لئے کہ پہلے وعدے ہم سے ہوئے۔ اس کے بعد برطانیہ کو کسی اعتبار سے یہود سے وعدے نہیں کرنے چاہئیں تھے۔ اب تمام ذمہ داری برطانیہ پر ہے عرب اس بارے کوئی بار اٹھانے کو تیار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حل دشوار ہو گیا ہے۔

حکومت برطانیہ کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اعراب کے مطالبات حرف بحرف پورے کرے یا ہمیشہ کے لئے ان کی دشمنی مول لے یہ اس کی طاقت سے باہر ہے کہ اتنے مختصر ملک پر جو صوبۂ دہلی سے دوگنا۔ جزیرہ سیلون سے نصف یا ویلز کے برابر ہے دونوں گھر آباد رکھ سکے۔

مولانا شوکت علی ۱۹۲۱ء میں

ذیل میں مولانا شوکت علی مرحوم کا وہ معرکہ آرا بیان درج کیا جاتا ہے۔ جو آپ نے ستمبر ۲۱ء کو کراچی کے تاریخی مقدمہ میں دیا تھا اس بیان سے مولانا کی شجاعت اور جہاد پسندی کے تمام گوشے نمایاں صورت میں نظر آئیں گے۔ (ایڈیٹر)

پچھلے ۱۸ مہینوں سے میں ہندوستان میں خلافت کا کام کر رہا ہوں۔ میں نے ہزاروں تقریریں کیں۔ ہزاروں میل کا سفر کیا۔ اور کئی لاکھ چندہ جمع کیا ہے۔ میں نے اس خدمت کو خدا کی پرستش سمجھا ہے میں گورنمنٹ سے کہہ رہا ہوں کہ مسلمانوں کے مقدس مقامات اور جزیرۃ العرب کو خالی کر دے (آپ نے مجسٹریٹ اور حاضرین کے لئے جزیرۃ العرب کی ہجے کی اس پر قہقہہ ہوا) خلافت کے وقار اور دنیاوی طاقت کو بحال کر دے۔ میں نے اپنی تمام تقریروں میں ہمیشہ کہا ہے۔ اگر گورنمنٹ نے مسئلہ خلافت کے متعلق ہمارا اطمینان نہ کیا۔ اور ہمیں کامل سوراج نہ دیا تو بحیثیت ایک ہندوستانی مسلمان کے میرا یہ فرض ہوگا کہ جو کچھ مجھ سے ممکن ہو۔ میں حکومت کو .... کرنے کے لئے کروں۔ میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور میں پھر دہرانا چاہتا ہوں کہ گورنمنٹ کے ساتھ جب تک مجھے مذہب اور ضمیر کی پوری آزادی حاصل ہے وفادار ہوں لیکن جہاں گورنمنٹ نے میرے مافی الضمیر میں مداخلت کی۔ گورنمنٹ اور بادشاہ سلامت سے میری اطاعت کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ میں آپ کا اور اپنا زیادہ وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ میں یہاں متنبہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہ اگر گورنمنٹ نے مسئلہ خلافت و پنجاب کے متعلق ہمارا اطمینان نہ کیا۔ ہمیں سوراج نہ دیا تو وہ اپنی راہ جائے اور ہم اپنی راہ جائیں۔ ہمارے اور گورنمنٹ کے درمیان ایک راستہ ہے اور انشاء اللہ تعالےٰ مجھے امید ہے کہ اگر گورنمنٹ نے ہمارے مطالبات پورے کر دئے۔ اور ہماری تسلی کر دی۔ تو امن ہو جائے گا ورنہ سخت جنگ ہوگی جو اس وقت ختم ہوگی جب ۳۲ کروڑ ہندوستانی مر جائیں گے یا ایک لاکھ انگریز یہاں سے چلے جائیں گے۔ مسلمان ہونے کی وجہ سے قرآن پاک کو غور سے پڑھنے اور جمعیۃ علمائے ہند سے مشورہ کرنے کے بعد جب اس فیصلہ کے سوا چارہ کار نہ رہا۔ تو میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے اس حکومت کی وفاداری اور دیانتداری سے ۱۷ سال تک خدمت کی ہے۔ متعدد انگریز مردوں اور عورتوں کا پُر امن دوست اور افیوں کے شاہی محکمہ کا ایک رکن رہا ہوں۔ سوشل طور پر میں ہر دلعزیز رہا ہوں۔ کیونکہ میں کھلاڑی ہوں اور میں فٹ بال ہاکی وغیرہ کھیل جانتا تھا۔ مگر اب خدا نے مجھے اس نتیجہ پر پہنچایا ہے۔ اگر گورنمنٹ صدق دل سے توبہ و استغفار کرے اور ہمارے مطالبات پورے کر دے۔ میں اس کے ساتھ اشتراک کرنے کو تیار ہوں۔

اس موقعہ پر مولانا شوکت علی نے چار پانچ فقرے کہے۔ جو مجسٹریٹ نہ لکھ سکا۔ مجسٹریٹ نے آپ سے کہا کہ آہستہ کہیں تاکہ وہ ان کی تقریر انگریزی میں ترجمہ کر سکیں۔ مولانا شوکت علی نے کہا کہ مجھے اس کی پروا نہیں کہ مجسٹریٹ نے کیا لکھا ہے اور مولانا نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ میری تقریروں کا رجحان ہمیشہ یہی رہا ہے۔ جو میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ میں اپنے بڑے بزرگ مہاتما گاندھی کے ساتھ ایک ناچیز کام کرنے والا ہوں اور اسی لئے میں اس پالیسی پر عمل کرتا رہا ہوں جو سنٹرل خلافت کمیٹی۔ جمعیۃ العلمائے ہند کانگریس اور مہاتما گاندھی فیصلہ کرتے رہے ہیں۔

میں گورنمنٹ سے پُر امن ترک موالات پر عمل پیرا رہا ہوں اور اسی کا وعظ کرتا رہا ہوں۔ مہاتما گاندھی کہتے ہیں کہ وہ خوشی سے اپنی جان دیں گے۔ مگر دوسرے کی نہ لیں گے میرے لئے بحیثیت مسلمان ہونے کے قرآن کا حکم اور نبی صلعم کا نمونہ صاف ہے کہ سچائی پاکیزگی اور خدا کے کام کے لئے مرنا مارنا دونوں یکساں اچھے کام ہیں۔

لیکن ہم مسلمان اس بات پر راضی ہو گئے ہیں۔ ہماری باہمی

ایک ہی ہے۔ اور ہم مشترکہ طور پر بلاتشدد ترک موالات پر عمل کر رہے ہیں۔ جیسا کہ میرے نبی صلعم نے پہلے ۱۳ سال مکہ معظمہ میں کیا ہے۔ کیا مجھ کو پھر یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ ہندوستان میں اس وقت تک امن نہیں ہو سکتا۔ جب تک گورنمنٹ ہمارے تین مطالبات پورے نہ کرے۔

قرآن حکیم کا قانون یہ ہے کہ ارض مقدس پر کسی غیر مسلم کا قبضہ نہ ہونا چاہیئے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ میرا کیا منشاء ہے۔ لیکن میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ آپ کا جو دل چاہے آپ کریں۔ چاہے آپ ہمیں جیلخانہ بھیجیں یا سولی پر چڑھائیں۔ لیکن اگر آپ کل ہی شملہ چلے جائیں اور وائسرائے سے جا کر یہ کہہ دیں کہ ہمارے منصفانہ مطالبات کی طرف سے آپ کو اطمینان ہو گیا ہے۔ اور ان سے یہ بھی کہہ دیں کہ مسلمانوں کے جائز مطالبات کو منظور کر لیں تو ہم خوش ہیں لیکن اس وقت میرا مطالبہ کیا ہے؟ کیا میں کسی کی جائداد کا طالب ہوں کیا میں چاہتا ہوں کہ جج کو پھانسی دیدی جائے۔ تاکہ میں اس کی کرسی پر بیٹھ جاؤں؟ (قہقہہ) نہیں یہ میرا مطالبہ نہیں ہے بلکہ میں اپنی ذاتی چیز چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اسلامی اماکن مقدسہ غیر مسلموں کے قبضہ و اثر سے پاک ہو جائیں۔ وہ گرم ملک ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ ملک کی گرمی آپ دو ہی یوروپینوں کے دماغ کو پریشان کر دے گی۔ یہ وہ ملک ہے۔ جہاں ہمارے آقا و مالک حضرت ختم رسل حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم برہنہ پا پھرا کرتے تھے۔ آج میں تشدد کا حامی نہیں ہوں میں جیلخانہ میں ہوا تو میری ماں میری جگہ پر کام کر رہی ہے۔ اگر میرا بھائی جیلخانہ میں ہے تو اس کی بیوی اس کی جگہ پر کام کر رہی ہے۔ گو وہ اتنی ہوشیار و چالاک نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی وہ دونوں ہم لوگوں سے کام زیادہ کر رہی ہیں جب کبھی میں کسی مقام پر گیا ہوں تو سینکڑوں بوڑھی عورتوں اور بچوں نے مجھے خلافت کے لئے روپیہ دیا ہے۔ میں نے یہی نظارہ ہر جگہ پایا ہے۔ آسام بھی اس سے مستثنےٰ نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہندوستان میں یہ جذبہ بہت شدت سے ساتھ پھیلا ہے۔

کیا میں موپلوں کا ذکر نہ کروں

جج۔ موپلوں کا ذکر نہ کرو۔

مولانا شوکت علی۔ میں موپلوں کا ذکر نہیں کر رہا ہوں۔ میں آپ سے کہے دیتا ہوں کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے آپ سن کر بہت پسند کریں گے۔ جب ہم مالابار گئے اور پہلے پہل عام جلسہ میں تقریر کی تو ہم نے دیکھا کہ وہاں کوئی کام کرنے والا نہیں ہے۔

مالابار ہمارا کمزور پوائنٹ ہے اور وہی موپلوں کے ہنگامہ کا ذمہ وار ہے۔ جہاں کہیں ہم مضبوط و طاقتور رہیں۔ وہاں امن و انتظام ہے۔ لیکن مالابار میں کوئی کام کرنے والا نہیں ہے۔

لیکن اینگلو انڈین اخبارات ہم پر مضحکہ اڑاتے ہیں۔ میں آپ سے یہ صاف کہہ دوں کہ جب میرے پاس کوئی شخص بھی آتا ہے۔ تو وہ یہی کہتا ہے کہ اس طرح کو عدم تشدد کو بالائے طاق رکھئے اور مجھے ہر ایک جج کو قتل کرنے کی اجازت دیجئے۔

مولانا شوکت علی نے کہا کہ آپ سے بحث نہیں ہے جب اس قسم کا کوئی خیال پیدا ہوگا۔ تو میں اپنے تئیں قتل کر لوں گا۔ میں اس شخص کو ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں۔

کل اسلامی ممالک تک ہماری آواز پہنچ گئی ہے

میں آپ سے کہے دیتا ہوں کہ کل ملزمین کے دل میں ایک خیال ہے۔ اور یہ خیال ایران۔ افغانستان۔ ٹرکی۔ عربستان۔ عراق اور مصر تک پہونچ گیا ہے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ اس لئے کہ خلافت کمیٹی کے سکرٹری کی حیثیت سے اسلامی دنیا کے حالات سے مطلع ہونا میرا فرض ہے۔ ہمارا پیغام کل دنیا میں پہونچ چکا ہے۔ میں آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ اپنا ارادہ بدل دیں۔ اور کوئی مخلصانہ تصفیہ کریں۔ ہم نے وائسرائے کو بھی آگاہ کر دیا ہے۔ میں ان جیوری اور جج کی وساطت سے اس پیغام کو تمام حکومت تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ آپ ہمیں خداترس اور ایماندار مسلمان سے چاہیں پوچھ لیں اور یہ معلوم کر لیں کہ ہم اپنے مطالبات میں حق بجانب ہیں یا نہیں۔ اگر مسلمان علماء انگلستان سے موالات کرنے کا فتویٰ دیدیں تو میں ملک معظم کی رعایا ہو جاؤں گا اور افسران کے ساتھ مل کر کام کروں گا۔ علی گڑھ کالج کے پرنسپل مسٹر تھیوڈر بیک نے مجھے اس حیثیت وفالیت پر پہنچایا ہے۔ اور جب انگریزوں کے قتل کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ تو ان کی تصویر میری نظروں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ میں جنگ کو بچانا چاہتا ہوں۔ تاکہ ہندوستان دوسرا مصر یا دوسرا آئرلینڈ نہ بنے۔ ہم ۳۳ کروڑ ہیں اور ہم ۱۷ ہزار میل کے فاصلہ پر ہیں اور قسطنطنیہ سے سہارنپور تک مسلمانوں

کا ایک زنجیرہ بنا ہوا ہے۔ اگر ہندوستان نے آئرلینڈ کا طریقہ اختیار کیا تو ۸ کروڑ مسلمان اور ۲۲ کروڑ ہندو متحد و متفق ہو جائیں گے کیا ۳۰ کروڑ لوگوں سے جنگ کرنا مناسب وقت ہوگا۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم طاقتور ہیں۔

میں بھی ایک سپاہی ہوں

ایک سپاہی کا خون میری رگوں میں بھی دورہ کر رہا ہے لیکن میں جنگ کو بچانا چاہتا ہوں اس لئے کہ جنگ ہندوستان کی سرزمین پر ہوگی اور کراچی کے بہت سے مکانات تباہ و برباد ہو جائیں گے ہندوستان کا ہر ضلع مالابار سے کہیں زیادہ طاقتور ہے۔ اور کہیں زیادہ عالی دماغ لوگ اپنے میں رکھتا ہے میں ان سے طاقت حاصل کر سکتا ہوں۔ اگر کل ہندوستان کھڑا ہو جائے تو کیا اثر ہوگا؟ ہندو بھی مسلمانوں کے شریک ہو جائیں گے۔ لیکن ہم اسے بچانا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ حالات پر غور کرے۔

مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا

کسی پاگل کتے نے مجھے نہیں کاٹا ہے۔ میں اس کا اعتراف کرتا ہوں۔ دل سے کہتا ہوں۔ میں نے راس اسٹن سے سوال کیا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ ہم لوگ جو ماضی میں کانگریس میں کوئی سرگرمی کے ساتھ حصہ نہیں لیتے تھے۔ اب اس وقت انگلستان کے خلاف ہیں گزشتہ شب ایک یورپین نے محمد علی سے سوال کیا کہ وہ کیوں انگریزوں کے خلاف ہیں؟..........

ہم اللہ میاں کے بدمعاش ہیں

ایک بات مجھے اور کہنا ہے۔ اس کے بعد میں بیٹھ جاؤں گا اور وہ یہ کہ میرے اور مہاتما گاندھی کے مابین زبردست اختلاف ہے۔ مولانا عبد الباری۔ مہاتما گاندھی اور مولانا حسین احمد مدنی اچھے اور متقی لوگ ہیں اور میری ہندوستانی فوج اللہ میاں کے بدمعاش ہیں۔ اب چونکہ ہندو مسلمان ایک دوسرے سے شیر و شکر ہو گئے ہیں۔ اس لئے انہیں علیحدہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ محمد علی و شوکت علی کو گورنمنٹ انگورہ سے تنخواہ ملتی ہے اور وہ سچے اور ایماندار لوگ نہیں ہیں اور جب پنڈت مالوی (صلح قائم کرنے والے) مجھ سے اور مہاتما گاندھی سے وائسرائے سے ملنے کو کہا تھا اور وہ وہاں گئے اس لئے کہ وائسرائے کا پتہ اچھے طریقہ پر معلوم ہوا تھا۔

مہاتما گاندھی اور وائسرائے کی ملاقات

مہاتما گاندھی نے چھ ملاقاتوں میں وائسرائے سے ½۱۵ گھنٹے تک باتیں کیں اس کے بعد انہوں نے ان سے کہا کہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ محمد علی و شوکت علی عدم اشتدد صرف زبان سے کہتے ہیں۔ حالانکہ ان کا اصل منشا لوگوں کو اشتدد کی طرف مائل کرنا ہوتا ہے۔ مہاتما گاندھی چاہتے تھے کہ ہم باشندگان ہندوستان کے نام ایک اعلان شائع کریں میں نے ان کے مطالبات کو دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ جیل جاؤ اور میں خود بھی جیل جانا چاہتا ہوں لیکن چونکہ الزام پر نہیں اس لئے ہم نے لوگوں کو عدم اشتداد کا یقین دلاتے ہوئے ایک اعلان شائع کر دیا۔

ہندوستانی اب بہادر ہو گئے ہیں

میں ایمانداری کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں آج عدم اشتداد کی پیروی اور حمایت کر رہا ہوں۔ مہاتما گاندھی۔ ہمارے سردار ہیں ہندوستان کی تاریخ از سر نو مرتب کی جا رہی ہے خداوند ذو المنن کا ہزار شکر و احسان ہے اور گاندھی جی کی مساعی جمیلہ کا یہ نتیجہ ہے کہ جو ہندوستانی بزدل کہلاتے تھے۔ وہ اب بہادر ہو گئے ہیں۔ اس لئے میں نے گاندھی جی کے حکم کی تعمیل کی اور اخبارات میں پیغام روانہ کر دیا۔ لیکن ہم نے اگر اس اعلان میں گورنمنٹ کو بھی مخاطب کیا ہوتا تو گورنمنٹ کو زیادہ جری اور بہادر ہونا چاہئے تھا۔ اور اسے ایک راونڈ ٹیبل دگول میز) کی کانفرنس طلب کر لی چاہئے تھی۔ ایسا کرنے کے بجائے مہاتما گاندھی پر مضحکہ اڑایا گیا۔ اور جیل میں بہت سے اشخاص سے کہا گیا کہ محمد علی اور شوکت علی نے معافی مانگ لی ہے اس کا علم مسٹر راس اسٹن کو ہی ہے۔ اُن سے معافی نامہ حاصل کیا گیا۔

نئے کارکن میدان میں آگئے

میں اس وقت وائسرائے میں کوئی تغیر نہیں دیکھتا ہوں وہ ترغیب و تہدید کی صورت اختیار کئے ہوئے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے مسلمانوں کے روبرو ہمیں ذلیل و خوار کریں۔ میں خوش ہوں کہ اس مرتبہ نتیجہ بالکل صاف اور عیاں ہے۔ خداوند پاک کا شکر ہے کہ نئے کارکن میدان میں آگئے ہیں۔ ہمیں سپاہیوں کے ورغلانے کا خیال تک نہ تھا۔ اس لئے

کہ کانگریس اور خلافت کمیٹیوں نے ایسا کرنے کا حکم نہ دیا تھا۔ مجھے جیل کی مطلق پرواہ نہیں ہے۔ خداوند قادر و توانا ہے اپنی رحمت و فضل سے مجھے جو کچھ بھی مرحمت فرمایا ہے اگر وہ سب مذہب کی راہ میں قربان ہو جائے تو اور زیادہ اچھا ہے۔

آخر میں مارنے مرنے پر مجبور ہو جاؤں گا

جس وقت تک کہ گورنمنٹ جس سے جج اور عدالت کا تعلق ہے اسلامی اماکن مقدسہ کا تخلیہ نہ کرے گی اور جس وقت تک وہ خلافت اور پنجاب کے مسائل کے متعلق ہمیں اطمینان نہ دلائے گی اور ہمیں سوراج نہ دے گی اس وقت تک حکومت کو توڑنے اور اس کو .... پھینکنے کے لئے میں تمہارا دشمن ہوں

آج میں عدم استشداد کا پابند ہوں۔ لیکن اگر مہاتما گاندھی ناکام رہے۔ اور کل کوششیں بیکار ثابت ہوئیں تو اس وقت میں ماروں گا اور مر جاؤں گا۔ میں جب شب میں قید خانہ میں شاداں و فرحاں ہوتا ہوں تو میں تین مشہور و معروف اشعار گایا کرتا ہوں۔

ہم آئرلینڈ و مصر کی تقلید کرینگے

ہم کہتے ہیں کہ ہم آئرلینڈ مصر اور اٹلی کی نقل نہ کریں گے ہم سوراج کے لئے اپنے وسائل کو محفوظ رکھیں گے، اس کے بعد انہوں نے اردو کے چار شعر پڑھے اور اپنا بیان اس امید پر ختم کیا کہ گورنمنٹ کو ہوش و حواس میں لاتے ہی لوگ ان کی امداد کریں گے۔

بادۂ عرفان

از خیام الہند حضرت حیدر دہلوی

نہ یہ مجھ سے دوری نہ یہ پیش و پس ہو تمہیں دل میں رکھ لوں اگر میرا بس ہو

قوانینِ قدرت ہیں خود شرحِ قدرت اگر آدمی کی نظر نکتہ رس ہو

مری راہ میں کوئی منزل نہ رہرو مرا کارواں کیوں رہینِ جرس ہو

تجلّی ہے بیزارِ تمثیل و شرکت تصوّر بھی شاید تضیعِ نفس ہو

تمہیں کون حدِّ تعین میں لائے ورار الورا ہو ورائے نفس ہو

مرتب کئے جائیں اس طرح تنکے نشیمن پہ اب کے گمانِ قفس ہو

بسا مغتنم مرگِ جاوید حیدر

جہاں زندگی بر بنائے نفس ہو

مزدوروں کی حالت

از جناب محمد صادق کاشمیری

مزدور پیشہ لوگوں پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ یہ عموماً طور پر ناعاقبت اندیش ناشکرگزار ذہانت میں کمزور اور کفایت شعاری کے جوہر سے محروم ہیں لیکن میری رائے میں یہ خیال سراسر غلط ہے حقیقت میں جب یہ لوگ اپنی ناگوار اور ابتر حالت کو دیکھ کر مایوس ہو جاتے ہیں تو اُن کی تشویش ساری خرابیوں کا موجب ثابت ہوتی ہے اگر اس طبقہ کے لوگوں کی حالت ایسی کر دی جائے کہ انہیں ہر وقت روزی ہی کی فکر نہ لگی رہے اگر ان کی محنت کا معقول معاوضہ دیا جاوے اور سرمایہ دار طبقہ کے لوگ ان کی اچھی قدر کریں اگر ان کی شرح اجرت کا پیمانہ اس طریقہ پر قائم ہو جاوے کہ کم از کم تنخواہ مقرر رہو مگر زیادہ سے زیادہ بھی کما سکیں تو یقین ہے کہ ان آسائشوں کے ذریعہ جو اس طریقہ پر انہیں حاصل ہوں گی ان کے وہ تمام تفکرات دور ہو جائینگے جو بحالت موجودہ برائی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

میری رائے میں زیادہ سے زیادہ شرح اجرت قائم کرنے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ جس حالت میں مزدوروں سے سرمایہ داروں کو اپنے کام میں زیادہ مدد ملے تو ان کی اجرت بھی یقیناً بڑھتی رہنی چاہیئے لیکن کم از کم شرح اجرت مقرر کرنا اس واسطے لازم ہے کہ ان ایام میں جب مزدوروں کی مانگ بہت کم ہوتی ہے یہ لوگ بیکاری کے مضر اور تباہ کن اثرات سے محفوظ رہیں یہ کارروائی مالکان کارخانہ کے لئے مضر نہ ہوگی کیونکہ یہ لوگ ان ایام میں جب کاروبار تیزی پر ہوتا ہے۔ اور ان کی تجارت چمکتی ہے۔ تھوڑے عرصہ میں ہی نہایت معقول نفع کما لیتے ہیں۔ پس یہ ضروری ہے کہ ان ایام میں جب کاروبار کم ہو وہ ایسی شرح اجرت ادا کرنے پر مجبور کئے جائیں کہ ان کے مزدور آسائش کی زندگی بسر کر سکیں۔

کارخانہ دار لوگ خوشحالی کے ایام میں اتنا روپیہ جمع کر لیتے ہیں کہ انہیں نہ صرف معقول آمدنی ہوتی رہتی ہے بلکہ بہت سا روپیہ جمع بھی ہو جاتا ہے لیکن مزدور چونکہ زیادہ سے زیادہ اجرت پر بھی ایام مصیبت کے لئے کچھ پس انداز نہیں کر سکتے۔ اس لئے سرمایہ دار حضرات سے صرف ان ایام ہی میں کام لیتے ہیں جب انہیں ضرورت ہوتی ہے اور جب ضرورت باقی نہیں رہتی تو انہیں ملازمت سے محروم کر دیتے ہیں یا ناکافی معاوضہ دیتے ہیں۔ درحقیقت ان مزدوروں کی مزدوری کی بدولت ہی مالکوں کو معقول آمدنی ہوتی ہے اور وسیع جائداد پیدا کر لیتے ہیں۔ پس یہ ضروری ہے کہ مزدوروں کی قدر و قیمت صرف اس عرصہ کے لئے ہی نہ سمجھی جائے جب تک ان کے کام سے عظیم منافع حاصل کیا جا سکتا ہے۔

مزدور کا سرمایہ اس کی مزدوری ہے۔ اور جس طرح کسی بنک میں جمع شدہ روپیہ کا سود ہمیشہ ملتا رہتا ہے اسی طرح مزدور کو اس کی مزدوری کا منافع دائمی طور پر ملنا چاہیئے۔ جس طرح تجارت کے چمکنے پر روپے کی قیمت بڑھ جاتی ہے اسی طرح تجارت کی ترقی پر مزدوروں کی مزدوری بھی بڑھ جانی چاہیئے۔ لیکن جیسے شرح سود کا ایک کم از کم پیمانہ مقرر ہے۔ مزدوری کا بھی کوئی کم از کم پیمانہ قائم ہونا چاہیئے اور یہ تو بالکل نہ ہو کہ جب ضرورت نہ ہو مزدوروں کو جواب دے دیا جاوے۔ میں اپنے اس خیال کی توضیح اس طریق پر کر سکتا ہوں کہ اگر ایک ہزار روپیہ کسی بنک میں جمع کر دئے جائیں تو ان پر تین فی صدی کا سود ہر وقت مل سکتا ہے۔ لیکن موقع ایسے بھی پیش آتے ہیں۔ جب یہ شرح چھ سات فی صدی تک پہونچ جاتی ہے۔ یہی حالت مزدوری کی ہونی چاہیئے۔ جب تجارت کا کام ہلکا پڑ جاتا ہے تو کارخانہ داروں کے نفع میں تخفیف ضرور ہو جاتی ہے مگر وہ اس کی بدولت تباہ نہیں ہو جاتے انہیں ان ایام میں معقول منافع نہ بھی ہو تو ان کا اندوختہ ان کی حاجات پورا کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے لیکن غور کیجئے ان کے ملازموں کی حالت اس سے کتنی مختلف ہے۔

ان کے لئے بیکاری یا آمدنی کی کمی تباہی فاقہ کشی اور مصیبت کے معنی رکھتی ہے۔ اس سے ان کے چھوٹے ناشگوار گھریلو بہت بری ابتری تبدیل جاتی ہے۔ بچوں کی تعلیم رک جاتی ہے ان میں بد اخلاقی اور ذلت نمودار ہونے لگتی ہے حتیٰ کہ محتاجی اپنا قدم جما کر انہیں دست امداد پھیلانے کے لئے مجبور کرتی ہے۔

قدرتی طور پر بہت سے اضلاع میں نہ تنخواہ اور نہ اجرت پر مزدور کی مانگ اور بہم رسانی میں مساوات قائم نہیں۔ حتیٰ اس کے متعلق گورنمنٹ کو ایسے انتظامات عمل میں لانے چاہئیں کہ شرح اجرت میں وہ خوفناک انقلاب پیدا نہ ہو۔ جو ہزارہا مستحق اور با مشقت مزدوروں کے لئے تباہی کا موجب ثابت ہوتا ہو۔ ضرورت ایک ایسا قانون پاس کرنے کی ہے جس کی رو سے کسی مزدور کو ایک خاص قائم کردہ شرح اجرت سے کم ہرگز نہ دی جائے ان غریبوں کے پاس نہ زمین ہے نہ جائداد منقولہ ان کے مالک چند مالدار افراد ہیں جن کا طرز عمل مزدور طبقہ کے لئے غیر منصفانہ اور تشدد آمیز ہے اس مضر اثر کو دور کرنے اور مزدور پیشہ طبقہ کی حالت میں اصلاح عمل میں لانے کا طریقہ یہی ہے کہ مزدوروں کو ہر وقت جب وہ کام کی تلاش میں ہوں کام مہیا کیا جائے۔ موجودہ حالت میں مزدور پیشہ آدمی کبھی اطمینان محسوس نہیں کر سکتا وہ سمجھتا ہے جس مکان میں میں رہتا ہوں مالک کا ذرا سا اشارہ مجھے اس سے بے دخل کر سکتا ہے اسے اس بات کا بھی اطمینان نہیں ہوتا کہ اگر آج مجھے گوشت روٹی نصیب ہوئی ہے تو کل خشک روٹی بھی نصیب ہوگی یا نہیں ان باتوں کے نتیجے ہونے والے لوگوں کے ذہنی اضطراب اور پریشانی کا اندازہ کرنا ایک سہل امر ہے جو پہنچے تو چند گھنٹوں میں نا عاقبت اندیش اور لا پرواہ قرار دیتے ہیں وہ خود ان خرابیوں کے ذمہ دار ہیں۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ تھوڑے سے آدمی ذاتی منفعت کی غرض سے لاکھوں بندگان خدا کو ان کے حقوق سے محروم رکھیں کیا یہ انصاف ہے کیا یہ راستی ہے، کیا یہ انسانیت ہے۔ ان لوگوں سے بالواسطہ طریق پر بےشمار روپیہ بطور ٹیکس وصول ہوتا ہے اور اس لحاظ سے سرکاری آمدنی میں ان کا حصہ امیروں سے زیادہ ہے ان کی ضروریات زندگی یعنی چائے، شکر، تمباکو، ماچس وغیرہ سب سے زیادہ سرکاری آمدنی کا ذریعہ ہیں۔

قابل مصنفوں کے تاریخی جاسوسی عشقیہ ناول

نوٹ:۔ ان ناولوں کی وہی قیمت درج کی گئی ہے جو کم سے کم ہو سکتی ہے۔ چھپی ہوئی قیمتوں کا خیال نہیں کیا گیا۔

ختیام کشور	۹ر
خفیہ جلسہ	۴ر
باغی سپاہی	۱۰ر
آفتاب عالم حصہ اول	۱۲ر
〃 〃 دوم	عہ/۲ر
〃 〃 سوم	عہ/۲ر
〃 〃 چہارم	عہ/۲ر
عاشق کا دل	۱۲ر
بیگناہ حسینہ	۱۲ر
بہادر ڈاکو	۸ر
پہلی صلیبی جنگ حصہ اول	۱۲ر
〃 〃 〃 دوم	عہ/۲ر
پراسرار تصویر	۱۲ر
پراسرار انسان	۱۲ر
ترکی شمشیر	۱۲ر
ترکی فرشتے	۱۲ر
جانباز حسینہ	۱۲ر
جنگ بلقان	عہ/۴ر
جاپانی شہزادہ	عہ/۲ر
حسین شہزادی	۱۲ر
جوشِ جوانی	۱۰ر
حسین شکاری	۱۰ر
حور بغداد	۶ر
خونی شمشیر	۱۲ر
خوفناک ڈاکو	۵ر
خوفناک جادوگر	۸ر

خانہ خراب عشق	۵ر
انقلاب مصر	۱۲ر
طلسمی پنجہ	عہ
طلسمی ہار	۷ر
صلیبی جہاد اول	۱۲ر
〃 〃 دوم	عہ/۴ر
عرب کا چاند	۱۲ر
دغاباز بیوی	۱۰ر
زہرا	۱۲ر
شہزادی عباسہ اول	۱۲ر
〃 〃 دوم	عہ/۲ر
〃 〃 سوم	عہ/۲ر
محمد قاسم	۱۲ر
مشرق کی حور	۱۲ر
خونی دلہن	۱۲ر
بیگناہ قیدی اول	۸ر
〃 〃 دوم	۸ر
ہندوستانی غنڈہ	عہ/۴ر
خون کا بدلہ خون	۱۲ر
مظلوم نازنین	۱۲ر
مہذب ڈاکو	۵ر
معشوقہ صلیب اول	۱۲ر
〃 〃 دوم	عہ/۴ر
بہادر دلہن	عہ/۲ر
حور عرب	عہ/۲ر
سنگدل ملکہ	عہ/۲ر

اسیر محبت	۱۰ر
طلسمی شیشہ	۱۴ر
عجیب تہ خانہ	۲ر
پراسرار غبارہ	۵ر
جنگ روس	۵ر
سنہری ٹولہ	۸ر
جنگ ہسپانیہ	۱۲ر
ترکی اسیر اول	۱۲ر
〃 〃 دوم	عہ/۲ر
مصر کا چاند اول	۱۲ر
〃 〃 دوم	عہ/۲ر
چار انقلابی	۸ر
حجاج بن یوسف	عہ/۲ر
پراسرار دوشیزہ	۸ر
معاشقہ نپولین	۶ر
افریقہ کے دو چاند	عہ/۴ر
پھانسی کا تختہ	۵ر
فریبی جال	۹ر
عبدالرحمٰن ناصر	عہ
نازنین مراکش	۸ر
جنگ تراتان اول	۶ر
〃 〃 دوم	۱۲ر
بیوی کا قاتل	۱۲ر
فرانس کی حسینہ	۱۲ر
تبیر کابل	عہ
طلسمی تاج	۱۲ر

شکنتلا	۱۲ر
ایک [illegible]	۶ر
بہادر عرب حصہ اول	۱۲ر
〃 〃 دوم	عہ/۲ر
فریب رنگین	۹ر
پھڑکتی آنکھ	۴ر
محمود دوروزرا	۱۲ر
ایران کی حسینہ	۱۲ر
شیر اسلام	۶ر
افغانوں کی تلوار	عہ
انقلاب سمرنا	۶ر
بہادر حور اول	۸ر
〃 〃 دوم	۱۲ر
〃 〃 سوم	۱۲ر
بہادر دوشیزہ	عہ
ترکی شہزادہ اول	۸ر
〃 〃 دوم	۱۴ر
اندلس کے دو چاند اول	۸ر
〃 〃 دوم	۱۲ر
〃 〃 سوم	۱۲ر
〃 〃 چہارم	۱۲ر
معشوقہ فرعون	عہ
انطاکیہ کی حور اول	۸ر
〃 〃 دوم	عہ
تماشہ پہ تماشہ	۴ر
عشق کی گولیاں	۴ر

تصانیف مصور غم علامہ راشد الخیری

حیات صالحہ	عہ/۸ر
صبح زندگی	عہ/۸ر
شام زندگی	عہ
شب زندگی	عہ
شب زندگی مکمل	ع۱ر
طوفان حیات	عہ
جوہر قدامت	عہ/۸ر
منازل السائرہ مکمل	ع۱ر
نوحہ زندگی	۱۲ر
تمغہ شیطانی	۱۲ر
سات روحوں کے اعمالنامے	۸ر
بیلہ میں میلہ	۱۲ر
سلوتی	۷ر
مودہ	۷ر
تفسیر عصمت	۵ر
بنت الوقت	۸ر
سراب مغرب	۸ر
انگوٹھی کا راز	۶ر
فسانہ سعید	۸ر
ولایتی مٹھی	۶ر
منازل ترقی	۴ر
جوہر عصمت	عہ/۸ر
سیلاب اشک	عہ/۴ر
طوفان اشک	عہ/۴ر
نانی عشو	۱۰ر
نسوانی زندگی	۸ر
گلدستہ عید	۸ر
روداد قفس	۱۰ر

گرفتار قفس	۴ر
آمنہ کا لال	عہ
سیدہ کا لال	عہ/۱۲ر
الزہرا	عہ
قلب حزیں	۸ر
یاسمین شام	عہ/۴ر
عروس کربلا	عہ/۴ر
محبوب خداوند	۱۲ر
تیغ کمال	عہ/۴ر
شہید مغرب	عہ
در شہوار	۸ر
احکام نسواں	عہ
محسن حقیقی	۲ر
دعائیں	۸ر
قرآنی قصے	عہ
گدڑی میں لال	عہ/۴ر
چمنستان مغرب	عہ
عروس مشرق	۱۰ر
بزم رفتگان	۱۰ر
نالہ زار	۱۲ر
بیفکری کا آخری دن	۴ر
بابل بہار	۱۰ر
سیاحت ہند	عہ
گرداب حیات	عہ
حور اور انسان	۱۲ر
دادا لال بجھکڑ	۸ر
آفتاب دمشق	عہ/۴ر
سمرنا کا چاند	عہ/۴ر

افسانہائے عشق

(خالدہ ادیب خانم کے ایک شاہکار کا ترجمہ)

چاند نے کہا کہ:-

جون کے مہینہ میں جب کہ ریگستان آتش وحیات سے متحرک ہوتا ہے۔ میں ایک رات اس سنہرے ریت کے ذروں پر جس میں اہرام خوابیدہ ہیں اُن ہلکے بادلوں میں جو نیلگوں آسمان پر چھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ مصر علیا سے مصر سفلی کی طرف سے ہوا جاتا ہوں۔ دریائے نیل کی سبزی مائل سست خرام کی سطح منور پر میرا چہرہ کنارہ کی نمدار شادابیوں میں سے ہوکر پھسلتا ہوا نظر آتا ہے اور میں خود اس کی سیر کرتا ہوں۔

ہر سال مقررہ رات کو عشق کی تین مورتیں اسی جگہ سے نکلتی ہیں جو خرمے کے درختوں کی شاخوں سے ڈھکی اور چھپی ہوئی نیل کی ایک محرمیت ہے۔ اور جہاں وہ ہر سال غوطہ کھا کے غائب ہو جاتی ہیں۔ ہر سال اسی رات کو اسی مقام پر سے نکلکر تینوں اپنے افسانہائے عشق بیان کرتی ہیں۔ اس کے بعد تینوں میری آخری شعاع کے ساتھ سبزی مائل نیل میں ڈوب جاتی ہیں اور اپنے مستثنے اجسموں کو دریا کے نیم گرم پانی کی آغوش میں ڈال کر اپنے متفکر چہروں کو اور اپنی مغموم اور مکدر آنکھوں کو جوان کے اضطراب آمیز عشقوں کا آئینہ ہوتی ہیں آسمان کی طرف متوجہ کئے ہوئے ماضی کی طرف جہاں سے آتی ہیں لوٹ جاتی ہیں۔

سب سے اول زلیخا نکلتی ہے۔ اس کے سیاہ بال نہایت شاندار طریقے سے گندھے ہوتے ہیں جن پر ایک سفید سادہ اوڑھنی پڑی ہوتی ہے۔ آنکھیں بڑی اور سیاہ ہیں جو اس طرح چمک رہی ہیں جیسے دو سیال آفتاب۔ اس کی تمام حرکات ایک عمیق اور معنی دار مقدس بھجن کی طرح پُر آہنگ، متوازی اور سنجیدہ ہیں۔ وہ مصر کی سب سے پرانی عاشقہ اور تمام عالم ماضی کی سب سے زیادہ حسین عورت ہے۔ اس میں ایک ایسی پُر عظمت ادا ہے کہ جو صرف اُن عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ جن کا قلب سوائے ایک منتخب آتش کے شعلے کے ہر چیز کے لئے بند ہو چکا ہے۔ جو ایک یگانہ اور برگزیدہ عشق کی محشرستانیوں میں اپنی زندگی بسر کر رہی ہے۔ وہ سال میں ایک مرتبہ اس برکت دار اور حاصل خیز زمین پر جو اس کی صحنہ عشق وحیات رہ چکی ہے۔ آتی ہے۔ اور اس کے بازو اور شانے سادہ مگر پُر ارمان حرکتِ حیات سے متحرک معلوم ہوتے ہیں۔ بولتے وقت خرمے کے درختوں کی شاخوں کے نیچے ہوا میں اوپر تلے آجاتی ہے۔ اور اس کی عظمتِ رفتار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین سے کسی بڑے سیارہ کی ملکہ ہے۔ اس کی آواز میں گہرے صمیمی اور دردانگیز نغمے بھرے ہوتے ہیں۔ وہ کہتی ہے!-

اے ارض مقدس! جس نے میری روح کو آتش وحرارت میں مبتلا پیدا کیا ہے۔ اے تیرے پُر فیض حیات وفراوانی بخش سینہ پر تیری حقیقی بیٹی پھر آئی جس طرح تو اپنے سینے اور اپنے دل کی گہرائیوں میں سے آخری قطرۂ محبت وفیض کسی کو دینے سے دریغ نہیں کرتی لیکن خاموش رہتی ہے میں بھی اپنے عشق کے درد وسوز کے بیان کرنے اور اس تصویر میں رنگ بھرنے سے احتراز کروں گی۔ مگر کیا یہ بھی نہ کہوں کہ تیری حقیقی اولاد یوسف نے ہی میری اس عصمت ودقار کے باوجود میری روح میں یہ آگ بھڑکائی تھی؟ وہ جب اس دنیا میں تھا اُس وقت جس طرح میرا دل اپنی منفرد اور پوری قابلیت جوش کے ساتھ اس پیارے چہرے کے لئے تڑپتا تھا۔ اب بھی اسی طرح تڑپتا ہے۔

تو اپنے فیض کو اپنی ٹھنڈی اور بے جان برکت کو آخری دم تک اپنی اولاد کو بخشے گی۔ میں تیری سچی بیٹی زلیخا بھی ابد تک اپنی آخری شعلے، اپنی حرارت کو اسی کے لئے محفوظ رکھوں گی۔

اپنے ایمان عشق کی اس طرح صمیمیت روح سے تکرار کرکے وہ اپنے لمبے اور شاندار بازوں کو اس نمناک وپُر فیض زمین کی طرف

اس طرح بڑھاتی ہے گویا اس سے لپٹنا چاہتی ہے۔ اس کی تقدیس کرتی ہے اور آخرکار ان سبز رنگ کی موجوں میں جو اسے اپنی شیریں آغوش میں لینا چاہتی ہے ڈوب کر چلی جاتی ہے۔

اس کے بعد کلوپیٹرا اپنے تمام طنطنۂ احتشام، اپنی تمام شان و شوکت کے ساتھ نکلتی ہے۔ وہ اس سج دھج سے آتی ہے جو اس نے اپنے آخری سپاہی عاشق کو دکھائی تھی۔ اس عاشق کو جس نے اس کے متلون اور ہرجائی دل کو موہ لیا تھا۔

سواری کا بجرہ سونے کا ہے، چپو چاندی کے ہیں بادبان ریشم کے جن میں سے وہ معطر خوشبوئیں نکل رہی ہیں جو لذیذ آرزوؤں سے ہوا کو بھی مست کر رہی ہیں خود زرتار تکیوں سے کمر لگائے اپنی حسرت اور ارمانوں کو لئے طلبگار لیٹی ہے۔ اس کے نازک جسم کی ادنیٰ حرکت میں لطیف اشارات احتراز پیدا ہوتے ہیں جنہیں بلیغ موسیقی سمجھانے کی کوشش کر رہی ہے اور نہیں سمجھا سکتی۔ اس کے سانولے نازک چہرے کے گرد اس کے چمکیلے اور نرم بال ایک ادائے تمیمت سے اپنی پوری رونق کے ساتھ پڑے ہوئے ایک دل آویز تصویر کا چوکھٹا بنے ہوئے ہیں۔ اس کی دلکش پیشانی میں، اس کی مخمور آنکھوں میں، ان ہونٹوں میں جن کی ہر جنبش میں ایک داستانِ عشق پنہاں ہے۔ اس کے حسین جسم کے ہر عضو میں غم الفت، دیوانگی محبت، ابتلائے مضطربیت جلوے دکھاتی ہیں۔ اس عورت کا سیما۔ اس عورت کی روح نامتناہی ہے۔ اس کی زندگی ایک مدید لحۂ رقص رہی ہے جس میں وہ ہر آن ایک نئے جلوے، ایک نئی روح سے ظاہر ہوئی ہے۔ اس وقت، کہ اس کا بجرہ نیل پر تیرتا ہوا جا رہا ہے۔ اس کے بجرے کے گرد ہزار ہا روحیں جنہوں نے اس کے عشق کے عذاب اٹھائے ہیں۔ اب بھی ان عذابوں سے آتش زیر پا مگر پروانہ وار چکر لگا رہی ہیں۔ ان پروانوں میں کون کون ہیں بڑے سنجیدہ دماغ والے عقلمند لوگ ہیں جو اس کی متلون مزاجی، کبھی متواضع کبھی مغرور اداؤں کے شکار ہو چکے ہیں۔ بڑے بڑے بااختیار محتشم شہنشاہ ہیں یہ اس حسن کی کشش میں کھنچے چلے آتے ہیں جسے وہ زہر اسے مانگ کر لائی ہے۔ یہ بے چارے سب کے سب وہ اسیر ہیں جنہوں نے تھوڑی دیر کے لطف اور وجد کے بدلے میں اس کے بیدرد ہاتھوں سے زہر کے پیالے پیئے اور نیل میں ڈوب گئے۔ یہ کہنا چاہئے کہ اس تماشاگاہ عالم میں وہ ایک بڑی ایکٹرس تھی جو عشق کا کھیل کھیلنے نہیں بلکہ عشق کی زندگی بسر کرنے کو ہی آئی تھی۔

مگر آج کی رات جب کہ جون کی گرمی میں ریگستان آتش حیات سے متحرک ہے۔ اور وہ زمین پر اپنا پرانا افسانۂ عشق بیان کرنے کو ہی ہے اس کا ایک بھید ہے جسے میں ہی سمجھتا ہوں۔ اور دنیا اور دنیا میں کوئی نہیں سمجھتا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ بظاہر ظالم عورت کمزور عورت ہے جو تمام عمر عشق کے ہاتھوں ستائی گئی۔ وہ ایک ملکہ ہے جس کی تمناؤں کا اتنا خون ہوا کہ وہ ایک سانپ سے موت کی بھکاری ہوئی۔

وہ بہت کم باتیں کرتی ہے۔ مگر اس کے اوضاع اس کی حرکات سے کیا کیا نہیں ٹپکتا۔ مثلاً جس وقت وہ اپنے آخری عذاب الیم کو دوبارہ زمین پر بیان کرنا چاہتی ہے تو وہ صرف اپنے ہاتھ کو نیل کی کیچڑ میں ڈالتی ہے۔ وہاں اسے ایک چھوٹا سا سانپ ملتا ہے جسے وہ باہر نکال لاتی ہے اور اسے اپنے سینہ پر رکھتی ہے۔ پھر اپنے عبا کو اپنے اوپر ڈال لیتی ہے اور جسم کو جو موت میں بھی ایک طرف قیصر و کسریٰ کی شان یاد دلاتا تھا، اور ایک طرف ایک پھول، ایک ستارہ یعنی ایک عورت کا جسم تھا اس شاہانہ لباس سے ڈھک لیتی ہے۔ اور نیل کے سبزی مائل پانی میں جو اپنے شیریں آغوش میں اسے لینے کے لئے منتظر ہے اپنے تئیں ڈال کے غائب ہو جاتی ہے۔

سب سے آخر میں ہیپاشیا سبز موجوں کے پردے کو ہٹا کر یکایک نیل کے کنارے نکلتی ہے۔ کہنیاں گھٹنوں پر رکھے، سر ہاتھوں میں لئے۔ ستاروں کی طرح روشن آنکھوں کی غدار نظریں نیل کی طرف کئے ہوئے وہ بڑی دیر تک نیل سے راز دل کہتی ہے۔ میں اس حسین و متفکر چہرے کو بہت پیار کرتا ہوں اس نے مجھ سے کہا۔

میں نے انسانوں کو قعر ذلت میں سے نکالنے اور ابھارنے کی کیا کیا جد و جہد نہ کی۔ اے پیارے چاند تو اس کا شاہد ہے انسان جس وحشت و بہیمیت میں مبتلا ہے وہ نظارہ اپنی خون کن تجلیوں میں میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ مگر اس وقت اس پاک علوی خواب کو دوبارہ دیکھ رہی تھی جو افلاطون کی بزرگ روح نے انسانوں کے لئے دیکھا تھا۔ میں چاہتی تھی کہ سب انسان آنکھ، روح اور فکر کے ذریعہ پروردہ حسن و خوبی ہوں پھر کی خوبصورتی، صنعت کی خوبصورتی ان کے چاروں طرف تمبر ریز ہو اور ان کے دماغ حسن سماوی کی طرف بالاپرواز ہوں۔ میں چاہتی تھی کہ انسان کے قوائے ذہنیہ علم کے ذریعہ سے آراستہ ہو کر (کہ قوائے ذہنیہ ہی انسان کی بلند ترین تجلی ہیں) وہ جسم کی سفلیت و تاریکی پر غالب ہوں، آہ اس کے لئے میں نے کیسی کیسی کوششیں کیں، مگر ہوا کیا۔ ادھر اس مونس و روحانی مسیحا کی امت جو انسان کو بچانے کے لئے آیا تھا انسانوں

کو عذاب و شکنجہ میں کھینچ کھینچ کر فکار اور دماغ کو تعصب و جہالت سے بھر بھر کے تاریک کر رہی تھی اور ظالم و خونخوار منکر میرے پاس خواب کو برباد اور میرے تمام مجاہدے کے مقابل میں دیوار آہن استادہ کر رہی تھی۔ وہ مجھے گھسیٹ کر لے گئے اور بے گناہ عیسیٰ کی تصویر کے نیچے جو مغموم گریہ حالی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ مجھے ذبح کیا اور میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے مجھے تو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا مگر میرے دماغ کے تخیلات کے ستارے اب بھی مرتفع، اب بھی ضیا بار، اب بھی آسمانِ ہدایت میں درخشندہ ہیں۔ اور رہیں گے۔

اس نے جب یہ دلدوز تقریر ختم کی تو اس سوز و گداز کے ساتھ

جو زلیخا اور کلوپیٹرا کے ماجرائے عشق نے مجھ میں پیدا کر دیا تھا۔

وہ جب ہر سال اپنا فسانہ اپنی آنکھوں سے مجھے سناتی ہے میں سفید اور سنہرے بادلوں سے نکل کر اور اپنی زرد اور ٹھنڈی شعاعیں اس کے محبوب چہرے اور اس کے حسین جسم پر ڈال کر شفقت و نوازش سے اس کے بوسے لیتا ہوں۔ اس کی تقدیس کرتا ہوں۔ آخر کار وہ بھی ان دونوں کی طرح سبز پانی کی شیریں اور منتظر آغوش میں اپنے تئیں ڈال دیتی ہے اور غائب ہو جاتی ہے۔

ارشاد

(از حضرت علامہ سیماب اکبرآبادی مدظلہ العالی)

فریبِ آگہی سے وجد میں ہے رازداں میرا
کہ جیسے اُس کے دل کی چوٹ ہے دردِ نہاں میرا

کروں پھر عرضِ جلوہ، حوصلہ اتنا کہاں میرا
فرازِ طور پر ہو تو چکا ہے امتحاں میرا

تعالی اللہ، نازِ عشق پہونچا ہے کہاں میرا
جبینِ حسن ہے اب، اور سنگِ آستاں میرا

نہیں یہ آستاں ہے سجدۂ سنگیں نشاں میرا
جو تیرا آستاں ہے یہ، تو سجدہ ہے کہاں میرا

مآلِ جوشِ وحشت، اک دلِ صد پارہ کافی ہے
نہ ٹکڑے آستیں میری، نہ دامن دھجیاں میرا

بہت چوکا جو قانع ہو گیا دو چار تنکوں پر
خبر کیا تھی کہ یہ سارا جہاں ہے آشیاں میرا

زمیں پر لالہ و گل، آسماں پر چاند اور تارے
یہ ہستی کیا ہے، رنگین و درخشاں کارواں میرا

میں کیوں صبحِ ازل سے قصد کرتا شامِ ہستی کا
نہ تھا معلوم اتنا وقت ہوگا رائیگاں میرا

کچھ ایسی شعریت سے میں نے بنیاد اسکی رکھی تھی
جہانِ شاعری میں سج رہا ہے آشیاں میرا

مرے سائے سے کیوں بچتی ہے دنیا، میں وہ راہی ہوں
وہیں دنیا بنا دی پڑ گیا سایہ جہاں میرا

مجھے ہے فکرِ بیداری، اور ان پر نیند ہے طاری
ستاروں کو الٰہی بخش دے خوابِ گراں میرا

ہیں میری روح کے ہمراہ، میرے منتشر ذرّے
مجھی سے پھر مرتب ہو گیا ہے کارواں میرا

جسے میں زندگی کی آگ کا حاصل سمجھتا ہوں
چتا میں رکھ کے یہ دنیا اڑا دے گی دھواں میرا

مجھے آتا ہے رونا رسمِ ہمدردی پہ دنیا کی
ملا دے گا یہی مٹی میں جو ہے نوحہ خواں میرا

زمیں ہشیار اپنے ظرف کی تنگی و وسعت سے
اُٹھانا ہے اسی کو اک دن خوابِ گراں میرا

ابد کے بعد پھر صبحِ ازل کی روشنی چمکی
کبھی پیچھا بھی چھوڑے گی حیاتِ جاوداں میرا

نہیں احساس اے سیماب مجھ کو عہدِ پیری کا
خدا رکھے ابھی ذہن و تصوّر ہے جواں میرا

مغلوں کے عہد حکومت کے چند واقعات

نہ اب مغل ہیں۔ نہ مغلوں کی حکومت۔ لیکن مغلوں کی حکومت کے واقعات آج بھی تاریخ دہرا رہی ہے۔ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ مغلوں نے ہندوستان میں کس قدر تدبّر اور دانشمندی کے ساتھ حکومت کی ہے۔ مغلوں کے عہد حکومت کے چند واقعات ہم تاریخ سے درج کرتے ہیں۔ جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مغلوں کی حکومت کس درجہ حکمرانی کے بلند اصولوں پر قائم تھی۔

ابراہیم لودھی کو پانی پت کے میدان میں شکست دینے کے بعد جب بابر دہلی کی طرف بڑھا۔ تو دہلی کے باشندوں کو خوف ہوا کہ دہلی میں بھی پانی پت کے میدان کی طرح قتل و خون کا طوفان برپا ہوگا لیکن بابر نہایت پرامن طریقہ پر دہلی میں داخل ہوا۔ اور اس نے دہلی میں اپنی شہنشاہیت کا اعلان کرتے ہوئے کہا:۔

اے ہندوستان کے باشندو خدا نے مجھ کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے۔ میں تم کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں تم پر حکومت کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ بلکہ تمہاری خدمت کے لئے میں نے تمہارا ملک فتح کیا ہے۔ باغیوں کو ضرور سزا دی جائے گی۔ لیکن پرامن لوگوں سے میں یا میرا آدمی کچھ نہ کہے گا۔ میری حکومت میں جملہ مذاہب اور اقوام کے ساتھ یکساں سلوک ہوگا

اس تقریر کے بعد بابر فوراً آگرہ چلا گیا۔ بابر کو اگرچہ حکمرانی کے جوہر دکھلانے کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ لیکن پھر بھی اس نے ہندوستان میں اپنے قول کے مطابق نہایت رواداری کے ساتھ حکومت کی۔ اس نے ہندوؤں کے لئے مندر تعمیر کرائے اور مسلمانوں کے ساتھ برادرانہ سلوک کیا۔

اکبر کی حکومت تو رواداری کے معاملہ میں تمام مغل بادشاہوں سے بازی لے گئی۔ ہندوؤں کے ساتھ اس کی رواداری اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ وہ خود ہندو رسم و رواج میں رنگ گیا۔ اس نے اپنی اور اپنی اولاد کی ہندو عورتوں کے ساتھ شادیاں کیں اور شادی کے بعد بھی کبھی ان کو تبدیل مذہب کے لئے نہیں کہا۔ چنانچہ مغلیہ حرم میں جو ہندو رانیاں رہتی تھیں وہ اپنے عقائد کے مطابق پوجا پاٹ کرتی تھیں۔ اکبر کہا کرتا تھا کہ دنیا کے تمام مذاہب سچے ہیں۔ سب کا مقصد ایک ہی ہے۔ صرف طریق عبادت جدا ہے۔

وہ خود بھی کبھی کبھی اپنی رانیوں کے ساتھ پوجا پاٹ میں حصہ لیتا تھا۔ اور جب وہ پوجا کرتا تھا تو اس کے چہرہ سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ایک نہایت ہی عقیدتمند ہندو ہے۔ اس کی یہ روش مسلمانوں میں سخت ناپسند کی جاتی تھی چنانچہ علماء کے نزدیک وہ کافر تھا لیکن کسی عالم کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ وہ اعلانیہ اکبر پر کفر کا فتویٰ لگاتا بلکہ بعض علماء نے اسے ایک نئے مذہب کے بنانے کی ترغیب دی جس کا نام اس نے دین الٰہی رکھا تھا۔

اکبر بڑا ہی منصف مزاج تھا۔ وہ انصاف کے مقابلہ میں قرابت داروں اور دوستوں کا ذرہ برابر بھی لحاظ نہیں کرتا تھا اکبر کے انصاف کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ اکبر کے دودھ شریک بھائی مرزا عزیز کا دیوان کچھ روپیہ کھا گیا۔ جب مرزا کو اس کی اطلاع ہوئی تو مرزا کو بے حد ناگواری ہوئی۔ مرزا نے اس خائن دیوان کو اپنے غلام طالب کے سپرد کر دیا۔ طالب پہلے ہی سے دیوان سے جلا ہوا تھا اس نے دیوان کو باندھ کر ٹکا دیا اور لٹکانے کے بعد اچھی طرح سے اسے زدوکوب کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیوان مر گیا۔

دیوان کا باپ شہنشاہ کے دربار میں روتا ہوا آیا۔ اکبر نے

فوراً تحقیقات شروع کردی۔ اور مرزا عزیز کو جو اس زمانہ میں پنجاب کے صوبیدار کا درجہ رکھتے تھے اور خان اعظم کے خطاب سے سرفراز تھے بلوایا۔ ان کا مقدمہ باقاعدہ اکبر کی زیرنگرانی قاضی کی عدالت میں پیش ہوا۔ خان اعظم نے ہرچند کوشش کی کہ یہ بلا غلام پر ٹل جائے لیکن اکبر نے تعلقات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خان اعظم کو سخت سے سخت سزا دی۔

جہانگیر کے طور طریقے بھی اکبر سے بہت زیادہ ملتے ہوئے تھے فرق صرف اتنا تھا کہ اکبر ایک سپاہی تھا اور جہانگیر آرام طلب حکمران لیکن عدل و انصاف میں وہ بھی کسی صورت سے اپنے باپ سے پیچھے نہیں تھا۔

جہانگیر کے دور حکومت کا ایک واقعہ ہے کہ ۱۶۰۹ء میں جہانگیر بنارس گیا۔ اور وہاں قیمتی خیموں میں کھلے میدانوں میں قیام کیا رات کا وقت تھا کہ یکایک جہانگیر کے کانوں میں ایک عورت کے چیخنے کی آواز آئی۔ جہانگیر خیمہ سے باہر نکل آیا۔ دیکھا کہ چند سپاہی ایک عورت کو کھینچتے ہوئے لے جا رہے ہیں۔ جہانگیر فوراً ان کے سر پر پہنچ گیا اور ان سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے۔ سپاہیوں نے جواب دیا کہ یہ عورت آپ کے خیمہ میں جانے کے لئے ضد کر رہی تھی ہم اس خیال سے اسے خیمہ کے قریب سے ہٹا کر لے آئے کہ آپ کی آنکھ نہ کھل جائے۔

عورت نے کہنا شروع کیا۔ میں مظلوم ہوں۔ کوتوال نے زبردستی میری آبروریزی کی ہے۔ میں فریاد کے لئے آئی ہوں جہانگیر نے دوسرے روز خود اس معاملہ کی تحقیقات کی اور کوتوال کو معزول کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔ اور اس غریب عورت کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

ایک دو نہیں اس قسم کے سینکڑوں واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ اور تاریخ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مغلوں نے ہندوستان میں ہندوستانی بن کر حکومت کی ہے۔ انہوں نے مذہب اور ملت سے کوئی سروکار نہیں رکھا چنانچہ ان کی حکومت ہندوستان کی جملہ اقوام میں اس قدر مقبول اور محبوب تھی کہ آج بھی ان کی تہذیب کی جھلک کہیں نہ کہیں ہندوستان میں نظر آجاتی ہے۔

لیکن آج نہ مغل بادشاہ ہیں نہ ان کا انصاف بس ایک تاریخ باقی ہے۔ جو ان کی داستان دہرا رہی ہے۔ اور دہراتی رہے گی۔ اور ان کی بنائی ہوئی چند شکستہ عمارتیں ہیں جو دنیا والوں کے لئے درس عبرت بنی ہوئی ہیں۔ بہر حال مغلوں کا دور حکومت ہندوستانیوں کے لئے بہترین دور حکومت تھا۔ اور اس کی خوبیوں کے آج وہ بھی معترف ہیں۔ جن کو مخالف کہا جاتا ہے۔

یادِ بے اختیار

پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا — اور بہ انداز دگر یاد آیا
پھر مرے سر کو وہ در یاد آیا — پھر کوئی سجدہ مگر یاد آیا
گُل و گلشن کا خیال آتا تھا — کہ وہ اشکِ گُلِ تر یاد آیا
میں اُسے بھول تو جاؤں لیکن — بھولنے پر بھی اگر یاد آیا
پھر وہ نظریں طرفِ در اٹھیں — پھر کوئی بندۂ در یاد آیا
ہم ترے جور کا احسانِ عظیم — بھول بیٹھے تھے مگر یاد آیا
ملزمِ دعوئی نظر کرتے ہی — عجز یارائے نظر یاد آیا
ترکِ درماں و دوا کی سوجھی — چارۂ زود اثر یاد آیا
شیخ کا شورِ کرامت سن کر — وہ بتِ شعبدہ گر یاد آیا
جب سکوں دل کو سکوں دے نہ سکا — نسخۂ دردِ جگر یاد آیا
نفع کا خبط تو سوجھا تھا مگر — نفع کے ساتھ ضرر یاد آیا
شکرِ غم تا بہ لب آیا، لیکن — صورتِ نالۂ فریاد آیا

قطعہ

نخلِ راحت کی طرف بڑھنا تھا — نخلِ راحت کا ثمر یاد آیا
قصدِ ممنوعہ شجر کرنا تھا — جورِ ممنوعہ شجر یاد آیا

تم اور آزاد مسلسل بہ سجود
سچ کہو کس کا یہ در یاد آیا

حکیم آزاد انصاری

کریم اللغات

فارسی زبان کے ۲۰ ہزار الفاظ کے لغات کی سستی کتاب آپ کو خبر بھی نہیں ہوتی اور روز مرّہ بول چال میں کتنے الفاظ ایسے ہیں جو باوجود روزمرہ بولنے کے بھی ان کے معنوں سے واقف نہیں اور بعض مرتبہ ان کا محل استعمال غلط ہوتا ہے اور پڑھے لکھے لوگوں میں جب اس کی وجہ سے خفت ہوتی ہے تو بڑا غصہ آتا ہے۔ اتنی بڑی بات کے لئے ذراسی تکلیف گوارا کرکے جدید کریم اللغات منگا کر اپنے مطالعہ میں رکھیئے دو چار مہینوں میں آپ کی بول چال تقریر نہایت موزوں برجستہ ہوجائے گی۔ مجلد دوسو صفحات۔ قیمت بارہ آنہ محصول ۸؎

غریبوں کا سستا علاج

امیر تو ہر جگہ اپنے روپیوں کے زور پر علاج کرلیا کرتے ہیں غریبوں میں اتنا بوتا کہاں! ان کو تو چار پیسے بھی خرچ کرنا گراں ہے۔ یہ کتاب منگا کر آپ غریبوں کی بڑی خدمت کرسکتے ہیں اس کتاب میں کوڑیوں کے نسخے ہیں وہ نسخہ گھر میں تیار کریں اور غریبوں کو مفت تقسیم کردیں۔ افضل الناس خدمت الناس رسول کریمؐ کا فرمان ہے یہ کتاب ایسی ہے کہ بلا ضرورت بھی ہر گھر میں رہنی چاہیئے۔ کیونکہ اگر علاج کی ضرورت بھی نہ پڑے تو صرف حفظ ماتقدم ہی تمام مرضوں سے محفوظ رکھے ۲۲۸ صفحات مجلد قیمت ایک روپیہ محصول آٹھ آنے (۸؎)

خوبصورت رانیاں اور بیویاں

مسلمانان ہند کی ۱۶۴ ایسی خوبصورت اور بہادر بیویاں اور رانیاں ہندوستان میں گزری ہیں جن کا ذکر تاریخ میں اب تک باقی ہے اور قیامت تک رہے گا۔ ان رانیوں اور بیویوں میں حسین بھی ہیں اور شاعرہ بھی ادیبہ بھی ہیں اور عصمت وعفت کی پیکر بھی اور ماہ پارہ بھی جن کی صورتوں پر سلطنتیں قربان کردی گئیں۔ یہ چونسٹھ بیویاں اور رانیاں کون تھیں۔ اور ان کی سوانحعمریاں کیا کیا تھیں اس کے متعلق تمام حالات کتاب "رانیاں اور بیویاں" میں مل جائیں گے ۱۹۲ صفحات لکھائی چھپائی عمدہ۔ قیمت دس آنے (۱۰؎)

تاریخ اسلام کامل

بعثت رسولؐ سے لیکر ترکوں کی جدید حکومت تک (۱) اس میں سنہ ہجری سے ایک صدی پیشتر سے لیکر وفات رسولؐ تک پورے حالات درج ہیں ۹۲ صفحے (۲) اسمیں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ کی خلافت میں اور فتوحات اسلام ۱۰۸ صفحے۔ (۳) اسمیں خلفائے بنی امیہ کے عہد حکومت اور شہادت الامامین کا مفصل تذکرہ ہے ۱۲۸ صفحات۔ (۴) اسمیں خلفائے بنی عباس کے تمام وکمال حالات ہیں مع تاریخ درج اسلام ضخامت ۹۶ صفحے (۵) اسمیں سلطنت عثمانیہ ترکی کے پورے حالات۔ پانچوں حصے یک جا مجلد تین روپے آٹھ آنے ۳؎ جلد کپڑے کی۔

حلب کے دو چاند

پہلی صلیبی جنگ کے خونی مناظر صلیب کے نام پر جو مقدس لڑائی ہوئی اسی واقعہ کو ناول کی صورت میں پیش کیا گیا ہے اور دکھایا گیا ہے کہ عیسائیوں نے کس طرح مسلمانوں کو تباہ اور برباد کرنے کی خاطر متفقہ عزم مصمم کیا اہل اسلام نے کیونکر اسلام کے نام پر اپنے گلوں کو ننگی تلواروں کی دھار پر رکھ دیا اور کس طرح ایک حلبی دوشیزہ فاطمہ مسیحی اقوام سے نبرد آزما ہوئی۔ مرد میدان شہزادہ عمر کی داستان شجاعت پڑھکر آپ عش عش کر اٹھیں گے۔ نہایت ہی دلچسپ پرلطف خالص اسلامی ناول ہے۔ حسن وعشق کے روح پرور مناظر اور کیف آور کرشمے پاکیزہ زبان میں پیش کئے گئے ہیں جو چھپتے ہی ہاتھوں ہاتھ فروخت ہورہا ہے۔ آج ہی طلب فرمائیں۔ حصہ اول آٹھ آنے حصہ دوئم ایک روپیہ

سعیدی ڈکشنری

(۳۵ ہزار الفاظ) اردو کا مکمل لغت جس میں ۳۳ عربی الفاظ ۵۴۵۵ فارسی ۱۱۷ ترکی۔ عبرانی ویونانی وغیرہ ۲۴۲۵ اردو ۹۲۳۵ ہندی ۵۰ اسنسکرت ۲۲۶۵ انگریزی ۶۹۴۵ محاورات ۱۰۷۵ قانونی اصطلاحات ۲۰۰ روزمرہ کے اردو فارسی فقرے ۱۱۰۷ اردو کے مرادف انگریزی کے محاورات ۱۶۱ سیاسی اخباری عدالتی علمی مذہبی متفرق اصطلاحات ترتیب حروف تہجی درج ہیں ۳۵۰ صفحات قیمت چار روپے (للعہ) علاوہ محصول

تسخیر کامل

روزگار کے لئے حاکم کو محکوم بنانے کے لئے۔ بیوی کے ستائے ہوئے شوہر کے لئے۔ ظالم شوہر کو مہربان بنانے کے لئے آفات آسمانی سے نجات کے لئے۔ تیر بہدف ہے۔ کلام ربانی کے اوصاف سے کون ہے جو انکار کرسکتا ہے، جو لوگ بازاری غیر معتبر اعمال سے مایوس ہوکر بیٹھ گئے ہوں وہ اس نایاب تحفہ کو ضرور منگا کر آزمائیں۔ قیمت آٹھ آنے۔ (دس آنے کے ٹکٹ بھیجکر منگائیے)

ان تمام کتابوں کے ملنے کا پتہ:۔ **مینیجر رسالہ محشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی**

جہانگیر کی کنیز زلیخا کی فتنہ پردازیاں

از جناب شیدا صاحب منظفر پوری

مورخین کی غفلت اور بے توجہی نے بہت سی قابل ذکر ہستیوں کو پس پشت ڈال کر اُن کے نام کو صفحۂ تواریخ سے معدوم کر دیا ہے۔ ان میں سے سرب سندری یا زلیخا کا نام بہت نمایاں ہے۔ جو ایک ایسے بادشاہ کے عہد میں گزری ہے۔ جس کی سلطنت کے ہر پہلو پر مورخین نے روشنی ڈالی ہے۔ مگر زلیخا کو انہوں نے صفحۂ تواریخ پر نمودار ہونے کے قابل نہ خیال کیا۔ حالانکہ اس کی ذات نے عہد جہانگیری میں وہ وہ کارنمایاں کئے کہ لوگ انگشت بدنداں اور محو حیرت ہو گئے تھے وہ عقلمند اور دوراندیش تھی۔ اور اپنے زور عقل سے اس نے جہانگیر کی سلطنت میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔

جس زمانہ میں شیر افگن خاں بردوان کا صوبہ دار تھا۔ اس کے تحت میں نارہری نامی ایک برہمن زمیندار رہتا تھا۔ اس کے لڑکے کا نام ہمل رائے تھا۔ اسی ہمل رائے کی بیوی سرب سندری تھی ان کی ایک لڑکی بھی تھی۔ جس کا نام للنیا تھا۔ چند واقعات کے زیر اثر شیر افگن خاں کو مجبور ہو کر اس برہمن زمیندار کے گھر پر دھاوا بولنا پڑا۔ ہمل رائے مارا گیا اور اس کنبہ میں سوائے اس کی بیوی اور چار سالہ بچی کے کوئی نہ بچ سکا۔ شیر افگن نے سرب سندری کی بیکسی پر رحم کھا کر اسے اپنے حرم میں بلوا لیا۔ سرب سندری اپنے عزیز شوہر کی موت سے تصویر غم بنی رہتی تھی۔ دنیا اس کی آنکھوں میں تاریک ہو چکی تھی۔ اس کا پرشباب وجود جو کبھی تازہ گلاب کی مانند رنگین و شگفتہ تھا مرجھا گیا۔ وہ غلامی کی بھیانک زندگی سے رہائی حاصل کرنا چاہتی تھی، مگر یہ بات اس کے امکان سے باہر تھی۔ اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے صرف ایک راستہ تھا —— خودکشی۔ مگر وہ اپنی بچی کو بالکل یتیم بنانا نہیں چاہتی تھی اور انتقام کی آگ بھی دل میں شعلہ زن ہو رہی تھی۔ اپنے ارادہ میں کامیاب ہونے کے لئے اس کو صبر و استقلال کی ضرورت تھی۔

شیر افگن خاں کے محل میں پہنچ کر سرب سندری نے مہرالنساء بیگم سے بہت میل جول پیدا کر لیا۔ اور اس نے سب سے بڑی ہوشیاری یہ کی کہ اپنا مذہب بدل کر اسلام قبول کیا۔ اور اس کا نیا نام زلیخا رکھا گیا۔ زلیخا حسن و شباب کی ملکہ تھی اس نے اپنے فریب آگیں رُوپ اور غیر معمولی ذہانت کی بنا پر مہرالنساء بیگم کے دل میں گھر کر لیا۔ مہرالنساء نے بھی زلیخا کی عقلمندی اور دانشمندی کو قدرشناسی کی نظروں سے دیکھا اور ہمیشہ کے لئے اس کو اپنی رازداں بنا لیا۔ اور اس کی ذات پر اس کو کامل اعتماد ہو گیا۔ جب شیر افگن خاں مارا گیا۔ تو مہرالنساء جہانگیر کے حرم میں چلی گئی۔ زلیخا بھی اس کے ہمراہ گئی کیونکہ ایک دوسرے کی جدائی گوارا نہ کر سکتی تھیں۔ اب زلیخا اسی تاک میں رہنے لگی کہ اگر وہ شیر افگن خاں سے اپنے شوہر کا انتقام نہ لے سکی تو اس کی بیگم مہرالنساء سے ضرور لے اور اس نے اپنی زندگی کا واحد مقصد یہی بنا رکھا تھا۔

جہانگیر کے چار لڑکے تھے۔ خسرو۔ پرویز۔ خرم اور شہریار خاندان مغلیہ میں تخت و تاج کے لئے جس طرح ہر زمانہ میں کشمکش اور فسادات ہوتے رہے اسی طرح جہانگیر کے وقت میں بھی تخت نشینی کے لئے جھگڑا ہو رہا تھا۔ جہانگیر کو قتل کر کے خرم کو تخت نشین کرنے کے لئے بڑی بڑی سازشیں ہونے لگیں۔

اس خطرناک سازش میں بھیم سنگھ اور اس کے معتقد راجپوتوں کا ہاتھ تھا۔ شہزادہ خرم جہانگیر کی راجپوت ملکہ کے بطن سے تھا۔ اس لئے تمام راجپوت افسروں نے اس کو ہندوستان کا ہونے والا شہنشاہ منتخب کر رکھا تھا۔ مہابت خاں جو سب سے بڑا سپہ سالار تھا۔ اس دور کے قبل ایک راجپوت شہزادہ رہ چکا تھا۔ مگر واقعات سے مجبور ہو کر مسلمان ہو گیا تھا۔ گرچہ اس کے ظاہری کردار مسلمانوں جیسے تھے۔ مگر اس کی رگوں میں اب بھی راجپوتی خون رواں تھا۔ اس لئے اس نے شہزادہ خرم کو تخت دلانے کی سازش سے نہایت آسانی سے اتفاق کر لیا۔ مگر مہرالنساء جو اب ملکہ نورجہاں کے نام سے مشہور ہو چکی تھی خرم کو اس کا اہل نہ سمجھتی تھی اور نہ وہ نورجہاں کو بھاتا تھا۔ کیونکہ نورجہاں نے اپنی

لڑکی کو شہریار کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیا تھا اور اس کی دلی تمنا تھی کہ شہریار جہانگیر کا جانشین ہو۔ مگر جہانگیر کی رائے تھی کہ تخت وتاج کا مالک شہزادہ پرویز ہو۔ چونکہ خسرو کو خرم نے اپنا طرف دار بنا لیا تھا۔ اس لئے اس کا سوال پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔ نورجہاں نے جہانگیر کے دل پر اپنا تسلط جما رکھا تھا۔ اس لئے وہ اس معاملہ میں عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔ ہر طرف سے اس کی جان خطرے میں تھی۔ کیونکہ ہر سازش کا نشانہ اسے ہی بنایا جا رہا تھا۔

جب سے زلیخا اسلامی حرم میں داخل ہوئی تھی۔ اس کا دل آتش انتقام سے جل رہا تھا اور تکمیل انتقام کے لئے اس کی نظر میں صرف دو صورتیں تھیں۔ اوّل یہ کہ اپنی سازش کو کامیاب بنا کر اپنی لڑکی کو ہندوستان کی ملکہ بنائے اور دوسرے یہ کہ اس سے قبل وہ نورجہاں کی مخالفت کرے اور اس سے کنارہ کش ہو جائے۔ کامیابی کی خاطر زلیخا نے اپنی تمام عقل وذہانت صرف کرنا شروع کر دی۔

. . . . زلیخا ظاہری طور پر نورجہاں کی ہمدرد اور ہم خیال بنی رہی مگر اس رفاقت اور ہمدردی کے پردے میں وہ اپنی تدبیر کے کامیاب ہونے کے پہلو ہی نکالتی گئی۔ اور اس دوران میں اس کی سازش منظم اور مستحکم طور پر جاری رہی۔ شہزادہ خرم کو تخت نشین کرنے کی زبردست اور کامیاب سازشیں صرف زلیخا کے پرفن دماغ کی پیداوار تھی جس پر بھیم سنگھ اور مہابت خاں عمل کر رہے تھے۔ جب پرویز بھیم سنگھ اور مہابت خاں کے مقابلہ کی تیاری کر رہا تھا تو زلیخا کو ملکہ کی زبانی اس کی اطلاع ملی اور اس نے بھیم سنگھ اور مہابت خاں کو آنے والے خطرہ سے آگاہ کر دیا۔ وہ ایسی ہوشیاری سے جاسوسی کرتی تھی کہ دربار میں شمہ برابر کسی کو شبہ نہ ہوتا تھا۔ زلیخا کی چالاکی اور ہوشیاری سے پرویز ایک رتا مہ لڑکی کے ہاتھوں مارا گیا۔ زلیخا کا برتاؤ ملکہ کے ساتھ ہمیشہ ہمدردانہ رہا۔ اور زلیخا نے اس کو اپنی عیاریوں سے کبھی باخبر نہ ہونے دیا۔

رفتہ رفتہ جہانگیر کو زلیخا کے اطوار مشکوک محسوس ہونے لگے اور نورجہاں کو بھی ہوشیار رہنے کی تاکید کر دی۔ زلیخا کی دغابازی کا حال معلوم کر کے نورجہاں کا چہرہ غیظ وغضب سے سرخ ہو گیا اور اس کو تنہائی میں بلا کر اس کی مکاری اور فریب دہی کے راز کو بے نقاب کر دیا اور ایک بھوکی شیرنی کی طرح گرج کر اس کو سزائے موت کا حکم سنایا۔ زلیخا اپنے ساتھ ہر لحظہ ایک چاقو اور زہر کی شیشی رکھتی تھی یہ زہر کی شیشی بھی زلیخا کی دوراندیشی کا ثبوت تھی۔ ایسے نازک موقع پر بھی زلیخا نے عقل وہوش سے کام لیا اور اس کے چہرہ پر کسی قسم کی پریشانی نمودار نہ ہوئی۔ ملکہ کے روبرو اس نے زہر پی لیا اور زہر کے اثر ہونے سے پیشتر اس نے ملکہ سے وصیت کی کہ ہندو رسم کے مطابق اس کی لاش کو نذر آتش کر دیا جائے ملکہ کا دل اس عجیب وغریب واقعہ سے بہت متاثر ہوا۔ اور اس نے زلیخا کی وصیت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا۔ زلیخا کی رگ رگ میں زہر حلول کر گیا۔ اس کی لاش کو ہندو افسروں کے حوالے کر دیا گیا اور ملکہ نورجہاں نے اطمینان کا سانس لیا کہ اس خطرناک دوست نما دشمن سے نجات ملی۔ مگر جو زہر زلیخا نے پی لیا تھا وہ جان لینے کے سلسلہ میں خاطر خواہ نہ تھا۔ بلکہ اس کے پینے سے صرف دو چار گھنٹہ موت جیسی بے ہوشی طاری ہو سکتی تھی۔ زلیخا کے خیر خواہوں نے حسن تدبیر سے زلیخا کی جگہ دوسری لاش کو نذر آتش کر دیا۔ اس طرح زلیخا نے نورجہاں کی گرفت سے رہائی حاصل کی۔ تھوڑے دنوں کے بعد یہ راز افشا ہو گیا کہ زلیخا حیات ہے۔ چنانچہ زلیخا ہی کی پر اسرار کوششوں نے خرم کو تخت وتاج دلوایا۔

زلیخا نے نورجہاں کے حرم میں رہ کر اس کو اور جہانگیر کو جس خوبصورتی سے دھوکہ دیا۔ اس کو معلوم کر کے سب کو حیرت ہوئی اور نورجہاں کی عقل ودانش بھی جس کے باعث وہ صفحۂ تاریخ میں اس قدر نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ زلیخا کی ہوشیاری کے سامنے دنگ رہ گئی۔

سوز الم

کبھی نغمہ زار ہزار میں کبھی جوش رنگ بہار میں
تمہیں اضطراب کی جان ہو تمہیں سکون و قرار میں

جو میں سوئے باغ چلا گیا پئے سیر گل غم یار میں
جلے دفعتہً مرے داغ دل لگی آگ فصل بہار میں

نہ وہ برق تھی نہ تجلیاں تھیں کلیم کا ہے فقط گماں
کسی اور کی تھیں وہ شوخیاں سر طور برق و شرار میں

تھی میری زبان پہ یہی دعا سحر ہو حشر تک اے خدا
تھیں کچھ ایسی دل کو تسلیاں شب غم تصور یار میں

یہ ستم کسی پہ نہ ہو کبھی کوئی اسطرح نہ لٹے کبھی
کہ جلایا برق نے آشیاں مرا عین فصل بہار میں

نہ نمود ہستی بے بقا ہے طلسم وہم و خیال کا
ہیں تعینات کی مستیاں کم و کیف مشت غبار میں

گل و لالہ تھے تو نظر نہ تھی کھلی آنکھ جب تو خبر نہ تھی
یہی بات قابل غور تھی مرے واقعات بہار میں

ہیں محیط میری نمود پر یہ کسی کے حسن کی مستیاں
ہیں ہزار میکدے چشم کی چشم میکدہ بار میں

نہ زمین باغ ہے گل فشاں نہ شفق فلک پہ ہے چکاں
یہ لہو کسی کا جھلک رہا ہے حجاب فصل بہار میں

نہ خیال اُن کی جفا کا ہے نہ الم شکست وفا کا ہے
وہ سکون کہ جسکی تلاش تھی مجھے مل گیا ہے مزار میں

(از حضرت آلم مظفر نگری)

تتلی

(از جناب عبدالشکور خاں مظفر نگری)

نیلی پیلی - چتلی چتلی - آہا میری تتلی تتلی
کیسی صورت بھولی بھالی - اک دنیا جس کی متوالی
تیرا گلشن - تیرا مالی - تیرا نشیمن ڈالی ڈالی

نیلی پیلی

رنگینی کی تو ہے رانی - نازو ادا کی تو ہے بانی
گل کی نکہت - اوس کا پانی - تو بس باقی سب کچھ فانی

نیلی

آنکھ ہے یا ہیرے کی کنی ہے - تارے یا موتی سے بنی ہے
نکہ سکھ سے تو بنی ٹھنی ہے - ننھی ہے پر دل کی دھنی ہے

نیلی

یہ کیسی رفتار کی صورت - رند بادہ خوار کی صورت
ظاہر میں سرشار کی صورت - باطن میں ہشیار کی صورت

نیلی

دھیمے دھیمے گانا گانا - بھن بھن کرکے تان لگانا
چٹ چٹ چٹ غنچہ کو ہنسانا - خوابیدہ دنیا کو جگانا

نیلی

نیچی اونچی پروازوں میں - گاتی آئی گم سازوں میں
رنگین فطرت آوازوں میں - گنتی تیری غمازوں میں

نیلی

تیری سواری دوشِ صبا پر - تختِ سلیماں اوجِ ہوا پر
نغمہ قرباں تیری صدا پر - غمزہ مفتوں تیری ادا پر

نیلی

داغ پروں کے پیارے پیارے جنپر وارے چاند اور تارے
کس کو میسر یہ ڈھنگ سارے - جیتے داغ اور لالے ہارے

نیلی

گلشن میں معراج کی مالک - گل کے تخت و تاج کی مالک
کل کی مالک آج کی مالک - شرمیلی سی لاج کی مالک

نیلی

تیری سج دھج سلطانی ہے - پوشش تیری شاہانی ہے
رنگت تیری لاثانی ہے - رانیوں کی بھی تو رانی ہے

نیلی

حسنِ عالم کی بیوپاری - اچھی اچھی پیاری پیاری
الفت تجھ پہ گل کی طاری - ساری خلقت تجھ پہ واری

نیلی

حسن ترا ہے حسن رنگیں - عشرت افزا و فرحت آگیں
شکل تری ہے شکلِ تمکیں - روحِ محزوں جانِ غمگیں

نیلی

دلکش رنگت پر میں لائی - حسنِ کامل بن کر آئی
شانِ الفت تو نے پائی - گلشن والی اور صحرائی

نیلی

توہی رہرو توہی منزل - توہی دریا توہی ساحل
توہی لیلیٰ توہی محمل - توہی ساقی توہی محفل

نیلی

بے خود ہو کر رقصاں رہنا - جورِ گل کی آفت سہنا
سنتے رہنا - کچھ نہ کہنا - ضبط سراسر تیرا گہنا

نیلی

ہر گل کی سودائی ہے - تیری خصلت ہرجائی ہے
شیدائی! یہ رسوائی ہے - تو سمجھی کہ اچھائی ہے

نیلی

تو ہے ہر پہلو سے مضطر - آتشِ گل پر تیرا بستر
ابراہیمی تیرا منظر - شان تیری اللہ اکبر

نیلی

حریت میں کامل تو ہے - آزادی کی حامل تو ہے
اس لیلیٰ کی محمل تو ہے - اس ساقی کی محفل تو ہے

نیلی

ہم میں اب وہ زور نہیں ہے - دل میں اب وہ شور نہیں ہے
روشن چشمِ کور نہیں ہے - مرنے تک کو گور نہیں ہے

نیلی پیلی

برما

کلکتہ سے روانہ ہونے والا جہاز خلیج بنگال کے راستہ سے چوتھے روز رنگون پہنچتا ہے۔ رنگون برما کا بہت خوبصورت بندرگاہ ہے یہاں سے اپر برما کو ریل اور لوئر برما کو جہاز جاتا ہے۔

اس ملک کے باشندے جنہیں برمی یا برمن کہتے ہیں چینی یا جاپانی قوموں کی طرح زرد رنگ، چپٹا نقشہ، اور پستہ قد ہوتے ہیں، مذہباً بھی چینیوں کی طرح مہاتما گوتم بدھ کے پیرو ہیں جنہیں یہ اپنی زبان میں شنگو تما کہتے ہیں مذہبی رواداری میں شاید ہی دنیا کی کوئی قوم ان کی نظیر ہو۔ خود کسی جانور کو مارنا ان کے مذہب میں ناجائز ہے لیکن بلا استثنا ہر جانور کا گوشت کھاتے ہیں ان کے متعلق یہ مثل مشہور ہے کہ چوپایوں میں چارپائی اور پرندوں میں پتنگ کے علاوہ باقی سب کچھ کھاتے ہیں مرے ہوئے جانور کا کھانا ثواب سمجھا جاتا ہے مچھلی سب سے مرغوب غذا ہے جسے سڑا کر یہ سرکہ کی قسم کی ایک چیز بھی بنا لیتے ہیں جسے چٹی کہتے ہیں یہ اتنی بدبودار اور امتلا انگیز ہوتی ہے کہ اگر ہم آپ اس کے قریب سے نکل جائیں تو استفراغ کر دیں لیکن ان کے نزدیک یہ بہترین غذا ہے۔ چاول افراط سے پیدا ہوتا ہے اور چاول ہی کھایا جاتا ہے۔ سالن چاہے کتنی قسم کا ہو وہ چاولوں سے ہی کھایا جائے گا۔ ہندوستانی اور دوسرے ممالک کے لوگ بھی یہاں چاول کھانے پر مجبور ہیں۔ انہیں چھوت چھات سے کوئی تعلق نہیں ہر چیز کھاتے ہیں اور ہر شخص کے ہاتھ کی کھاتے ہیں۔ بہت خراج اور کھانے والی قوم ہے عموماً پانچ وقت کھانا کھاتے ہیں مسکرات اور شراب کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں۔ ان کا لباس ایک ہی قسم کا ہوتا ہے۔ ہر فرد بلا استثنائے مرد و عورت تہبند باندھتا اور چھوٹی کرتی پہنتا ہے۔ کوٹ اگر پہنتے بھی ہیں تو وہ بھی بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے۔ پیروں میں چپل پہنتے ہیں مرد سر پر رومال باندھتے ہیں اور عورتیں سر کھلا رکھتی ہیں یہ اپنے خوبصورت لمبے بالوں کا ایک خاص ترکیب سے جوڑا باندھ لیتی ہیں۔ مرد اپنے کرتے کو تہبند کے نیچے رکھتے ہیں اور عورتیں اوپر۔ مرد اور عورتوں کی صرف یہی وجہ پہچان ہیں کہ مردوں کے سر پر رومال اور کرتا تہبند کے نیچے ہوگا ورنہ عورت مرد کا پہچاننا سخت دشوار ہے کیونکہ مردوں کے ڈاڑھی مونچھ نہیں ہوتی اور سر پر بال بالکل عورتوں جیسے ہوتے ہیں ان لوگوں کے بال بہت لمبے اور سیاہ رنگ کے خوبصورت ہوتے ہیں خود راقم الحروف نے اکثر و بیشتر عورتوں کے بال ٹخنوں سے نیچے دیکھے ہیں اور گھٹنے سے نیچے بال تو عموماً ہوتے ہی ہیں البتہ ان کے مذہبی پیشوا جنہیں یہ پونگی کہتے ہیں۔ سر منڈایا کرتے ہیں یہ لوگ روپیہ کو ہاتھ نہیں لگاتے سب سے بڑے پونگی کو ٹاڈنامین کہتے ہیں۔ ٹاڈنامین مانڈلے میں رہتا ہے اور ایک وقت میں صرف ایک ہی ہوتا ہے اس کے مرجانے کے بعد دوسرا قائم مقام بنایا جاتا ہے یوں سمجھئے کہ عام پونگی تو پادریوں کی طرح ہوتے ہیں اور ٹاڈنامین پوپ کے مثل یہ لوگ شادی نہیں کرتے اور آبادی سے الگ رہتے ہیں۔ ان کی مذہبی عبادت گاہیں جنہیں برما زبان میں کیانگ کہتے ہیں۔ بہت خوبصورت اور ایک خاص طرز کی ہوتی ہیں ان میں صرف گوتم بدھ کی مورتی ہوتی ہے۔ ہر شخص بلا امتیاز مذہب و ملت ان کی عبادت گاہوں کی سیر کر سکتا ہے۔

صنف لطیف کو یہاں صنف قوی پر ایک خاص امتیاز حاصل ہے سچ پوچھو تو یہاں برٹش حکومت کے بعد عورتوں ہی کا راج ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ ملازمت تجارت، زراعت، صنعت و حرفت سب عورتوں ہی کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں عورتوں کی تعداد مردوں سے تقریباً سولہ گنی زیادہ ہے۔ ہر عورت آزاد ہے کہ جس مرد سے چاہے شادی کرے اور جب چاہے اس مرد کو چھوڑ دے شادی کے لئے کسی مذہب اور قوم کی قید نہیں، مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی غرضیکہ جس سے معاملہ پٹ گیا اسی سے شادی کر لی۔

برمن لوگوں کو اس رشتہ پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ یہاں محبت مذہب کی بندشوں سے قطعاً آزاد ہے۔ بہت سے بازار ہاٹ لگتے ہیں جن میں تمام دکاندار عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ خوش باش اور

بے فکرے نوجوان بن سنور کر بازار حسن کی سیر کو جایا کرتے ہیں اور اکثر دلوں کا سودا ابھی یہیں ہو جاتا ہے۔ شادی میں ہمارے ہاں کی طرح ایجاب و قبول کے قاعدے نہیں۔ بلکہ جب کوئی عورت کسی مرد کو پسند کر لیتی ہے۔ تو پھر وہ ہفتہ عشرہ کے لئے اس کے ساتھ غائب ہو جاتی ہے۔ لڑکی کے رشتہ دار سمجھ لیتے ہیں کہ اس نے کسی مرد کو اپنی شادی کے لئے منتخب کر لیا کچھ روز بعد وہ لڑکی اپنے منگیتر یا شوہر کے ہمراہ گھر آ جاتی ہے اور کچھ پونگیوں کو بلا کر کھانا کھلا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ زندہ دل قوم موت کو بھی ایک خوشی کی تقریب بنا دیتی ہے۔ ان میں جب کوئی شخص مرتا ہے چاہے وہ بچہ ہو یا جوان اور عمر ہو یا بوڑھا عورت ہو یا مرد یہ اس کی لاش کو کم از کم چار روز تک ایک تابوت میں بند کر کے وہاں رکھتے ہیں۔ اس موقع پر گانا بجانا جوا شراب سب ہی کچھ ہوتا ہے بالآخر اسے دفن یا جلا دیا جاتا ہے۔ پونگیوں کی لاش کو چھ مہینے سے لے کر تین سال تک یہاں رکھا جاتا ہے۔ جب کوئی پونگی مرتا ہے تو یہ لوگ اس کی نعش کو کپڑے میں لپیٹ کر لکڑیوں سے خوب کوٹتے ہیں۔ جب جوڑ جوڑ اور بند بند الگ ہو جاتا ہے تو اسے تابوت میں بند کر کے رکھ دیا جاتا ہے اور مہینوں یا برسوں کے گزر جانے کے بعد اسے بہت تزک و اہتمام سے لے جا کر جلا دیا جاتا ہے۔ جس گاڑی میں مردوں کی لاش لے جائی جاتی ہے اس پر جنگلی جانوروں کی تصویریں بنی ہوتی ہیں موت میں ہر شخص حسب استطاعت ناچ رنگ اور دعوتوں میں روپیہ صرف کرتا ہے۔ رونا سخت معیوب سمجھا جاتا ہے حتیٰ کہ جوان بیٹے کی موت پر بوڑھی ماں بھی دوسروں کی موجودگی میں نہیں رو سکتی اصل میں یہ لوگ کسی کے مرنے پر ماتم کرنا ہی نہیں جانتے۔ ان کے لئے رونا دھونا ایسا ہی تعجب خیز ہے جیسا کہ ہماری نظر میں ان کی عجیب و غریب رسمیں۔

بھولے ہوؤں کی یاد

(جوہر فریادی۔ نبیرۂ حضرت خواجہ میر درد دہلوی)

پچھلے پہر کی راتوں میں —— پریم کی اکثر باتوں میں
کیا ہم بھی کبھی یاد آتے ہیں؟

جب چاندنی چھٹکی رہتی ہے —— اور پریم کی گنگا بہتی ہے
جب حسن سے دنیا سجتی ہے —— اور پریم کی بنسی بجتی ہے
کیا ہم بھی کبھی یاد آتے ہیں؟

جب مست ہوائیں چلتی ہیں —— اور ڈالیاں ملکر ہلتی ہیں
جب ابر فلک پر چھاتے ہیں —— مرغانِ چمن جب گاتے ہیں
کیا ہم بھی کبھی یاد آتے ہیں؟

ارمان اُبلتے ہیں جس دم —— جذبات مچلتے ہیں جبدم
دل سینوں میں ہلتے ہیں جبدم —— اور غنچے کھلتے ہیں جبدم
کیا ہم بھی کبھی یاد آتے ہیں؟

جب مندر میں تم جاتے ہو —— اور پوجا کر کے آتے ہو
جب درد کی دنیا لاتے ہو —— اور دل میں کسی کو پاتے ہو
کیا ہم بھی کبھی یاد آتے ہیں؟

بدحواسیاں

از خاور جبل پوری

محشر خیال میں حضرت جوش ملیح آبادی کی بدحواسیاں دیکھ کر بعض بدحواسیوں نے حافظے نے انگڑائی لی۔ چنانچہ مجھے بھی اپنی اور احباب کی چند بدحواسیاں یاد آگئیں جو ہدیۂ ناظرین ہیں۔ لیکن عرض یہ ہے کہ متعلق احباب بدحواس ہو کر ناخوش ہونے کی زحمت گوارا نہ فرمائیں کیونکہ اس حمام میں سبھی برہنہ نظر آ رہے ہیں۔ - خاور

(۱) ایک مرتبہ بھوپال میں رزمی صاحب کے دولت خانہ پر حاضری کا اتفاق ہوا۔ وہاں اور بھی کئی مہمان موجود تھے۔ رخصت ہوتے وقت میزبان سے لفظ عنایت کہنے کے بجائے "عنایت کی عنایت رکھئے" کہہ دیا گیا۔ آج تک ندامت دور نہیں ہوئی۔

---

(۲) ایک روز پیمانہ کے دفتر میں ساغر صاحب سے ملنے گیا۔ مولانا سیماب مدظلہ بھی تشریف فرما تھے۔ فرمایا کیا آپ خریدار پیمانہ ہیں؟ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ ساغر صاحب سے ملنے آیا ہوں مگر گھبراہٹ میں کہہ گیا "نہیں صاحب" طلبگار ساغر"

---

(۳) ایک دن گوالیار سے جھانسی جانے کے لئے ریل کے جس درجہ میں سوار ہوا۔ اس میں سواریاں زیادہ نہیں۔ میری بیوی اور بھاوج بھی ہمراہ تھیں اور تو سب بیٹھ گئے۔ مگر بھاوج کو جگہ نہیں ملی میں نے اپنی بیوی سے کہا تھوڑی جگہ دیدو مگر انہوں نے پرواہ نہیں کی مجھے غصہ آگیا اور میں نے کہا شیخی نہیں ہوتی یہ کب کی کھڑی ہیں! بھاوج کو جگہ مل جانے پر اپنے لئے دوسری سیٹ کی طرف دیکھنے سے معلوم ہوا کہ میری بیوی علیحدہ بیٹھی ہیں اور میں نے ایک غیر عورت کو صلواتیں سنادیں

---

(۴) مولوی عبدالکریم خاں صاحب مرحوم وزیر قانون و انصاف کے یہاں میرے ایک دوست مقیم تھے۔ میں اُن سے ملنے کے لئے اکثر جایا کرتا تھا ایک روز مولوی صاحب کمرہ میں تشریف لے آئے اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ آپ ہیں خاور صاحب؟
میں نے بدحواس ہو کر کہا نہیں تو خود یوں ہی ....
اس کچھ یوں ہی پر وہ دیر تک مسکرایا کئے۔

---

(۵) بھوپال کے نور محل میں ایک پختہ گلی سے ہو کر دائیں جانب "نگار آفس" کا راستہ تھا جس سے میں بخوبی واقف ہوتے ہوئے بائیں جانب چلا گیا اور زنانخانہ میں پردہ نشین عورتوں کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ جب انہوں نے اپنے دوپٹے سنبھالے تب اپنی غلطی کا احساس ہوا اور الٹے پیر واپس لوٹا۔

---

(۶) ایک دفعہ چھوٹی لائن سے سفر کر رہا تھا اور پھاٹک کے قریب کھڑا ہوا باہر کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اس لائن پر دوسری طرف سے ایک اور گاڑی آتی ہوئی نظر آئی میں نے اسے غور سے دیکھ کر یہ سمجھ لینے کے بعد کہ اب دونوں گاڑیوں کا تصادم ہونے والا ہے۔ نہایت اطمینان سے پھاٹک کھول کے چلتی ہوئی گاڑی سے کود جانے کا فیصلہ کرلیا اور اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تیار ہوا ہی تھا کہ سامنے سے بڑی لائن تیزی سے گزر گئی جو اپنی پٹڑی پر جارہی تھی اور جس کی بابت مجھے پیشتر سے علم تھا کہ اس جگہ دونوں گاڑیاں کئی میل تک قریب قریب چلتی ہیں۔

---

(۷) ایک مرتبہ اجمیر شریف جانے کے لئے گھر سے روانہ ہوئے [illegible] کا موسم تھا۔ علی الصباح ایکسپریس روانہ ہوتا تھا تانگے کے [illegible] میں دیر ہو گئی تانگہ جب اسٹیشن کے قریب پہونچا تو گاڑی آنے کی وجہ سے سڑک کا پھاٹک بند ہو چکا تھا۔ تانگہ والے نے کہا بستر میں لئے لیتا ہوں آپ تار میں سے نکل کے لائین کے اوپر ہو کر

پلیٹ فارم پر پہونچ جائیں۔

جب میں دوڑتا ہوا لائن پر پہونچا تو ایکسپریس سگنل تک آ چکا تھا لوگوں نے بہتری چیخ پکار مچائی مگر اپنی دھن میں کسی کی نہ سنی اور جونہی کہ پلیٹ فارم پر قدم رکھا ایکسپریس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت اپنی بدحواسی کا خیال آیا کہ اگر ایک سیکنڈ اور دیر ہو جاتی تو اجمیر شریف کا عرس دیکھنے کے بجائے ملک عدم کی طرف مراجعت کرنی پڑتی۔

---

(٨) ایک روز دفتر جا کر جیب میں تلاش کرنے سے چابیوں کا گچھا نہیں ملا فوراً ہی گھر آ کر تلاش کیا مگر پتہ نہیں چلا آخر مجبور ہو کر تالا توڑنا پڑا۔ جب دفتر سے واپسی پر کوٹ پہنا تو معلوم ہوا کہ چابیاں جیب ہی میں موجود تھیں۔

---

(٩) ایک دن سوٹ کیس کھول کر کپڑے پہن لینے کے بعد تالا مع چابی غائب ہو گیا۔ بہتیرا تلاش کیا بکس کے اندر سے ایک ایک کپڑا نکال کر جھاڑا گھر کا کونہ کونہ دیکھ مارا۔ لیکن کہیں پتہ نہیں لگا آخر مایوس ہو کر دفتر چلا گیا۔ واپسی پر مجھ سے کہا گیا کہ تالا اور چابیاں تو بکس کے نیچے ہی موجود تھیں اور حضرت دنیا بھر میں تلاش کر رہے تھے۔

---

(١٠) ایک مشہور ڈاکٹر نے جو میونسپل بورڈ کے صدر بھی تھے۔ وزیر تعلیم و صحت کی موجودگی میں ان کی تعریف کے ماتحت فرمایا کہ "آپ محکمہ تعلیم کی طرح میونسپل ڈپارٹمنٹ کے بھی کیڑے ہیں"

اس جملہ پر سامعین کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

---

(١١) ایک دوست بیان کرتے تھے کہ وہ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہتے تھے مگر بود و باش علیحدہ علیحدہ کمروں میں تھی۔ ایک روز نصف شب کے بعد باہر سے آ کر اپنی بیوی کو پلنگ سے اٹھایا اور ہاتھ پکڑ کے لے چلے جب روشنی میں پہونچے تو انہوں نے کہا ارے تم ہو تب معلوم ہوا کہ غلطی سے دوسرے کمرہ میں جا کر بھاوج کو اٹھا لائے۔

---

(١٢) ایک محکمہ کے اعلیٰ افسر کا نام ہے "رنگ لال" ایک دن وہ مویشی خانہ کا معائنہ کرنے آئے تو مویشی رجسٹر سے ایک بیل کا حلیہ پوچھا۔ منشی نے بوکھلا کر کہا حضور رنگ لال، پونچھ کالی۔ افسر نے کہا ہائیں اس نے پھر وہی جواب دیا۔ جب اسے ڈانٹا تو غلطی کا احساس ہوا اور نیچی نظریں کر کے کہنے لگا۔ لال رنگ پونچھ (دم) کالی۔

---

(١٣) پولس کے ایک سب انسپکٹر ایک دفعہ سپرنٹنڈنٹ پولس کے ساتھ دورہ پر جا رہے تھے راستہ میں حاجت رفع کرنے کے لئے ایک جھاڑی کے نیچے جا جلدی سے کوٹ کے بٹن کھول بیٹھ گئے جب برجس خراب ہو گئی تو اپنی بدحواسی کا علم ہوا کہ برجس کے بجائے کوٹ کے بٹن کھول دئے تھے۔

---

(١٤) ایک صاحب اپنے کسی دوست سے بے تکلف مذاق کیا کرتے تھے ایک دن اپنے دوست کو طوائف کے دروازہ پر کھڑا ہوا دیکھا اور خوب اچھی طرح شناخت کر کے ایک جوتا رسید کر دیا جب اس نے قہر آلودہ نظروں سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک اجنبی پولسمین تھا جسے یہ اپنا دوست سمجھے ہوئے تھے۔ اس نے ایک ڈنڈا رسید کیا۔

---

(١٥) ایک مولوی صاحب صبح اٹھے علیحدہ علیحدہ ٹنکیوں میں سرد و گرم پانی موجود تھا آب دست کے لئے کھولتا ہوا پانی لوٹے میں لے کر پاخانہ کے اندر چلے گئے اب جو آبدست لیتے ہیں تو ہاتھ جل گیا پھونکوں سے ٹھنڈا کرنا چاہا مگر اثر کچھ نہیں ہوا اور انہیں اتنی دیر تک انتظار کرنا پڑا کہ اچھی خاصی دھوپ نکل آئی اور نماز کا وقت جاتا رہا۔

---

(١٦) ایک صاحب کسی سے ملنے گئے دوران گفتگو میں ناک صاف کرنے کی ضرورت پیش آئی تو میز بان کے موزہ سے صاف کر کے موزہ جیب میں رکھ لیا اور اپنا رومال وہیں چھوڑ دیا۔

---

(١٧) ایک صاحب ریلوے اسٹیشن پر اپنی بیوی کے ساتھ کہیں جانے کے لئے آئے اس روز سواریاں زیادہ تھیں گاڑی جب آئی تو زنانہ درجہ میں سامان رکھ کر سیٹ پر بجائے بیوی کے خود بیٹھ گئے اور بیوی پلیٹ فارم پر برقعہ اوڑھے بیٹھی رہیں گاڑی نے سیٹی دی تو عورتوں نے شور و غل مچایا تب کہیں ہوش آیا اور جلدی سے اتر کر بیوی کو لائے۔

غزل

حضرت بہزاد لکھنوی

مجھ سے نہ پوچھ میرا حال بن مرا حال کچھ نہیں
تیری خوشی میں خوش ہوں میں مجھ کو ملال کچھ نہیں

مجھ کو کوئی خوشی نہیں مجھ کو ملال کچھ نہیں
یہ تو ترا کمال ہے۔ میرا کمال کچھ نہیں

آہ اک آفتابِ اشک جو ہے سرِ مژہ تہا
قبل طلوع کچھ نہیں بعد زوال کچھ نہیں

کیف اسی کا نام ہے عشق اسی کا نام ہے
تیرے خیال میں ہوں غرق اپنا خیال کچھ نہیں

رنگ میں اپنے مست ہوں دستِ کرم نہ کر ادھر
ہوں تو گدا ضرور میں تجھ سے سوال کچھ نہیں

شکوۂ بخت ہے مجھے وقت سے نہیں شکایتیں
جس سے ملال چاہئے اس سے ملال کچھ نہیں

منزلِ عشق شے ہے کیا۔ راہنما ہے کون چیز؟
ایک طرف ہوں گامزن اور خیال کچھ نہیں

میرا جہانِ عشق ہے۔ شام و سحر سے بے نیاز
صبحِ فراق کچھ نہیں شام وصال کچھ نہیں

دستِ گدا نواز کا رنگ ہے کچھ پھرا ہوا
آہ ترے نصیب میں دستِ سوال کچھ نہیں

روؤں نہ بار بار کیوں، کیوں نہ کروں میں آہ آہ
دل کا مآل ہو تو ہو غم کا مآل کچھ نہیں

پنجاب کی سیاست

(ڈاکٹر محمد اشرف)

ناظرین محشر خیال کی معلومات کے لئے ڈاکٹر محمد اشرف کا مندرجہ ذیل مضمون اخبار "ہندوستان" لکھنؤ مورخہ ۲۵ جنوری سے نقل کیا جارہا ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر صاحب نے "پنجاب کی سیاست" پر مدلل تبصرہ کیا ہے اہل قلم حضرات سیاسیات پنجاب پر اپنی رائے پیش کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے محشر خیال کے صفحات حاضر ہیں۔ متانت اور سنجیدگی۔ اور دلائل کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اس عنوان پر لواموز بھائی لکھنے کی تکلیف نہ فرمائیں تو اچھا ہے۔ (احب الله فاروقی)

بعض لوگوں کے نزدیک یہ نہ حل ہونے والا معمہ ہے کہ آخر پنجاب میں کانگرس کی تحریک مضبوط اور مستحکم کیوں نہیں ہوتی؟ اس سے زیادہ دلچسپ یہ واقعہ ہے کہ جو شخص بھی پنجاب سے جاکر واپس آتا ہے وہ پنجابی عوام کی بہت ایثار اور حب الوطنی کا کلمہ پڑھتا آتا ہے پنڈت جواہر لال نے جب صدر کانگریس کی حیثیت سے ان شیر دلوں "کو دیکھا تو ان کی رگوں میں نیا خون دوڑ گیا ہمارے سوا و قلیہ جب حال میں پنجاب کے کسانوں اور سوشلسٹ لیڈروں سے ملکر واپس آئے تو انہیں بھی انقلابی زندگی میں ایک نئی اور جان بخش لہر دکھائی دی اور اگر کسی کو پنجابیوں کے مقابلہ میں ایثار اور ولولہ کا دعوی ہو تو وہ خود جاکر اپنی غلط فہمی کو دور کرتے ہیں۔

لیکن بایں ہمہ سوائے پنجاب کے ہر جگہ کانگرس اور دوسری انقلابی تحریکوں میں کم وبیش ترتیب اور نظم ہے اور اب کیفیت یہ ہے کہ کانگریس کے وزارتی صوبوں کے علاوہ بھی سامراج دشمن جذبہ اس درجہ ہمہ گیر ہے کہ سندھ اور بنگال میں بھی اس کا طوطی بول رہا ہے۔ بے دیگر رجعت پرستی پنجاب میں محصور ہوگئی ہے۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ اس صوبہ میں سامراج کے قدم کمزور ہونے کے بجائے پچھلے دو برس میں زیادہ مضبوط ہوگئے ہیں، اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی ذمہ داری تمام تر پنجاب کے کانگریسی لیڈروں پر ہے گو انہیں اس کا احساس نہیں۔ کچھ فطرت نے ایسی ستم ظریفی کی ہے کہ پنجاب کے کانگریسی لیڈر پر باقی دنیا کی سیاست اور سیاسی نمائش کی قدروں کا کوئی جادو نہیں چلتا۔ پنجاب میں آپ کسی بڑے ڈیل ڈول کے لیڈر سے ملئے آپ کو اندازہ ہوگا کہ وہ آئے دن کے

عملی کام کے علاوہ کسی نظری سوال یا آل انڈیا خاکہ کو درس نشین کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔ پنجاب کے اخباروں کو ترتیب سے پڑھیئے چاہے زمیندار، احسان، انقلاب، یعنی مسلم لیگی سائز کے ہوں۔ یا مربع تقطیع کے ہوں۔ ویر بھارت، پرتاپ، اور ملاپ۔ کسی میں کوئی واضح اور صاف نقطہ نظر نہیں آسکے گا۔ اندازہ ہوگا کہ یہ حضرات اخبار فروشی اور اشتہار بازی کے کسی سنجیدہ سیاسی جماعت یا پروگرام کے قائل ہو سکتے ہیں۔ اور میری تو یہ اب تک سمجھ میں نہ آیا کہ پنجاب کے اخباری حضرات اتنے اخبارات کو خریدتے کیوں ہیں اس لئے ایک مربع تقطیع کا "قومی ہند داخبار" اور دوسرا بڑے سائز والا "مسلم مجاہد" اپنے اپنے رنگ پر قطعاً کافی ہے، ویسے ہی نامہ نگاروں کی خبروں کی اشاعت طباعت، اور پالیسی، غرضیکہ ہر اعتبار سے سب میں یکسانیت ہے پھر بجائے ۸۔ اور روزناموں کے ایک ہندو اور ایک مسلمان روزنامہ ترجمانی کے فرائض ادا کرسکتا تھا۔

بہر نوع پنجاب کا پیمانہ دنیا سے نرالا ہے، اور مجھے معیار اور قدروں کے مقرر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ نہ میں قیامت تک سمجھ سکتا ہوں کہ سر سکندر کی باوقار صوبہ میں کیسے حاوی ہو سکتے ہیں

(۲)

یہ نہیں ہے کہ سیاسی پارٹیاں نہیں ہیں۔ بفضل خدا مجلس احرار ہے، اتحاد ملت ہے مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹیاں ہیں دوسری طرف کانگریس اور اس کی ملحقہ جماعتیں ہیں، طلبہ کی ایک چھوٹی تین تین انجمنیں ہیں۔ مگر دراصل سیاسی معیار پر بہت کم آتی ہیں۔

باعتبار آئین، کانگریس ان علاقوں میں سب سے بڑی اور باوقار ہے اس سلئے نہیں کہ پنجاب کی کانگریس نے یہ حیثیت اپنی جدوجہد سے پیدا کی ہے بلکہ اس لئے کہ وہ ہندوستان کی ہمہ گیر تحریک کا جزو ہے۔ چنانچہ والنٹیروں کا پتہ نہیں ہے کمیٹیاں اور دفتروں میں حساب اور ریکارڈ برائے نام ہیں اور ابھی تک بڑے پیمانہ پر کام شروع نہیں ہوا۔ ۔۔۔ کر اس سال اگھ دس لاکھ ممبر ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ لاہور اور امرتسر یعنی مرکزی شہروں کے باہمی لیڈرانہ جھگڑوں سے غریبوں کو کبھی فرصت ہی نہیں ملی۔ اب عرض کی کیفیت یہ ہے کہ متفذی ہوگیا ہے۔

ورکنگ کمیٹی نے کوشش کی کہ دونوں پارٹیاں مشترکہ کونسل بناکر کام کریں مگر یہ نسخہ کارگر نہ ہوا۔ غریب پنجاب کے لیڈر اس سیاسی توازن کو نیک نیتی سے نہیں ریا کاری کے ہم وزن سمجھتے ہیں۔ بالآخر بعضوں نے سوچا کہ شاید خرابی کی وجہ یہ ہے کہ مذہبی اکثریت کا صدر نہیں ہے۔ اس لئے اگر مسلمان صدر ہو تو معاملہ سلجھ جائے گا اب الحمدللہ جماعت کے پاس مسلمان ترجمان موجود ہیں، اور آج سے نہیں ۱۹۲۰ء سے چلے آتے ہیں۔ اور یہ نوع مقدورت ایجاد کی ماں ہے، اور برابر نسل پیدا کرسکتی ہے، ہی نک بندے ماترم۔

کانگریس کا اخبار سمجھا جاتا تھا اگو وعویدار ہر تجارت پیشہ ہندو اخبار ہے لیکن چونکہ شور تھا کہ کانگریس کو اپنا آزاد روزنامہ نکالنا چاہئے اس لئے خود صدر صوبہ نے یہ مقدس فریضہ انجام دیا بلکہ اس کا نام بھی روزنامہ نیشنل کانگریس رکھدیا اور خود ایڈیٹر بن گئے، یہ دوسری بات ہے کہ اخبار ان کی ذاتی سیاسیات کا ترجمان ہے اور کانگریس سے صرف اس معنی میں تعلق رکھتا ہے کہ مالک اور منتظم اور ایڈیٹر خود اتفاق سے کانگریسی ہے یعنی یوں سمجھئے کہ پرانی صحافتی برادری میں ایک اور بے معنی اضافہ ہوا اور اب دونوں پارٹیوں کے دو اخبار ہو گئے اور اکھاڑہ زیادہ مضبوط ہوگیا، دوسری طرف مسلم لیگ بھی ہوا میں ہے نہ صوبہ اسمبلی میں لیگ کی کوئی پارٹی ہے نہ صوبہ میں ملک برکت علی کی اپنی پالیسی ہے۔ مولانا ظفر علی خاں کی اپنی اور اخبار فروشی کی پابند اور سر سکندر کی تیسری پالیسی ہے یعنی جو شملہ سے ہدایت ملے اسے مناسب طریقوں سے لوگوں کو ملاکر بجالانا اور غالباً یہی پالیسی سب سے زیادہ باشعور اور مرتب ہے اس لئے کہ سامراج اس کی ذمہ دار ہے۔ باقی رہی یونینسٹ پارٹی تو وہ ایک تبرک ہے جو اسلامی جذبہ کی وارفتگی سے بھی محروم ہے۔ جو رئیس

جب چاہے بلا روک ٹوک یونینسٹ پارٹی کا ممبر ہو سکتا ہے بشرطیکہ اپنے روپے اور اثر سے اسمبلی میں منتخب ہوکر آجائے دفتر اور نظام کی جب مسلم لیگ متحمل نہ ہوسکی تو بے چاری یونینسٹ پارٹی کب یہ جنجال گوارا کرسکتی تھی اور آخر پروگرام جیسی خطرناک چیز بھی تو ان کی سیاسی تنظیم میں مانع آتی۔

(۳)

اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سماج کے تباہ حال طبقے سیاسی ترجمانی سے بے خبر ہیں یا اس کے لئے اوارے نہیں بناتے۔ ایک طرف مزدور تحریک برابر بڑھتی جاتی ہے اور اس سال پنجاب کی ٹریڈ یونین کانگریس کا پہلا اور کامیاب اجلاس ہوا ہے، لدھیانہ، امرتسر، اور دوسرے صنعتی مرکزوں میں مزدوروں کی بڑی کامیاب ہڑتالیں ہوئی ہیں۔ ویسے ہی سوشلسٹ اور کمیونسٹ خیالات تیزی سے بڑھتے جاتے ہیں۔ بلکہ ان کی ہمہ گیری اس درجہ ہے کہ حال میں گورنر پنجاب کو دو آنہ کے انقلاب پرستوں کے خلاف ایک سرکاری وعظ فرمانا پڑا۔ کرتی لہر کا ہر نمبر شائع ہونے سے پہلے "بحق سرکار پنجاب" ضبط ہوجاتا ہے۔ اور ہر طرف انقلاب پسندوں کی دارو گیر کا سلسلہ جاری ہے۔

دوسری طرف کسان تحریک بڑھتی جارہی ہے اور اس کے ساتھ دیسی ریاستوں کا اندولن برابر مضبوط ہوتا جاتا ہے جن لوگوں نے پنجاب کے کسان لیڈروں کو دیکھا ہے، وہ ان کوہ پیکر بہادروں کی مقناطیسی قوت اور تنظیمی طاقت کا اندازہ کرسکتے ہیں۔

مگر میرے کہنے کا منشا یہ تھا کہ سامراج دشمن طاقتوں کے ابھارکے باوجود ہمارا کانگریس کا "متحدہ سامراج دشمن محاذ" ان قوتوں کو اپنانے سے معذور ہے، اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ پنجاب کی کانگریس شہری کانگریس ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک طرف ہندو سرمایہ داری اور آریہ سماجی اصلاح پرستی کی روایات اور دوسری طرف مسلم تحفظات، کی موقعہ بازیاں لپٹی ہوئی ہیں۔

یوں بھی پنجاب تا حال فوجی پنشن یافتہ لوگوں اور خوشحال کاشتکار کے علاوہ چھوٹے مالکان زمین کا صوبہ رہا ہے اور جو معاشی بدحالی ہندوستان میں وبا کی طرح پھیلی ہے اس کا نسبتاً پنجاب پر اثر کم پڑا ہے۔ اب ہلکے ہلکے ترغنہ کا یہ عجب

اور لنگان مالیانہ اور آبیانہ کا بار گراں کو کھل رہا ہے اور وہ برابر بے چین اور بیدار ہوا اس ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اکالیوں اور بالخصوص ببر اکالیوں کی تحریک اس کا ثبوت ہے، میوات کی ہل چل اس کا نتیجہ ہے، اور آئے دن کے زرعی ہنگامے اس کی تائید میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔

مگر قدیمی لیڈروں کو ان نئی سماجی طاقتوں سے کیا واسطہ وہ اس زمانہ میں پیدا ہوئے تھے، جب آریہ سماج، احمدیہ اہل حدیث، دیو سماج اور رادہا سوامی، سناتن دھرم، اکالی نامدھاری، سناتن دیالی اور انجمن حمایت الاسلام کی تحریکیں ایک حقیقت تھیں، اور شہر کے لوگ اچھی نوکریوں اور تجارت کے ساتھ ساتھ متوسط طبقہ کی تعلیمی اور مذہبی اصلاح میں مگن تھے، اور گویا دین و دنیا دونوں سے متمتع تھے، یہ حضرات آج بھی انہیں بنیادوں پر ستیارتھ پرکاش اور ڈاکٹر اقبال کا کلام پڑھ کر سر دھنتے ہیں اور ایک طرف کانگریس کے عہدہ دار ہیں تو دوسری طرف تبلیغ اور تنظیم اسلام کا کام کرتے ہیں اور جب موقعہ ملتا ہے مسجد شہید گنج سے لے کر مذبح خانے کی تحریکیں شروع کر دیتے ہیں۔ البتہ زراعتی قوانین اور قرضہ بل پر گھبرا جاتے ہیں اور وائسرائے کے استقبال اور فوجی بھرتی کے موقعہ پر سوچتے رہتے ہیں۔ اب خیر سے پارلیمنٹری پروگرام کا زمانہ آیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے گھر بڑھاپے میں اولاد پیدا ہوئی ہے۔ ابھی حال میں جب میاں افتخار الدین کی ہلکی سی تجویز نے یونینسٹ پارٹی میں تہلکہ مچا دیا اور آبیانہ کی تخفیف پر بچارے سر سکندر حیات کا گھروندہ بہنے لگا تو ان حضرات کو اندازہ ہوا کہ کانگریس کیسے انقلابی پروگرام کی حامل ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ اس کے چلانے کے لئے کسان مزدوروں سے تعلق ضروری ہے۔ یہاں پہنچ کر لیڈر کی ستیارتھ پرکاش اور اقبال کا ترانہ زیادہ کام نہیں دیتا۔

(۴)

مگر عوام بوسیدہ لیڈروں سے زیادہ تازگی رکھتے ہیں چنانچہ انہوں نے پنجاب کے سوشلسٹ اور کسان سبھائیوں کی خاطر خواہ حمایت کی ہے اور انہیں کے اثر کی بدولت امسال کانگریس کی ممبری کافی بڑھی ہے مسلمان بھی کافی آتے ہیں گو احراری برابر مسلمانوں کو یہی سبق دیتے آئے کہ کانگریس میں مسلمانوں کے ادغام کلی اور مسلم سے اجتناب کلی وہ انتہائی نظریوں کے درمیان مجلس احرار اعتدال کی راہ ہے" اس لئے جب تک مسلمان خطرہ محسوس کرتے رہیں گے احرار کی تنظیم کی جداگانہ ضرورت باقی ہے اور ظاہر ہے کہ مسلم لیگ ہی نہیں بلکہ احرار بھی اس کے ضامن ہیں کہ یہ خطرہ اور اس کی ضرورت باقی رہے گی اسی موقعہ بازی و منیت کا نتیجہ ہے کہ گزشتہ عام انتخاب میں احرار اور اتحاد ملت کے ساتھ ساتھ کانگریس کو بھی ناکامی ہوئی اور پنجاب کے عوام نے بنگال کی طرح اس پارٹی کا جائز طور سے ساتھ دیا تھا جس نے ان کی ضروریات کا لحاظ رکھ کر پروگرام دیا تھا، یہ مانا کہ پرجا پارٹی اور یونینسٹ پارٹی نے عوام کے ساتھ رعایت سے کام نہیں لیا لیکن عوام پنجاب اور بنگال میں کانگریس کا ساتھ دینے میں حق بجانب تھے۔ چنانچہ اب جبکہ دوبارہ عوام کانگریس کی طرف متوجہ ہیں پنجاب کی کانگریس کا پروگرام تنظیم اور لیڈری ایک فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہے۔

اعجازِ تغزل

اگر سوزِ درونِ عشق کا اظہار ہو جائے
یقیناً سانس لینا حُسن کو دشوار ہو جائے

تمہاری نرگسِ شہلا سے جو سرشار ہو جائے
یہ ناممکن ہے کہ پھر وہ عمر بھر ہشیار ہو جائے

نہ ہو تسکینِ جاں اور جان کو آزار ہو جائے
وہ جلوہ ہی نہیں ہے، جو نظر پر بار ہو جائے

ہو خاکستر یہ دل یا حاملِ انوار ہو جائے
کسی صورت تو پورا مقصدِ دیدار ہو جائے

نہ ٹھکراؤ مری وارفتگیٔ شوق کی دنیا
مزاجِ عشق پر یہ ظلم شاید بار ہو جائے

سمجھتا ہوں تبسم باریاں لب ہائے رنگیں کی
یہ مقصد ہے کہ ذرّہ ذرّہ لالہ زار ہو جائے

یقیناً آپ کی منشا کو بھی کچھ دخل ہے اس میں
یہ مشتِ خاک یوں حاملِ اسرار ہو جائے

گھٹائیں ہیں، ہوائیں ہیں، تری کافر ادائیں ہیں
فضائے "تاج" آخر کیوں نہ جنت زار ہو جائے

ذرا اے موسمِ گل روک لے اپنے تبسم کو
ٹھہر جا، فطرتِ دیوانگی ہشیار ہو جائے

وہاں فکر و نظر کی رفعتیں لے آئی ہیں مجھ کو
جہاں پر شہپرِ جبریلؑ بھی بیکار ہو جائے

حجابِ کہکشاں سے آج جلوہ باریاں ہونگی
جسے ہونا ہو وہ صورت شناسِ یار ہو جائے

اگر اعجاز کفرِ حُسن بھی تائید فرمائے
حقیقت عشق کی ناقابلِ انکار ہو جائے

اعجاز صدیقی اکبرآبادی
مدیر "شاعر" آگرہ

۱۴ فروری ۱۹۳۹ء

کچھ دھاگے ہیں جلتے آئیں گے سرکار بندھے

کتاب

تسخیر کامل

پڑھیے

ترقی روزگار، حاکم کو تابع اور محبوب کو مسخر کرنے کے لئے کتاب تسخیر کامل پڑھیے۔ تیر نظر کے گھائل عشاق جہاں فلاں کے مارے ہوئے مایوس روزگار ہوی کے ستائے ہوئے نیک سیرت شوہر آفات ناگہانی بلیات آسمانی سے عاجز دشمن جان سے ڈرے ہوئے مغلوب۔ ظالموں کے مارے ہوئے ظالم حاکم کو مہربان بنانے کے طالب خوش ہوں کہ یہ کتاب سب مشکل کو آسان کرنے والی۔ ترقی روزگار کا ذریعہ اور آفات آسمانی سے نجات دلانے کی ضامن ہے۔ کلام ربانی اور آیات رحمانی کے اوصاف سے کون ہے جو انکار کر سکتا ہے اس کتاب میں وہ مجرب عملیات اور نایاب وظائف ہیں جو اب تک عام لوگوں کے علم میں نہیں وہ اصحاب جو بازاری کتابوں کے غیر مکمل نا قابل اعتبار اعمال پر عمل کرنے کے بعد مایوس ہو چکے ہیں اس ذخیرۂ نایاب کو بھی آزمائیں مصنف کا قول ہے کہ اگر اس کتاب کی ہدایت پر عمل کیا جائے تو عامل تمام دنیا کو مسخر کر لیتا ہے۔ قیمت صرف آٹھ آنے (۸؍) ایک جلد کے خریدار کو نو آنہ کے ٹکٹ بھیجنے چاہئیں۔

شراب جذبات میں ڈوبی ہوئی رباعیات کا مجموعہ

کتاب

بادۂ خیام

پڑھیے

جس میں فلاسفر اعظم عمر خیام کی وہ دو سو رباعیاں اور ان کی پُر کیف و بامعنی شرح درج ہے جو شاید آج تک آپ کی نظر سے نہ گزری ہوں گی یوں تو عمر خیام کی رباعیات کا مجموعہ اور ان کی شرح بہت سی جگہ چھپی ہے لیکن جس البیلے انداز تحریر انوکھے طرز بیان کے ساتھ اس کتاب میں رباعیات کے مطالب و معارف بے نقاب کئے ہیں وہ دوسری شرحوں میں نہیں ملتے خیام جیسے بلند پایہ شاعر کے کلام کی شرح کوئی معمولی بات نہیں ہے ایک ایک مصرعہ کے ہزار ہا معنوی پہلو نکلتے ہیں مصنف نے اس کتاب میں پوری کوشش کی ہے کہ شاعر کے حقیقی جذبات و خیلات کی صحیح طور پر ترجمانی کر سکے۔

صفحات ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) کاغذ اعلیٰ چھپائی نہایت عمدہ ہے قیمت فی جلد صرف ایک روپیہ (عہ) علاوہ محصول ڈاک

عاشق و معشوق کی پُر کیف خط و کتابت کا مجموعہ

کتاب

ساغر محبت

پڑھیے

جس میں انسان کے ہر شعبہ کی بذریعہ خطوط اصلاح کی گئی ہے۔ اور بتایا ہے کہ عشق و محبت میں ڈوبے ہوئے خطوط کیسے ہوتے ہیں اور کس طرح لکھے جاتے ہیں۔ اس کتاب کے چار باب ہیں اور ہر ایک باب علیحدہ علیحدہ عنوان پر لکھا ہوا ہے۔ اس کتاب میں نہایت دلچسپ خط و کتابت کے ذریعہ بتایا ہے کہ ایک حسین و جمیل نازنین غریب بھولے بھالے نوجوان کو کیونکر اپنے پھندے میں پھنساتی ہے اور پھر اپنی دوکانداری کو کس طرح چمکاتی ہے وہ کیا کیا ادائیں ہیں جن کے نادان جوان شکار ہوتے ہیں نیز زن [illegible] پُر لطف خط و کتابت یعنی ایک شوہر ستی ہوئی بیوی کو اپنی جادو آمیز تحریر سے کس طرح منا تا ہے اور عقلمند بیوی اپنے گمراہ شوہر کو کیونکر راہ راست پر لاتی ہے۔ اس کتاب میں انوکھے انداز میں لکھا ہے کہ دوست احباب عزیز و اقارب میں خلوص خط و کتابت کا کیا ڈھنگ ہونا چاہئے نیز محب و محبوب کے درمیان عشق و محبت کے جذبات میں رنگے ہوئے خطوط ایسے انداز محبت میں لکھے گئے ہیں کہ پڑھنے والے کے جذبات محبت میں تلاطم پیدا ہو جاتا ہے۔ بڑی پُر لطف کتاب ہے۔ قیمت آٹھ آنے (۸؍) ایک جلد کے خریداروں کو نو آنے کے ٹکٹ بھیجنے چاہئیں

مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی کی بہترین کتاب

شاہکار شرر

یا

صد پارۂ دل

نیا ایڈیشن سفید کاغذ پر تیار ہوا ہے۔ عمدہ جلد ہے۔ تقریباً ڈھائی سو صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ رعایتی ایک روپیہ علاوہ محصول ڈاک جلد منگائیے۔

ان تمام کتابوں کے ملنے کا پتہ:۔ منیجر رسالہ محشر خیالی اردو بازار جامع مسجد دہلی

ایجنٹ

ودیش بھوشن بھٹناگر دہلوی

موجودہ زمانے کی کاروباری دنیا میں ایجنٹ ایک ضروری جزو ہے۔ ہر کام اور ہر بیوپار کے لئے ایجنٹ موجود ہیں۔ گو ہندوستانی اصطلاح میں انہیں دلال کے علاوہ کسی دوسرے القاب آداب سے یاد نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن دلال کو عموماً بازاری استعارہ سمجھ کر ایسے لوگ اپنے آپ کو اس نام سے پکارا جانا پسند نہیں کرتے اور لفظ ایجنٹ کو اپنے نام کے ساتھ ایزاد کرنے میں زیادہ فخر سمجھتے ہیں جیسے توسول ایجنٹ۔ کمیشن ایجنٹ۔ ڈسٹری بیوٹنگ ایجنٹ۔ منیجنگ ایجنٹ۔ عام طور پر کافی شہرت رکھتے ہیں اور کچھ زیادہ خطرناک بھی تصور نہیں کئے جاتے۔ لیکن انشورنس ایجنٹ سے عموماً ہر خاص و عام گھبراتا ہے۔ انشورنس ایجنٹ کا کام ہے آسامی پٹانا موت اور بدبختی کا ڈر دکھا کر اپنی کمپنی کے پریمیم کی شرح کو سب سے آسان اور مفید بتلا کر پالیسی اور قسطوں کا لالچ دلا کر گاہک بنانا ہوتا ہے۔ ایک دفعہ اسے یہ معلوم ہوجائے کہ آپ نے اپنی زندگی کا بیمہ نہیں کرایا ہے یا کرانے کا خیال رکھتے ہیں تو بس سایہ کی طرح آپ کے ساتھ ہے۔ اس مضمون میں ہم اسی عجیب الخلقت انسان کا ذکر خیر کرنا چاہتے ہیں جو انشورنس ایجنٹ کے نام سے کاروباری دنیا میں اپنا جھگڑے کا ہینڈبیگ لئے ایٹوڈیٹ سوٹ میں ملبوس نئے شکار کی تلاش میں پھرتا نظر آتا ہے انشورنس ایجنٹ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ باتونی نکتہ چیں ناصح بیوپاری حلیم الطبع اور خوش طبع نوجوان ہو۔ وہی اصلی انشورنس ایجنٹ ہے جو سب سے پہلے اپنے گھر والوں پر ہاتھ صاف کرے اور اس کے بعد دوست احباب کو بھی اپنی دستبرد سے بچا نہ رہنے دے صبح گھر سے نکل کر شام تک اگر ایک دو کیس بھی بنا کر نہ لایا تو وہ انشورنس ایجنٹ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ انشورنس ایجنٹ ہمیشہ اپنے آپ کو آپ کا خیر خواہ جتلائے گا۔ عموماً تو وہ یہ کہتا سنا جاتا ہے کہ جناب ہم تو آپ کی زندگی کے خیر خواہ ہیں کہ جناب تاابد زندہ رہیں اور پریمیم ادا کرتے رہیں اور ہماری کمپنی کو آپ کی موت سے پیسے کا روپیہ ادا کرنا نہ پڑے۔ لیکن دراصل بات یہ ہے کہ انشورنس ایجنٹ اسی وقت تک آپ کا خیر خواہ ہے جب تک آپ کا ڈاکٹری معائنہ نہیں ہوتا اور آپ اپنا پہلا پریمیم ادا کر کے اپنی زندگی سے بے فکر نہیں ہوجاتے اس کے بعد مرد تا جائے دوزخ میں جائے خواہ بہشت میں یاروں کو اپنے کمیشن سے مطلب۔ آج کل انشورنس نے بھی ایک وبائی بیماری کی سی صورت اختیار کر لی ہے۔ انشورنس کمپنیاں بھی برساتی مینڈکوں کی طرح ہر گوشے سے پیدا ہوتی چلی جارہی ہیں اور پھر انشورنس ایجنٹوں کی تو کمی ہی کیا ہوسکتی۔ ہندوستان کی بیکاری کے مسئلے کو دور کرنے کے لئے یہ بھی ایک فاضل مد پیدا ہوگئی ہے اور جس نوجوان کو ملازمت یا روزگار نہ ملا وہی ہلدی کی گانٹھ مل جانے سے پنساری بن بیٹھا ہے۔ یعنی انشورنس ایجنٹ کی صورت میں اچھا خاصہ کماؤ پوت بن گیا ہے۔ لیکن مندرجہ بالا خوبیاں ہر خاص و عام میں تو ہونے سے رہیں نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد۔ خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد۔ اس لئے بعض غیر تمند انشورنس ایجنٹ اپنے آپ کو اس نیک نام پیشے کا اہل نہ سمجھ کر اس سے دست بردار بھی ہوجاتے ہیں انشورنس ایجنٹ کے متعلق ہمارے ایک دوست نے جو یو۔ پی کے ایک ضلع میں ڈپٹی کلکٹر ہیں ایک نہایت دلچسپ واقعہ سنایا جو انہیں کے الفاظ میں ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

پی۔ سی۔ ایس کا امتحان پاس کر لینے کے بعد مجھے کانپور میں ڈپٹی کلکٹری کی ٹریننگ کے لئے لگا دیا گیا تھا۔ لیکن کانپور میرے لئے نیا شہر تھا کوئی عزیز اقارب اور دوست نہ تھا۔ اسی لئے میں نے یونین کلب کی ممبری میں اپنا نام درج کرا لیا تھا۔ کلب میں شام کے دو تین گھنٹے اطمینان سے صرف ہوجاتے تھے۔ ایک روز شام کو جب میں کلب سے اپنے بنگلے پر واپس آنے کے لئے تیار تھا تو مجھے سامنے سے ایک شخص آتا ہوا دکھائی دیا۔ شکل سے کچھ

بھنا سا ئی معلوم ہوئی۔ ڈھیلی ڈھالی پتلون۔ پرانا سا ئیلٹ۔ ہاتھ میں چمڑے کا ایک ہینڈ بیگ لئے جب وہ میرے قریب آیا تو مجھے معاً خیال آیا کہ یہ تو اپنا پرانا کالج کا ساتھی فرحت علی ہے ایم اے او کالج علی گڑھ میں انٹرمیڈیٹ اور بی اے میں ہم دونوں ساتھ تھے۔ بی۔ اے کرنے کے بعد ہماری ملاقات نہ ہو سکی تھی۔ میں نے آواز دی "فرحت"۔ اس "جنٹلمین" کے کان کھڑے ہوئے اس نے مجھے اور میری کار کو غور سے دیکھا اور بڑھ کر معانقہ کیا۔ ارے بھئی نعیم خوب ملے۔ تم یہاں کہاں ہو بھائی۔ میں نے ہنس کر کہا۔ جہاں تم وہاں میں"۔ فرحت نے میری ناپ تول کرکے پھر پوچھا "ارے بھئی خدا کی قسم مذاق نہ کرو۔ یہ بتاؤ تم یہاں کس سلسلہ میں مقیم ہو میں نے جواب دیا" میں یہاں ڈپٹی کلکٹری کی ٹریننگ کے لئے آیا ہوا ہوں۔ ابھی کلب سے گھر جا رہا تھا کہ تم نظر پڑ گئے" واہ دوست خوب ہاتھ مارا" یہ کہہ کر وہ میری خوش نصیبی پر رشک کرنے لگا۔ میں نے کہا" چلو دوست میرے ساتھ بنگلہ پر آج اتنے عرصہ کے بعد تم سے ملاقات ہوئی ہے۔ تھوڑی دیر خوش گپیاں ہی رہیں گی۔ فرحت علی مع اپنے ہینڈ بیگ کے کار میں آ بیٹھا۔ موٹر سٹارٹ کرکے میں بنگلے پر آیا۔ ایوننگ سوٹ تبدیل کیا۔ اتنے میں خانساماں نے میز پر چائے سجا دی تھی۔ میں نے فرحت کو چائے کے لئے مدعو کیا۔ فرحت نے کہا بھئی نعیم صاحب چائے پینے کی مجھے عادت تو ہے نہیں لیکن آپ کب کب کہیں گے" چائے تیار ہونے لگی۔ میں نے پوچھا کہو بھئی فرحت آجکل کیا شغل ہے" فرحت نے ذرا فخر سے سر اونچا کرکے میری پوزیشن کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے کہا" میں جناب اورینٹل انشورنس کمپنی کا ایجنٹ ہوں۔ اورینٹل کمپنی تو آپ جانتے ہی ہیں کتنی مشہور ساکھ والی کمپنی ہے اس کی ایجنسی ملنا بھی آسان کام نہیں ہے۔ یہ سنکر کہ جناب فرحت صاحب انشورنس ایجنٹ ہیں میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں نے بات کا رخ پلٹتے ہوئے کہا۔ اچھا بھئی یہ تو بتاؤ ابھی شادی وادی کی یا نہیں۔ بال بچے کتنے ہیں۔ فرحت نے جواب دیا۔ شادی تو ہو چکی ہے۔ لیکن بچوں کے خیال سے اللہ کا نام ہے آپ سنائیے۔ غالباً ابھی بیگم صاحبہ اپنے پرگنے پر تشریف نہیں لائی ہیں" میں نے ہنس کر کہا" میں تو ابھی اس علت سے بری ہوں ممکن ہے ایک دو سال میں مجھے بھی اس جنجال میں پھنسنا پڑے"

غرض کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ آخر پھر پھر کر فرحت نے سوال کیا۔ کہو بھئی نعیم ابھی انشورڈ ہوئے یا نہیں" میرا خوف میرے سامنے آ گیا۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے جواب دیا۔ بھئی میں تو ابھی نیا نیا ملازم ہوا ہوں۔ اپنا ہی گزارہ مشکل سے چلتا ہے۔ انشورنس کا خیال تو اس وقت موجب روپیہ کی بچت ہو" میری بات کو کاٹتے ہوئے فرحت نے کہا" آج کل کے زمانے میں تو بچت کا خیال ایک امید موہوم ہے۔ یہ تو زبردستی ہی بچت کرنی پڑتی ہے۔ انشاء اللہ چار روز میں آپ کی شادی ہو گی۔ گرہستی پلے بندھے گی پھر تو بچت کے نام سے کوڑی بھی نہ رہے گی اس لئے کیوں نہ ابھی سے دانستہ آید بکار کی پالیسی پر عمل کرو۔ ابھی ماشاء اللہ آپ کی عمر بھی کم ہے۔ اخراجات بھی مقابلتہً کم ہیں یہ کام تو کر ہی ڈالنا چاہئے" میں نے ذرا لاپرواہی سے جواب دیا میں کیا کروں۔ گھر کا ہی گزارہ نہیں چلتا۔ پڑھائی کے زمانے کا قرض ادا کرنا ہے پھر پریمیم کے لئے روپیہ کہاں سے لاؤں" فرحت نے پھر فاتحانہ انداز میں کہنا شروع کیا" ارے یار یہ اخراجات تو چلتے ہی رہیں گے۔ انسان کو یہی سوچ لینا چاہئے کہ اتنی ہی تنخواہ ملتی ہے۔ چلو چھٹی ہوئی۔ انسان کو ذرا دور اندیش ہونا چاہئے زندگی کا کیا بھروسہ، آج آپ پانچسو کما رہے ہیں خدا نہ کرے آپ کی موت کے بعد ایک پیسہ بھی نہیں رہے اس لئے ازدواجی زندگی میں داخل ہونے سے پہلے ہی آدمی کو سب انتظام کر لینا چاہئے"۔ میں خاموش ہو گیا۔ فرحت نے اپنی نصیحت اور نشیب و فراز کی بھرمار کر ڈالی اسی گفتگو میں رات کے دس بج گئے۔ میں اکتا گیا آخر مجبور ہو کر میں نے یہ کہہ کر" اچھا سوچوں گا" موضوع کو ختم کیا اور فرحت صاحب دل میں ایک مسرت لئے ہوئے رخصت ہوئے۔ چلتے وقت میں نے فرحت علی کو پھر کسی روز آنے کے لئے بھی نہ کہا۔ لیکن فرحت نے خود ہی کہا کہ اب تو آپ یہاں ہیں ہی۔ انشاء اللہ پھر ملاقات ہو گی۔ دو تین روز ان باتوں کو گزر گئے۔ ایک روز پھر وہ بلائے بے درماں کی طرح آ دھمکے۔ میرے کورٹ جانے اور کلب سے واپس آنے کی تمام کیفیت انہوں نے چپراسی سے معلوم کر لی تھی۔ اب میں بجائے اس کے کہ فرحت سے خلوص کے ساتھ ملتا کچھ بے رخی سے پیش آیا ادھر ادھر کی بات چیت کے بعد فرحت صاحب نے پھر وہی سوال دہرایا۔ ہاں بھئی اب تو آپ نے خوب غور کر لیا ہو گا۔ کہئے رہی نہ میری رائے صائب" میں نے

لاپرواہی سے جواب دیا "بھئی میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ابھی اس کام کے لئے گنجائش نہیں ہے۔" فرحت نے پھر ناصحانہ گفتگو شروع کی وہ کہہ رہا تھا لیکن میرے پاس اس کا وعظ سننے کے لئے کان نہ تھے۔ میں ہاں ہوں کرکے خاموش ہوگیا۔ میں نے فرحت کو ٹلانے کے لئے کہا۔ اچھا میاں فرحت اب میں معافی چاہتا ہوں اس وقت میرے ایک افسر ملنے آنے والے ہیں پھر کبھی دیکھا جائے گا۔"

فرحت علی، بادل ناخواستہ علیک سلیک کے بعد رخصت ہوئے اور جاتے ہوئے کہہ گئے۔ خواہ کتنے ہی بہانے کرو تمہیں تو انشور کرا ہی جائے گا۔ یاد کروگے دوست ان باتوں کو" جتنا میں چاہتا تھا کہ فرحت میرے مکان پر نہ آئے اتنا ہی وہ زیادہ آتا تھا۔ ہر دوسرے۔ چوتھے روز وہ کسی نہ کسی بہانے سے کوٹھی پر موجود رہتا تھا میں اپنے اوپر جھلاتا کہ کیوں میں نے اسے اپنے منہ لگایا لیکن خود کردہ را علاجے نیست۔ میری نفرت اس قدر بڑھی کہ میں گھر پر ہوتے ہوئے بھی کہلوا دیتا تھا کہ وہ مرزا صاحب گھر پر نہیں ہیں جب اس سے بھی کام نہ چلا تو میں نے اپنے چپراسی کو تاکید کردی کہ اس شخص کو بنگلے میں نہ آنے دیں لیکن فرحت بنگلے کے باہر گھنٹوں کھڑا رہتا اور جب میں بنگلے سے باہر نکلتا تو وہ سامنے موجود ہوتا اور میں اپنا منہ پھیر کر کار کو تیزی سے لے جایا کرتا۔ فرحت سے مجھے نفرت سی ہوگئی تھی اور میری نفرت نے چڑ کی صورت اختیار کرلی تھی ایک روز میرے چپراسی نے خبر دی کہ آپ کے دوست فرحت صاحب بنگلے کے باہر گشت لگا رہے ہیں۔ دوست کا لفظ سن کر میں جھنجھلا کر اٹھا لیکن چپراسی میرا پہلا برتاؤ دیکھ چکا تھا اس لئے میں فرحت کی دوستی سے انکار بھی نہ کرسکتا تھا۔ میں کسی کام کے لئے اپنے بنگلے کے برآمدے میں آیا۔ اور فرحت علی دو چار قدم بڑھ کر میرے قریب آ پہنچا۔ مجھے بے حد غصہ آیا میں نے اپنے چپراسی کو آواز دی۔ چپراسی "حضور" کہہ کر اندر داخل ہوا۔ میں نے لال پیلا ہوتے ہوئے کہا کس نے ان کو اندر آنے کی اجازت دی میں ابھی تم لوگوں کی کھال ادھیڑتا ہوں چپراسی نے ڈر سے کانپتے ہوئے کہا" غریب پرور ہم تو انہیں روک رہے تھے۔ لیکن آپ کو دیکھ کر یہ اندر آگئے۔" میرا تن بدن غصے سے جل رہا تھا میں نے چپراسی کو حکم دیا" نکال دو ان کے

جوتے" چپراسی میری شکل دیکھنے لگا۔ وہ اپنے دل میں فیصلہ نہ کرسکا کہ کیا کروں۔ میں نے پھر کڑک کر کہا۔ دیکھتا ہے یا تیری خبر لوں" چپراسی نے جوتا نکال کر دو چار ہاتھ فرحت صاحب کی چندیا پر جما دئے۔ فرحت علی نے کہا لو بھئی بس ہو چکا مذاق اب کردو دستخط اس کاغذ پر مجھے فرحت کی بے غیرتی اور ڈھیٹ پن پر ہنسی آگئی اور میں نے کہا۔ اچھا بھئی تو جیتا میں ہارا اور میں نے اس کے کاغذ پر دستخط کردئے مجھے اپنی زیادتی پر افسوس بھی ہوا لیکن فرحت کی پیشانی پر ایک شکن تک نہ آئی دو ہزار کے لئے انشور کرا لینے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ واقعی انسان اپنے دوزخ شکم کی آگ بجھانے کے لئے ہر درجہ کی ذلالت اور ندامت اٹھانے سے بھی نہیں گھبراتا بیمہ ہو جانے کے بعد فرحت صاحب کانپور سے ایسے غائب ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ لیکن میں ابھی تک ہر سہ ماہی پریمیم بھیجے چلا جا رہا ہوں۔

یہ ہے جناب انشورا یجنٹ صاحبان کی زندگی کا مرقع اگر اس مضمون کے پڑھنے والے ناظرین میں خوش قسمتی یا بدقسمتی سے کوئی صاحب اس غریب پرور پیشے میں دخل رکھتے ہوں تو اس صاف گوئی کے لئے معاف فرمائیں لیکن وہ اگر اپنے سینے میں دل رکھتے ہوں تو سوچیں اور غور کریں کہ کیا کبھی انہیں ایسے واقعات سے دو چار ہونا پڑا ہے یا نہیں۔ عام لوگ انشور کرانے کو زندگی بیچنا ہی کہتے ہیں اور انشورایجنٹ ہی ان کی زندگی کے گاہک کی حیثیت سے نمودار ہوتے ہیں۔

اس مضمون سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ انشور کرانا عیب اور برائی میں داخل ہے۔ بلکہ ہم تو یہ کہنے کے لئے تیار ہیں کہ یورپ اور امریکہ میں ہر وہ بالغ شخص جو چار پیسے کماتا ضرور اپنی جان کا بیمہ کراتا ہے۔ جوں جوں اپنے بھائی بند رشتے داروں سے بیگانہ ہیں اور بد اعتمادی بڑھتی جا رہی ہے توں توں بیمے کا کام بھی زور شور سے چل رہا ہے۔ اگلے وقتوں میں یتیموں اور بیکسوں کی پرورش بھائی بند کیا کرتے تھے لیکن اس آباد دہلی کے زمانے میں ہر عیالدار اپنے بچوں کے مستقبل کا خیال دل میں رکھتا ہے۔ جان کے بیمے کے ساتھ ہی ساتھ دکان دوکان آگ۔ حادثہ۔ بیماری۔ خوبصورتی دانتوں۔ رخساروں۔ پنڈلیوں۔ رانوں تک کا بیمہ سننے میں آتا ہے لیکن ان سب چیزوں سے زیادہ انشورنس ایجنٹ جان کے گاہک

میں ڈاکٹر کی رپورٹ پر ایک شخص کی ساٹھ سالہ زندگی کے ٹھیکہ دار بن جاتے ہیں۔ در اصل آسان بھی یہی کام ہے کہ بیمہ لگے نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا آئے دوکان کا بیمہ کرنے سے پہلے مال کا جائزہ لینا ضروری ہے پھر اگر کسی نے بیمہ کمپنی سے روپیہ وصول کرنے کے لئے آگ لگا دی تو اس کی تحقیقات کی ذمہ داری بھی بے چارے ایجنٹ پر آجاتی ہے۔ اس لئے کاغذ بھروائے ڈاکٹر کی فیس ادا کی

اور جھوٹ کیس تیار ہوا۔ اس کے بعد مکھی مکڑی کے جال سے نکلنی مشکل ہو جاتی ہے۔ لیکن بے روزگاری کا زمانہ ہے۔ روٹی کسی طور کما کھائے مجھندر۔ اگر آپ کو کسی انشور ایجنٹ دوست کے واسطہ پڑ جائے تو جناب مرزا نعیم بیگ صاحب کی طرح اپنے ایجنٹ نما دوست کی تواضع جوتوں سے تو کیجئے گا نہیں کیونکہ اس لئے اگر آپ کی دوستی سے اتنا ہی فائدہ نہ اٹھایا تو آپ دوست کیا ہوئے۔

حق آگاہ کی راگنی

(حق آگاہ بیابان میں پکارنے والے کا نام ہے۔ جو جنگل کی سب بوٹیوں سے واقف ہے)

مبارک ہیں وہ جو کڑوا شربت پینے کو تیار ہیں۔ اور میٹھے زہر کو منہ نہیں لگاتے۔ دیکھنا وہ ضرور پھل پائیں گے۔ اور خدا ان پر رحم کرے جو ظاہر داری کے بھوکے اور پیاسے ہیں ——————

میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ وہ دنیا میں ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جو سانپ کی جلد کی ملائمت دیکھ کر اسے پکڑ لیتا ہے۔ دیکھنا وہ ضرور کاٹے گا۔ اور یہ ضرور پچھتائے گا ——————

اے دنیا کی بھیڑو۔ بعض تم میں سے بھیڑیں نہیں ہیں۔ گو تم انہیں بھیڑیں ہی تصور کرتی ہو۔ دراصل وہ پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں۔ جو تم میں تمہارا لباس پہن کر شامل ہوتے ہیں۔ دیکھنا ان سے بچ کر رہنا۔ یہ موقع پا کر کام کرتے ہیں۔ ان نرم نرم بالوں میں تمہاری موت پنہاں ہے ——————

یہی حال ان سفید سفید قبروں کا ہے۔ بعض پر سنگ مرمر کے تعویز جڑے ہیں۔ بعض پر خوشنما پھول پڑے ہیں۔ جن کی پنکھڑیاں نزاکت میں مشہور ہیں۔ ان قبروں کو اکھیڑ دو تو سوائے گلی سڑی ہڈیوں کے کچھ نہ پاؤ گے ——————

یاد رکھو اے پھول توڑنے والے۔ اس کو حاصل کرنے میں کانٹے ضرور چبھیں گے۔ تکلیف برداشت کرنے کے بعد ہی راحت حاصل ہوتی ہے۔ بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے:۔

"سب بوٹیاں جدا جدا اثر رکھتی ہیں۔ کڑوی بوٹی سب سے اچھی ہے"

(شیخ غیاث الدین۔ لاہور)

لکڑی کی چیزوں پر پالش اور روغن کرنا

محکمہ اطلاعات یو۔پی گورنمنٹ

بنی ہوئی چیزوں کی سطح پر برابر سے رنگ کرنے کا کام مختلف حالات میں دلچسپ ہے اور اس کے لئے بڑی ہوشیاری اور محنت کی ضرورت ہے ایک رنگ کرنے والے یا مالش کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے دوران کام میں اپنے ہر عمل کو اور جن اشیا کو وہ استعمال کر رہا ہے بخوبی جانے۔

رنگ کرنے یا پالش کرنے کے تین مقصد ہیں۔ یعنی کہ جس چیز پر پالش کی جاتی ہے اس کو محفوظ کرنا، صاف کرنا اور آراستہ کرنا۔ اس سے سامان نہ صرف گرد و نواح کی چیزوں اور موسم کی تبدیلیوں سے پیدا ہونے والی خرابیوں سے محفوظ رہتا ہے بلکہ اس کی زندگی بھی بڑھ جاتی ہے انسان کے جسم کے لئے جو کام غذا کرتی ہے وہی کام پالش لکڑی کی چیزوں پر کرتی ہے۔

پالش ہمیشہ کم اور برابر سے لگانی چاہئے اور ایک ہی قسم ہو یعنی یہ کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں زیادہ چمکدار ہو جائے اور کہیں ماند پڑ جائے۔ پالش (وارنش) یا رنگ پتلا لگانا چاہئے تاکہ وہ لکڑی کے تمام سوراخوں میں پیوست ہو جائے اور جلد خشک ہو جائے۔ کسی چیز پر پالش زیادہ نہ لگانا چاہئے کیونکہ اس سے چمک نہیں آتی اور نہ وہ پائدار ہوتی ہے۔

کسی پرانی چیز پر روغن کرنے میں سب سے پہلے اس چیز کی صفائی اور گرد صاف کرنی جائے پھر اس کے بعد جو حصے کہ اس کے ٹوٹ گئے ہیں یا ان میں کسی قسم کی خرابی آگئی ہے ان کو درست کر لیا جائے اور اس کی مرمت کر لی جائے۔ اگر وہ چیز اچھی حالت میں ہے تو پانی میں سوڈا ملا کر اسے دھو لیا جائے اس سے اس پر جو چکنائی یا گرد وغیرہ لگی ہے وہ اور پرانا رنگ دھل کر صاف ہو جاوے گا۔ ایک اونس سوڈا اور ایک پنٹ (گلاس) پانی اچھا زوردار مرکب اس مصرف کے لئے تیار ہو جاوے گا یا اگر جھانوں سے ہی خوب رگڑا جائے تو بھی کام چل جاوے گا۔

پالش کرنے سے پہلے ہی اس چیز کی سطح جس پر کہ پالش ہوگی اس کی تمام خرابیاں مثلاً یہ کہ نا ہموار سطح دندانے اور داغ وغیرہ اچھی طرح صاف کر لئے جائیں۔

پالش کا سامان۔ پٹی دو قسم کی ہوتی ہے جس کو کہ پالش کرنے والے کو احتیاط کے ساتھ تیار کر کے اپنے پاس رکھنا چاہئے۔ (۱) ملائم یا کچی پٹی (۲) سخت یا پکی پٹی۔ یہ بغیر زیادہ صرفہ اور محنت کے تیار ہو سکتی ہے اگر ذیل کے سامان اور تناسب کا خیال رکھا جائے۔

(۱) کچی پٹی شہد کی مکھی کا موم ایک تولہ
اسی کا تیل ½ تولہ

ان دونوں کو ایک ساتھ ابالا جائے اور اس میں بادامی ڈنڈا ایک یا کوئی دوسرے رنگ کا سفوف جس رنگ کی ضرورت ہو ملا لیا جائے۔

(۲) پکی پٹی۔ شہد کی مکھی کا موم
روزن ایک تولہ

ان دونوں کو ایک ساتھ ابالا جائے اور اس میں کوئی رنگ ملا لیا جاوے۔ جب وہ برداشت کے قابل ٹھنڈا ہو جائے تو اسے ۴۔انچ سے ۶۔انچ کی لمبائی اور ½ انچ کی مٹائی میں لیبیٹ کر پنسل کی طرح بنا لیا جائے اس کے لئے دوسرے سامان یہ ہیں۔

(۱) کھردرے اور اچھے قسم کے ریگ مال کے چند تختے یا شیشہ کے برادہ چپکائے ہوئے کاغذ۔ شیشوں کے ریزوں کی مناسبت سے یہ کاغذ ۲ سے صفر تک چار قسم کے ہوتے ہیں یعنی صفر، ۱، ½ ۱، اور ۲ نمبر ان کے ہوتے ہیں اور عموماً ۹ آنہ درجن ملتے ہیں اس کے ساتھ اگر ریگ مال سے رگڑا جائے تو اور بھی اچھا ہے۔

(۲) السی اور تارپین کے تیل برابر سے ملے ہوئے۔

(۳) جوڑ بھرنے والی چیز

(۴) فرانسیسی پالش (روغن)

(۵) چند چپٹے اور گول ملائم بال کے برش اور ایک ملائم ٹپی یا روئی کی گدی جو تھوڑی سی ملائم کپی روئی اور صاف ملائم کپڑہ سے بنی ہوئی ہو

(۶) ایک جوڑ بھرنے کا چاقو اور تھوڑا سا رنگ کا سفوف بھی

پالش کرنے کی ضروریات میں سے ہیں۔

پالش کرنے کا طریقہ

جب کہ پالش کے متعلق تمام سامان جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے جمع ہو گیا تو پھر کام شروع کرنے کا طریقہ گردونواح کی حالت پر مبنی ہے مثلاً موسم کی حالت جس چیز پر پالش ہو گی اس کی سطح اور کام کے لئے جو مزدوری ٹھہری ہے اس مزدوری کے لحاظ سے یہ بات طے ہو گی کہ اس چیز پر کتنی تہیں دینی ہوں گی یا دوسرے الفاظ میں کتنا وقت اس پر صرف کیا جاوے گا اور کیسا مال لگایا جاوے گا۔ اس لئے یہاں قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا کام ٹھیکہ پر کیا جاوے گا یا کیسے لیکن ایک اچھا پالش کرنے والا ایک روپیہ سے تین روپیہ یومیہ تک مزدوری طے کر سکتا ہے۔

دھوپ والا اور خشک دن تمام قسم کے رنگ کرنے اور پالش کرنے کیلئے تجربہ سے بہت مناسب ثابت ہوا ہے اور بدلی والے اور نم موسم میں عام طور پر کام جاری رکھنے میں رکاوٹ ہو گی۔

پالش کرنے میں جو دقتیں گرموں کی اور ناہموار سطح کی وجہ سے ہوتی ہیں ان پر قابو پانا ضروری ہے جب کہ ایک چیز پر پالش ہو چکی تب بھی نہ کرنے کے نشانات دکھائی دیں گے۔ کئی تہیں ان کو ہموار کر کے برابر کر دیں گی۔ اس لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے کہ سطح ہموار ہو سب ناہمواری دور کرنے کے لئے پہلے سطح کو کھرنج ڈالنا چاہئے اور تب پھر ریگ مال ملنا چاہئے اگر ضرورت ہو تو دونوں بھر درے اور اچھے قسم کا کاغذ استعمال کیا جائے۔ جب کہ سطح بالکل ہموار ہو کر تیار ہو گئی تو ملائم برش سے لکڑی کے تمام جوڑ دار مقامات پر پالش کی ایک تہ دیدی جائے قبل اس کے کہ السی اور تارپین کے تیل کا مرکب لکڑی پر لگایا جائے پالش کو سوراخوں میں اچھی طرح پیوست ہو جانا چاہئے۔

اس کے بعد جوڑ بھرنے والا مسالہ جو پہلے سے تیار ہو چکا ہے لگایا جائے۔ اس کو فوراً کسی ٹاٹ کے ٹکڑے یا موٹے کپڑے سے صاف کر دیا جائے۔ اس کے بعد پھر ریگ مال ملنا چاہئے اور پھر پالش کی ایک تہ ملائم برش یا اس کام کے کسی اوزار سے دینی چاہئے۔ پھر مسالہ بھرنے والے چاقو سے تمام نشانات میں ٹپی پھیری جائے تب اس کے بعد پوٹلی یا ملائم کپی روئی سے ملائی کی جائے۔ پہلے اس پوٹلی کو اچھی طرح پالش میں بھگایا جائے اور پھر خوب اچھی طرح نچوڑ لیا جائے اس کے بعد لکڑی کے جتنے حصہ پر پالش کرنا ہے ہاتھ کے برابر رستہ پالش لگائی جائے۔ تمام حصوں پر پالش کی ایک تہ لگانے کے بعد چند گھنٹوں کیلئے کام چھوڑ دیا جائے تاکہ لکڑی کے تمام حصہ میں پالش سرایت کر جائے قبل اس کے کہ پالش کی دوسری تہ لگائی جائے تمام حصہ کو ریگ مال سے ملنا چاہئے۔ لکڑی کو باریک نشانات سے بچانے کے لئے شیشہ چپکے ہوئے استعمالی کاغذ کو کام میں لانا چاہئے اس سے نئے کاغذ کے مقابلے میں زیادہ چکنی سطح برآمد ہو گی۔ یہ بہتر ہے کہ مستعمل ریگ مال استعمال کیا جائے کیونکہ اس کی پالش صاف ہو گی بجائے اس کے کہ بے احتیاطی سے بالکل نئے شیشہ چپکے ہوئے کاغذ سے رگڑا جائے اس سے لکڑی کی سطح پر چھوٹے چھوٹے ایسے نشانات پڑ جاویں گے جن کو درست کرنا پھر بہت ہی مشکل ہو جاویگا سطح پر اچھی طرح پر ریگ مال ہو جانے کے بعد پھر برابر سے پالش اسی پوٹلی سے لگائی جائے۔ یہی طریقہ کار بار بار ریگ مال کرنے اور پالش لگانے کا کافی وقفہ دیکر اس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک کہ چکدار سطح نہ ظاہر ہو جائے۔ ریگ مال کرنے میں اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ لکڑی کے دندانوں کے آرپار نہ ریگ مال کیا جائے۔

دوسرے سامان کہاں سے اور کیسے مل سکتے ہیں

عمدہ قسم کا السی اور تارپین کا تیل، انڈین ٹرپنٹائن اور روزین کمپنی، چترگنج بریلی سے مل سکتا ہے۔ اور اس کی قیمت ۱۲؍ اور ۱۱؍ فی گیلن ہو گی۔ میتھلیٹڈ اسپرٹ ڈائر میکن اور کمپنی ڈسٹلری، لکھنؤ سے ۲؍ فی گیلن کے حساب سے مل سکتی ہے۔ لاکھ ۱۲؍ فی سیر اور سوکھا رنگ وغیرہ مختلف نرخ پر ہوکمار لال، دھر مستلا اسٹریٹ، کلکتہ سے مل سکتا ہے۔ رمیش رام، جوکھو رام اینڈ سنس، گنیش گنج مرزاپور کے یہاں سے اچھے قسم کی لاکھ چپڑا ۲؍ فی سیر مل سکتا ہے۔ مرزاپور میں کچھ اور کارخانے بھی ہیں جہاں سے سستا مل سکتا ہے۔ بٹن کے قسم کا چپڑا ٹوٹے ہوئے چپڑے سے بہتر ہے۔

لکڑی پر کوئی خاص رنگ دینے کے لئے یا تو پالش کرنے کے پہلے اس رنگ کو لکڑی پر مل دیا جائے۔ یا اسے تناسب کے لحاظ سے پالش میں ملا دیا جائے۔

....

پالش اور جوف بھرنے والی چیز کیسے تیار کی جائے

طریقہ ذیل سے جوف بھرنے والی چیز تیار ہو سکتی ہے:-

کھریا کا سفوف	ا مار ایک سیر
ہیرو ونجی مٹی	۔۔مار ڈیڑھ پاؤ
کاجل	۔ مار ½ پاؤ

ان سب کو خوب حل کر کے اس میں السی اور تارپین کا برابر مرکب ملا کر اس کو وسلین کی طرح کا بنا لیا جائیگا۔ یہ تمام چیزیں آسانی سے بازار میں مل سکتی ہیں۔

پالش کا بنانا بہت آسان ہے۔ میتھلیٹڈ اسپرٹ کی ایک بوتل میں ۳ چھٹانک چپڑا ملا کر اس کو ۲ گھنٹے دھوپ میں رکھ دیا جائے جب چپڑا بالکل حل ہو جائے تو اُسے چھان کر کاگ لگا کر بوتل میں رکھ دیا جائے۔ اگر اسپرٹ کے اڑ جانے سے پالش کچھ گاڑھی ہو گئی ہے تو اس میں حسب ضرورت اسپرٹ ملائی جا سکتی ہے۔

فنی دستکاری رنگائی اور چھپائی کے باقاعدہ علم حاصل کرنے کے سرکاری مرکزی کیپر اینے کے ادارہ کے شعبہ میں جو طریقے برتے جاتے ہیں ان کے متعلق نوٹ۔

کانپور

ذیل کے ذرائع سے جو کام رنگائی اور چھپائی کے شعبہ میں ہوتا ہے پبلک کے سامنے پیش کیا جاتا ہے:-

۱۔ سالانہ نمائشیں اور مظاہرے جن میں کانپور کی پبلک اور ملوں اور کارخانوں کے متعلق لوگ بلائے جاتے ہیں۔

۲۔ تمام صوبہ کی نمائشوں میں حصہ لینا۔ بڑی نمائشوں میں اصلاحی طریقوں اور اوزاروں کا مظاہرہ کرنا۔

۳۔ بہت سے پرانے طلبا جنہوں نے یہاں کام سیکھا ہے انہوں نے اپنے کارخانے کھولے ہیں۔ وہ ان ہی طریقوں پر جو انہوں نے یہاں سیکھے ہیں کام کرتے ہیں۔ ادارہ سے باخبر رہنے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اور بہت سے خاص مسائل کے حل کرنے کے لئے یہاں آتے ہیں اور اپنی معلومات کے تازہ کرنے کے لئے بھی۔ ادارہ کے سالانہ جلسوں میں اپنے کام کے دکھانے کے لئے بھی ان کی ہمت افزائی کی جاتی ہے اور ان نمائشوں میں بھی جن میں کہ ادارہ حصہ لیتا ہے۔

۴۔ گھومنے والے رنگائی کے مدرسے بھی صوبہ کے مختلف مرکزوں میں اصلاحی طریقوں اور اوزاروں سے جن کی یہاں ابتدا ہوئی ہے گھریلو صنعتوں کا کام سکھاتے ہیں۔ ان کے مدرسین بھی ادارہ سے رابطہ رکھتے ہیں اور ان کو کئی بار نمائشوں میں ادارہ کے گروہ کے نگراں بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

۵۔ حال میں ان گشتی گروہوں میں علمی درجے بھی قائم کئے گئے ہیں۔ یہ گروہ صوبہ کے مختلف حصوں میں گھریلو کام کرنے والوں کو ان کے گھروں کے نزدیک کام سکھاتے ہیں۔

۶۔ بہت سے لوگ جو اس کام میں دلچسپی رکھتے ہیں یا ان طریقوں پر کام شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں وہ مشورہ لینے اور اسکیم تیار کرانے کے لئے آتے ہیں۔

۷۔ ہمارے کام کی نمائش گاؤں۔ ہمارے مرکزوں اور گاؤں سے ہمارے موٹروں کے ذریعہ سے بھی ہوتی ہے۔

۸۔ لکھنؤ کی گزشتہ نمائش میں ایک خاص مظاہرہ کیا گیا تھا۔ اس میں بڑے پیمانے اور گھریلو پیمانے پر اصلاحات کے برتے جانے کے ممکنات ایک کوشک میں دکھائے گئے تھے۔

۹۔ بلیٹن شائع کئے جاتے ہیں اور فنی رسالہ کے لئے اساتذہ مضامین لکھتے ہیں۔ صوبہ میں یہ شعبہ ذیل کی چیزیں مروج کرنے کا ذمہ دار ہے

(۱) ایر برگرانٹ کی چھپائی۔

(۲) متھرا اور بنارس وغیرہ میں کئی رنگوں کی چھپائی

(۳) رنگ چھڑانے کے کام کو رائج کرتے ہوئے اس قسم کی رنگائی جیسے کہ بندش کی قیمتی رنگائی کے طرح کا استعمال کے لئے۔

(۴) مختلف رنگائی اور روئی کے مرکزوں میں رنگائی میں اصلاح نجیب آباد۔ سہارنپور۔ بنارس۔ سالوٹرہ وغیرہ میں اون اور ریشم کی پختہ رنگائی

(۵) چھپائی کے لئے پیٹنٹ سانچے جن سے کہ ایک ہی بار بہت سے رنگ چھپ جاتے ہیں ان کا رائج کرنا۔

(۶) گھریلو چیزوں کی صفائی کے لئے ہاتھ کی سنگری کی ابتدا کرنا۔

(۷) تمثیلی مسالا لگا کر چمکانے والی مشین پر گھریلو پیمانہ پر سوت کو مسالا لگا کر چمکانا۔ حکومت ہند کی کرگھوں کی اسکیم کے لئے حال میں جو امداد کی منظوری ہوئی ہے۔ اس سے اور ایک لاکھ روپیہ کی منظوری جو بیکاری کیلئے ہوئی ہے اس سے یہ ممکن ہوا کہ ہمارے یہاں کے لڑکے ان کارخانوں میں اصلاحی اوزاروں کا استعمال ہو جو انہوں نے صوبہ کے مختلف حصوں میں کھولے ہیں۔

درسِ آزادی

جھلکتی ہیں میری آنکھوں میں آزادی کی تصویریں
مبارک ہو غلامو اب بدل جائیں گی تقدیریں

بچا کر لے چلے میدان گیر و دار سے جانیں
وہ ظالم سامراجی جو دیا کرتے تھے تعزیریں

مٹا ڈالیں گے ہم "اندر سبھا" کے ساز و ساماں کو
نہیں کام آئیں گی ہرگز جہانبانی کی تدبیریں

چٹانوں کی طرح مضبوط دل رکھتے ہیں سینوں میں
بدل ڈالیں گے ہم ہندوستانیوں کی تقدیریں

ارادے لیکے سینوں میں چلے جائیں گے دنیا سے
نہ کام آئیں گی دنیا کے شہنشاہوں کی تدبیریں

سحر ہوتی ہے بھارت کے جوانو خواب سے اٹھو
اٹھو اور توڑ کر رکھ دو غلامی کی یہ زنجیریں

غازی پور — نظر ہاشمی علیگ

حضرت ماہر القادری



ہندوستان کے مشہور شاعر اور محشر خیال کے
خاص معاون جنکا کلام سالنامہ میں ملاحظہ کیجیے

حضرت جوہر فریادی



خواجہ میر درد دہلوی کے پوتے ان کا کلام
سالنامہ میں دیکھئے

ہو سکتا ہے

وجاہت سندیلوی۔ بی۔ اے۔ رکن ادارہ ہفتہ وار ہندوستان لکھنؤ

مسٹر وجاہت سندیلوی نے سالنامہ محشر خیال کے لئے یہ افسانہ قائد صاحب کی معرفت بھیجا ہے۔ میں وجاہت صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ عبد اللہ فاروقی

کہیں ایسا ہی ہو سکتا ہے؟"

وہ اپنی کوٹھری کے کونے میں سکڑی ہوئی ایک پھٹی ٹھنڈی رضائی سے اپنے ٹھٹھرے ہوئے جسم کو گرم کرنے کی ناکام کوشش کر کے سوچ رہی تھی۔ رات زیادہ جا چکی تھی۔ اس کے قریب ہی اس کا تین سال کا بچہ ایک روئی کے دگلے میں لپٹا پڑا تھا۔ پاس ہی چارپائی پر اس کا باپ خراٹے لے رہا تھا۔ اسے نیند نہ آئی۔ رات کے واقعات رہ رہ کر اسے یاد آتے اور غیر ارادی طور سے وہ انہیں بار بار دہراتی۔ کہیں ایسا ہی ہو سکتا ہے؟——

——جمن خاں اپنے روپے کے تقاضہ کے لئے پھر آیا تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی بھوری آنکھیں کیسے چمکتیں! اس نے اپنا روپیہ مانگا۔ باپ نے کہا "میں بیمار ہوں خود ہی فاقہ کر رہا ہوں" جمن خاں بپھرے ہوئے شیر کی طرح غرانے لگا۔ وہ جھپٹ پڑا اس نے باپ کو کیا کہا؟ کمینہ، ذلیل۔ بے ایمان۔ حرامی —— سور کا بچہ —— بدمعاش۔ اس نے ایک تھپیڑ بھی مارا۔ کہا کہ میں تم کو جیل بھجوا دوں گا۔ باپ کلپتا رہا گڑگڑاتا رہا ہاتھ جوڑتا رہا —— آہ! میرا باپ! پھر وہ باپ کو باہر لے گیا۔ میں کانپ گئی۔ باپ بڑی دیر تک واپس نہ آیا۔ میں سمجھی جمن خاں نے اسے مار ڈالا۔ باپ آگیا اس نے مجھ سے کیا کہا؟ مجھے کل ایک جگہ نوکری پر جانا ہوگا ننھا ساتھ نہیں جائے گا۔ وہ گاؤں جہاں میں جاؤں گی بہت دور ہے۔ میں بہت دنوں تک نہ آسکوں گی! میں نے پوچھا کس کی نوکری ہے؟ وہ کچھ نہ بتا سکا۔ میں نے پھر پوچھا کس نے نوکری ٹھیک کی ہے؟ اس نے کہا جمن خاں نے! پھر اس نے کہا کل دس بجے جمن خاں تم کو لینے آئے گا ——

کہیں ایسا ہی ہو سکتا ہے؟—— رات کو باپ نے جب انگنی پر اپنا کوٹ ٹکایا تو اس میں کچھ روپیہ بھی کھنکے ——

کہیں ایسا ہی ہو سکتا ہے؟——

سویرے وہ ذرا دیر سے جاگی۔ باپ اٹھ کر کہیں جا چکا تھا ننھا منا اپنے چیتھڑوں میں مٹی بھر رہا تھا۔ اس نے جلدی سے اس کا منھ ہاتھ دھلایا۔ پھر بار بار اسے خوب چپٹا چپٹا کر پیار کیا۔ وہ گھبرا گیا اس نے روٹی مانگی۔ زہرہ نے رات کی بچی ہوئی کھچڑی اس کے سامنے رکھ دی وہ شوق سے کھانے لگا

دفعتاً زہرہ کے دل پر گھونسا سا لگا۔ اسے پھر خیال آیا "کہیں ایسا ہی ہو سکتا ہے؟" آج دس بجے وہ چلی جائے گی! اس نے کنکھیوں سے ننھے کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بالکل اس کے باپ کی سی ہیں" —— پرانے زخم پھر ہرے ہو گئے پچھلے واقعات کے ایک ناپیدا کنار سمندر میں وہ ڈوب گئی ——

وہ چونک پڑی۔ باپ کوٹھری میں آگیا تھا۔ وہ کانپ اٹھی جیسے کوئی جرم کر رہی ہو! باپ نے اس کی طرف دیکھا محبت سے نہ معلوم خفگی سے اور چند کپڑے اس کے سامنے پھینک دئیے "لو انہیں پہن لو۔ نو بج چکے ہیں۔ بس تیار ہو جاؤ"

نو بج چکے ہیں؟" زہرہ نے پوچھا۔

"اونہہ" "تم بھی چلو گے؟" زہرہ نے بڑی امید سے پوچھا

"میں کیا کروں گا جا کر! میں بیمار!"

جمن خاں نے آواز دی .... وہ چیخ اٹھی۔ باپ

نے اس کی طرف الوداعی نظروں سے دیکھا۔ وہ غیر ارادی طور سے کھڑی ہوگئی۔ وہ چاہتی تھی کہ ایک دفعہ ننھا کو جی بھر کر پیار کرے لیکن باپ کے سامنے کیسے کرتی؟ اس نے لپک کر بچے کو اٹھا لیا اور اندر کوٹھری میں دوڑ گئی وہاں اُسے دیوانگی سے بھینچ لیا اور اس کی دونوں آنکھوں کو خوب کس کس کر پیار کیا وہ رونے لگا۔ اُسے وہیں ڈال کر وہ باہر نکل گئی۔

راستہ میں یکہ پر جب جمن خاں نے بتایا کہ وہ اس کے یہاں نہیں جا رہی ہے بلکہ ایک دوسرے زمیندار کے یہاں تو زہرہ کی کچھ ڈھارس بندھی۔ لیکن جب زہرہ نے پوچھا "میری تنخواہ کیا ہوگی؟" اور اس پر جمن خاں نے اپنا اُگالدان ایسا منہ کھول کر ایک بھیانک قہقہہ لگایا تو وہ بیچاری سہم گئی۔

اپنی سست رفتاری کے باوجود زہرہ کے خیال میں یکہ بڑی تیزی سے جا رہا تھا۔ خوف اور امید کے متضاد جذبات اس کے دل سے کھیل رہے تھے۔

راستہ میں جمن خاں نے یہ بھی بتایا کہ جس زمیندار کے یہاں وہ اس وقت جا رہی تھی وہ اُسے پیشتر ہی دیکھ چکا تھا۔ زہرہ اس خبر کی اصلی گہرائی تک نہ پہونچ سکی۔

ڈھائی تین گھنٹہ کے سفر کے بعد یکہ ایک عالیشان عمارت کے پاس رک گیا۔ جمن خاں مکان کے اندر چلا گیا اور زہرہ باہر کھڑی رہی وہ بھونچکی گھوم گھوم کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے یہ بھی سوچا کہ وہ بھاگ جائے لیکن ——————

"کہیں ایسا بھی ہوسکتا ہے"

تھوڑی دیر بعد جمن خاں باہر نکلا اس کے ساتھ ادھیڑ عمر کا ایک اور بھی آدمی تھا جس کے چہرہ سے اطمینان اور خوش مزاجی ظاہر ہوتی تھی اس نے مسکرا کر زہرہ کی طرف دیکھا۔ زہرہ سر جھکائے اپنی انگلیوں سے کھیل رہی تھی۔

"آؤ اندر آؤ" اس نے زہرہ سے کہا۔

"اچھا خدا حافظ" کہتا ہوا جمن خاں ایک طرف چلا گیا۔

زمیندار کے پیچھے پیچھے زہرہ مکان کے اندر گئی۔ مکان بہت بڑا تھا لیکن مسان کئی بڑے بڑے دالانوں سے گزر کر وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں آکر رک گیا زہرہ اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

"دیکھو یہ تمہارا کمرہ ہے۔ یہیں تم رہنا۔ تم کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ تمہارا کام صرف سامنے کے چار کمروں کی صفائی ہے اور بس گھر میں اور بھی ملازم ہیں تم ان سے علیحدہ رہنا۔ میری ماں بی بی جان مکان کی دوسری طرف رہتی ہیں شام کو ان سے ملاؤں گا۔ ان کے پاس زیادہ نہ جانا ان کا غصہ تیز ہے۔ بہت بڈھی ہیں تم ان کی بات کو برا نہ ماننا۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"زہرہ"

"میرا نام احمد ہے۔ یہاں سب مجھے احمد میاں کہتے ہیں تم بھی یہی کہنا۔ اچھا اب تم آرام کرو۔ تمہارے لئے کچھ مٹھائی اور پھل وہ سامنے الماری پر رکھے ہیں" یہ کہہ کر احمد میاں چلے گئے اور زہرہ تنہا رہ گئی۔

کمرہ چھوٹا لیکن خوشنما اور ہوادار مکان سے بالکل علیحدہ ایک کنارہ پر تھا۔ ایک کنارہ پر سلیقہ سے ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی جس پر ایک ستھرا بستر تھا دوسری طرف ایک چھوٹی سی چاندنی پوش چوکی تھی اس کے نیچے ہی ایک بکس تھا شاید کپڑوں کا! الماری میں آئینہ کنگھی اور اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی ضروریات کی چیزیں رکھی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا جیسے کسی مہمان کے لئے پہلے ہی سے انتظام کیا گیا ہو۔ زہرہ مبہوت رہ گئی وہ سویرے کی بھوکی تھی۔ ڈرتے ڈرتے الماری سے مٹھائی اور پھل اٹھا لائی کھاتے وقت اُسے بار بار ننھا یاد آیا —— وہ یہ مٹھائی اور پھل دیکھ کر کیسا خوش ہوتا! —— زہرہ کے بے اختیار آنسو چھلک اٹھے ننھا کی شکل بار بار اس کے سامنے آجاتی۔ اسے اپنی گود خالی معلوم ہوتی۔ وہ ایسا محسوس کرتی جیسے اس کے جسم کا کوئی عضو اس سے علیحدہ کر دیا گیا ہو۔ تھکی ماندی وہ بستر پر لیٹ گئی —— کہیں ایسا بھی ہوسکتا ہے؟ —— وہ سوچتے سوچتے سو گئی۔

اسی روز رات کو ——

احمد میاں کے حکم کے مطابق وہ ان کے پیر دبا رہی تھی۔ احمد میاں بار بار اس کا ہاتھ پکڑ لیتے۔ "اب کیا ہوگا"؟ غیر شعوری طور سے وہ ایک آنے والے حادثہ کی منتظر تھی۔ اس کا دل زور زور دھڑک رہا تھا اور اُسے کوئی چیز اپنی حلق میں پھنسی ہوئی معلوم ہوتی۔ اس کی زندگی میں ایک اور ایسا واقعہ ہوا تھا جب اس نے ایک اجنبی شخص کے ساتھ ایک رات گزاری تھی! کیا اس روز بھی وہ آج کی طرح زر خرید لونڈی بن کر آئی تھی؟ کیا پہلی رات کو اس نے اپنے شوہر کے پیر دابے تھے؟ —— وہ خسرائی لجائی ایک بڑا سا گھونگھٹ نکالے شاہزادی بنی بیٹھی تھی اور کوئی

اس کے ہاتھ پیر چھو چھو کر اس کی خوشامد کر رہا تھا۔ آہ اس روز کے ولولے اور ارمان اور آج کی حسرت دیکھی!—— زہرہ نہ معلوم کیا کیا سوچ رہی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں احمد میاں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسے اوپر گھسیٹ لیا۔ وہ جھجکی کسمائی پیچھے ہٹی لیکن وہ کسی کے آغوش میں تھی—— ایک کمزور عورت اور پھر ٹوٹے دل کی! ایک مرد سے کیا زور آزمائی کرتی!!——

بہت جلد زہرہ گھر کے سب لوگوں کو جان گئی۔ گھر میں اس کے علاوہ دو مامائیں اور ایک بڈھا ملازم اور بھی تھا۔ ملازم باہر کا کام کرتا سودا سلف لاتا ایک ماما کھانا پکاتی اور دوسری ماما زمین جو بے چاری بہت زیادہ نیک تھی خاص بی بی جان کی خدمت پر معمور تھی۔ بی۔ بی جان بڑی غصہ ور اور بدمزاج عورت تھیں۔ انہوں نے پہلے ہی دن سے اس کو دیکھ کر بڑبڑانا شروع کر دیا "نئی ماما کی کیا ضرورت؟ خواہ مخواہ کام بڑھایا جا رہا ہے اور پھر اس کے سپرد کام ہی کیا ہے۔ محض چار کمروں کی صفائی۔ چائے بنانا۔ کپڑوں میں پن لگانا کبوتروں کو دانا ڈالنا! اتنا کام تو زمین ہی کر لیتی۔" لیکن خوش قسمتی سے بی بی جان کی آنکھیں حد سے زیادہ کمزور تھیں وہ گھورتیں لیکن انہیں دکھائی نہ پڑتا۔ احمد میاں دن بھر باہر رہتے۔ زہرہ اپنی برائے نام خدمات انجام دے کر اپنے کمرہ میں تنہا پڑی رہتی اس کا اصل کام اسی وقت ہوتا جب شام کو احمد میاں لوٹ کر آتے وہ زہرہ پر بڑے مہربان تھے وہ کبھی کبھی اس کے لئے چھوٹے چھوٹے تحفے لاتے اور اسے روپیہ آٹھ آنہ نقد بھی دیدیتے۔

زمین تو نیک عورت تھی۔ وہ کبھی کبھی زہرہ کے پاس آ کر بیٹھتی اس سے ہمدردی کرتی اور کبھی اپنی آپ بیتی کی کوئی بھولی بسری کہانی سناتی اور کبھی اس کی سنتی لیکن دوسری ماما اور بڈھا ملازم زہرہ سے جلتے وہ اکثر اُسے دیکھ دیکھ کر اشارے کرتے اور اس پر آوازے کستے—— لیکن زہرہ کو اپنا ماحول ایسا خواب سا معلوم ہوتا اور وہ اس نئی دنیا میں اتنی اجنبی تھی کہ اُسے نہ کوئی بات اچھی معلوم ہوتی اور نہ بری۔

ہفتے اور مہینے گزرنے لگے اور وہ رفتہ رفتہ اپنی نئی زندگی اور اس کے عناصر سے مانوس ہونے لگی۔ لیکن اسے ننھا بہت یاد آتا خصوصاً اس وقت جب وہ احمد میاں کے کمرہ سے لوٹ کر اپنے بستر پر تنہا لیٹتی۔ وہ محسوس کرتی جیسے اس کے سینے سے کوئی گرم چیز ہٹ گئی اور وہ بہت زیادہ تکلیف وہ حد تک ٹھنڈا اور سونا ہے۔ اگر اس وقت وہ ننھا کو سینے سے چمٹا لیتی!—— کبھی کبھی وہ ننھا کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ پاؤں یاد کرتی۔ کبھی بے اختیار اس کے سامنے اس کی معصوم شرارتیں آ جاتیں اور جب وہ اس کی کھلکھلاہٹ یاد کرتی تو بس اس کے دل پر آرے سے چلنے لگتے۔ بہت دفعہ وہ رات کو دیر تک کھڑکی کا دروازہ پکڑے کھڑی رہتی ننھا اس وقت کیا کر رہا ہوگا؟" "سو چکا ہوگا!" "نہیں ابھی جاگ رہا ہوگا!" "کیا کر رہا ہوگا؟"

دن میں وہ اکثر بی بی جان کے پاس جاتی۔ وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ خفگی کا ضرور اظہار کرتیں "اب کی دفعہ کبوتر بہت دانا کھا گئے مہینہ بھر کا دانہ بارہ ہی روز میں ختم ہو گیا!" "تم تو میرے پاس آنے ڈرتی ہو" "اب سو کر اٹھی ہو" ایک دفعہ تو زہرہ نے ان کو یہ بھی کہتے سنا "پھر شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ نہ کریں میری بھانجی کے ساتھ کسی دوسری ہی کے ساتھ کریں ان کمینی دہنیوں سے تو اچھی ہی ہوگی" دوپہر کا گھنٹہ دو گھنٹہ زمین کے ساتھ کٹتا کبھی احمد میاں بھی آ جاتے۔ کبوتروں سے بھی اسے کافی دلچسپی تھی گھنٹوں ان کے ساتھ کھیلتی رہتی۔

پانچ مہینے گزر گئے——

رفتہ رفتہ زہرہ کا شک و شبہ کہ احمد میاں کو اس کا پہلا جیسا خیال نہ رہا (اس معاملہ میں اس کی ضرورت سے زیادہ خوش بیں حسن ظن کے باوجود) یقین اور وثوق میں تبدیل ہو گیا—— احمد میاں اس کے ساتھ اپنی محبت کا دور ختم کر چکے تھے اب وہ کسی نہ کسی طریقہ سے اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے اب نہ رات میں اس کی طلبی ہوتی اور نہ دن میں کوئی التفات—— سارے گھر سے علیحدہ وہ محض ایک کونے میں پڑی تھی—— صرف زمین کبھی کبھی آ کر اس سے ہمدردی کر جاتی۔

ایک روز رات کو احمد میاں اس کے کمرے میں آئے۔ وہ اپنے بستر سے چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی "زہرہ تم اپنے گھر جانا چاہو تو جا سکتی ہو" زہرہ کے دل میں نشتر سے یہ الفاظ چبھ گئے

"میں نہیں جا سکتی"

"کیوں؟"

"میری حالت تو دیکھو۔ میں بیمار ہوں"

"تمہارے پیٹ میں بچہ ہے؟"

زہرہ نے اس سوال پر سر جھکا لیا۔ شرم سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اس نے آنچل کی آڑ لینا چاہی۔

"اسی لئے تو اور میں چاہتا ہوں کہ تم چلی جاؤ۔ یہاں تمہیں تکلیف ہوگی۔"

"کہاں چلی جاؤں؟"

"یہ پچیس روپیہ ہیں" احمد میاں نے پانچ پانچ روپے کے پانچ نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "تمہارا جہاں جی چاہے چلی جاؤ۔ اور ضرورت ہو تو مجھے بتلانا میں انتظام کردوں گا۔"

زہرہ سکتے میں رہ گئی۔ ایک دم سے بے اختیار وہ سسکیاں بھر بھر کر رونے لگی۔

"تم نے مجھے تباہ کیا اب گھر سے نکالتے ہو؟"

"نکالتا نہیں ہوں تم بی۔بی جان کو تو جانتی ہو۔"

"میں نہیں جاتی۔ اس حالت سے کہاں جاؤں؟"

"اپنے باپ کے یہاں!"

"اس حالت سے!"

"آخر انہوں نے دو سو روپے کس لئے لئے تھے!" احمد میاں تیزی سے کمرہ سے نکل گئے۔

"میں نہیں جاسکتی! میں نہیں جاسکتی! اس حالت سے کہاں جاؤں میں پڑی رہتی گی کچھ بھی ہوا"

اس نے گردکھایا۔ وہ پڑی رہی —— اپنے کمرہ میں علیحدہ تنہا سب سے دور۔ اُسے یاد تھا جب ننھا پیدا ہوا تھا تو اُسے پہلی دفعہ دیکھ کر وہ جوش مسرت سے اچھل پڑی تھی۔ اس نے ہنس ہنس کر اسے پیار کیا تھا گود لیا تھا اور اپنی ساری تکلیف بھول گئی تھی۔ لیکن اب؟ اس نے بچہ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس نے کہا "زہن بوا اسے لیجاؤ!" اور پھر سوچنے لگی کہیں ایسا بھی ہوسکتا ہے؟"

وہ گھر جارہی تھی! بیمار۔ پریشان تھکی ہوئی ——

گاؤں والے کیا کہیں گے؟ انہیں کیا معلوم؟ معلوم ضرور ہوگا! ممن خاں بدمعاش! اس نے ضرور کہا ہوگا —— کیا کہیں گے؟ —— باپ کیا کہے گا؟ خوش ہوگا؟

خوش! نہیں۔ ننھا! —— وہ آج میرے پاس لیٹے گا؟! آہ! اس کے قدم تیز تیز پڑنے لگے —— لیکن تھوڑی ہی دور پھر وہ تھک کر بیٹھ گئی۔

شام ہوگئی تھی اور وہ اپنے گاؤں کے دُہرے پر کھڑی تھی۔ اس کا قدم آگے نہ بڑھتا —— لیکن وہ چل رہی تھی آنچل میں اپنا منہ لپیٹے ہوئے۔ گاؤں کے بچے جو گلیوں میں کھیل رہے تھے اسے اجنبی سمجھ کر کھینچنے لگے اور اس کے پیچھے دوڑے ان ہی بچوں میں ایک بچہ تھا میلا کچیلا بدصورت چھوٹا سا۔ وہ بے اختیار چاہتی اسے لپک کر گود میں اٹھالے لیکن نہ اس کے ہاتھوں میں طاقت تھی نہ پیروں میں سکت!

اس نے ڈرتے ڈرتے اپنے گھر میں قدم رکھا۔ باپ چارپائی پر لیٹا کراہ رہا تھا اسے دیکھ کر سکتہ میں رہ گیا۔

ننھا اس کے پیچھے پیچھے گھر میں داخل ہوا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر دور ایک کونہ میں جاکر کھڑا ہوگیا۔

باپ نے کروٹ لی "تم آگئیں؟"

"ہاں"

"دیکھو ذرا سی کھچڑی پکالو۔ میں تو اٹھ بھی نہیں سکتا!"

زہرہ اندر والی کوٹھری میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آواز دی "پیپا خالی ہے!"

"بیٹے تم نے بڑے گھر میں دیکھے ہوں گے۔ کھچڑی پڑیا میں ہے" زہرہ کے ہاتھ سے پیپا گر گیا ——

"یہ باپ کہہ رہا تھا؟ باپ! کہیں ایسا بھی ہوسکتا ہے؟"

ع آہ کس سے کروں محرومیٔ قسمت کا گلہ

عجائبات بوسہ ستانی

(از جناب صاحبزادہ محمد حسین صاحب ترکان سابق ایڈیٹر روزنامہ مہو لاہور)

ایشیا غریب مفت میں بدنام ہے۔ کہ منطقہ حارہ کی متلون برقی شعاعوں نے اس براعظم کے قدامت نواز مکینوں کے دل و دماغ میں نیاجہاں کی نیرنگیاں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہیں ؎

انکو سودا ہے کسی کی زلفِ عنبر بار کا ہے خیال انکو کسی کے روئے پُر انوار کا

دامِ گیسو میں لجھے ہوئے انہیں صدیاں گزر گئیں۔ لبِ لعل یار کی حلاوت کے تصور میں یہ قرن ہا قرن سے ہونٹ چاٹ رہے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یورپ ان سے اس فن میں بھی بازی لے گیا ہے ایشیا میں جو بات ہوتی ہے بے تکی۔ جو کام کیا جاتا ہے بغیر کسی آئین و ضابطے کے۔ اور عشق جس سے یہاں کا خمیر اٹھایا گیا ہے وہ بھی کسی آئین کسی دستور کسی ضابطہ کا پابند نہیں چنانچہ ایک ایسے ہی شاعر صاحب فرماتے ہیں

وہ بے گنتی بوسے لیں گے رخ دلفریب کے عاشق ترے پڑھے نہیں علم حساب کو

بخلاف اس کے مغربی دنیا میں محبت بھی ایک اصول مقررہ کے تابع ہے اور حساب و کتاب میں لائی جا سکتی ہے۔ شمار و اعداد کی قید سے آزاد نہیں وہ یہاں خانۂ دل میں جلوہ گر ہونے کی بجائے کاشانۂ دماغ میں ضیا گستر ہے۔

ایشیا کے ایک اور رند مشرب شاعر صاحب جن کے پاس بھی تک بندی کی بیاض کے ساتھ بوسہ ستانی کے حساب کا ایک رجسٹر بھی تھا۔ یہ بیرایۂ تعیین و تکمیم حساب لگایا تھا اور اپنی دانست میں آپ یہ سمجھے تھے۔ کہ ہم عالم لاہوت کے خیالستان سے اتر کر عالم ناسوت کے مثالستان میں چلے آتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ؎

آٹھ بوسوں کا ہوں نوکر اس بت اوباش کا صبح کے دو شام کے دو دن کے دو اور شب کے دو

لیکن بے چارے کو معلوم نہ تھا۔ کہ دنیا بے حد ترقی کر رہی ہے۔ اور ابھی بوسہ بازی کے فن کو دنیائے مغرب میں یہ کمالات وافرہ ایک محیر العقول داسے دکھایا جا سکتا ہے غریب ایشیائی شاعر نے معشوق سے اپنی خدمت گزاری کا جو حق خدمت وصول کیا تھا وہ صرف آٹھ بوسے یومیہ تھا۔ کہ ان کی مجموعی تعداد سال بھر میں ۲۸۸۰ بوسے ہوتی ہے لیکن انگلستان کے مشہور اخبار پیرس ویکلی کی ایک اشاعت کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ یورپ میں ایک انوکھے بوسہ باز صاحب پیدا ہوئے ہیں۔ جو سال میں ۴۱ ہزار چھ سو بوسے لیا کرتے ہیں۔ ان رنگین مزاج بزرگ کا نام والٹر ولیس ہے۔ اور جو تفصیل آپ نے ان ۴۱ ہزار چھ سو بوسوں کی درج کی ہے۔ وہ ایسی حکیمانہ اور فلسفیانہ ہے کہ ناظرین محترم خیال پر ظلم ہوگا۔ اگر ہم اسے مسٹر ولیمز ہی کے الفاظ میں سپرد قلم نہ کریں۔ دنیا کا یہ سب سے بڑا بوسہ باز لکھتا ہے۔

اگر توانائی کی اس مقدار کا جو لب لعل پر ہر مرتبہ ایک نئی برقی مہر لگانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اندازہ کیا جائے اور اس مقدار معینہ کو ۴۱ ہزار چھ سو سے ضرب دی جائے۔ تو حاصل ضرب اس قدر طاقت کے مساوی ہوگا جو ۱۲ مسافروں اور ایک شوفر سے بھری ہوئی ایک موٹر کو سطح زمین سے ہوا میں معلق اٹھا کر مینارہ ایفل کی چوٹی پر پہونچا دے گی۔ اور اگر وہ چٹخارہ جو ایک بوسہ لیتے وقت پیدا ہوتا ہے۔ اتنی ہی مرتبہ جمع کیا جائے تو جو مجموعی شور اس عمل سے پیدا ہوگا۔ اس کی آواز ۹ مربع میل میں گونج جائے گی۔ اس کے بعد مسٹر ولیمز لوں موتی بکھیرتے ہیں۔ کہ شیفتبری کے تھیٹر میں جس قدر مہ جبین نازنین پردہ لٹھتے ہی رقص کرتی نظر آتی ہیں۔ ان کے لب ہائے رنگین سے جو سرخی اس حقیر کے شوق پر منتقل ہو۔ اس کو بھی اگر فراہم کیا جائے تو سال بھر میں اتنا سرخ رنگ جمع ہو جائے گا۔ کہ سوگز پھیلاؤ کے جھنڈے کو گلنار میں غوطہ دینے کی حاجت نہ رہے گی۔

اب آپ کا ایک نیا حساب سنئے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اگر یہ فدوی ایک بوسہ لینے میں ایک سیکنڈ صرف کرے۔ تو سال بھر کی کارگزاری کا مجموعہ یہ زمانہ علی الاتصال بتسلسل ایک ہٹے کٹے مسٹنڈے مزدور کی دو دن کی شبانہ روز عرق ریزی و جانکاہی کا نچوڑ ہوگا۔

دنیائے علم کو عموماً اور غرق آہن جہازوں کی فولادی چادروں کی صلابت کا اندازہ کرنے والوں کو خصوصاً مسٹر ولیمز کا مرہون احسان ہونا چاہیے کہ آپ نے ان کے لئے ایک نہایت ہی نتیجہ خیز انکشاف فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اگر بکتر بن اس رگڑ کا حساب لگائے جو کسی عارض سیمیں کے ایک ہی نقطہ پر ۴۱ ہزار ۶ سو بوسوں کا متواتر تار باندھنے سے پیدا ہوگی۔ تو اس کا یہ آہن گداز اثر ہوگا۔ کہ نصف انچ موٹی فولادی چادر میں چھید ہو جائے گا۔ ذوق مرحوم نے لکھا تھا ؎

وہ ہوں میں گیسوئے موج محیط اعظم وحشت کہ ہے گھیر ہوئے روئے زمیں کو پیچ و خم میرا

مبالغہ و زوائد کے لحاظ سے تو استاد ذوق بڑی دور کی کوڑی لائے ہیں لیکن نفاستک دنیا میں مسٹر والٹر ولیمز کے دامان خیال کو بھی نہیں چھو سکے۔ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں۔

اگر اس گولائی کو جو بوسہ لیتے وقت اس بیچ دار ہونٹوں کی حرکت ہ۔ دورہ سے پیدا ہو جاتی ہے۔ بقدر ۴۱ ہزار چھ سو بوسوں کی مدور حیثیت کے پھیلایا جائے تو ایک اتنا بڑا دائرہ پیدا ہو جائیگا جس میں ڈربی کی گھوڑ دوڑ کا وسیع میدان بھی سما جائیگا۔

مسٹر ولیمز کا کل حساب جناب ملک الموت کی آنت کی طرح بہت ہی بسیط اور طولانی ہے ہمیں ڈر ہے کہ ہمارے ناظرین کا دامن رقابت کہیں اسکی سیل عشق ممزوج میں الجھ کر نہ ؎ رہ جائے۔ اس لئے ہم مسٹر ممدوح کا شکریہ ادا کرنے کے بعد ان سے رخصت ہوتے ہیں ؎ لے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی۔

سوزاک کے علاج میں حیرت انگیز کامیابی

امریکن پروفیسر کا نیا تجربہ

یہ مانی ہوئی بات تھی کہ سوزاک کے مرض کو پورا آرام نہیں ہوتا۔ البتہ بعض دواؤں سے مرض میں کمی ضرور ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ یقینی بات تھی کہ سوزاک کے مرض کی جڑ نہیں جاتی۔ تمام دنیا میں سوزاک کی ہزارہا دوائیں رائج تھیں لیکن ایسی کوئی یقینی دوا نہیں تھی کہ جس سے سو فی صدی سوزاک کے مرض کو مکمل آرام ہو جاتا ہو۔ اور پھر کبھی یہ مرض کسی موسم میں اس مریض کو نہ ہو۔ —— حال ہی میں ایک مشہور ڈاکٹر نے اپنے آٹھ سالہ تجربہ کے بعد تمام دنیا کو چیلنج دیا ہے کہ وہ ایک ایسا مرکب بنانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ جو مرض سوزاک کا یقینی اور سو فی صدی علاج ہے۔ اور جس کے ۲۰ روز کے استعمال کے بعد اس موذی مرض کی قطعی بیخ کنی ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر مذکور کا علی الاعلان دعویٰ ہے کہ اس دوا کو سب سے پہلے وہ لوگ آزمائیں جنہیں سوزاک کے مرض کو لاعلاج کہہ دینے کی عادت ہو گئی ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ اب سے کئی سال پہلے میں بھی اسی غلطی میں مبتلا تھا کہ سوزاک کے مرض کو کامل طور پر آرام نہیں ہو سکتا۔ لیکن اب نہایت آزادی کے ساتھ دعویٰ کرتا ہوں کہ میری ۸ سالہ محنت کے بعد تیار کی ہوئی دوا **بالمون** سوزاک کے لئے یقیناً تیر بہدف دوا ہے۔ ڈاکٹر مذکور کا تجربہ ہے کہ مرض سوزاک خواہ کسی ملک میں ہوا ہو اور کسی موسم میں اور خواہ کتنا ہی پرانا ہو اگر **بالمون** کو کامل بیس یوم تک استعمال کر لیا جائے تو سوزاک کا مریض اپنے آپ کو پورے طور پر تندرست پاتا ہے۔ اس میں سوزاک کے جراثیم کو فنا کر دینے والی ایک ایسی طاقت ہے جس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ہر مریض بیس دن کے بعد اس دوا کو طلسمی دوا کہہ دینے پر مجبور رہتا ہے۔ اور یہ نمایاں تجربہ ہے کہ آج تک کوئی ایسا مریض نہیں مل سکا جس نے "بالمون" کو استعمال کیا ہو اور وہ پورا تندرست نہ ہو گیا ہو۔ دوسری شیشی استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ صرف ایک مریض کو قطعی کافی ہے۔ سوزاک کے مریض ہی ڈاکٹر موصوف کے اس حیرت انگیز کارنامہ سے فائدہ اٹھائیں ۔ ایک مریض کو صرف ایک ہی شیشی منگوا لینی کافی ہے۔ جس کی قیمت ہندوستانی سکہ کے حساب سے دو روپیہ دس آنہ (عہ/۲) ہوتی ہے۔ ایک شیشی بذریعہ ڈاک وی پی پارسل منگانے پر سات آنے کے ٹکٹ لگتے ہیں منگانے کا پتہ:- **منیجر اکسیری دواخانہ کلاں محل ۱۲ دہلی**

جریان کا مرض خطرناک ہوتا ہے

ایسا مریض اگر خاموش بیٹھا رہے اور علاج نہ کرے تو آگے جا کر اس کی بیماری اور بھی خطرناک اور ناقابل علاج ہو جاتی ہے اس لئے اگر کسی کو جریان ہو جائے اور پیشاب سے پہلے یا بعد میں سفید لیس دار رطوبت خارج ہونے لگے یا بیٹھے بیٹھے خواہ مخواہ کسی خیال کے آتے ہی یہ رطوبت خارج ہو جائے یا بیوی کے قریب جاتے ہی ایسا ہو جائے تو اس کو بغیر کسی توقف کے **جریانین** منگا کر استعمال کرنا چاہئے کیونکہ یہ دوا اس مرض کیلئے بہت ہی مفید ہے اور بہت شہرت حاصل کر چکی ہے کیونکہ اس کی ایک ہی شیشی کا استعمال مریض کو مرد بنا دیتا ہے بارہا تجربہ ہو چکا ہے اور ہمیشہ قابل فخر اثر دکھایا **منیجر اکسیری دواخانہ کلاں محل ۱۲ دہلی** کو خط لکھ کر بذریعہ ڈاک منگا لیجئے۔ تین روپے کی پوری شیشی ہے۔ محصول ڈاک سات آنے علاوہ ہے بکثرت حکیم اور ڈاکٹر اس دوا کو اپنے مریضوں پر استعمال کر کے سینکڑوں روپے وصول کر رہے ہیں۔

بے اولاد ماں باپ دونوں روتے ہیں

اس لئے کہ وہ اولاد کیلئے ہزاروں کوشش کرتے ہیں فقیروں سنیاسیوں اور ڈاکٹروں کے علاج سے تھک جاتے ہیں دعائیں مانگتے مانگتے منہ تھک جاتے ہیں مگر اولاد سے محروم۔ ایسے مایوسوں کو اب خوش ہو جانا چاہیئے کہ ان کی گودوں کو اولاد سے نہال کرنے والی ایک جادو اثر دوا ایجاد ہو گئی ہے جو کئی ہزار مایوسوں کو اولاد کی خوشی دے چکی ہے یہ دوا جادو کی طرح اثر کرتی ہے۔ تیر کی طرح لگتی ہے، عورت کو کھلائی جاتی ہے، مرد سے سات دن کا پرہیز رہنا ہے آٹھویں دن مرد .... جانے سے حمل قرار پا جاتا ہے اور نو مہینے تک عورت کے پیٹ میں بچہ کی پرورش تندرست حالت میں ہوتی رہتی ہے ٹھیک میعاد کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے اس دوا سے آٹھ آٹھ دس دس برس کی اولاد کی تمنائی عورتیں نہال ہو رہی ہیں آزمائش لازمی ہے۔ پوری سات خوراک کے کورس کی قیمت ساڑھے تین روپے محصول ۸/

پتہ:۔ لیڈی ڈاکٹر اکسیری دواخانہ کلاں محل ۲ دہلی

ہر مہینہ خون آنیکی مصیبت

ہر عورت کو جبکہ وہ جوان ہو جاتی ہے تو ہر مہینہ مقررہ تاریخ پر اسکا خون آیا کرتا ہے۔ اگر کسی عورت کو یہ خون آنا بند ہو جائے یا وقت مقررہ پر نہ آئے یا درد اور بے چینی کے ساتھ آئے تو اس عورت کو موت کا مزہ آتا ہے ایام ماہواری کا ٹھیک وقت پر اور بغیر کسی تکلیف کے آنا عورت کی صحت کی علامت ہے۔ عورت کو ہر مہینہ خون آنے کی ضرورت ہے۔ جہاں عورتوں نے اس میں خرابی دیکھی فوراً **کامنی** دوا منگا کر استعمال کرنی شروع کر دی۔ اس دوا کی ایک ہی گولی طلسمی اثر رکھتی ہے۔ یہ دوا ایام ماہواری کو باقاعدہ لاتی اور صحیح مقدار میں ٹھیک دنوں میں جاری کرتی ہے۔ تمام ماہواری کی تکلیفیں بالکل جاتی رہتی ہیں۔ ایک شیشی سے ایام کی تمام خرابیاں ہمیشہ کے لئے دور ہو جاتی ہیں۔ قیمت فی شیشی دو روپے آٹھ آنے (۲/۸) محصول ڈاک بذمہ خریدار۔

پتہ لیڈی ڈاکٹر اکسیری دواخانہ کلاں محل ۲ دہلی

جن عورتوں کو سفید پانی آتا ہے

ان کو یہ ایسا روگ لگا ہے جس کو بیسیوں مہلک بیماریوں کا پیش خیمہ کہا جا سکتا ہے۔ سیلان الرحم کی بیماری عورت کیلئے عذاب جان ہے۔ یہ جسم کو گھن کی طرح لگ جاتی ہے اور اندر ہی اندر گھلاتی رہتی ہے۔ عورت کی رنگت زرد چہرہ پر اداسی اور پژمردگی چھا جاتی ہے۔ اس کے ہاتھ پیروں اور کمر میں درد رہتا ہے اٹھتے بیٹھتے آہ۔ آہ کی آواز اس کے سینے سے اٹھتی ہے اور دل مسوس کر رہ جاتی ہے اور وہ شرم کی وجہ سے کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی ایسی عورتوں کے لئے ہندوستان کی مشہور لیڈی ڈاکٹر کی بنائی ہوئی دوا **کندن** آب حیات ثابت ہو رہی ہے۔ بیس دن میں رطوبت کا آنا بند ہو کر چہرہ پر سرخی دوڑ جاتی ہے وہ ایک حسین چہرہ کی مالک بن جاتی ہے اس کی تمام تکلیفیں فنا ہو جاتی ہیں صرف ایک شیشی استعمال کرنی کافی ہے قیمت فی شیشی تین روپے علاوہ محصولڈاک پتہ:۔ لیڈی ڈاکٹر اکسیری دواخانہ کلاں محل ۲ دہلی

کشیدہ کاری کی ولایتی مشین

آپ کی عورتوں کیلئے بہترین تحفہ

ہاتھ سے کپڑوں پر بیل بوٹے تیار کرنے میں بڑی وقت ہوتی تھی اور وقت بھی بہت خرچ ہوتا تھا۔ مگر اب یہ مشین ایجاد ہو گئی ہے۔ اس مشین کے ذریعہ ہر قسم کے کپڑے پر ہر طرح کے بیل بوٹے بہت جلد تیار ہوتے ہیں تکیے کے غلاف، کپڑے اور ہر قسم کے کپڑوں کو خوبصورت بنانے کے لئے یہ مشین نہایت لاجواب ہے۔ استعمال کرنا بہت آسان ہے۔ ترکیب استعمال ساتھ ہوتی ہے مشین ہی مکمل بھیجی جاتی ہے قیمت ایک عدد مشین قسم اول صرف تین روپے (۳/) اور محصول ڈاک کا خرچ آٹھ آنے علاوہ ہے۔

ملنے کا پتہ:۔ جرمنی ٹریڈ ایجنسی دریا گنج دہلی

شکایت نامہ

از محترمہ کنیز فاطمہ حیاؔ لکھنوی

تمہیں نے کی تھی محبت کی ابتدا کہ نہیں؟
تمہیں نے درسِ غمِ دل ہمیں دیا کہ نہیں؟

سکونِ روح کی محفل کو کر کے خود برہم
ہمارے دل کو شناسائے غم کیا کہ نہیں؟

ہمارا طفلِ دل آگاہ تھا نہ حسرت سے
لبھا لبھا کے نگاہوں سے جلا دیا کہ نہیں؟

یہ بے نیازیاں اب کس لئے بتاؤ تو
فسانۂ غمِ الفت مرا سنا کہ نہیں؟

تمام لطفِ محبت کی یادگاروں کی
بس اک ذراسی نہیں، ہیں مٹا دیا کہ نہیں

نگاہِ کرم سے برسا کے بجلیاں پیہم
ہرا بھرا چمنِ دل جلا دیا کہ نہیں؟

تمہارا وعدۂ باطل تھا اک فریبِ وفا
ہمیشہ جھوٹا ہی ہر آسرا دیا کہ نہیں؟

کہا تھا "عہد محبت کبھی نہ بھولیں گے"
مگر یہ عہد محبت بھلا دیا کہ نہیں؟

نہ ان سے کوئی شکایت نہ ہے زمانے سے
حیاؔ ہمیشہ رہو دور دل لگانے سے

جوابِ شکایت

مسٹر عبد اللطیف صابرؔ لائل پوری

تمہیں نے شمعِ حسن کو مشتعل کیا کہ نہیں؟
تمہیں نے پروانے کو درسِ فنا دیا کہ نہیں؟

مری کشتیٔ حیات کو خود زیرِ آب کر کے
مجھے مبتلائے رنج و الم کیا کہ نہیں؟

نہ تھا دلِ نازک شناسائے ستم مرا
نگاہِ ناز نے تری بسمل کیا کہ نہیں؟

پھر یہ کیسی بے نیازی خود ہی بتاؤ تو
ستم وہ کونسا ہم نے سہا کہ نہیں؟

مرے کاشانۂ دل کے تو تھے چار تنکے
انہیں بھی اک آہ سے ہم نے جلا دیا کہ نہیں؟

شرابِ حسن سے بادِ صبا نے مست ہو کر
ٹمٹماتا چراغِ زندگی بجھا دیا کہ نہیں؟

وعدۂ باطل۔ فریبِ وفا یہ خوب کہی
آخر یہ ہے جبر کی انتہا کہ نہیں؟

رازِ محبت تو کہا تھا کبھی افشا نہ کریں گے
اب راز یہ ہے افشا کیا کہ نہیں؟

دل لگانے کا نہ کر گلا کبھی صابرؔ
یہ مشتِ خوں بھی کبھی باز رہا کہ نہیں؟

بارہ آنے

علی سردار جعفری

شہر کے گنجان حصے میں گلی کے موڑ پر ایک کباڑیے کی چھوٹی سی دوکان تھی جس پر ایک بوڑھا چندھی آنکھوں کا آدمی بیٹھا ہوا اونگھا کرتا تھا۔ کبھی کبھار جب کوئی گاہک آجاتا تو کباڑیا چونکتا نہیں تو اسی طرح اپنی آنکھیں بند کئے بیٹھا رہتا۔ اس کی آنکھوں میں کیچڑ اس طرح بھری رہتی کہ وہ دور سے دو چھوٹے چھوٹے ناسور معلوم ہوتی تھیں۔

دوکان کے پیچھے ایک تاریک کمرہ تھا جس کے ہونے کا علم وہاں آنے جانے والوں کے سوا اور کسی کو نہ تھا۔ یہ ایک گندہ شراب خانہ تھا جس میں دس پندرہ آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ چھت اتنی نیچی تھی کہ معلوم ہوتا تھا ابھی گر پڑے گی اور کچی زمین میں اتنی شراب اور تاڑی جذب ہو چکی تھی کہ ہر وقت سیلی رہتی تھی، ایک طرف دیوار میں ایک بہت بڑا چھید تھا، جس کے اندر چھت پر جانے کا راستہ صاف دکھائی دیتا تھا، اس کا بھی مالک یہی کباڑیا تھا، یہ خود تو دوکان پر بیٹھا رہتا تھا اور اس کا بیٹا اندر تاڑی اور کچی شراب بیچتا تھا۔

رات کا وقت تھا، کباڑیے کی دوکان بدستور کھلی ہوئی تھی سڑک پر بجلی کی روشنی اور گلی کے اندر جہاں آنے جانے والوں کا سلسلہ کم ہو چکا تھا، میونسپلٹی کی اندھی لالٹین ٹمٹما رہی تھی، لیکن شراب خانہ اپنی پوری رونق پر تھا۔ چھ چھ سات سات مزدوروں کی تین چار ٹولیاں الگ الگ بیٹھی ہوئی تاڑی پی رہی تھیں، ایک کونے میں ایک تانگہ والا اکیلا بیٹھا شراب اڑا رہا تھا، ٹوٹے ہوئے گھڑے اور مٹی کے آبخورے ہر طرف پڑے تھے۔

ایک مزدور جو کئی مہینے بعد آیا تھا بیٹھا اپنی ٹولی والوں سے کہہ رہا تھا۔ ماندے ہو جاؤ تو کام سے الگ کر دئے جاؤ۔ وہ تو جانو کیا تماشا کر رہا تھا کہ مجبوری مل گئی۔ سسرے منشی نے پورے دس روپیہ لئے، دھیلی کوڑی بھی نہیں چھوڑی۔ ادھار قرض لے کے دئے سوچا کہ مجبوری اب کی گئی تو پھر نہ ملے گی چاہے پڑا تھا اکاس سے اتر آدیں۔"

دوسرا مزدور بولا "تب ہی ہم کہت رہے کہ چھیدی کہاں ہے۔ بال بچے یہاں تاڑی بیتا رہا وہ بھی چھوڑ دی۔"

چھیدی نے کہا کہ جب پیسہ ملے نہیں تو کہاں سے پیئے۔ سب نے اس سے اتفاق کیا اور پھر پینے میں مشغول ہو گئے۔

دوسری ٹولی کا ایک مزدور نشہ میں بڑبڑانے لگا "دن بھر کام کرو۔ شام کو عورت کی باتیں سنو۔ نون نہیں، تیل نہیں ہے۔ لکڑی لاؤ۔ چھوٹی سی کال کوٹھری۔ وہیں چولھا وہیں برتن، وہیں بال بچے پھر عورت ہے کہ چڑیل...... یہ ابھی اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ پاس والے مزدور نے کچھ زیادہ پی لینے کی وجہ سے قے کی اور اگلی ہوئی شراب سے اس کی میلی دھوتی بھر گئی۔ مزدور غصہ میں ناچنے لگا "سسر جھاڑے آوا ہے، کاہے اتنی پی۔ لی"۔ سب نے بیچ بچاؤ کر دیا نہیں تو مار پیٹ ہو جاتی۔

تانگے والا جو دور بیٹھا تھا آکر ان لوگوں میں مل گیا اور ایک مزدور کا کندھا پکڑ کر کہنے لگا "یار تجھے کتنا روز ملتا ہے"

"آٹھ آنے"

"پھر تو بڑے مزے میں ہو" تانگے والے نے فخریہ کہا "میرا مالک مجھے چھ آنے روز دیتا ہے اور دو ڈھائی روپیہ میں پہلے ہی بچا لیتا ہوں"

سارے مزدور حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے، یہ کیسے ایک نے پوچھا۔ "یہ بہت آسان ہے۔ میں اگر دن بھر میں پانچ روپیہ کماتا ہوں تو مالک کو تین ہی بتاتا ہوں۔"

اس مختصر سی گفتگو کے بعد تاڑی اور شراب کا دور پھر چلنے لگا۔ بھدے قہقہوں کے ساتھ شراب اور تاڑی کی حلق سے نیچے اترنے کی غڑغڑاہٹ اور خالی آبخوروں کے ٹوٹنے کی آوازیں آنے لگیں۔

تین مزدور ایک ساتھ اٹھے۔ دو تو باہر چلے گئے ایک کچھ پیسے

نوجوان کباڑیئے کو دے کر چھت پر چڑھ گیا۔ اتنے میں دو دیہاتی لڑکیاں جن میں سے ایک ذرا تیز تیز قدم رکھ رہی تھی اور دوسری ذرا جھجک جھجک کے ایک ساتھ اندر داخل ہوئیں۔ ان کے پیچھے دونوں مزدور تھے جو ابھی چند منٹ ہوئے باہر گئے تھے۔ زمین چھت اور دیواروں سے نکلنے والے تاڑی اور شراب کے بھبکوں نے ان کا خیر مقدم کیا نوجوان کباڑیا انہیں دیکھ کر مسکرایا اور دونوں کو زینے کی طرف اشارہ کر کے اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

تانگے والا لڑکیوں کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا کباڑیئے کے پاس آیا۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے میں لال پگڑی دکھائی دی۔ پولیس کا ایک سپاہی اندر داخل ہوا۔ تانگے والا گھبرا کر اپنی جگہ واپس گیا اور لڑکیوں کے پیچھے آنے والے مزدور ایک کونے میں دبک گئے سپاہی نے کباڑیئے کے پاس آ کر کہا "کیوں جی کیا رنگ ہے"

کباڑیئے نے جیب سے ایک روپیہ نکالا اور اپنے دانت ہونٹوں سے باہر نکالتے ہوئے کہا "اجی کیا پوچھتے ہیں نائک صاحب بس دو وقت کی روٹی چل جاتی ہے"

سپاہی جواب قریب آ چکا تھا ذرا اکڑ کے بولا "آجکل تو بہت سے گاہک پھانس رکھے ہیں" اس کا اشارہ دونوں لڑکیوں کی طرف تھا۔ کباڑیئے نے اپنا روپیہ والا ہاتھ اس طرح آگے بڑھایا جیسے مصافحہ کرنا چاہتا ہے۔ سپاہی نے روپیہ لے کر بجایا۔ کچھ دیر تک اسے دیکھ دیکھ کر مسکراتا رہا۔ پھر کہا "بیٹا کئی دن سے پریشان کر رہی تھی ربڑ کا ببوا لا دو۔ میرے پاس پیسے کہاں تھے سوچ رہا تھا کہ کہیں اچھی جگہ ڈیوٹی لگ جائے"

"ہاں ہاں پھر آج بیٹا کو ببوا خرید دیجئے" کباڑیئے نے چاپلوسی کرتے ہوئے کہا۔

"آج لیتا جاؤں گا، روز ضد کرتی تھی۔ ایک دن اسے صاحب کے یہاں سلام کو لے گیا تھا۔ بابا لوگ ببوے سے کھیل رہے تھے۔ بس اسی روز سے جان کھا رہی تھی"

"بچے ایسے ہی ہوتے ہیں" سپاہی نے روپیہ جیب میں ڈال لیا کباڑیئے نے جھک کر ادب سے سلام کیا اور اسے دروازے تک پہنچا کر لوٹ آیا۔

تانگہ والا پاس آ کے کہنے لگا "آج تو ایک نئی لڑکی آئی ہے"

کباڑیا مسکرا دیا۔

دونوں کونے میں دبکے ہوئے مزدور بھی آ گئے۔ ایک بولا "نئی لڑکی

دوسرے نے کہا "کتنے پیسے لے گی"

تانگہ والے نے رعونت سے کہا "نئی ہے نئی۔ پیسے نہیں، روپے لے گی"

"روپے" مزدور نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں روپے" کچھ ہے گرہ میں" تانگہ والے نے کہا۔

دونوں مزدور ایک دوسرے کی صورت دیکھ کر خاموش ہو گئے تانگہ والا کباڑیئے سے مخاطب ہو گیا "یار پھر سودا کرتے ہو"

"کیا ہے تمہارے پاس"

"تین روپے"

"نہیں پانچ"

"پانچ تو میرے پاس نہیں ہیں"

"کسی سے ادھار لے لو" بالکل نئی لڑکی ہے"

"پھر تم ہی دیدو ادھار" تانگہ والے نے کھسیا کر کہا۔

کباڑیئے نے اپنی انگلی ہلا کے کہا "اچھا بولو کتنے روپے ہیں" "چار"

"اور شراب کے دام"

"اسی لئے تو تین روپے کہہ رہا ہوں۔ ایک روپیہ تم شراب کی قیمت لے لو"

"اچھا دام نکالو" کباڑیئے نے کہا "دو روپے کل لے لوں گا"

تانگے والے نے چار روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے جنہیں کباڑیئے نے اپنی مٹھی میں دبا لیا اور گاہک کو ساتھ لے کر زینے پر چڑھ گیا۔ دونوں مزدوروں نے آپس میں کچھ سرگوشی کی اور پھر بیٹھ کے تاڑی پینے لگے۔

چھت پر کئی کوٹھریاں بنی تھیں۔ دو تین اندر سے بند تھیں ایک کوٹھری میں کئی عورتیں جمع تھیں، دوسری میں دونوں دیہاتی لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ کباڑیئے نے دروازے میں سے "رامی" کہہ کر ایک لڑکی کو باہر بلایا اور الگ لے جا کر پوچھا کہ نئی لڑکی کون ہے"

"اس کا نام جمنا ہے۔ ایک کسان کی لڑکی ہے۔ قریب کے دیہات میں رہتی ہے" "تمہیں کہاں سے مل گئی"

"تین دن سے میں اس کی فکر میں تھی" لڑکی نے ہنس کے کہا "سڑک پر ماری ماری پھر رہی تھی، کہیں مزدوری نہیں مل رہی تھی، میں نے کہا چلو میں پیسے کموا دوں، پہلے دن راضی نہیں ہوئی۔ آخر آج آ گئی۔ اور اگر آج نہ آتی تو کل آ جاتی"

"تو اب راضی ہے" کباڑیئے نے پوچھا۔

"راضی نہ ہوتی تو یہاں آتی ہی کیوں"

"پھر اسے روز یہاں آنے پر راضی کرو۔"

"ایک دن آنے کے بعد پھر کہاں جا سکتی ہے۔" کبا ڑیا نیچے چلا گیا تانگے والا کوٹھری میں گھس گیا۔ اور رامی چھت پر کھڑی رہی۔

تھوڑی دیر بعد جب تانگے والا کوٹھری سے باہر نکلا تو رامی اندر گئی۔ اس کی نئی سہیلی جواب اس کی طرح پرانی ہو چکی تھی ٹوٹی ہوئی چارپائی پر بیٹھی ہوئی کانپ رہی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں میں بھرے تھے۔ شلوکا آستین اور سینے پر سے مسک گیا تھا۔ رامی کو دیکھتے ہی اس نے کہا "اب میں جاؤں گی۔" اس کی آواز میں بالکل جان نہیں تھی۔

"کیوں جلدی کیا ہے۔ اب تو کمائی کا وقت آرہا ہے۔"

"نہیں" جمنا نے مردہ آواز سے کہا "میں تو شہر میں مزدوری کرنے آئی تھی۔"

"مزدوری میں تمہیں زیادہ پیسے نہیں ملیں گے؟" رامی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "پھر آجکل مزدوری ہے کہاں۔"

جمنا نے کہا "لیکن میں تو جاؤں گی، میرے جو کچھ پیسے ہوں مجھے لادو۔"

"اچھا جیسی تمہاری مرضی" یہ کہہ کر رامی کوٹھری سے باہر نکل گئی جتنک وہ واپس آئے جمنا اپنی حالت پر غور کرتی رہی۔ اس کی آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھیں چھلک پڑیں۔ اتنی دیر میں رامی واپس آگئی اسے دیکھ کر بولی "تم رو کیوں رہی ہو۔"

"کچھ نہیں" جمنا نے آنسو پونچھ کر کہا "پیسے لائیں" رامی نے بارہ آنے پیسے اُسے دیدئے، جمنا نے پیسے ہاتھ میں لیکر گنے اور کہنے لگی

"بس بارہ آنے۔"

"اور کیا اتنی دیر میں کوئی بارہ روپے ملیں گے۔" جمنا خاموش ہوگئی اور پیسے آنچل میں باندھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

رامی نے کہا "تھوڑی دیر ٹھیرو، جمنا ابھی اور لوگ آتے ہونگے"

جمنا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور دروازے کی طرف چلدی۔ رامی اسے ساتھ لے کر زینے سے نیچے اتری۔ جمنا کے قدم اس وقت ڈگمگا رہے تھے بمشکل تمام رامی کا سہارا لئے ہوئے وہ شراب خانے سے باہر آئی۔

اندھیری گلی میں پہونچکر اس نے کہا:-

"اب میں چلی جاؤں گی۔"

رامی نے پوچھا "پھر کل آؤ گی۔"

جمنا پہلے تو چپ رہی پھر کہا "نہ آؤنگی تو کھاؤں گی کیا۔"

غلام کی پیدائش

وہ اُن لوگوں کے بیچ پیدا ہوا جن کی قسمت میں جھولے سے لیکر قبر کی گود تک "محنت کی لکیر کھنچی ہوئی ہوتی ہے۔ اُس کی پیدائش سے نہ کسی کو خوشی ہوئی نہ کوئی امید ــــــ نہ کوئی دکھ۔

باپ نے سوچا۔ جب وہ آ ہی گیا تو اُسے جینے کا حق ہے اور اگر مر بھی جائے گا تو یہ اس کی اپنی مرضی ہوگی۔ اور اس خیال کے ساتھ ایک اور خیال اس کے دماغ میں بجلی کی طرح کوند گیا۔ لیکن اس کو زور سے کہہ دینے کی ہمت نہ ہوئی۔ آخر ان لوگوں کے خرچ میں کچھ بڑھتی تو ضرور ہو ہی جائے گی۔

بچہ کی بغل میں ایک دُبلی پتلی لیکن مسرور ماں پڑی تھی۔ اس نئے بچہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کا گلاب کھل اٹھا۔ لیکن غلاموں کی اُس بستی میں باپ تو نرا غلام ہی تھا۔ وہ ضبط نہ کرسکا۔ یہ چھوٹے چھوٹے ملائم پیر، یہ ننھی انگلیاں اس کی نظروں میں محبت بھی تھی فکر بھی وہ ضبط نہ کرسکا۔ نہ کرسکا۔ "میری رانی اب ہمیں اور کفایت شعاری سے رہنا پڑے گا۔

یہ کہہ کر اس نے چاہا کہ اپنے چہرہ کی برف کی سی سفیدی کو پونچھ ڈالے اُسے محسوس ہوا کہ اُس کی باتوں سے اُس کی پیاری بیوی کو بڑی چوٹ پہونچ رہی ہے اور اُس کی یہ خاموشی اسے یہ کہنے پر مجبور کر رہی تھی کہ تمہاری فکر کو میں سمجھ رہا ہوں۔ کیا تم مجھے نہ سمجھو گی۔

وہ چپ تھی۔ اس نے شوہر کی طرف آنکھ بھی نہ پھرائی اس کی زرد پیشانی پر ایک درد بھری حسرت دوڑ گئی۔ اور ایک سوکھی سا ہاتھ اٹھکر بچے کے بدن سے لپٹ گیا گویا اس کی حفاظت کر رہا ہے۔

وہ سب کچھ دیکھتا رہا۔

وہ نہیں سمجھ رہا ہے۔ اس کے دل میں رنج پیدا ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ رنجش کو ضبط کرتا ہوا وہ اُس ننھے جسم پر جھک گیا۔ اس کے دل میں ایک کسک تھی۔ اُس کی زندگی کی ساتھی اسے نہیں سمجھ رہی تھی۔ اُس نے یہ الفاظ اس لئے کہے تھے کہ وہ اسی کے لئے انہیں کے لئے سب کچھ سوچ رہا تھا۔

بن بلائے مہمان سے پہلے بھی سبھوں کی گزر اوقات کے لئے کافی کمانا اس کے لئے ناممکن تھا۔ اُس سوکھی بانہہ کے گھومنے کا یہ مطلب تھا کہ اپنے اس دوسرے بچے کے لئے وہ گھر کے مالک سے کچھ زیادہ مانگنا چاہ رہی ہے۔ اپنے بچوں کی حفاظت کی فکر میں ضرور وہ رقم مانگے گی جسے اُس نے بلا سوچے ہوئے برسات کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ وہ سمجھتا تھا یہ مناسب نہیں ہے اور اسی لئے وہ ملائمت سے یہ ظاہر کردینے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کا ایسا کرنا ناجائز ہے۔

"ہمیں بہت کفایت کرنا چاہئے اور پیسے پیسے کو گن گن کر رکھنا چاہئے" ہفتہ بھر کے خرچ کے لئے اُسے روپے دیتے ہوئے برابر یہی دہرایا کرتا تھا۔ تمہیں بہت کفایت کرنا چاہئے اور پیسے پیسے کو گن گن کر رکھنا چاہئے...... ہاں بہت کفایت"

اپنے بیٹے کے بدن پر جھکا ہوا وہ اب تک اپنی بات کا جواب چاہ رہا تھا۔ لیکن اس کی خاموشی میں اُسے انکار کی صورت دیکھ پڑتی تھی۔ اپنے مردوں جیسی کاروباری عقل سے وہ اُس کو قابو میں رکھتا تھا۔ لیکن اس کی اس طویل اور نہ ٹوٹنے والی خاموشی نے اُسے گھبرا دیا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے وہ راستہ چمک اٹھا جس پر اُس کے لڑکے کو چلنا پڑے گا۔ وہی غیر دلچسپ محنت بھری راہ جس پر اس کا باپ چلتے چلتے مر گیا تھا اور جس پر وہ خود چلا جا رہا ہے۔

وہ پھولا نہ سماتا اگر اُس کا بیٹا کچھ پڑھ لیتا۔ لیکن پڑھائی کا خرچ ــــ اُس کے باپ نے تو اُسے ابتدائی تعلیم کا بھی موقع نہ دیا نو برس کی عمر میں ہی اسے ایک مصوّر کے یہاں نوکری کرنی پڑی تھی اور بارہ برس کی عمر میں تو وہ لوہا کوٹ رہا تھا۔ اور فرصت کے وقت دوسرا کام سیکھا کرتا تھا۔ لیکن نہیں۔ اس کا بیٹا اتنا بدقسمت نہیں ہوگا۔ ایشور کی کرپا ہوگی تو اُسے مدرسے سے نہیں محروم رکھا جائیگا۔ لیکن آگے کے

لئے لمبے بیروں پہ کھڑا ہوتا ہوگا۔ مگر گھر والوں کے لئے تو اسے کماتا ہی ہوگا یہی تو اُس کے باپ کی زندگی تھی اور اسی طرح تو وہ خود رہتا ہے۔ ساری بستی اسی طرح رہتی ہے۔

اُس کے اُن الفاظ میں اتنے سب معنی تھے وہ مرجھائی ہوئی عورت سب کچھ سمجھ گئی تھی۔ لیکن وہ ایک ماں تھی اُس کی خاموشی میں انکار گونج رہا تھا۔

وہ اس کا مطلب سمجھ گیا۔ لیکن یہ نہ جان سکا کہ آخرکار ایسا ہوا کیوں؟

گھبرائے ہوئے مجرم کی طرح اُس نے اس کی طرف دیکھا اور اپنے گناہ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں اپنی بیوی کا وہ اداس مرجھایا ہوا چہرہ پھر گیا جس کو دیکھ کر دل میں ایک چھچھوری خواہش پیدا ہوئی۔ وہ اُس کی مخالفت نہ کر سکا اس کی لاپروائی اُس کے جوش پر غالب آئی اُس نے کہا۔ "خیر کچھ پرواہ نہیں۔ ایشور کے برابر کوئی دوسرا نہیں جب وہ بڑا ہوگا تو ایشور اس کی مدد کرے گا۔"

لیکن اُسے بڑی حیرت ہوئی کہ وہ پھر بھی کچھ نہیں بولی۔ اپنے دل کی بات کو وہ اچھی طرح ظاہر نہ کر سکی اُس کی آنکھیں بھی کچھ نہ کہہ سکیں۔ اُس کے ہونٹ بھی ہل کر اشارہ نہ کر سکے اُس کے حواس اس کی خیالات کی ترجمانی نہ کر سکتے تھے۔ پھر بھی اُس نے کچھ جواب دیا اور اُس جواب کے پردہ میں وہ خود بھی ہوئی تھی "تم اُس کی فکر نہ کرو تمہاری طرح بارہ سال کی عمر میں اسے لوہا ڈھونا نہ پڑے گا۔" وہ خواب دیکھ رہی تھی۔ اُس کی آنکھیں کبھی بچے پر تھیں کبھی چھت کی کڑیوں پر۔

"تمہاری طرح اپنی زندگی اُسے لوہے کے کارخانے میں نہیں گزارنی پڑے گی۔ ہم لوگ اُسے مدرسہ بھیجیں گے اور چاہے جو کچھ ہو اُس کے آگے بڑھنے کی تدبیر کریں گے اس کے لئے چاہے میری انگلیوں میں صرف ہڈیاں ہی کیوں نہ بچ جائیں اور جب اس کا پڑھنا ختم ہو جائیگا۔ تو مزدور نہیں بنے گا۔ ایک بنیا بنے گا شاید اکاؤنٹنٹ بھی۔"

اکاؤنٹنٹ کیا ہوتا ہے اُسے نہیں معلوم تھا اُس کی آنکھوں میں ایک دھندلی شکل ناچ اٹھی۔ منہ میں ایک موٹا سا سگار بالکل ویسا ہی جیسا کارخانے کے مالک کے منہ میں لگا رہتا ہے۔ اپنے خواب میں بھی وہ اُس سے زیادہ کسی چیز کی خواہش نہ کر سکی اُس کے من میں صرف اتنا ہی آتا کہ اُس ساری بستی میں سبھی ایک طرح کے نہیں ہو سکتے۔ بلاشبہ وہاں کچھ اونچے بھی تھے اور نیچے بھی۔

اسے یہ بھی شک نہیں ہوتا تھا کہ اُس کی بستی ایک غیر قدرتی چیز تھی۔ اپنے خونی چار دیواری سے نکل کر بھاگنے کی کوشش نہیں کرتی۔ اُس کی امیدوں کی ایک ہی دنیا تھی۔ اپنے بچے کے لئے بستی میں ایک اونچی جگہ۔ میں اس کے ساتھ بحث نہیں کروں گی۔ اُس نے سوچا۔ پیچھے دیکھا جائے گا۔ شاید ایشور کی مدد سے ہم لوگ اسے پڑھا سکیں۔

وہ اس نزاکت سے متاثر ہو کر جس کا مظاہرہ اپنی زندگی میں اُس سے پہلے اس نے شاید ہی کیا ہو اس نے اپنے شوہر کی کھردری اور چوڑی ہتھیلی کو لے کر بچے کے آدھے ڈھنکے ہوئے منھ پر رکھ دیا۔

"دیکھو تو یہ کتنا مست رہے۔" وہ بولی اور بچے کی طرف ایک نظر دیکھ کر شوہر کی طرف دیکھنے لگی۔

اُس کے اناڑی پن کو وہ سمجھ رہا تھا۔ لیکن اس وقت مخالفت کرنے کی ہمت اُس میں نہ تھی۔ اپنی کامیابی کے فخر سے عورت کا مرجھایا ہوا چہرہ چمک اٹھا۔ اور وہ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سوچتا جا رہا تھا: "بڑی تکلیف کے ساتھ۔ دو برس میں دو بچے اور جانے کتنے ابھی آنے کو ہیں۔ جب تک وہ بڑے نہیں ہو جاتے ہم لوگوں کی گزر کیسے ہوگی۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ اُسے بالکل نہیں سمجھتی"۔ بچہ اور اس کی ماں کو بھدے طریقہ سے چومتے ہوئے وہ دھیمی آواز میں کہنے لگا۔

"اس سے بڑی مدد ملے گی۔ لیکن اس کے بڑے ہونے تک ہمیں صبر کرنا چاہئے" (ترجمہ از جنتا)

حسنِ مجبور

عدو کے ساتھ وہ بیٹھے ہوئے ہیں میرے پاس — بچی بچی سی نگاہیں رُکے رُکے انفاس

رہینِ کشمکشِ عاشقی و بوالہوسی — تعلقاتِ جدید و قدیم کا احساس

زہے تراوشِ جذباتِ مختلف یعنی — اُدھر نگاہِ محبت اِدھر نگاہِ یاس

زہے کرشمہ، زہے اعتبارِ عشق و ہوس — نگاہِ حسن بھی ہوتی ہے کیا مزاج شناس

ادا ادا کو ہے احساس ذمہ داری کا — اُدھر وثوق رہے اور اِدھر نہ ٹوٹے آس

یہ مشکلات یہ مجبوریاں ارے توبہ — نظر سے اور کچھ اظہار دل میں کچھ احساس

کبھی تبسمِ گلبانگ اور کبھی دمِ سرد — کبھی شگفتہ شگفتہ کبھی اُداس اُداس

عجیب کشمکش و گومگو کا عالم ہے — کچھ اُس کا پاس اُدھر کچھ اِدھر مرا احساس

صد اعتراف و صد اظہارِ شوق کی ضامن — کبھی کبھی غلط انداز اِدھر نگاہِ یاس

ادا شناس یہی حسن کا ہے کچھ، ہر چند — ملی ہے عشق کو شوریدگی بجائے حواس

ہر ایک بات سے افشائے راز ہے لیکن — خدا کا شکر کہ ہوتی نہیں ہوس حساس

مزاجِ حسن خلافِ وفا نہیں بسملؔ
مگر "وفائے ہوس" جب آئے حسن کو راس

ٹونک

بسملؔ سعیدی ہاشمی

افسانہ

میں پاپی ہوں

از جناب عبید الرحمن الہ آبادی

شام ہو رہی تھی۔ شعاع خورشید الوداعی بوسے لے رہی تھی بھینی بھینی خوشبو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ہوائیں چل کر دلوں میں ولولہ پیدا کر رہی تھیں۔

میں بھی سیر کے لئے چل کھڑا ہوا۔ رستہ میں ایک فقیر دیوانہ وار اور مجنونانہ حرکتیں کرتا ہوا چل رہا تھا۔ نہ معلوم کیوں میرا ضمیر بار بار اس کی طرف متوجہ ہوتا اور اس کے حالات زندگی کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ اسی دھن میں۔ میں اس کے پیچھے پیچھے اور بہت دور شہر کے باہر تک چلا گیا۔ وہ ایک غیر آباد اور سنسان مقام پر جہاں صرف ایک جھونپڑی تھی جو اسی کا مسکن تھی ٹھہر گیا۔ مجھے حیرت تھی کہ آخر اس نے اپنے رہنے کے لئے اس قدر سنسان اور غیر آباد مقام کو کیوں پسند کیا؟

مجھے اس کے حالات معلوم کرنے کا اور اشتیاق پیدا ہو چلا میں نے فقیر سے کہا بابا!! اس وقت شام ہو گئی ہے اندھیرا کافی چھا چکا ہے۔ میں گم کردہ راہ ادھر آنکلا ہوں۔ کیا تم مجھے اتنی اجازت دوگے کہ آج کی رات اس جھونپڑی میں گزاردوں اور صبح ہوتے ہوتے اپنی راہ لوں گا۔ اس نے خوشی سے اجازت دیدی لیکن ساتھ ہی ایک گہرا سانس لیا اور کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا پھر کچھ بڑبڑانے لگا "میں پاپی ہوں"

یہ آپ کیا فرما رہے ہیں شاہ صاحب میں نے کہا۔ میں پاپی ہوں آہ۔ زبردست پاپی۔

شاہ صاحب آپ اور پاپی میں اس رمز کو نہیں سمجھ سکا۔ میں نے کہا۔

اف۔ تم۔ نہیں۔ میں پاپی ہوں۔ یہ کہتے ہوئے اس کے ہونٹ سوکھنے لگے۔ ہاتھ پیر کانپنے لگے اور بے ہوش ہو گیا میں نے اس کا سر اپنے زانوں پر رکھا اور ٹھنڈے پانی کے قطروں سے اس کی پیشانی کو پونچھنے لگا۔ کافی عرصہ بعد اس نے آنکھیں کھولیں میں نے اس کو آرام سے لٹا دیا۔ اور کہا کچھ دیر آپ آرام کریں لیکن افسوس اس کو آرام کہاں نصیب تھا۔ اٹھ بیٹھا۔

بابا!! آپ اس قدر سراسیمہ کیوں ہیں؟ آپ کی کیا مبتلا ہے جو کہ آپ اس قدر نیم جان ہوئے جاتے ہیں اس وقت سوائے آپ کے اور میرے کوئی غیر شخص نہیں۔ کیا آپ اپنی داستان غم سنائینگے؟ ممکن ہے کہ میں آپ کی کچھ تسلی کر سکوں میں نے کہا۔

نہیں نہیں۔ دنیا میں کوئی شخص نہیں جو مجھ کو تسلی دلا سکے۔ میں پاپی ہوں زبردست پاپی ہوں۔ میری داستان ایسی نہیں کہ جس کو سن کر تم دنیا والوں کے دل اس کے متحمل ہو سکیں میرے اصرار پر اس نے یوں بیان کرنا شروع کیا۔

(۱)

میں ایک معزز خاندان کا رکن ہوں میرے والدین خوش حال تھے میں اپنے والدین کا روح راحت تھا۔ میری زندگی خوش کن لمحات پر مشتمل تھی۔ مجھے علم کا شوق تھا میں نے ۱۵ سال کی عمر میں تعلیمی منازل طے کر لئے تھے مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری زندگی کانٹوں میں الجھ جائیگی۔

مجھ کو نسیمہ سے پریم تھا۔ نسیمہ اور میں نے ایک ساتھ بی اے کیا تھا مجھ کو اس سے حقیقی محبت تھی۔ میری زندگی اس کے تبسم پر قربان تھی میں اس کا شیدا و متوالا تھا۔ میں اسی کے گیت گاتا تھا۔ ایک رات جبکہ قمر بام ترقی پر جلوہ فگن تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں عطر بیزی کر رہی تھیں میں اور نسیمہ دونوں ٹہلتے ٹہلتے۔ ایک سرو قامت درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ نسیمہ نے کہا پیارے امتیاز میں چاہتی ہوں کہ ہم دنیا والوں سے دور ایسی جگہ چلیں جہاں کوئل کی کوک ہو۔ ندی کا راگ ہو۔ ہوا کی اٹھکھیلیاں ہوں چھوٹی چھوٹی تتلیاں رقص کرتی ہوں لیکن نسیما اگر والد کو خبر ہو گئی تو پھر کیا ہوگا نسیمہ نے ہنستے ہوئے کہا ہوگا کیا؟ یہی کہ ہم دونوں مجرم کہلائیں گے۔

مجھے بھی اس کی بھولی بھولی باتوں پر ہنسی آگئی۔ اس کے ہر حکم کی تعمیل میرا اولین فرض تھا۔

دوسرے دن ہم دونوں بنارس کو روانہ ہو گئے۔ ہمارا اکثر وقت سنگم پر گزرتا تھا۔ گھنٹوں اسی منظر کی سیر کرتے۔ والد میری غیر موجودگی کی سخت پریشان تھے۔ مجھ کو ان کا ایک تار ملا ہم اسی وقت روانہ ہو گئے مجھ کو یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ والد سخت بیمار تھے۔ میں نے ان کی تیمار داری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

ایک رات جبکہ ہر طرف تاریکی ہی تاریکی چھائی ہوئی تھی خاموشی اور سکوت کی وجہ سے رات اور بھی بھیانک معلوم ہوتی تھی۔ والد نے مجھ کو اپنے قریب بلایا اور نہایت دردناک لہجہ میں کہا۔ بیٹا اب میں کچھ دیر کا مہمان ہوں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ میری انتہائی آرزو تھی کہ تمہاری خوشیوں کو اپنے سامنے پروان چڑھتے دیکھوں لیکن قدرت کو منظور نہ تھا۔ مجھ کو یہ سن کر سخت صدمہ ہوا کہ تم مجھے غلط باور کرا کر کسی زلف گرہ گیر کے شیدائی و متوالے ہو کر اس کے ہمراہ اپنی زندگی مسرت آمیز بنانے کے لئے بنارس گئے ہوئے ہو۔ یہی صدمہ میری ہلاکت کا باعث ہوا۔ یہ کہتے ہوئے آنکھیں پتھرا گئیں۔ ہاتھ پیر کو جنبش ہوئی ایک کروٹ لی اور ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو کر ابدی نیند سو گئے اس کے بعد کیا ہوا مجھے خبر نہیں۔ البتہ جس وقت ہوش آیا تو دیکھتا ہوں کہ میرے سر پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔ میرا سر میری والدہ کے زانوں پر رکھا ہوا ہے اور وہ ملتجیانہ دعاؤں کے ساتھ رو رہی ہیں کئی روز تک نسیمہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ایک روز میں اپنے کمرہ میں بیٹھا خیالات کے چکر میں پھنسا ہوا تھا کہ کسی کے پیر کی آہٹ معلوم ہوئی۔ یہ نسیمہ تھی سراسیمہ کھڑی ہوئی میرے سامنے اس رات کا آخری جانکاہ منظر پھر گیا۔ میرے منھ سے ایک چیخ نکل گئی اور فرش پر گر پڑا نسیمہ نے مجھ کو اٹھایا اور اپنے آنچل سے میرے ماتھے کے پسینہ کو پونچھنے لگی

(٢)

والد کو مرے ہوئے ایک عرصہ ہو گیا تھا ان کا غم میرے دل سے دور ہو چکا تھا والد کی کافی رقم میرے ہاتھ آئی جس کا واحد مالک میں تھا میری قید و بند اٹھ گئی تھی۔ نسیمہ سے میری محبت کی پینگیں بڑھتی گئیں میں دو دو تین تین دن گھر سے غائب رہنے لگا۔ میری بڑھیا ماں کا میری آوارگی پر روتے روتے برا حال ہو گیا تھا لیکن مجھ پر اس کا مطلق اثر نہ ہوتا تھا میں نسیمہ کے دام محبت میں گرفتار ہو چکا تھا میرے دل و دماغ میں اسی کا سودا سمایا ہوا تھا میں اس کی ہر معمولی خواہش پر بے دریغ روپیہ خرچ کرتا۔ آہ مجھے کیا خبر تھی کہ یہی نسیمہ میرے آستین کا پلا ہوا سانپ ہو گی۔ ایک دفعہ نسیمہ نمونیہ میں مبتلا ہو گئی۔ میں نے اس کے علاج میں کافی روپیہ خرچ کر دیا۔ اب میں قلاش تھا میری ساری پونجی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ زندگی کے دن عسرت سے بسر ہونے لگے آہ نسیمہ میرے در پردہ راشد سے محبت کرنے لگی تھی۔ ایک دن یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ نسیمہ کے نازک ہونٹ راشد کے مکروہ ہونٹوں سے مس ہو رہے ہیں۔ میرا جسم کانپنے لگا۔ میری آنکھیں مارے غصہ کے سرخ ہو گئیں۔ مجھ پر بے ہوشی کے اثرات غلبہ پانے لگے۔ میرا دماغ معطل ہونے لگا۔ میں نے اپنی جیب سے پستول نکالا اور راشد پر داغ دیا گولی اس کے سینہ کو چیرتی ہوئی جگر کے پار ہو گئی۔ خون کے فوارے چھوٹنے لگے جس سے میرے اپنے کپڑے بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ ظالم نسیمہ تیرے لئے میں نے اپنی زندگی تباہ کی۔ اپنی ساری دولت تجھ پر نچھاور کر دی تیرے لئے اپنے باپ کی ہلاکت کا باعث ہوا حسین ساحرہ تو نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ کیا تو اب بھی اپنی زندگی کی امید رکھ سکتی ہے؟ نہیں نہیں تجھ کو بھی موت کے گھاٹ اتاروں گا۔ تیرے خون سے اپنے ان ہاتھوں کو رنگوں گا۔ وہ دوڑ کر میرے قدموں پر گر پڑی وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔ میرا دل سخت ہو چکا تھا مجھ پر سے اس کی محبت کا نشہ کافور ہو چکا تھا۔ میں نے اسکو ٹھکرا دیا۔

(٣)

دوسرے دن میں جیل میں تھا۔ پولیس نے مجھ کو ملزم قرار دیا جس کا ثبوت خون میں رنگین میرے اپنے کپڑے تھے۔ جج نے پانچ سال قید کا حکم سنایا۔

قید میں مجھے کامل تین سال گزر گئے اس عرصے میں میری ماں۔ میری اندھی محبت میں میرا حال سنکر روتے روتے اس جہان فانی سے کوچ کر گئی۔

میری رہائی کے لئے صرف ایک ہفتہ باقی تھا۔ میں نے سنا کہ ایک نوجوان خوبرو عورت نے خودکشی کر لی۔ آہ۔ یہی میری نسیمہ تھی۔

میں پاپی ہوں زبردست پاپی جس کی معصیت ہرگز قابل عفو نہیں اتنا کہہ کر فقیر کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔ اور یہ کہتا ہوا۔ "میں پاپی ہوں" دیوانہ وار جھونپڑی سے باہر رات کی سنسان تاریکی میں غائب ہو گیا۔

مذاحیہ افسانہ

پنجڑا

از مولانا احسن عثمانی رکن ادارہ محشر خیال

یہاں پنجڑے سے ہمارا مطلب مٹھو میاں کا پنجڑا نہیں ہے اور نہ ہم اس پنجڑے کی قطب نما حیثیت پر تبصرہ کرنا چاہتے ہیں جس میں رحمن کے ابا خلیفہ بند و تیتر بند کرکے "ٹیل ٹکا" کی مبارزت طلب آواز لگواتے ہوئے محلے سے گزرتے ہیں اور نہ ہم اس پنجڑے کی انجینرنگ سے بحث کرنا چاہتے ہیں جس کے اندر لالوں کا جھنڈ عید کتا اور چون چون کرتا نظر آتا ہے۔ ہمیں اس پنجڑے سے بھی کوئی غرض نہیں جس کے اندر پہاڑی مینا بیٹھی داد سخن دیا کرتی ہے۔ اور نہ ہمیں اس پنجڑے سے سروکار ہے جس کا شاعروں نے اچھا سا نام قفس رکھ لیا ہے اور جس میں صیاد شاعروں کے مرغ دل کو اور کبھی خود شاعر کو بند کرکے شاخ آشیاں پر ٹانگ دیتا ہے۔ بلکہ ہم ان سب کے علاوہ ایک خاص پنجڑے کے متعلق کچھ افکار تازہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔

واضح ہو کہ اس پنجڑے کا استعمال اماں حوا کی ہندوستانی بیٹیوں میں نسلاً بعد نسلاً بطور تبرک چلا آتا ہے۔ یہاں تک کہ اب وہ کم از کم گھر سے ایک قدم باہر تو پیروں سے قطعی بے نیاز ہیں۔ ہماری سمجھ میں یہ بات آج تک نہ آئی کہ اللہ میاں نے ہمارے گھر کی بیبیوں کو مردوں کی طرح بلا ضرورت دو پیر کیوں عطا کر دیئے ہیں۔ آخر بھی یہی نا کہ گھر کے کام کاج کی ذرا دیکھ بھال کے لئے انہیں پلنگ سے باورچی خانہ اور باورچی خانہ سے پلنگ یا دالان سے صحن اور صحن سے دالان تک آنے جانے کے لئے برائے نام معمولی اور ہلکی طاقت کے پیروں کی ضرورت تھی۔ اس لئے کہ خواہ اسٹیشن تک کا سفر ہو یا بی ہمسایہ کے پندرہ گز فاصلے کے گھر تک کا اس کے لئے ہر وقت پنجڑا حاضر ہے۔ جس میں وہ بند کرکے پہونچا دی جایا کرتی ہیں۔ بس اس معمولی خانگی ضرورت کے لئے اگر پیر نہ بھی ہوں تو ایک معمولی سی پنجڑیا کافی ہو سکتی ہے جس کے اندر ان بیبیوں کو رکھ کر جب ضرورت ہوئی دالان میں اور جب ضرورت ہو باورچی خانہ میں باسانی پہونچایا جا سکتا ہے۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس پنجڑیا کو لی۔ بی سمیت اٹھانے دھرنے کے لئے بھی تو کوئی چاہئے۔ یہ کوئی ایسا اہم سوال نہیں اس کام کے لئے بہت سی نفیسن رحیمن مل سکتی ہیں۔

ہاں تو اب اس پنجڑے کی ہیئت کذائی بھی ملاحظہ فرمالیے اور اس مسئلہ پر غور کیجئے کہ یہ نسوانی پنجڑا مٹھو میاں، تیتر، مینا اور لال کے پنجڑوں سے کس حد تک مشابہ ہے اور آیا اس حیثیت میں اس کو پنجڑا کہنا کوئی قانونی یا غیر قانونی جرم تو نہیں ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ عام پنجڑوں اور اس پنجڑے کے درمیان بحیثیت ساخت جو فرق ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ عام پنجڑے لوہے یا لکڑی کی پتلی سلاخوں پنیوں یا تیلیوں سے بنائے جاتے ہیں۔ ایک پنجڑے میں بہت سی تیلیاں استعمال کی جاتی ہیں۔ لیکن اس پنجڑے میں بجائے بہت سی تیلیوں کے شاید بخیال کفایت شعاری صرف بانس کے چار "نتلے" (چاہے آپ انہیں ڈنڈے کہہ لیجئے) لگائے جاتے ہیں اور آگے پیچھے کے دو دو بانسوں کو آپس میں باندھ کر قینچی نما بنا دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس پر فی الحال اگر پنجڑے کا نہیں تو پنجڑا ایول کا اطلاق لفظی ہو سکے۔ پھر ان بانسوں کے نیچے برخلاف اور پنجڑوں کے جن کا نچلا حصہ چنبریوں یا تختیوں کا ہوتا ہے "بنات النعش" کی چھوٹی بہن "نعش البنات" یعنی بچیوں کی کھٹلیا اس طرح باندھ دی جاتی ہے کہ کبھی بانس کھٹلیا پر اور کبھی کھٹلیا بانس پر چرخ چوں کرتے نظر آتے ہیں۔ عام طور سے آپ نے پنجڑوں کی چوٹی پر ایک کڑی لگی دیکھی ہوگی جو پنجڑے کو ٹانگنے میں کام آتی ہے اس پنجڑے میں وہی کڑی تو نہیں ہوتی ہاں بانس کی قینچیوں پر ایک لمبا بلی نما بڑا بانس باندھ دیا جاتا ہے۔ بس آپ اسی کو آنس کا "ٹنگنا" سمجھ لیجئے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ اس قدر لمبے اور دور سے ٹنگنے کو ایک ہاتھ سے پکڑ کر یہ پنجڑا نہیں اٹھایا جا سکتا اس لئے اس کو ٹانگنے کے لئے دو آدمیوں کی ضرورت پڑتی ہے جن کو عرف عام میں کہار کہتے ہیں پردہ تو اس پنجڑے میں بھی تیتر والے پنجڑے کی طرح

ڈالا جاتا ہے۔ اور اسی سے زیادہ مشابہ ہوتا ہے۔ مگر اس پنجڑے کو لے کر چلنے والے "تیز باز خلیفہ جی" کی طرح نہ کسی کو جنگ کا الٹی میٹم دیتے چلتے ہیں اور پنجڑا نشین سے "بھیل ٹکا" کی آواز لگوانے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے کہ اس پنجڑے کے اندر سے بجائے تیتر کے جنس انسانی کی وہ لطیف اور محترم نوع بند ہوتی ہے جسے ہم آپ عورت کہتے ہیں۔ اس پنجڑے کو ٹانگ کر چلنے والے کہار بڑے نیک اور سیدھے ہوتے ہیں۔ ایک کہار آگے ہوتا ہے ایک پیچھے ان کے کاندھوں پر موصوف الصدر بانس یوں رکھا ہوتا ہے۔ جیسے ہندوستانیوں کے کاندھوں پر غلامی کا جوا۔ اور کہار "چل چلا چل بھائی" "موڑ دیکھ کے" "ٹھوکر بچا کے" "بیٹھے رمیو بھائی" وغیرہ اور اس قسم کی دوسری آوازیں لگاتے ہوئے پنجڑا نشین خاتون محترم کو منزل مقصود پر اتار کر ذرا دیر کے لئے "بیک ٹرن" ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بی۔ بی صاحبہ مکان میں گھس جائیں اور ان غریب پنجڑا برادروں (یا کہاروں) کو پیسے بھیج دیں۔

پہچان کے لئے اس قدر اور نوٹ رکھئے کہ جس طرح موٹر راستہ صاف کرنے کے لئے ہارن دیتا ہے اسی طرح کہاروں کے پنجڑا لٹکا کر لے چلتے وقت ایک خاص قسم کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ جو کانوں کو تقریباً یوں سنائی دیتی ہے "چیمر چیمر" چرخ چوں چیمر چیمر" یہ آواز "سلفٹ ہارن" کا کام دیتی ہے گو اس عجیب و غریب سواری کو موٹر کار سے کوئی مناسبت نہیں۔ تاہم عین اس وقت جب کہ یہ مع اپنی صفات داخلی و خارجی کے چرخ چوں کرتی چلی آرہی ہے۔ کبھی کبھی آپ دیکھیں گے کہ کہار کی پشت پر ٹھیک بانس اور پردے کے تلازم سے جو سوراخ بنا ہوتا ہے اس میں سے دو سیاہ چمکدار چیزیں چمکتی ہوئی نظر آرہی ہیں ہمارے نزدیک ان کو اس سواری کی لائٹ کہا جا سکتا ہے۔ جس کے چمکنے کے لئے رات اور دن کی کوئی قید نہیں یقین نہ ہو تو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر خود تجربہ کر آئیے۔

ہاں تو اب ہمیں صنف نازک کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اسی پنجڑے کو ان کی زبان میں "ڈولی" کہتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ڈولی کو وہ نہ سمجھیں گی تو کیا ہم سمجھیں گے جنہیں اس میں بند ہونے کا شرف اللہ کے فضل سے ایک بار بھی نہیں نصیب ہوا۔ جہاں تک لفظ ڈولی کی تشریح و توضیح کا سوال ہے

ہم یہ بتلا دینا چاہتے ہیں کہ "ڈولی" مونث ہے "ڈول کی" دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ ڈول میں پانی بھرا جاتا ہے اور ڈولی میں عورت تو معلوم ہوا کہ ہمارے اس پنجڑے کی رشتہ داری اگر ایک طرف طوطا مینا والے پنجڑوں سے ہے تو دوسری طرف اس کا سلسلۂ نسب ڈول سے بھی ملتا ہے۔ اب یہ اپنا اپنا ذوق ہے کہ کوئی اسے پنجڑا کہتا ہے۔ کوئی ڈولی۔

راویانِ شیریں بیان اور محققانِ چین و جاپان اس نام "ڈولی" کے متعلق ایک داد تحقیق یہ بھی دیتے ہیں کہ یہ لفظ دراصل ہندی کے مصدر "ڈولنا" یا "ڈولنے" یا "ہالا ڈولا" یا "بھول ڈول" سے مشتق ہے۔ جن کے معنی علی الترتیب ہلنا، ہلنے زلزلہ، اور بھونچال کے ہیں۔ چونکہ ڈولی کے یہ افعال و صفات تجرباتی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے صحیح معنوں میں اس کے ہلنے ڈولنے کی کیفیت موثرہ اور اس کے "تزلزل و بھونچالیت" کے تجربات اس پر رونق افروز ہونے والوں اور والیوں ہی کو حاصل ہیں۔ ہمیں روایتاً معلوم ہوا ہے کہ اس پنجڑے یا ڈولی کی سواری اگر ڈولی نشین کو اچار چٹنی یا مربی ہونے کی صورت میں مربہ نہیں بنا ڈالتی۔ تو غریب کے سارے جسم کو جامن کی طرح بگھار کر آلو تو بنا ہی دیتی ہے۔ جن سینما میں لوگوں یا لوگنیوں کو "رطبات فلم کمپنی" کا "امرت منتھن" دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ اس ہمارے پنجڑے اور آپ کی ڈولی کی "ہیئت متحرکہ" کا دیوتاؤں کے سمندر میں پہاڑ منتھنے کے منظر سے بخوبی موازنہ کر سکتے ہیں۔ دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں ایک دو درجن کہار نما دیوتا سمندر میں پہاڑ کو منتھ کر امرت نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور یہاں دو کہار ایک "عورت" کو ڈولی میں منتھ کر غریب کا کچومر نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بہر حال ڈولی کے بری طرح ہلنے ڈولنے اور ڈولی نشین کو بری طرح ہلا کر رکھ دینے کا مسئلہ بالکل واضح اور مشاہدات پر مبنی ہے اس لئے اس کو زیادہ دلائل و براہین سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ایک چیز یہ لائق توجہ ہے کہ ڈولی اپنے فعل "ڈولیست" کے وقت نہ زمین پر ہوتی ہے نہ آسمان پر یعنی نہ ریل گاڑی کی طرح زمین پر چلتی ہے نہ طیارے کی طرح آسمان پر اڑتی ہے۔ بلکہ فضائے اقرب الارض "(زمین سے قریب تر فضا) میں معلق رہتی ہے۔ ممکن ہے بعض "نکالیں" سائنسدان قسم کے

لوگ اس موقع پر اعتراض وارد کریں کہ زمین کے قریب تر کسی غیر جاندار چیز کا معلق رہنا اور پھر ایسی حالت میں جب کہ وہ "اسپین" سے بھی نیاز ہو۔ کس طرح ممکن ہے تو ہم عرض کریں گے کہ بندہ پرور کسی اور چیز کے معلق ہو سکنے یا نہ ہو سکنے کے امکان سے ہمیں کوئی بحث نہیں۔ ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ ڈولی مع ڈولی نشین کے فی الواقع معلق رہتی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ ہمارے نزدیک کہار اجزائے ڈولی سے خارج چیز ہیں۔ جہاں تک خالص ڈولی کا تعلق ہے وہ معلق ہی رہتی ہے۔ یقین نہ آئے تو جا کے دیکھ لیجئے۔

دراصل معلق ہونا یا معلق کر دیا جانا ٹنگنا یا (باندھ کر) ٹانگ دیا جانا بجائے خود بہت خوفناک قسم کی سزائیں ہیں۔ ہم نے ایام طفلی میں اسکول کے اندر ماسٹر کی مار کی کبھی پرواہ نہیں کی اور نہ کبھی صرف مار کے خوف سے ماسٹر کے حکم کی تعمیل کی۔ لیکن ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ جب کبھی ماسٹر صاحب نے یہ کہہ دیا ہے کہ اگر کل سبق نہ یاد کیا تو چھت میں باندھ کر ٹانگ دئے جاؤ گے "تو بس یقین مانیے کہ مارے خوف کے ہمارا دم فنا ہو گیا ہے اور جب تک ہم نے سبق یاد کرنے کا بالکل سچا وعدہ کر کے اس "وعید عذاب" کی منسوخی نہیں کرا لی چین نہیں آیا۔ بہرحال اللہ میاں نے ہمارے یہاں کی عورتوں کو نہ معلوم آ کے کس جرم کی پاداش میں یہ سزا دے رکھی ہے کہ وہ اس پنجرے میں بند ہو کر سفر معلق کرتی ہیں اور اس پر صابر و شاکر بھی ہیں۔ وہ تو کہیئے ڈولی زمین کے قریب تر ہی معلق رہتی ہے اس لئے انہیں اس "سفر معلق کرتے ہوئے ڈر نہیں لگتا ورنہ اگر کہیں یہی ڈولی پچاس فٹ اوپر ہوا میں اڑن "کھٹولا" بنا دی جائے یا کسی درخت سے باندھ کر ٹانگ دی جائے تو اگر محترمہ ڈولی نشین صاحبہ "دولی" کر کے بے ہوش نہ ہو جائیں تو ہمارا ذمہ۔ یقین نہ آئے تو ایک مرتبہ اگر آپ عورت ہیں تو خود کو اور اگر مرد ہیں تو اپنی بیگم صاحبہ کو کسی ڈولی میں بٹھلائیے اور ڈولی کو اڑتے ہوائی جہاز کے نیچے لٹکا کر تماشہ دیکھیئے۔

جب ہم کوئی پانچ اک برس کے ہوں گے یعنی ٹھیک ننھے میاں کہلانے کے لائق اسی وقت سے ہم نے ڈولی کی ہیئت کذائی اور اس کے استعمال و طریق استعمال سے فکری اور نظری دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔ ہماری نظر کے سامنے کبھی کبھی چار مردہ جانور ٹانگ کر لے جاتے ہوئے گزرے، ہم نے لوگوں کو اسی طرح بانس میں بکریں ٹانگ کرے جاتے ہوئے دیکھا۔ شہر میں ہم کو مزدور اسی طرح بانس میں صندوق لٹکا کر چلتے ہوئے نظر آئے۔ غرض بچپن میں ہم اس عمل جر ثقیل کے نظارے سے خاص دلچسپی رکھتے تھے ایک دن جب کہ ہم نے پہلے پہل دو آدمیوں کو کاندھے پر وہ چیز لے جاتے ہوئے دیکھا جس کا نام تحقیق کرنے پر ڈولی معلوم ہوا تو ہم معاً یہ خیال کرنے پر مجبور ہوئے کہ اس کے اندر جو کچھ بند ہے وہ از قسم غیر جاندار، صندوق، دیگ، یا مٹھائی کا ٹوکرا وغیرہ کوئی چیز ہوگی وہ تو کہیئے ایک مرتبہ جب ہمارے دروازہ پر ایک ڈولی آ کر رکی تو اس میں سے ہم نے اپنی ایک رشتہ کی بہن کو برآمد ہوتے دیکھ لیا۔ ورنہ خدا معلوم کب تک اسی دلچسپ غلط فہمی میں مبتلا رہتے اس کے بعد ہم نے ڈولی کی ہیئت و ساخت اور ضرورت استعمال کا اپنے گھر کے اس کڑی سے لٹکتے ہوئے پنجرے سے مقابلہ کیا۔ جس میں اللہ بخشے رحمت کرے ہماری بولتی مینا بند رہا کرتی تھی۔ تو دونوں میں مشابہت کے کافی وجوہ نظر آئے۔ ہمسایہ کے مٹھو میاں کے پنجرے سے بھی ڈولی کسی حد تک مشابہ تھی۔ جس طرح ڈولی کے اندر بی بی صاحبہ بند اور ڈولی ٹنگی ہوئی ہوتی ہے۔ اسی طرح پنجرے کے اندر ہماری مینا اور ہمسایہ کا طوطا بند اور پنجرے ٹنگے ہوئے رہتے تھے۔ یہ تھا پہلا دن جب کہ ہم نے اپنی ذاتی تحقیقات کے مطابق ڈولی اور پنجرے کو ایک ہی چیز تصور کرنا شروع کر دیا۔ امید ہے کہ اس کے بعد کوئی صاحب یا صاحبہ ہمیں ڈولی کو پنجرا کہنے کے جائز حق سے کسی قانونی یا غیر قانونی طریقہ پر محروم کرنے کی کوشش نہ کریں گے اور نہ کریں گی۔ واضح ہو کہ پالکی ڈولی سے الگ چیز نہیں۔ صرف اس کی ذرا اپ ٹو ڈیٹ سی شکل ہے مگر اس کے پنجرا ہونے میں ہماری "ریسرچ" کے مطابق کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ بلکہ جہاں تک ظاہری حلیہ شریف کا تعلق ہے پالکی تو ہو بہو طوطے کا پنجرا ہے۔

تیرے بغیر

از جناب تاباں نقوی

جلد آکہ زندگی ہے پریشاں ترے بغیر
ملتا نہیں سکوں کسی عنواں ترے بغیر

غنچے اُداس پھول فسردہ فضا خموش
برباد ہو رہا ہے گلستاں ترے بغیر

مدت سے انتظار میں سُونی ہے بزمِ ناز
اب تک ہوا نہ جشنِ چراغاں ترے بغیر

آنکھیں دکھا رہی ہیں زمانہ کی دل کشی
ہونا پڑا ہے مجھکو پشیماں ترے بغیر

افسانۂ حیات ۔ مکمل نہیں ہنوز
قائم نہ کر سکا کوئی عنواں ترے بغیر

بے رنگ کائنات کا ہر نقش دلنشیں
بے کیف کوہ و دشت بیاباں ترے بغیر

جینا ہی جب نہیں ہے تو جینے کا ذکر کیا
مرنا بھی تو نہیں مجھے آساں ترے بغیر

ہمدردیاں ہیں دیکھنے والوں کی غم فزا
پیہم اٹھا رہا ہوں یہ احساں ترے بغیر

لے درد دے کے بھولنے والے تری قسم
ہوگا کبھی نہ درد کا درماں ترے بغیر

آ وہ بھی اشک میں ترے دامن میں ڈالدوں
ٹھہرا ہوا ہے جو سرِ مژگاں ترے بغیر

اے خوشگوار خواب کی تعبیر آ ادھر
دیکھے ہیں کتنے خواب پریشاں ترے بغیر

آ رخ کی ایک چھوٹ سے کر نور اسے عطا
روتی رہے گی شمعِ شبستاں ترے بغیر

پھولوں میں رنگ و بو ہے نہ غنچوں میں تازگی
گلشن کا ذرہ ذرہ ہے گریاں ترے بغیر

کیا کیا نگاہِ شوق کی بے ربطیاں کہوں
ہے کائنات سر بگریباں ترے بغیر

تجھ سے بھی دور آہ تری سرزمیں سے دور
کس طرح سے جئے ترا تاباںؔ ترے بغیر

یو۔پی دیہات سُدھار

گاؤں سُدھار کی اسکیم پورے صُوبہ میں پھیلائی جارہی ہے

جناب شری منوہر داس چترویدی رورل ڈیولپمنٹ آفیسر یو۔پی

ہندوستان کی نوے فی صدی آبادی گاؤں میں رہتی ہے اس لئے گاؤں سدھار کی ضرورت بالکل ظاہر ہے۔ جب تک گاؤں والوں کی سماجی زندگی نہیں سدھاری جائے گی۔ ان کا آپس کا میل جول اور ان کی کاروباری و مالی حالت نہیں ٹھیک کی جائے گی۔ اس وقت تک دیس ترقی نہیں کرسکتا۔ اسی ضرورت کو دھیان میں رکھ کر یو۔پی۔ گورنمنٹ نے گاؤں سدھار کا محکمہ کھولا ہے۔

گاؤں سُدھار کے حلقے

صوبے میں گاؤں سدھار کے کام کو قاعدے کے ساتھ چلانے اور اس کو صوبے بھر میں پھیلا کر ایک لڑی میں جوڑ دینے کیلئے گورنمنٹ نے ہر ضلع کو کئی حلقوں میں بانٹ دیا ہے۔ ہر حلقے کے اندر بیس سے تیس گاؤں تک رکھے ہیں۔ جن کی آبادی دس ہزار سے پندرہ ہزار تک ہے۔ اس طرح ہر ضلع میں ایسے بیس حلقے بنائے گئے ہیں۔

اسکیم یہ ہے کہ ہر گاؤں میں "بہتر زندگی بسر کرنے کی سبھا" ہو۔ جو رجسٹرڈ ہو اور جس میں کم از کم ۷۵ فی صدی گاؤں کے بسنے والے شریک ہوں۔ ایسی چھوٹی چھوٹی سبھاؤں کے اوپر ایک بڑی سبھا ہو۔ جو ہر حلقے میں ہو اور ان حلقوں کی بڑی سبھاؤں کے اوپر ہر ضلع میں ایک ضلع گاؤں سدھار سبھا (ڈسٹرکٹ رورل ڈولپمنٹ اسوسئیشن) اور ضلع کی سدھار سبھاؤں کے اوپر ایک صوبہ گاؤں سدھار سبھا (پراونشل رورل ڈولپمنٹ بورڈ) ہو جو پورے صوبہ کے کام کی دیکھ بھال رکھے۔ ہر گاؤں میں ایک گاؤں کا اگوا (ویلج گائڈ) ہر حلقے میں ایک کام کو چلانے والا (آرگنائزر) ہر ضلع میں ایک انسپکٹر ہر ڈویژن کے لئے ایک سپرنٹنڈنٹ اور پورے صوبے کے لئے ایک رورل ڈولپمنٹ افسر اور اس کے سہائتی اسسٹنٹ ہونگے

دیہات سدھار کی اس اسکیم میں یہ چاہا جاتا ہے۔ کہ ہر جگہ کے لوگ اپنی ضرورتوں کو دیکھ کر اپنے آپ کام کریں۔ ضلع سبھاؤں کو کچھ خاص کاموں کے لئے روپے دیدئے گئے ہیں۔ ان کی انتظامی کمیٹی ایک ایسے سبھاپتی کے ساتھ جو سرکاری ملازم نہ ہوگا۔ ان کاموں کو پورا کرے گی خاص کاموں کے لئے ان رقموں کی منظوری کے ساتھ ساتھ ہر ضلع سبھا کو دو ہزار روپیہ کی ایک ایسی رقم اور دی گئی ہے جو ضلع کی انتظامی کمیٹی اپنی رائے اور تجویز سے پبلک کے فائدے کے کاموں میں لگائے گی

ان ضلع سبھاؤں کو یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ دیہات سدھار کی ایسی نئی اسکیمیں بھی پیش کرسکتی ہیں۔ جن کے لئے گورنمنٹ نے کوئی رقم پہلے سے نہ رکھی ہو۔ اگر کوئی ایسی نئی اسکیم لائی جائے گی تو اس کو رورل ڈولپمنٹ افسر دوسرے ماہر لوگوں کے ساتھ جانچیں گے۔ اور اگر اسکیم ٹھیک ٹھہرے گی تو ایک خاص رقم اس کے لئے منظور کی جائے گی۔

اوپر جو کچھ کہا گیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رورل ڈولپمنٹ افسر کا کام یہ ہے کہ وہ سب ضلعوں کے کاموں کو بڑھنے میں مدد دے اور ان میں ایکا سا رکھے۔ لیکن اصلی کام ضلع سبھائیں ہی اپنی جگہوں پر اپنی سمجھ سے کریں گی۔ جتنی سچائی محنت اور ہوشیاری سے یہ ضلع سبھائیں اپنے یہاں کام کریں گی۔ اتنی ہی اس اسکیم کو کامیابی ہوگی۔

سارا کام ایسے ہاتھوں میں اسلیے لوگوں کی دیکھ بھال میں ہوگا جو سرکاری ملازم نہیں ہیں اس لئے اس اسکیم کو پبلک سچے جی سے پسند کرے گی۔ اور اس کی طرف سے کسی کو کوئی شک نہ ہوگا۔ اسی کے ساتھ ساتھ گورنمنٹ کے افسر اور ماہر لوگ اپنے تجربے سے مدد پہنچائیں گے جس سے کام چلانے میں سہولت رہے گی اور کامیابی ہوگی

کام کرنے والوں کو سکھایا گیا ہے

ہمارے صوبہ میں نئی حکومت نے گاؤں سدھار کا کام ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ، ڈسٹرکٹ انسپکٹر اور آرگنائزروں کی بھرتی سے شروع کیا تقریب قریب ایک ہزار آرگنائزرس چنے گئے اور گاؤں کے کاموں کے لئے سکھائے گئے۔ جو بالی سال بیت گیا۔ اس میں یہ آرگنائزرس گاؤں سدھار کا کام پھیلانے کیلئے ضلعوں کو بھیج دیے گئے۔ بعد میں ان کو کچھ فن کی باتیں سکھانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس کام کے لئے چھ شہر مقرر کئے گئے ہیں گورکھپور، اٹاوہ، مین پوری، میرٹھ، فیض آباد، اور کانپور چالیس۔ چالیس کے جتھے میں آرگنائزرس ان شہروں میں جا کر ٹرینگ لیں گے۔ پہلا جتھہ ٹریننگ لے رہا ہے۔

اچھے بیج کا انتظام

گاؤں سدھار کے سلسلہ میں سب سے پہلے کھیتی کی طرف دھیان دیا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ گاؤں والوں کا سب سے بڑا سہارا کھیتی ہے محکمے نے ۴۰۲ جگہیں چنی ہیں۔ جہاں بیج کا گودام کھولا جائیگا ان سے صوبہ بھر میں اچھے سے اچھے بیج کسانوں کو ملیں گے ایگریکلچر لا سپروائزروں اور کامداروں کی بھرتی ہو رہی ہے۔ یہ لوگ ان گوداموں میں کام کریں گے۔ اور ان کی دیکھ بھال رکھیں گے۔ محکمہ زراعت ان گوداموں کو اچھے بیج پہنچانے کا انتظام کر رہا ہے۔ بیج اکتوبر کے پہلے ہفتے سے کسانوں کو دیا جانے لگیگا۔ جو آنے والی ربیع میں بویا جاسکیگا امید کی جاتی ہے کہ آنے والی فصل اچھے بیج کے بونے کا رقبہ ڈھائی لاکھ ایکڑ اور بڑھ جائے گا۔

اچھے ہل پھیلانے کی کوشش

کھیتی کو ترقی دینے کے لئے دوسری کوشش یہ ہو رہی ہے کہ کسانوں کو زیادہ اچھے کھیتی کے سامان دیے جائیں۔ پچھلی "خریف" کی فصل میں ہر ضلع میں مسٹن ہل سے بہت سے کھیت جوت کر دکھائے گئے انتظام کیا جا رہا ہے کہ ان ۴۰۳ بیج کے گوداموں میں سے ہر گودام میں سوا سو روپیہ کے اچھے ہل اور گرہستی کے دوسرے اچھے سامان رکھے جائیں۔ جنہیں کسانوں کو دکھا کر ان کا استعمال اور فائدہ بتایا جائے۔

. . . .

اچھی کھاد تیار کی جا رہی ہے

اچھی کھاد تیار کرنے کی بھی پوری کوشش کی جا رہی ہے گرام سدھار کے بہت سے گاؤں میں اب سائنٹفک طریقے پر کھاد کے گڑھے تیار کئے گئے ہیں۔ سبزی کی کھاد بنائی جا رہی ہے اور برسات کا پانی اکٹھا کرنے کی جگہیں تیار کی جا رہی ہیں ان کے گوداموں میں ایسی کھادیں بھی رکھی جائیں گی جو دواؤں سے تیار کی جاتی ہیں۔ کسانوں کو برابر ابھارا جائے کہ وہ ایسی کھاد اپنے کھیتوں میں استعمال کریں۔

سینچائی کا اچھا سامان

کھیتوں میں سینچائی کی سہولت پیدا کرنے کیلئے پوربی ضلعوں میں کنوؤں کو بورنگ کرنے کا کام بڑی مستعدی سے شروع کر دیا گیا ہے پانچ سال کا پروگرام بنایا جا رہا ہے جس میں سینچائی کا کام پورا کر دیا جائیگا۔ آنے والے جاڑے کے موسم میں ۴۰۰ کنوؤں میں بورنگ ہو جائیگی۔

جوتنا بونا سکھایا جائے گا

کھیتی کا اچھے طریقے سے پرچار کرنے کے لئے بیج گودام کی طرف سے ان کسانوں کے کھیتوں میں جو اس پر راضی ہوں گے کام کر کے دکھایا جائیگا۔ ہر بیج گودام کو اس کام کے لئے ڈیڑھ سو روپے دیے جائیں گے۔

اچھے بیل بڑھائے جا رہے ہیں

مویشیوں کی اچھی نسل بڑھانے کی بھی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ چھوٹی اور بڑی ذات کے بیلوں کو بدھیا کر کے بیلوں کی نسل کو بچایا جا رہا ہے۔ اور ان کی جگہ پر بڑی اور اچھی ذات کے بیل لا کر رکھے جا رہے ہیں۔ اس کام کے لئے ایک لاکھ روپیہ الگ کر دیا گیا ہے۔

اچھی نسل کے مویشی بڑی تعداد میں رکھنے کا انتظام ضلع آگرہ میں کیا گیا ہے۔ یہاں سے اچھی نسل کے مویشی تمام پچیس ضلعوں میں پہنچائے جائیں گے۔ پوربی ضلعوں کے لئے پرتاب گڈھ، بلیا اور مرزا پور میں ایسا ہی انتظام کیا جا رہا ہے۔

پورے صوبہ میں ۵۰ سنٹر ایسے کھولے جا رہے ہیں۔ جہاں اچھی نسل کے مویشی بڑھانے کی پوری کوشش کی جائے گی۔ اور ایسی باتیں کی جائیں گی جس سے اس کام میں سہولت پیدا ہو۔

مویشیوں کی بیماری دور کرنے اور ان کو اچھا بنانے کی طرف بھی پورا دھیان رکھا جائیگا۔ ان جگہوں پر سکھائے ہوئے لوگ رکھے جائیں گے۔ جن کو شالہ مین کہا جائیگا۔ ان لوگوں کا چناؤ ہو گیا ہے۔ اور اب ان کو مویشیوں کے متعلق سب ضروری باتیں بتائی جا رہی ہیں۔

مویشیوں کیلئے چارہ کا انتظام

اس کے لئے محکمۂ جنگلات سے مدد لی جا رہی ہے۔ سہارنپور، گونڈا اور بہرائچ کے جنگلوں میں گاؤں سدھار کے آدمی بھیجے گئے ہیں جو وہاں کے افسروں کی مدد سے ٹریننگ حاصل کریں گے وہ دو مہینے کی ٹریننگ کے بعد گاؤں میں واپس آ جائیں گے۔ سکیم یہ ہے کہ ہر گاؤں میں ایندھن اور چارہ کے لئے پودے لگائے جائیں۔ اس اسکیم سے گاؤں کی وہ اوسر زمینیں بھی کام میں آ جائیں گی۔ جو بیکار پڑی رہتی ہیں۔

ہردوئی، بریلی۔ پیلی بھیت، بجنور، بلند شہر، میرٹھ اور مظفر نگر کے ضلعوں میں یہ پودے لگانا شروع کر دئے گئے ہیں۔ اب تک ۱۶۰ ایکڑ اس کام میں آ چکے ہیں۔ بلند شہر، میرٹھ اور بدایوں میں چراگاہیں تیار کی گئی ہیں۔ پرتاب گڈھ، بریلی اور میرٹھ میں پودوں کو اگانے اور بڑھانے کا کام پورے طور پر کھول دیا گیا ہے۔

اچھے پھل پیدا کرنے کا پروپیگنڈا

مویشیوں کے چارے کے ساتھ ساتھ آدمی کے کھانے کی چیزوں کو بھی سدھارنے اور زیادہ اچھی بنانے کی کوشش گاؤں سدھار کی طرف سے ہو رہی ہے۔ پھلوں کا کاروبار بڑھانے اور اچھے اچھے پھل پیدا کرنے کا پروپیگنڈا کسانوں میں کیا جا رہا ہے۔ اس کام کے لئے ہی کئی ضلعوں میں سنٹر بنا دئے گئے ہیں۔ جولائی ۱۹۳۶ء میں فیض آباد میں پھلوں کے بڑھانے کا ہفتہ منایا گیا اور صوبے کے دوسرے حصوں نے بھی اگست کے پچھلے ہفتہ میں ایسا ہی ہفتہ منایا۔ گاؤں والوں کو اچھے اچھے پھلوں کے پودے بہت کم دام پر پہنچائے جاتے ہیں۔

ان پڑھ لوگوں کو پڑھایا جا رہا ہے

گاؤں والوں کی مالی حالت کو سدھارنے کے ساتھ ساتھ ان کے دماغ میں بھی اجالا پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ پنچایت گھر اور دوسرے منڈلوں وغیرہ کے ذریعے ان کی سماجی زندگی اچھی کرنے کی کوشش تو ہو رہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بالغ لوگوں کو تھوڑا بہت پڑھانے کے لئے رات کے اسکول کھولے جا رہے ہیں اور بچوں بچیوں کے لئے دوسرے اسکول، لائبریری، کتاب گھر کھولے جا رہے ہیں۔ گاؤں سدھار کا محکمہ اس وقت ۱۵۰۰ اسکول چلا رہا ہے۔ جن میں گاؤں کے بالغ لوگ پڑھتے ہیں۔

گاؤں میں لائبریریاں

اب تک ڈھائی سو سنٹر ایسے چنے گئے ہیں۔ جہاں لائبریریاں کھولی جائیں گی۔ ہر لائبریری کو ڈھائی سو روپیہ کی کتابیں اور رسالے منگا کر دئے جائیں گے۔ قریب قریب دو ہزار ریڈنگ روم بھی گاؤں سدھار کے سنٹروں میں کھولے گئے ہیں۔ جہاں گاؤں والے بیٹھ کر اخبار پڑھتے ہیں۔ گاؤں والوں کی دلچسپی کے اخبار اور رسالے ان جگہوں پر منگائے جاتے ہیں۔

گاؤں میں ریڈیو

دیہاتوں میں ان چیزوں کے ساتھ ساتھ گراموفون میجک لالٹین اور ریڈیو سیٹ بھی دئے جا رہے ہیں۔ اس سے گاؤں والے دنیا کی باتیں جانتے ہیں۔ اس سے ان کا جی بھی بہلتا ہے۔

نمائشیں بھی ہوں گی

گاؤں میں کبھی کبھی نمائشیں بھی ہوتی رہیں گی۔ جس سے گاؤں والے صنعت و حرفت میں بھی ترقی کریں گے۔ اور ان کا بہت اچھا جی بہلاؤ بھی ہوگا۔ محکمۂ گاؤں سدھار کی موٹر لاریاں بھی جنہیں پبلسٹی وان کہتے ہیں گاؤں میں برسات جاتے ہی پہنچنے لگیں گی۔ وہ صوبے کے بہتیری حصوں میں جائیں گی اور اس طرح گاؤں والوں کا جی بہلاؤ ہوتا رہیگا

اچانک دکھوں میں مدد

محکمہ گاؤں سدھار کے کام کرنے والوں کو ان کاموں کے ساتھ ساتھ جو ان کو ہر حالت میں کرنے ہیں۔ اچانک مصیبتوں کے وقت بھی گاؤں والوں کی مدد کرنی پڑتی ہے۔ جو وہ خوشی سے کرتے ہیں۔ جیسے پچھلے کالے کی بیماریوں میں اور اس کے بعد بہیا میں ان لوگوں نے اپنے دیہاتی بھائیوں کے دکھ کم کرنے کی کوششیں کی ہیں۔

گاؤں سدھار کا کام بہت دیر رہا ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر آس بندھتی ہے کہ اتنے ہی دنوں میں گاؤں والے اس کام کا فائدہ سمجھنے لگے ہیں

اور وہ اس میں دلچسپی لینے لگے ہیں۔ سچ پوچھئے تو یہی سب سے بڑا کام ہے۔ کہ گاؤں میں ایک جاگ پیدا ہو جائے۔

کتائی کے آشرم

گاؤں والوں میں گھریلو صنعت کو بڑھانے کا پرچار کیا جا رہا ہے۔ کوئی نہ کوئی گھریلو صنعت صوبے کے ہر حصے میں سکھائی جا رہی ہے۔ چرخہ اور سوت تو بہت سے چھیروں کے بیچ کہانی دینے لگے ہیں۔ دو آشرم پرتاب گڑھ اور گورکھپور میں خاص طرح سے کھولے جا رہے ہیں جن میں کام کرنے والے سکھائے جائیں گے۔ اور اس کی ٹوہ اور کھوج کی جائے گی کہ کتائی میں کیسے آسانی پیدا کی جائے اور کیسے اس کو ترقی دی جائے۔

مدماکھی گھر

بریلی کے گھریلو صنعت کا کام کرنے والے ٹوکریاں بنانے میں جا بانو کو مات کر دینے پر اٹھی سے تلے ہوئے ہیں۔ رفتح پور میں گاؤں سدھار کے آرگنائزروں کو شہد کی مکھیاں پالنا اور شہد نکالنا سکھایا گیا جہاں سے پلٹ کر وہ لوگ دوسرے دوسرے ضلعوں میں اس کام کو شروع کرنے کے لئے گئے۔ جیو لیکوٹ کمایوں میں ایک خاص مدماکھی گھر تیار کیا جا رہا ہے۔

صنعتی آشرم

فیض آباد کے گاؤں رینوا اور اناؤ کے گاؤں گنگا گھاٹ میں دو خاص صنعتی آشرم کھولے جا رہے ہیں۔ جن میں لڑکوں کو کتائی رنگائی چھپائی، بنائی، بڑھئی گیری، کھال نکالی، چمڑے کا کام۔ کاغذ بنانا ٹوکری بنانا اور لوہاری کے کام سکھلائے جائیں گے۔

یہاں سے یہ لڑکے سیکھ کر پورے صوبے کے گاؤں میں پھیل جائیں گے۔ وہ ہر ضلع کے گاؤں سدھار کے سنٹر میں پہنچ کر گاؤں میں صنعت و حرفت بڑھائیں گے۔ ان کے ساتھ ساتھ ۰، ماہر اور استاد اور ۹ سکھلائے ہوئے بننے والے نوسکھیوں کے کاموں کی دیکھ بھال اور لوگوں کو اپنے کام دکھا کر کام سکھانے کے لئے نئی نئی جگہوں پر جہاں ضرورت ہے۔ صنعتی سنٹر کھولنے کے لئے گاؤں میں جائیں گے۔

صوبے میں ۱۰۰ گودام ایسے کھولے جا رہے ہیں۔ جہاں ان صنعتی لوگوں کیلئے کچا مال اور دوسرے سامان رکھے جائیں گے۔ ان گوداموں میں سے ہر ایک کو تین سو روپیہ اس کام کے لئے دیا جائے گا۔ پچیس ہزار روپیہ اس لئے دیا گیا ہے کہ اس سے سامان رکھے جائیں اور نہ کم داموں پر لوگوں کو دئے جائیں لکھنؤ ان مال کے گوداموں کا سب سے بڑا ہیڈ کوارٹر ہوگا۔ ان کاموں میں گاؤں والوں کو مالی مدد دینے کے لئے کواپریٹو کریڈٹ سوسائٹیاں کواپریٹو ڈپارٹمنٹ کے ساتھ ہو کر بنائی جا رہی ہیں۔

تندرستی کا خیال

گاؤں سدھار کے کام کرنے والوں کو ایک اور بڑا کام کرنا پڑتا ہے اور وہ گاؤں والوں میں صحت اور تندرستی کا پرچار ہے۔ گاؤں والے صفائی کا کافی خیال نہیں رکھتے۔ وہ اپنے گھروں اور گاؤں کو صاف ستھرا گندگی سے دور رکھنے پر دھیان نہیں دیتے پانی کے نکاس کے لئے نالیوں کا بنانا کنوؤں کی صفائی، گھر کے بھیتر صاف اور تازہ ہوا آنے کا انتظام۔ گھروں کو ایک دوسرے سے ہٹ کر بنانا، گڑھے پاٹنا، راستہ نکالنا۔ اور ایسی ہی بہت سی باتوں کو گاؤں سدھار کے لوگ گاؤں والوں سے پورا کراتے ہیں۔ جس سے گاؤں کی حالت اب پہلے کی نسبت بہت اچھی ہوتی جا رہی ہے۔

دوائی کی مدد

گاؤں والوں کو بیماریوں سے بچانے اور ان کے بیماروں کو اچھا کرنے کے لئے۔ اس بات پر خاص طور پر دھیان دیا گیا ہے کہ جتنے زیادہ ڈاکٹر، حکیم اور وید رکھنا ممکن ہو سکیں۔ گاؤں میں رکھے جائیں۔ دو ایلوپیتھک کے دواخانے اور چار یونانی آیورویدک دواخانے ہر ضلع میں کھولے جا رہے ہیں۔ ان میں سرٹیفیکیٹ پائے ہوئے ڈاکٹر حکیم اور وید ہوں گے۔ جو ہسپتالوں میں دوائیاں دینے کے بعد اپنے اپنے حلقے میں دیکھ بھال اور تندرستی کا ڈھنگ بتلانے کے لئے گھومتے رہیں گے۔ امید ہے کہ اس اسکیم سے ہر چار میل کے اندر ڈاکٹر حکیم یا وید کی مدد دیہاتوں میں مل جائے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ پچاس ہزار روپیہ ڈسٹرکٹ بورڈوں کو دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے گاؤں کے دواخانوں کو ضروری دوائیں منگا کر دیں اور اس طرح گاؤں والے اس سے فائدہ اٹھائیں۔

ہل

مشرق بعید میں جاپان کی بیداری

از جناب سید ممتاز علی صاحب ترقی پی، اے ۔ ایل ۔ ایل بی عثمانیہ

طرز معاشرت و معیار زندگی کا اثر ملک و قوم کی اصلاح و ارتقا پر نامعلوم طریقے پر مرتب ہوتا رہتا ہے۔ بلند پایہ طرز معاشرت عمدہ و سادہ زندگی، اعلیٰ و درخشاں مستقبل کی ضامن ہوتی ہے۔

بہترین معاشرت کی اولین اور سب سے اہم صفت یہ ہے کہ وہ کم خرچ، سادہ، مہذب انسان کے ہر شعبۂ زندگی میں ممد و معاون ہو۔ معاشرت بادی النظر میں معمولی اور غیر اہم چیز معلوم ہوتی ہے لیکن یہی معاشرت و طرز زندگی انسان کی ذہنی، دماغی، جسمانی، روحانی، اخلاقی، تمدنی، مذہبی، قومی، سیاسی، علمی، جذبات و کیفیات کا سرچشمہ و گہوارہ بن سکتی ہے۔ انسان اپنی اعلیٰ دماغی و ذہنی قوتوں کی وجہ سے "اشرف المخلوقات" کے امتیازی خطاب سے سرفراز فرمایا گیا۔

قوائے ذہنی و دماغی آغوش تمدن میں نشو و نما پاتے ہیں اور تمدن مرکب ہے اعلیٰ طرز معاشرت و سادہ زندگی سے۔ یہ عمدہ معاشرت و سادہ زندگی جاپانیوں کو من حیث الجماعت حاصل ہے۔ ان کی زندگی کا معیار جیسا کہ ایک عام مقولہ (Simple Living + High Thinking) معمولی زندگی اور اعلیٰ تخیلات کی بموجب ہے۔

اب ہم ذرا تفصیل سے ہر شعبۂ زندگی پر ایک غائرانہ نظر ڈالیں گے۔ جاپان میں (۸۰) روپیہ ماہوار کی آمدنی والا شخص معہ اپنے خاندان کے (جو سات آٹھ افراد پر مشتمل ہو) بہت عمدہ طریقہ پر راحت و خوش حالی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا ہے۔ ماہانہ اخراجات کس عمدگی و سلیقہ سے کئے جاتے ہیں حسب ذیل تفصیل سے ظاہر ہوں گے:۔

(۱) کرایہ مکان	۱۵/
(۲) اخراجات خورد و نوش ماہانہ	۲۵/
(۳) دیگر ضروری مصارف خانگی	۱۳/
(۴) ملبوسات جملہ افراد خاندان	۱۰/
(۵) اخراجات برائے تعلیم و تربیت اطفال	۱۰/
(۶) تفریح و سفر	۳/
(۷) جمع بنام	۵
جملہ میزان خرچ ماہانہ	۸۰/

جاپان میں کھانے کا خرچ بہت کم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جاپانی بہت کم مقدار میں گوشت، گھی، دودھ استعمال کرتے ہیں۔ ان کی غذا زیادہ تر چاول، مچھلی، انڈا، ترکاریاں سیب وغیرہ کے شوربہ پر مشتمل ہوتی ہے اقوام عالم جو مرغن، دیرہضم ثقیل غذا استعمال کرتی ہیں وہ متمدن اقوام کے دماغی اور ذہنی اعتبار سے دوش بدوش نہیں ہیں میں اپنے اس دعوے کی دلیل نہیں پیش کرنا چاہتا بلکہ ناظرین با تمکین کی صوابدید پر اکتفا کرتا ہوں۔

"صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے"

اب ہم اپنے ملک کی مرغن غذاؤں اور پرتکلف اور اگر ناظرین اجازت دیں تو پرتکلف دعوتوں پر اجمالاً تبصرہ کریں گے۔ ہمارے یہاں دعوت کیا ہوتی ہے بلکہ "عداوت" کیونکہ اس "دعوت نما عداوت" میں ایک شریف انسان کے اعضاء رئیسہ دل و دماغ، معدہ، جگر کی تباہی کے ممکنہ انتظامات کئے جاتے ہیں۔ بریانی و پلاؤ جس کا ہر لقمہ روغن ریز ہوتا ہے دعوت کا جزو لاینفک قرار دیا گیا ہے۔ ہندوستانی دعوتوں میں دو قسم کے نقصانات ہوتے ہیں۔ اولاً داعی کو بہت زیادہ اور بے جا مصارف برداشت کرنے ہوتے ہیں ثانیاً مہمانوں کو امراض شکم کا شکار ہونا پڑتا ہے اس طرح ہندوستانی مفلس قوم کا ایک بڑا حصہ ان مہمل دعوتوں کے نذر ہو جاتا ہے۔ کاش یہی روپیہ ملک و قوم کی فلاح و بہبود کے لئے صرف ہوتا۔

جاپان میں مکانات لکڑی کے دو منزلہ ہوتے ہیں۔ ان مکانات میں عام طور پر فرنیچر نہیں ہوتا۔ میز کرسی کے بجائے عمدہ فرش بچھایا جاتا ہے

فرش پر ایک عمدہ قسم کی نفیس باریک چٹائی چڑھی ہوتی ہے جو روزانہ کپڑے سے صاف کی جاتی ہے۔ گھر پلنگوں کے بکھیڑے سے پاک ہوتے ہیں۔ جاپانی گھر سادگی، صفائی، خوب صورتی کے نمونے ہوتے ہیں۔" روزمرہ کے کپڑوں پر جاپانیوں کو زیادہ مصارف برداشت کرنے پڑتے ہیں کیوں کہ ان کو دو قسم کے ملبوسات رکھنے پڑتے ہیں ایک اپنا قومی لباس یعنی "کمونو" جس میں تین کپڑے شامل ہوتے ہیں۔ (۱) سیاہ کمونو (۲) سیاہ چادری یعنی کمونو کے اوپر پہننے کا جبہ جس پر ان کا خاندانی نشان ہوتا ہے (۳) ہنکامہ یعنی سایہ گاؤن۔ دوسرا لباس سوٹ جو عام طور پر جاپانی پہنتے ہیں۔ آبادی کی مناسبت سے دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں ہے۔ جہاں اس قدر علمی و ادبی ماحول ہو جاپان ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں سب سے زیادہ اخبارات رسائل شائع ہوتے ہیں۔ ہر چھوٹے سے چھوٹے قصبہ میں اخبارات کی ایجنسیاں قائم ہیں جو بہت ارزاں قیمت پر اخباروں کو فروخت کرتی ہیں۔ ایک ین یعنی ۱۲ ار ماہوار میں صبح و شام گھر بیٹھے اخبار پہنچ جاتا ہے۔ جاپان کا سب سے بڑا مستند اخبار "توکیو اساہی" ہے جو ۱۸۱۸ء میں جاری ہوا۔ دوسرا مشہور اخبار "اوساکا اساہی" ہے جو شہر اوساکا سے شائع ہوتا ہے۔ جاپان کی معاشرت کو اگر ہم ۲۰، ۲۵ سال قبل کے آئینہ میں دیکھیں تو ہمیں بخوبی اندازہ ہوگا کہ اس چھوٹے سے ملک نے ہر شعبۂ زندگی میں کیسی محیر العقول ترقی کی ہے۔

شادی

"ہر ملکے ہر رسمے" جاپان چونکہ مشرق بعید کا ایک متمدن ملک ہے اس لئے یہاں کی معاشرت، تعلیم، لباس، اخلاق، عادات ہر چیز مشرق زدہ ہے۔ گو مغرب کا جادو یہاں بڑی حد تک چل چکا ہے لیکن اب بھی مشرقیت غالب ہے۔ جاپانیوں کی سب سے بڑی اور مابہ الامتیاز خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے ملک، قوم، خاندان و ناموس وطن کے لئے تن من دھن کی بھینٹ چڑھانے کے لئے ہمیشہ تیار ہی نہیں بلکہ مضطر رہتے ہیں۔ ان میں تحفظ نسل و بقائے خاندان کا جذبہ بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اسی اعلیٰ جذبہ کے تحت ہر نوجوان جاپانی شادی کو اپنا فرض اولین سمجھتا ہے۔ لڑکی کے لئے بر تلاش کرنا بزرگ خاندان کے سپرد ہوتا ہے۔ عام طور پر ان شادیوں کے معاملات طے کرنے کے لئے ایک شادی شدہ جہاں دیدہ مخلص دوست ہوتا ہے جس کو "نکودو" جاپانی اصطلاح میں کہتے ہیں اس کا یہ فرض ہوتا ہے کہ طرفین کو مفصل و صحیح خاندانی حالات و واقعات سے آگاہ کرے "نکودو" کا فرض صرف اس قدر ہی نہیں کہ وہ نکاح کرادے

بلکہ وہ زن و شو کی کامیاب زندگی کا ضامن قرار دیا جاتا ہے۔

اس موقع پر ہندوستان کی "مشاطگی" پر کچھ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اکثر و بیشتر شادیاں ہمارے ملک میں "مشاطہ" کے ذریعے ہوا کرتی ہیں۔ میں اس کے سمجھنے سے آج تک قاصر ہوں کہ اس مبارک تقریب میں اس "ناقص ذریعہ" کا استعمال کیوں کیا جاتا ہے! مشاطہ والدین و افراد خاندان کو سخت مغالطہ و غلط فہمی میں رکھتی ہیں۔ غالباً ہر مشاطہ کو اپنے پیشہ کے اعتبار سے حسب ذیل حلف دیا جاتا ہے۔

"میں شیطان کو اپنا سرپرست اعلیٰ سمجھ کر یہ اقرار کرتی ہوں کہ عمر بھر جھوٹ، مکر، فریب، دغا، غلط بیانی بیجا تعریف و تحسین سے کام لوں گی۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو سبز باغ دکھا کر دھوکا دینے کی ممکنہ کوشش کروں گی۔ تعلیم یافتہ جاہل" والدین کی عقلوں پر پردہ ڈالنا میرا فرض اولین رہے گا۔"

ظاہر ہے کہ اس حلف نامہ کے بعد کوئی عقل مند مشاطہ اس کی خلاف ورزی نہیں کرسکتی۔ مشاطہ کے ذریعہ جو شادیاں ہوتی ہیں ان میں اکثر شادیاں ناکامیاب ثابت ہوتی ہیں۔ یہ محض ہمارے یہاں کی غلط و ناقص طرز معاشرت کا نتیجہ ہے۔

جگر پارے

از حضرت جگر مراد آبادی

ہر اک جان و تن میں سماتا چلا جا
محبت کی بستی بساتا چلا جا

مئے شوق پیتا پلاتا چلا جا
یونہی لوٹتا چل لٹاتا چلا جا

مبارک یہ عزم سفر تجھ کو لیکن
رلاتا اٹھا ہے ہنساتا چلا جا

جوانی دوانی اسی کام کی ہے
کہ بس لوٹتا چل لٹاتا چلا جا

ترے ہر نفس میں ہزار آندھیاں ہیں
انہی آندھیوں کو اٹھاتا چلا جا

محبت کی دریا کا طوفان بن کر
خس و خار کو بھی بہاتا چلا جا

ضرورت ہے پھر جس کو تخریب نو کی
وہ تعمیر بوسیدہ ڈھاتا چلا جا

کہیں نکلے تو ابر رحمت برس چل
کہیں برق غیرت گراتا چلا جا

محبت کے فتنہ بہت کام کے ہیں
نہ سونے دے ان کو جگاتا چلا جا

سر طور چمکی تھی جو چند ساعت
دلوں پہ وہ بجلی گراتا چلا جا

قدم رک نہ جائیں جو حائل ہوں پردے
ہٹاتا، اٹھاتا، ہلاتا چلا جا

محبت کی گہرائیوں میں سما کر
رگ جاں پہ نشتر لگاتا چلا جا

ابھی کوئی منزل نہیں تیری منزل
ابھی پائے ہمت بڑھاتا چلا جا

کہاں کے مناظر کہاں کے مظاہر
تو خود اپنے نزدیک آتا چلا جا

یہ سب کچھ ہے در پردہ راز حقیقت
جگر یوں نہ دامن بچاتا چلا جا

زہرِ عشق

از جناب ماہر القادری

اردو شعرا میں یوں تو بہت سے شاعروں نے مثنویاں لکھی ہیں، لیکن مثنوی میر حسن، گلزارِ نسیم اور "زہرِ عشق" سب سے بلند، ممتاز اور ہر لحاظ سے قابلِ قدر ہیں۔ میر حسن کی مثنوی کا کمال یہ ہے کہ اس میں مناظر و مقامات کی جزئیات کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، جب میر حسن بادشاہ کے کسی محل کا ذکر کرتے ہیں، تو پائیں باغ کے فواروں سے لیکر بارہ دری کے پردوں تک کی تفصیلات بیان کرکے دم لیتے ہیں، جن کو پڑھکر، پڑھنے والا، یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ سچ مچ کسی شاہی محل میں بیٹھا ہوا ہے۔ گلزارِ نسیم کا کمال اس کا ایجاز و اختصار ہے، اختصار و ایجاز کی شدت میں، عام طور پر طرزِ بیان میں ژولیدگی پیدا ہو جاتی ہے اور شاعر کا مافی الضمیر پورے طور پر ادا نہیں ہوتا۔ لیکن پنڈت دیاشنکر نسیم نے، اپنی مثنوی میں ایجاز کا معجزہ پیش کر دیا ہے، اور شاید ایک جگہ بھی، مطلب میں الجھن پیدا نہیں ہوئی۔ گل بکاؤلی کا جب پھول چوری گیا ہے، اور اس نے نیند سے بیدار ہونے کے بعد جو گفتگو کی ہے، اس کے جذبات کی ترجمانی حقیقت یہ ہے کہ شاعری کا اعجاز ہے۔

ان دونوں مثنویوں کے کمال کے اعتراف کے بعد ہم اس کی حقیقت کے ظاہر کرنے میں قطعاً جھجک محسوس نہیں کرتے کہ نواب مرزا شوق کی مثنوی "زہرِ عشق" ان دونوں مثنویوں سے زائد تاثیر انگیز اور نفسیاتی ہے، مناظر کی ترجمانی کے مقابلہ میں نفسیات کی ترجمانی بہت مشکل ہے، مرزا شوق نے حقیقت یہ ہے کہ ایک ایک مصرعہ میں اپنے دل و جگر کے لہو کی بوندیں جذب کر دی ہیں۔ پتھر سے پتھر دل رکھنے والا انسان بھی ناممکن ہے کہ مثنوی زہرِ عشق کو پڑھکر بے قرار نہ ہو جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مثنوی کا ایک ایک شعر بالکل نفسیاتی اور تصنع، مبالغہ اور تکلف سے کوسوں دور ہے۔ اور یہی چیز شعر کی جان ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص جذبات کے ہاتھوں بیقرار اور مجبور ہو کر، آپ بیتی سنا رہا ہے۔ وہ اس ارادہ اور قصد کے ساتھ شعر نہیں کہہ رہا، کہ لوگ اس کو سن کر متاثر ہوں، بلکہ اس طرح، جیسے ایک آدمی چوٹ لگنے کے بعد چیخ اٹھتا ہے۔ اس تصور کے بغیر کہ لوگ اس کے چیخنے سے متاثر ہوں گے۔ شاعر بھی بیتی ہوئی کہانی سنا رہا ہے۔

اردو زبان بہت سے انقلابات سے گزر چکی ہے، اور موجودہ دور میں تو سیاسیات کی بدولت، زبان میں بہت سے نئے نئے الفاظ، ترکیبوں اور خیالات کا اضافہ ہو گیا ہے۔ مگر آج بھی "زہرِ عشق" کی گھلاوٹ اور تاثیر میں کمی نہیں ہوئی۔ اس کے نشتر آج بھی دل کو برماتے ہیں، اور اس کو پڑھکر اب بھی پلکیں بھیگ جاتی ہیں۔ زہرِ عشق کو دنیا کی بڑی سے بڑی شعر کی کتاب کے مقابلہ میں رکھا جا سکتا ہے، اگر ایسی کتاب یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہوتی تو اس کے لکھنے والے کے نام پر نہ معلوم کتنی سوسائیٹیاں انجمنیں قائم ہو جاتیں۔ مگر ہندوستان میں جب سے غیر ملکی زبانوں کے تراجم کی بھرمار ہوئی ہے۔ ہماری زبان کے بہت سے مصنفوں اور شاعروں کو لوگ بھولتے جا رہے ہیں، اور یہ ملک کی بہت بڑی بدنصیبی ہے۔

افسوس ہے کہ نواب مرزا شوق کا کوئی مبسوط تذکرہ بھی اردو زبان میں موجود نہیں ہے۔ چند واقعات بعض جگہ ملتے ہیں، لیکن ان سے ایک تشنۂ ادب کی پیاس نہیں بجھ سکتی۔ ضرورت ہے کہ کوئی لکھنؤ کا ادیب اس کام کو سرانجام دے۔

خواجہ میر درد دہلوی رح

(از محترمہ ج۔ ن۔ صاحبہ)

قدرت شاعری کا جذبہ ہر کس و ناکس کو ودیعت نہیں فرماتی بلکہ وہ مدتوں اس احساس جمیل کے امانتدار کی متلاشی رہتی ہے۔ اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ اپنا بیش بہا عطیہ کسی بلند خیال اور نکتہ رس دماغ کو سونپ دیتی ہے۔ ایسی ہی مبارک و مسعود ہستیوں کو تاما سیدا رحمن ہینے کا شرف حاصل ہوتا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
ہوا کرتا ہے تب جا کر چمن میں دیدہ ور پیدا

چنانچہ خواجہ میر درد کا وجود بھی انہی میں سے ہے۔ اس زندہ جاوید شاعر کے کلام پر تبصرہ سے مقصد یہ ہے کہ ہم جان سکیں کہ میکدہ سخن کے جرعہ نوشوں میں درد کا کیا رنگ ہے۔

نام و نسب

خواجہ میر نام۔ درد تخلص۔ پدر بزرگوار کا نام خواجہ محمد ناصر عندلیب سلسلۂ مادری خواجہ بہاء الدین نقش بندی سے ملتا ہے۔ نہایت ہی نجیب اور عالی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ پیری کا سلسلہ تا ہنوز جاری ہے۔

ابتدائے شاعری

تصنیف کا شوق خداداد تھا۔ بہت چھوٹی عمر میں لکھنا شروع کیا۔ عہد شباب میں ہی علم الکتاب کا ضخیم نسخہ تصنیف کیا۔ زبان نہایت شستہ اور منجھی ہوئی ہے۔ بندش اس قدر چست اور برجستہ ہے کہ میر و مرزا سے ٹکر کھاتی ہے بعض خامیاں ہیں مگر ناقابل لحاظ۔

وفات

خواجہ میر درد نے ۲۴ صفر یوم جمعہ ۱۱۹۹ھ کو ۶۸ برس کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ مصرعہ تاریخ یہ ہے:-

ہائے دنیا سے سدھارا وہ پیارا محبوب

آپ اپنے وطن مالوف میں ہی دفن کئے گئے اور وہیں ایک باغیچہ میں آپ کا خوبصورت مزار ہے۔

طرز کلام

اردو دیوان اگرچہ مختصر ہے مگر جو بھی کہا ہے خوب ہے بلکہ اپنے معاصرین میر و مرزا سودا سے بہتر ہے۔ چھوٹی چھوٹی بحروں میں بڑے بڑے گوہر آبدار نہاں ہیں۔ خیالات سنجیدہ و متین ہیں۔ ہر غزل ۸-۹ شعر کی ہوتی ہے۔ آپ ارکان اربعہ کے رکن رکین ہیں قصیدہ و مثنوی کبھی نہیں کہی ہجو سے زبان آلودہ نہیں ہوئی

طبعی خصوصیات

طبیعت نہایت غیور تھی۔ کبھی کسی کا مرہون منت ہونا پسند نہ کیا اور نہ ہی نوکری کی۔ فطرت میں شوق و جولانی تھی۔ سماع و سرود سے خاص شغف تھا۔ موسیقی میں مہارت تامہ حاصل تھی۔

رشتہ تلمذ

آپ کے گلشن علم کے خوشہ چینوں میں قائم۔ فراق اور دائم کا درجہ بہت بلند ہے اور ان نامی شاعروں کو خواجہ کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرنے پر سدا فخر رہا۔

نمونہ کلام

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

اللہ اللہ کس قدر بے ساختگی اور اچھوتا پن ہے۔ بے ثباتیٔ دنیا کی تصویر کس دلاویز پیرایہ اور کن دلچسپ الفاظ میں کھینچ کر رکھ دی ہے انسان کی پرشورش اور ہنگامہ خیز زندگی کا انجام اور اس کی چیرہ دستیوں کا خاکہ اس سے بہتر کیا ہوگا ؂

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا

اسلوب بیان اور فطرت نگاری ملاحظہ ہو "سادگی" اور "جوش" تو گویا کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا ہے شعر کیا ہے ایک آہ شرربار ہے جو کہ دھواں بن کر لب ترجمان پر آگئی ہے۔ ؂

پھرتی ہے میری خاک صبا دربدر لئے
اے چشم اشکبار یہ کیا تجھ کو ہوگیا

کتنا درد ہے۔ کس قدر سوز ہے۔ آنسوؤں کے فقدان کا شکوہ چشم اشکبار سے۔ کشتۂ فنا کی رسوائی کا گلہ باد صبا سے۔ اپنی بے بسی کا مرقع کتنے حسین الفاظ میں دکھا دیا ؂

حجاب رخ یار تھے آپ ہی ہم
کھلی آنکھ جب کوئی پردہ نہ دیکھا

"من و تو" کا جھگڑا کس نفاست سے چکا دیا۔ فلسفہ خشک کی بے آب و گیاہ کھیتی میں اپنے نام گہربار سے ابر معرفت کی بارش برسلوی۔ من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ کی تفسیر کن جمیل الفاظ میں پیش کی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں قادر الکلامی ؂

نظر جب دل پہ کی دیکھا تو مسجود خلائق ہے
کوئی کعبہ سمجھتا ہے کوئی سمجھے ہے بت خانہ

رفعت خیال قابل ستائش ہے۔ ایسے شاندار خیالات کا اختراع کلام کی پختگی اور جدت بیان کچھ درد ایسے پیکر کمال کا ہی حصہ ہے۔ اس مضمون کو بعد میں عرفی و غالب نے بھی باندھا ہے۔ چنانچہ عرفی شیرازی کہتے ہیں ؂

بہ کیش برہمناں آں کس از شہیدا نست
کہ در عبادت بت روئے سرزمیں بپرد

؂ میرے گناہ آتے ہیں کوئی حساب میں
اے درد میں نے جی میں کیا تھا حساب رات

غالب نے اس خیال کا اعادہ بار بار کیا ہے مثلاً ؂

آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گناہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

مگر اول الذکر نے کتنے سادہ الفاظ میں اپنے مرکوز خاطر کو ادا کیا ہے۔ مزید لطف کے لئے ذیل کی غزل دیکھئے۔

کیا ہوا مر گئے آرام ہے دشوار ہنوز
جی میں تڑپے ہے بڑی حسرت دیدار ہنوز
ہر لب زخم نمک سود ہے گو مشق سحر
شکوہ آلودہ نہیں پر لب اظہار ہنوز
موڑیو منھ نہ ابھی سوزن مژگاں ہم سے
ٹانکے زخموں میں تو میں کتنے ہی درکار ہنوز
ہے خیال اس کی ہی زلفوں کا دم آخر بھی
بندھ رہا ہے مری نظروں میں وہی تار ہنوز
اور تو چھوٹ گئے مر کے بھی اے کنج قفس
ایک ہم ہی رہے ہر طرح گرفتار ہنوز

اس غزل میں تشنہ کامان ادب کے لئے بہت کچھ ہے "لب زخم" کا "نمک سود" ہونا اور "لب اظہار" کا "سحر" سے شکوہ سنج کرنا اپنے اندر بہت کچھ رکھتا ہے۔ سرسری نظر ڈال کر محاسن سے اغماض خود نقاد کی بے بصری کی دلیل ہوگی۔ ؂

ہر جز کو کل کے ساتھ یعنی ہے اتصال
دریا سے در جدا ہے پہ ہے غرق آب میں

وحدت فی الکثرت کے ادق مسئلہ کا حل کس لطافت سے کیا گیا ہے۔ ہر جز کو اپنے کل سے وابستگی ہے۔ کثرت کو لباس وحدت میں ملبوس اور در کا "غرق آب" رہنا کتنی پیاری اور نادر تشبیہ ہے۔ ؂

زاہد اتنی خبر کی بھی خبر کچھ لیتا
ساتھ ہر دانہ تسبیح کے زنار بھی ہے

شوخی قابل لحاظ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زاہد سالوسی کو چڑانا مقصود ہے۔ رشتہ سبحہ کو زنار قرار دینا ندرت بیان اور جدت طبع پر دال ہے۔

حُسنِ تغزل

صاحبزادہ محمد عبدالشکور خاں صاحب بہادر منصور جنگ پرنس اعظم آف

جفا تو خیر، مگر رشک پر بنا ہوں میں — اسی کا نام وفا ہے تو بیوفا ہوں میں

خبر نہیں مجھے، کیا اُن سے کہہ رہا ہوں میں — وفورِ شوق میں مدہوشِ التجا ہوں میں

یہ کس طرح مجھے معلوم ہو کہ کیا ہے تُو — مجھے تو اپنی خبر بھی نہیں کہ کیا ہوں میں

ہیں اہلِ ظرف، کہ ناواقفِ اہمیّت — تجھے جو دیکھتے ہیں انکو دیکھتا ہوں میں

جفا جو ہوتی ہے طے اک مقام ہوتا ہے — کسی کے عشق میں مرہونِ ہر جفا ہوں میں

وہ کہہ رہے ہیں خبر اپنی بیخودی کی لو — گلہ جو اُن سے تغافل کا کر رہا ہوں میں

کہیں پھر اور کسی تک نہ بات جا پہونچے — تمہیں سے عرض ابھی تک تو کر رہا ہوں میں

مری برائی سے ظاہر بھلائی ہے تیری — مجھے بُرا نہ سمجھ تو اگر بُرا ہوں میں

جفائیں بڑھتی ہیں جتنی وفائیں کرتا ہوں — جفا نصیب باندازۂ وفا ہوں میں

فریبِ لطفِ نظر! پھر یہ دن نہ آئے گا — اس التفات کو محشر میں جانتا ہوں میں

شکور اُن سے ہی باندھی ہے آس پھر ورنہ
ہزار مرتبہ مایوس ہو گیا ہوں میں

میں چاہوں تو ایک حرف سے افسانہ بنا دوں

ٹ کی ٹکراہٹ

از صالحہ بیگم مخفی کلکتہ

ٹناٹن ٹناٹن ٹناٹن ٹن!! دھرم اور مذہب کی لوٹ پٹا ٹنگ اٹھا ٹیک رکھنے کے لئے کل بابو ٹنڈن لال جاٹ نے ٹالی کٹورے کے مکان میں ٹیٹا گڑھ کے تمام ہندو مسلم بھائی ٹاٹ میں شریک ہو جائیں۔

ٹینگرے والے ٹانڈا شاہ ہندو مسلم اتحاد پر لکچر دیں گے! ٹانڈا شاہ ٹاٹا نگر کے بھیجے ہوئے مولانا ہیں۔ اور بڑا ہیٹ پہنتے ہیں۔ ان کی نیاز نذر کے لئے جو بھائی آئیں ٹکٹ کی مٹھائی ضرور لیتے آئیں۔ ورنہ ٹیٹا گڑھ کے ہندو مسلم بھائیوں کا نام ہیٹا ہوگا"

ٹین کا کنستر گردن میں لٹکائے ایک ٹھوٹی ٹوٹی لکڑی سے پیٹ پیٹ کر ٹکوا نائی ٹولے ٹولے میں رٹ لگا رہا ہے۔

ٹکوے کے ساتھ ساتھ ٹولی کے ٹولی لڑکے ٹہلتے ٹہلتے نٹ پٹلوے کو ٹھٹھی لگا کر ہنستے ہوئے جا رہے تھے۔

ٹھنٹے [illegible] ہٹ کا دن کہ ایک بنگالی لڑکا [illegible] کے مجمع میں کچھ بھی [illegible] ٹکوا [illegible] کی ٹنگی ہوئی ٹیسری کو ٹھیان [illegible] میں تانتا ہوا [illegible] بھاگا لوگ ٹھٹھا مار کر ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔

ٹکوے کا ٹین ٹاہٹ میں اور زور زور سے ٹین پیٹنے لگا۔ یہاں تک کہ ٹین چپٹا ہو گیا اور لکڑی بھی ٹیاخ سے ٹوٹ گئی۔

ٹکوا تھک کر ٹوٹ سے چور تھا۔ ٹائیں ٹائیں بھی ختم ہو چکی تھی ٹین کے ٹوٹ جانے سے! لہذا ٹکو ٹڑوں ٹوں بول کر گھر چلا گیا ٹیٹا گڑھ میں ٹنڈن لال جاٹ کے یہاں ٹاٹا نگر سے مولانا ٹانڈا شاہ کی بلاہٹ ہو چکی تھی۔

ہو جا رہا تھا کہ حل ٹکی میں۔ [illegible] کی لیٹی کھیل لا خراج زمین ٹنڈن لال جاٹ کی تھی۔ اس پر ٹیکس کی نوٹس آئی تو ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ٹیکس بھاٹا [illegible] رہا تھا کہیں زمین ہاتھ سے چھٹ نہ جائے لوگوں نے بھی لوٹ پٹا ٹنگ سمجھا دیا۔ بس گھبراہٹ میں انہوں نے ٹوٹکے ٹونے کے لئے ٹانڈا شاہ کو بلا منگایا کلکٹر صاحب کو جب چٹھی لکھ دی۔ آخر کلکٹری سے ان کے ٹیکس کا جھنجھٹ ٹل گیا۔

گویا ٹانڈا شاہ کی ٹکی بھر کی زبان کی تاثیر سے ان کی بلا ٹل گئی

ٹانڈا اور ٹنڈن آئے دن ہندو مسلم کھٹ پٹ (فسادات) سے بیزار تھے۔ ٹنڈن نے سوچا ٹانڈا کی طرح [illegible] مسلمان آج تک نہ دیکھا۔ بہتر ہوگا اگر ان کے لکچر کے ذریعہ مذہبی رٹ لگانے والوں میں لاوٹ کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا جائے۔

لہذا ٹنڈن نے ٹکوے کے ذریعے [illegible] دلوایا جس سے لوگوں میں سرسراہٹ پیدا ہو گئی۔ [illegible] نے بڑی کھٹ پٹ [illegible] کرنے کا [illegible] ارادہ کر لیا۔

ٹنڈن لال جاٹ کا مکان ٹائن ٹا خوب سجاوٹ ہوئی دروازوں پر پتوں کا پھاٹک لگوایا گیا۔ آنگن میں ٹاٹ بچھایا گیا بیچوں بیچ میں ایک رسیوں کا کھٹولا بطور اسٹیج کے رکھا گیا۔

ٹنڈن لال جاٹ موٹے [illegible] اپنے ٹیڑھا ٹکائے بیٹھے پر ہاتھ پھرا پھرا کر مہمانوں کی آہٹ پر کان لگائے پھاٹک پر استقبال کی ڈیوٹی ادا کر رہے تھے۔

ہندو مسلم ٹولی در ٹولی آ کر کھچا کھچ بھر گئے۔ پاؤں [illegible]

کی جگہ نہ رہی۔ آنگن کے کنارے اینٹوں کا مال ٹیلے کی طرح گھڑا تھا جن جن کو جگہ نہ ملی وہ اس پر چڑھ چڑھ کر بیٹھ گئے۔

یہاں تک درختوں پر بھی ٹڈی دل کی طرح تماشہ میں لٹکے ہوئے تھے۔ چند جنٹلمین اخبار کے رپورٹر مسلمان بھی نہایت ٹھاٹ باٹ سوٹ بوٹ سے ترکی ٹوپی پہنے کرسیوں پر ڈٹے بیٹھے تھے۔

ناگہاں لکڑی سے لوٹا پیٹ دیا گیا جس سے گھنٹی کی طرح ٹھنٹھنا ہٹ کی صدا بلند ہوئی۔ اور بابیوں کے ٹھاٹ ٹانڈا شاہ کھوسٹ کی طرح شکل کھسی ہوئی ڈاڑھی سلجھاتے چٹا بجاتے چپٹی ناک کو پھیلاتے ٹھسکتے۔ ٹھسکتے آئے اور کھٹولے پر بیٹھ کر ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر سب لوگوں کو ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگے۔ ٹانڈا شاہ کے بیٹھنے کے بعد ٹنڈن کو بھی جگہ نہ ہونے کے باعث ایک مین کی ٹانگی پر چھپٹ کر چڑھ کے بیٹھ رہے جہاں ان کے ایک لنگوٹیا یار بیٹھے تھے جن کو گھسیٹ گھسیٹ کر زبردستی بلایا گیا تھا۔ کیونکہ ان کی ڈیوٹی بڑی سخت تھی وہ ٹیٹا گڑھ میں ٹکٹ ماسٹری کا کام کرتے تھے۔

ٹکٹ ماسٹر کی پیٹھ پر ہاتھ ٹھوکتے ہوئے اتراہٹ کے ساتھ ٹنڈن بولے آج ہماری قوم کو ٹھیک ٹھیک سبق مل جائے گا آپس میں پھوٹ پھیل کیٹ سب بھول جائیں گے۔

ٹکٹ ماسٹر نے ٹھا ٹھا ٹھا کر کہا کسی کے دماغ میں نہیں ٹھہر سکتا۔ مسلمانوں کا دماغ خود ٹھیک نہیں۔ یہ لوگ بڑے کینٹھی ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں جھگڑا آٹھوں پہر اٹھتا رہتا ہے ہماری قوم کو جھگڑنے کی کیا ضرورت ہے لاٹھی سونٹا تو یہی چلا کر پھوٹ مچاتے ہیں۔ تب کہیں ہم لوگ بھی جھپٹ کر جواب دیتے ہیں۔

ٹنڈن! جہاں تک میرا خیال ہے مسلمان کھوٹ کپٹیا نہیں ہیں۔ ان کا دماغ ٹھیک ہے ہٹ دھرمی اچھی نہیں۔ مولانا ٹانڈے شاہ کو دیکھو ان کی ٹکر کا آدمی ہمارے یہاں ہے نہیں ہندوؤں سے ذرا کھوٹ ہٹ نہیں۔

دور کیوں جاؤ مجھ پر جو مصیبت کا پہاڑ پھٹ پڑا تھا ان کی بدولت ٹلا۔ ٹکٹ ماسٹر نے دانتوں سے ہونٹ کاٹ کر کہا چل ہٹ پھٹکار کا مارا جھوٹ کہتے شرماتا نہیں کیا تیرے پنڈت اور ان کے چیلے چانٹے ایسے نہیں ہیں کہ جو آنکھ کی اوٹ میں چٹ پٹ کام بنا دیتے ہیں۔

جن کی جو تمھٹ چاٹنے سینکڑوں کینٹھی مسلمان بھی آتے ہیں

چند منٹ اس قسم کی کھوٹی کھوٹی چوٹ چلتی رہی۔ ٹنڈن نے کنا ہٹ سے منہ بند کر لیا۔

مجمع الگ شور مچا رہا تھا۔ ناگہاں ٹکوے کی آواز آئی کہ چلا، ٹٹ بنا کر مہ

اور وہاں مولانا کے لئے ٹکے ٹکے کی مٹھائی جو لوگ لائے ہوں کھٹولے پر رکھ دیں۔ اور جو نہیں لائے وہ ٹکا نذرانہ ڈال دیں۔

مجمع میں جتنا یا ہندو مسلمان جتنے تھے ٹکے ٹکے کی مٹھائی۔ ٹھونگوں میں برائے عقیدت لائے تھے کسی میں بتاشہ کسی میں ریوڑی کسی میں کوڑی گُرہ کسی میں بیسن کی کٹ کٹی تھی۔

جو مٹھائی نہیں لائے تھے انہوں نے کھٹولے پر دو دو پیسہ پھینک دیا۔ ٹانڈا شاہ آنکھیں ٹپ ٹپ کر پیسوں اور ٹھونگوں کو دیکھ رہے تھے۔ آخر ش انہوں نے اپنی ٹین کی ڈبیا منگائی اور اس سے افیون کی ڈلیہ گھول کر افیون نکالی۔ پان کی مٹھی کو کلے میں ایک طرف دبا کر گولی نگل کر ٹکی چاٹ لی۔ پھر چند عدد ریوڑی کٹا کٹ چباتے ہوئے بولے کہ کوئی ٹوں ٹاں نہ کرے۔ اب لکچر شروع ہوگا۔

اس کے بعد ٹین کے ڈبے کا پٹ الٹ کر ایک دیمک کی چاٹی ہوئی کنٹوپ نکالا اور گرد سے اٹے ہوئے گھناؤنے بالوں کی لٹوں کی جھٹکار کر پھیلا دیا۔ اوپر سے کنٹوپ چڑھا لیا۔ اور سونٹا سونٹا زمین پر ٹکا کر کھٹولے پر کھڑے ہوئے اور اطمینان سے ٹہل ٹہل کر لکچر دینا شروع کیا۔

اما بعد۔ ہندو اور مسلمان باپ کے بیٹو! مذہب اور دھرم کی رٹ لگا کر ہٹ دھرمی کرنے والو! تمہاری پھوٹ اور آئے دن کی کھٹ پٹ سے امن و امان کی بلٹن ہٹ جاتی ہے۔ اور مخواہ مخواہ کی ملیا میٹ ہوتی ہے۔ جھوٹ موٹ کی آئے دن کی کھٹ پٹ اچھی نہیں۔ کھٹ پٹ کر کے دانت کٹا کٹ کرنے سے کیا فائدہ مارے پھل لیا کہا ٹکا جس کی پیٹھ ابھی حلق میں اٹکنے کا کھٹکا نہ رہے۔

آپس میں ہندو مسلمان جٹ جائیں۔ اسی لئے یہ مجمع بٹورا گیا ہے۔ دیکھو چیونٹیوں کی قوم میں کیسی ملت ہے۔ اسی سے ان کی زندگی بے کھٹکے بسر ہوتی ہے۔ کیا ان میں ہندو مسلمان نہیں ہیں۔ غریب ہندو مسلمانوں کو میں آپس میں کٹ کٹ مرنے سے منع کرتا ہوں۔ جس طرح ٹینی مرغ آپس میں لڑا کرتے ہیں۔ کوئی کسی کو مار نا کاٹتا نہیں۔

میں کہتا ہوں ہٹ سے کیا فائدہ جس سے تم بے گناہ بھی پٹ

جا یا کرو۔ میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں۔ ایسی حرکتوں سے تم چوپٹ نہ ہو جاؤ۔ لو میرا نام ٹاٹنٹے شاہ نام نہیں۔ دیاٹ دار آواز سے ڈپٹ کر) یاد رکھو اگر تم نے اپنی ہٹ چھوڑی تو ٹانگ پر ٹانگ دھر کر چیر ڈالوں گا۔ اور بوٹیاں کاٹ کاٹ کر چیل کوؤں کو بانٹ دوں گا۔

مثال کے طور پر تمہیں ہٹ کا ایک قصہ سناتا ہوں۔

سنو!

میں بھی پہلے بڑا ہٹی تھا۔ ٹاٹا نگر میں پہلے پہل جب ٹیگرے میں خدا کا نام رٹنے کو بیٹھا تو جی رہاٹ رٹنے لگا۔ سامنے پنگھٹ پر ہندو عورتیں گھونگھٹ ڈال کر ٹھمک ٹھمک ٹھلیاں لئے پانی بھرنے آئیں اور ٹھریاں گا گا کر اٹکھیلیاں کرتیں۔ اب میرا دل ذرا ٹیلے پر ٹکا۔ میں نے ٹھان لیا کہ یہاں سے کبھی نہ ہٹوں گا۔ ایک دن ایک جاٹنی گھونگھٹ الٹ کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ کیا بتاؤں اٹھتی جوانی کروٹ کروٹ حسن چاند کا ٹکڑا۔ ماتھا اس پر ٹیکا ہونٹ لال لال بالوں کے لٹوں کا جھرمٹ چہرے کے ادھر ادھر کیسا ہی کٹھور دل ہوتا۔ لیکن اس کے حسن سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا میں مٹی کا ٹھاکر بن کر رہ گیا۔ یہاں تک کہ وہ چلی گئی۔

اب تو روزانہ اس کی آہٹ پر پنگھٹ پر ٹکٹکی لگائے بیٹھا رہتا۔ نہ روٹی کھاتا نہ پانی پیتا۔ دن رات ٹہلتا رہتا۔ اور آٹھ آٹھ آنسو روتا۔ صرف یہی نہیں بلکہ جب تک وہ پنگھٹ پر ٹھہرتی ٹہر ٹہر کر میں ٹھکریاں اس پہ پھینکتا تھا۔ کیونکہ ایک دن میں نے ٹھان لیا تھا کہ یوں ہی دیکھنا ٹھیک نہیں۔ پہلے تو اسے ٹھور نہیں ملی لیکن ایک دن اس کی نظر ٹیلے پر جا پڑی مجھے ٹھکری اٹھاتا ہوا اس نے دیکھ لیا۔

بس کیا تھا بڑا سا اینٹ اٹھا کر ٹیلے پر چڑھی تم جانو رانی ہٹ بالک ہٹ تریا ہٹ سب سے کٹھن ہوتی ہے۔ اب میرا ہوش ٹھکانے نہ رہا۔ جھٹ میں نے اپنی لاٹھی اٹھا کر گھمانا شروع کیا تاکہ وہ ڈر کر ہٹ جائے۔ اس نے لاٹھی دیکھ کر تو اینٹ زمین پر ٹپک دی۔ لیکن چٹاخ سے ایسا چانٹا رسید کیا کہ میری کنپٹی پھٹنے لگی جب سے کنٹوپ پہنے لگا ہوں۔ کیونکہ شدت ضرب سے یہاں کی کھال پھٹ گئی تھی۔ اور خون کے تراٹے بہنے لگے تھے۔ اسی وقت اس نے کہا تھا کہ کان میں ٹھونس کر ذرا سن اب کی ایسی حرکت کی تو ٹانگ پر ٹانگ دھر کر چیر ڈالوں گی۔ اور بوٹیاں کاٹ کاٹ کر چیل کوؤں کو بانٹ دوں گی دیکھا تم نے ہٹ کا نتیجہ کس کٹھنائی میں جان پڑ گئی وہ دن اور آج کا دن اب تک مجھے اس کی نصیحت اور کہاوت یاد ہے۔ ہندو مسلم فساد اسی طرح سے اٹھتا ہے جیسے آٹھ سال ہوئے میرے ساتھ ہی ہوا تھا مجھے سٹ پٹاہٹ تھی تو اسی بات کی کہ میری ڈھٹھائی نہ ہوتی تو کبھی سر پھٹول نہ ہوتی جب سے میں ایسے واقعات سے ہٹ ہٹ کر رہتا ہوں۔

اسی طرح تمہیں بھی لازم ہے کہ سفت کی کٹس اور پٹو اس سے پناہ مانگو۔

جس طرح ایک اسٹیمر پر ہندو مسلمان سوار ہو کر ہی رٹتے کٹتے ہیں۔ اسی طرح ایک شہر میں بھی مل کر رہنا چاہئے۔ گورنمنٹ کی نظر میں بھی دونوں برابر ہیں۔

ہندو مسلم در اصل ایک ہیں ایک گھاٹ پر نہاتے ہیں۔ اس وقت بھی ایک ٹاٹ پر بیٹھے ہیں۔ پھر پھوٹ سے کیا فائدہ۔ کونسا اٹل کام اس پھوٹ سے پورا ہوتا ہے۔ دیکھو بڑے سے بڑے چھوٹے محکمے بتمام ٹھٹ باندھ کر ہندو مسلمان کام کرتے ہیں۔ انسٹیٹیوٹ، یونیورسٹی میں تمام دونوں ذات امتحان دیکر سرٹیفکٹ پاتے ہیں مجھے انگریزوں کی اینٹی زبان معلوم نہیں۔ لیکن تھوڑے الفاظ معلوم ہیں جو تمہیں سناتا ہوں۔ ایک قسم کے الفاظ ایسے ہیں جس میں پہلے حرف کی بناوٹ تو الٹ پلٹ ہے لیکن آخر میں سب کے ٹ لگا ہوا ہے۔

سنو! ڈاکٹر۔ بیرسٹر۔ مسٹر انسپکٹر۔ ڈپٹی کلکٹر۔ ڈیڈیکٹر۔ پروپرائٹر۔ ہیڈ ایڈیٹر۔ ڈکٹیٹر۔ پوسٹ ماسٹر وغیرہ وغیرہ۔

اب بتاؤں ان دونوں لوگوں میں وہ ذات ملے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ چند خطابات اور ہیں۔ ناولسٹ۔ آرٹسٹ۔ وائرلسٹ۔ ڈراماٹسٹ۔ بتاؤ ان میں دونوں قوم کام کر رہے ہیں یا نہیں۔

ٹیلی گراف، ٹیلی فون، لفٹ۔ الکٹرک، لائٹ، سکریٹ، چاکلیٹ یہ بھی چیزیں دونوں قوم کے لئے کارآمد ہیں کہ نہیں؟

ہائی کورٹ کے ایڈوکیٹ مجسٹریٹ۔ اٹاسنی۔ دونوں قوموں کے لوگ ہوتے ہیں کہ نہیں۔ ان دونوں ذات کے کام کے ہیں کہ نہیں بولو ہندو مسلمان کی جے۔ پٹ پٹ پٹ تالیوں کی ٹھنکار سنائی دی لال دانت کھسوڑ کر تو ندیر ہاتھ کا پھارا پھیر رہے ہیں۔

ہندو مسلمان بھائیو! امید ہے آج سے تم گوشت پیچھے کیسطرح رشتہ اور زمی بنکر ہٹ جاؤ! اس طرح جٹ جاؤ جیسے چکی کے دو پاٹ

اور جس طرح ٹیکی کا کھونٹا اپنی جگہ سے علیحدہ کھڑا ہونے کے سبب ٹل نہیں سکتا یہی بات ہے ہندو مسلمانوں کی کوٹھیا میں اناج ٹھونسا ہے تو آنے کی کمی [illegible] ٹیکی کے کارن کوئی بیٹھے حال نہ رہے گا۔ [illegible] بیٹھ گئے۔

میرے بھائی ٹنڈن لال جی بیدار کی طرح سمجھدار کوئی ٹیکا ہندو ہو یا مسلمان ٹاٹا نگر سے بنارس تک میری نظر نہیں پڑا۔
سب کے سب ٹھیک ہیں [illegible] اپنے ٹکر کا کسی کو گوارا نہ ہی نہیں۔ ہندو مسلم اتحاد کی ٹوٹی ہوئی رسی کو جوڑ دینے کے لئے میں نوٹس دیتا ہوں کہ [illegible] بیٹھے ہوئے تمام ہندو مسلمان اپنی اپنی داڑھی اور ٹیکی میں گانٹھ لگائیں اور ٹھنڈے دل سے سب ٹھان لیں کہ آج سے آپس میں اکٹھا رہیں گے۔
ٹانڈا شاہ دم لینے کو بیٹھ گئے لوگوں کی گھٹ پٹ میں سمجھداروں کے چہروں پر مسکراہٹ اور گنواروں کے دلوں میں گھبراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔
ناگہاں ٹنڈن لال آگے سے کود اپنی ٹیکی ہلاتے ٹانڈا شاہ کے سامنے آ کے کہنے لگے ٹھیک ہے ٹھیک ہے سب سے پہلے میری ٹیکی اپنی داڑھی کے لٹ سے ملا کر گانٹھ دیجئے! یہ کہہ کر ٹنڈن نے اپنی چوٹیا بڑھا دی۔ جھٹ پٹ ٹانڈا شاہ نے اپنی کھچڑی ہوئی داڑھی مٹھی سے اینٹھ اینٹھ کر لٹ بنایا اور ٹنڈن کی لانبی ٹیکی کا جوڑ رسی کا گانٹھ لگا دیا لیکن گانٹھ [illegible] ٹھل ٹھل کر کھسک دے [illegible] تھی ٹانڈا شاہ بڑے ہوشیار تھے جھٹ ایک گرہ ٹنڈن کے [illegible] اور ٹنڈن کی ٹھنڈی ٹٹول ٹٹول کر کہا اب تم ٹس ٹس کر ذرا ہمارا کاٹھ میں اب اوروں کی ٹیکی اور داڑھی میں گانٹھ لگواتا ہوں۔ ٹانڈے تو ٹنڈن بھر بھر پیٹ کے سوئے پیٹ پر ٹانڈے کی دونوں ٹانگیں باہم لپٹی ہوئی تھیں اور یہ سوئے کی مدد سے ٹہلنے لگے۔
ٹکوا جی ام نے لو ٹانڈا ٹہا کر کہا لو داڑھی ٹیکی کی جے ٹاٹ پر بیٹھے ہوئے لوگوں نے تائید کی اور ٹانڈا نے ہی نے کہا۔
ٹاٹا نگر کے ہندو مسلم بھائیو اٹھو اور اسی طرح سے داڑھی ٹیکی کی گانٹھ سے اپنی ملت دکھا دو۔ نعرہ [illegible] سنا ٹھ ہندو اور مسلمان اٹھ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔
مجمع میں چند ٹیڑھے ہندو بھی تھے جو ٹس سے مس نہ ہوئے

باقی کچھ مسلمان ایسے تھے جن کی داڑھی منفاچٹ تھی۔ وہ لوگ مارے گھبراہٹ کے پھاٹک کی طرف دیکھ رہے تھے۔
ٹاٹا نگر کا ٹکٹ ماسٹر ٹنڈن اور ٹانڈے کی گانٹھ والی سین خوب [illegible] رہا تھا [illegible] ٹنڈن اور ٹانڈے کی رنگین کھونٹ [illegible] کر دیا۔
اب تک وہ [illegible] لئے بیٹھا تھا لیکن اب اس کے غصے کا پارہ چڑھتے چڑھتے دماغ تک کا [illegible] پہنچ چکا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ [illegible] لیکن جھٹ وہ اٹھا اور اسٹول کے ٹال میں سے ایک اینٹ ٹنڈن اور ٹانڈے کے جوڑے ماری لوگ ٹکٹ گھر کی طرف متوجہ ہوئے اور قریب [illegible] ٹیکوں میں گانٹھ لگ جاتی فوراً ہی اینٹ پتھر کی ٹال سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو ٹاٹ پر ٹھیکریوں کی بارش ہو گئی [illegible] اس کے جواب میں لاٹھیاں اٹھیں اور ٹیاپیٹ مارنے لگی اٹھارہ مسلمان زخمی ہوئے آٹھ ہندو [illegible] کے قابل ہوئے۔ بہتیرے بھاگنے میں اینٹوں کے ٹال کی ٹھوکر کی ضرب سے ٹھنڈے کر رہ گئے۔
تاہم [illegible] جاری تھی ٹانڈے کے ٹکلے کا [illegible] رہے [illegible] ٹنڈن اور ٹانڈے بندھے ہوئے ہوا کتے پھر رہے تھے۔ کہیں بیٹھنے کا ٹھکانا نہ تھا۔ گھبراہٹ میں ناگہاں ٹانڈے کو خیال آیا [illegible] ٹنڈن ارے بھاگ مت ٹھہر جا [illegible] نیچے بیٹھ جا جیسا! آخر ٹنڈن [illegible] کے تلے ہو بیٹھا۔
داڑھی ٹیکی کی گانٹھ سے دم گھٹ رہا تھا لیکن گانٹھ کھولنے کی گنجائش کہاں تھی۔ آہ بیٹھنے کی [illegible] کشتی میں داڑھی کے چند چھوٹے ٹوٹے اور ٹنڈن کی [illegible] ٹیکی اکھڑ گئی۔ جب ٹکٹ ماسٹر نے تھانے ٹیلیفون دیا تھا اس نے کانسٹبلوں کی پلٹن آموجود ہوئی زخمی کے علاوہ تمام ہٹے کٹے مشنڈے ہندو مسلمان فرار ہو چکے تھے۔ اب ٹانڈے اور ٹنڈن کی تلاش میں ٹکٹ ماسٹر تھا ناگہاں کھٹنے کے بیچ کچھ آہٹ معلوم ہوئی [illegible] الٹ کر ٹکٹ ماسٹر نے کہا بیٹی کی آڑ میں گلا گھٹنے والا! کانسٹبل آ کر ڈٹ گئے ٹانڈے اور ٹنڈن گھبراہٹ میں سرپٹ بھاگے کانسٹبل نے ڈانٹ کر ٹنڈن اور ٹانڈے کو رگیدا۔ ٹانڈا قدموں پر لوٹ لوٹ کر کہنے لگا۔ تمہاری جان کی قسم اب ہندو مسلم اتحاد کی کوشش نہ کروں گا اور ٹنڈن ٹیکی کی [illegible] میں لاپتہ ہو گیا۔ ٹانڈے

....

کی ڈاڑھی میں ٹنڈن کی ایک کھدری تھی جس کی چنگی سے خون ٹپک رہا تھا۔ کانسٹبل نے اس کی گڑگڑاہٹ مطلق نہ سنی کیونکہ ٹکٹ ماسٹر کہہ رہا تھا کہ بانی فساد یہ اور ٹنڈن ہے لہذا ٹانڈے کی ٹنڈیا کس کر ٹنڈن مارتا ہوا انسپکٹر کے تھانے میں لے گیا۔ یاد سے کی رپورٹ ٹکٹ ماسٹر نے دیکر گواہ میں نام نوٹ کرایا۔ اب ٹنڈن کی تلاش تھی اس کے نام کا عالی کورٹ سے وارنٹ نکلا۔ اٹھواڑوں کے بعد ٹنڈن پکڑا گیا۔ اور بیچارہ خوب پٹا۔ گھٹا ہوا مجسٹریٹ کی جو کھٹ پر بعد میں ٹکٹ ماسٹر جو کٹر ہندو اور جس کی گانٹھ تھا وہ ہرم کی رٹ لگا کر جو ہم قوم کا سر کاٹ کر خون چاٹتا تھا۔ آنکھ کی اوٹ میں جس نے امن کی کایا پلٹ دی اور ٹنڈن کی عزت تڑا کر جو اپنی جوٹ

پرانیٹڈ تھا۔ یہ کمال ڈھٹائی جھوٹی گواہی دیکر اس نے مقدمہ کو چوپٹ کر دیا۔ آخر بیچارہ ٹنڈن مع ٹانڈے کے سزا یافتہ ہو کر آٹھ آٹھ ماہ کی جیل کاٹ کر دونوں چھوٹے۔ اور اپنی عزت کے لٹ جانے پر آٹھ آٹھ آنسو روئے۔ ٹنڈن اور ٹانڈے لے ڈاڑھی جیل کی کاٹھ کی گانٹھ تار تار کی تھی کبھی ان میں کھٹ پٹ نہ ہوئی۔ لیکن ٹکٹ ماسٹر سے اب ٹنڈن کی وانت کاٹی روٹی نہ تھی۔

ٹانڈے کی کہاوت اسے یاد تھی اس کا بس چلتا تو ٹکٹ ماسٹر کی ٹانگ پر ٹانگ دھر کر چیر ڈالتا۔ اور بوٹیاں کاٹ کاٹ کر چیل کوؤں کو بانٹ دیتا۔

فریبِ یقین

از جناب ماہر القادری

یا بن شعور و تدبر جہاں پہ طاری ہے — جمودِ بے بصری یا سکوتِ بے خبری

ہے اشتباہ کے سایہ میں یوں یقیں کی نمود — گھٹائیں جیسے طلوعِ سپیدۂ سحری

ہزار حیف! کہ دیوانگی کی باتوں کو — سمجھ رہا ہے زمانہ حقائق نظری

ہے کائناتِ زمانہ وہ جہل کا شیشہ — یقین کی جس میں اتاری گئی ہے سبز پری

گمان و وہم کے شیشے اگر سلامت ہیں — حباب سے بھی ہے کمتر یقیں کی شیشہ گری

شہود و علم کی کم مائیگی ارے خدا کی پناہ — کھنڈر پہ ثبت ہو جس طرح کتبۂ حجری

سمجھ سکا نہ کوئی اک حقیر ذرہ کو — اور اُس پہ دعویٰ ادراکِ ہیئتِ قمری

تلاش کی تھی زمرد کی خاک بھی نہ ملی — نہ پوچھ دہر میں شاخِ عمل کی بے ثمری

وہ چند اوس کی بوندیں جو مل گئی ہیں بہم — نگاہ اُن کو سمجھتی ہے غنچۂ سحری

وہ بھید جس کو نہ سمجھے "غزالی" و "رومی"

مری مجال کہ میں کر سکوں گا پردہ دری

سازِ ادب

لذتِ سوز کے کیا کیا کئے ساماں ہم نے
سامنے رکھ دیا قاتل کے نمک واں ہم نے
حاصلِ عشق سمجھکر غمِ پنہاں ہم نے
کرلیا خود خلشِ درد کا درماں ہم نے
منظرِ حسن ہے اس درجہ بصیرت افروز
ایک اک پھول میں دیکھا ہے گلستاں ہم نے
چھیڑ کر سرمگیں آنکھوں کو دمِ نظارہ
خود کیا ہے تیری شمشیر کو عریاں ہم نے
ستم ایجاد ترے جورِ مسلسل کی اقسم
شیوۂ ضبط رکھا تا حدِ امکاں ہم نے
پاسِ خودداری خاطر تھا یہاں تک منظور
اپنے سر پہ نہ لیا غیر کا احساں ہم نے
حاملِ صبر و سکوں بن کے رہِ الفت میں
کردیا ان کی جفاؤں کو پشیماں ہم نے
پھر اٹھایا ہے نئی شان سے اب سازِ جنوں
تیری آواز پہ اے مرغِ گلستاں ہم نے
کردیا اپنی جوانی کو تغافل پہ نثار
دل میں رکھا نہ سلامت کوئی ارماں ہم نے

ہے ادب عشق میں ہستی کی حقیقت اتنی
عمر بھر دیکھا ہے اک خواب پریشاں ہم نے

محمد سعید خاں ادب
ریلوے اسٹیشن گوجرانوالہ

مشہور مصنفین کی دلچسپ کتابیں

مولوی عبدالحلیم شرر

جویائے حق مکمل	۱۱ر
فتح اندلس	عمر
ماہ ملک	۸ر
مقدس نازنین	عمر
یوسف و نجمہ	عمر
قیس و لبنیٰ	عہ
طاہرہ	عہ
دربار حرام پور کامل	۸ر
ایام عرب کامل	عاہر
فلپانا	عمر
فاتح مفتوح	عمر
مینا بازار	عہ
الفانسو	۱۲ر
مقلبین اسلام	۱۲ر
ملک العزیز ورجنا قسم اول	عہ
,, ,, ,, دوم	۱۰ر
فلورا فلورنڈا قسم اول مجلد	عہ
,, ,, ,, دوم	۱۰ر
دلکش کامل	۱۲ر
دلچسپ کامل	۸ر
منصور موہنا	۸ر
حسن انجلینا	۸ر
حسن بن صباح	۶ر
بدرالنساء کی مصیبت	۳ر
فتنہ بیوہ و قاسم اول	۸ر
,, ,, دوم	۶ر
میوہ تلخ	۴ر

منشی پریم چند

پردہ مجاز کامل	عاہر
غبن کامل	عاہر
آخری تحفہ	عمر
فردوس خیال	عہ
خواب و خیال	عمر
واردات	عہ
دودھ کی قیمت	عہ
زاد راہ	عہ
چوگان ہستی کامل	سے
گوشہ عافیت	سے
رام چرچا	عمر
بیوہ	عہ
پریم بتیسی کامل	عمر
پریم پچیسی کامل	عاہر
سوز وطن	عمر
پریم چالیسی کامل	سے
بازار حسن کامل	عاہر

منشی تیرتھ رام فیروز پوری

دغا کا پتلا	عاہر
سنہری تجاد	عمر
انمول ہیرا	۴ر
مصری جادوگر	عاہر
شہر خاموش	عاہر
حویلی جلد	عاہر
الفمانہ	عمر
نازک کمار	عاہر
وطن پرست	سے
آزادی	عاہر
سنہری لاش	سے
کارنامہ جات ارسن لوپن	عاہر
مقدس جوتا	عاہر

ایم اسلم

مرزا جی حصہ اول	عاہر
,, ,, دوم	عاہر
تفسیر حیات	عاہر
کارزار حیات	عاہر
پیغام سروش	عمر
نرگس	عاہر
سراب تق	عمر
گناہ کی راتیں	عمر
نغمہ حیات	عمر
طلسم سامری	عمر
مضامین اسلم	عمر
ثمرہ گناہ	عہ
آشوب زمانہ	عہ

قاضی عبدالغفار

لیلیٰ کے خطوط	عمر
روزنامچہ یا مجنوں کی ڈائری	عاہر
اس نے کہا	عہ
عجیب	عہ
تین پیسے کی چھوکری	عمر
لیلیٰ کے خطوط مع روزنامچہ یکجا	عاہر

مرزا عظیم بیگ چغتائی

خانم	للعہ
کولتار	عاہر
روح ظرافت	عمر
چکی	عمر
کمزوری	عاہر
روح لطافت	عمر
شریر بیوی	عمر
خطوط کی ستم ظریفی	۱۲ر
کھرپا بہادر	عمر
دیکھا جائے گا	عہ
جنی کی انگوٹھی	۸ر
چغتائی کے افسانے حصہ اول	عمر
,, ,, ,, دوم	عمر
شہ زوری	۸ر
مسز کرا طعلے	عہ
قرآن اور پردہ	عمر
رقص بے حجاب	۴ر
مرزا جھنگی	۱۲ر
الغونامات ثانی	۱۲ر

شوکت تھانوی

موج تبسم	عاہر
سیلاب تبسم	عاہر
طوفان تبسم	عاہر
دنیائے تبسم	عمر
سودیشی ریل	عہ
دل پھینک	عہ
بڑھیس	عہ
قزم خاں	عہ
سوتیا چاہ	عہ
گہرستان	عمر

مولانا عنایت اللہ

سلامبو	سے
قمر السمر	عمر
تائیس	عاہر
ہیملٹ	عہ
ہردو یاس	۱۳ر
دانتے کا جہنم	۱۲ر
خواب پریشاں	۳ر
زلیفی کامل	عہ
چنگیز خاں کی سوانحیات	۱۲ر

خونِ ناحق

سرزمین پنجاب میں لا اینڈ آرڈر۔ کارکنانِ حکومت کی غلطیوں کا کچا چٹھا۔ مارشل لا کی گرم بازاری دردناک سزاؤں کی داستان۔ عشق و محبت کے کرشمے۔ اٹھارہ سال پہلے کی سیاست کا ایک باب

(بدایوں کے ایک سیاح کے قلم سے)

گزشتہ سے پیوستہ

باب ۱۴

دو قیدیوں کی ملاقات

شام کے وقت۔ انارکلی میں حسب معمول چہل پہل دکھائی دیتی ہے۔ جلوہ فروش حسین من چلی طبیعتوں کو اپنی نگاہِ ناز کا نشانہ بنانے کے لئے کیل کانٹے سے درست ہو رہے ہیں امن قائم ہوئے دو ماہ کا عرصہ ہو چکا ہے سزاؤں میں جدت برتتے جانے جبر کی پالیسی اختیار کرنے سے اگلا جوش و خروش مدہم پڑگیا ہے۔ رات کے آٹھ بجے سڑکوں پر نکلنے کی جو ممانعت کی گئی تھی اب اُس حکم کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔ مسافر گاڑیاں اور مال گاڑیاں اپنے وقت پر آتی جاتی ہیں گزشتہ دنوں میں علمبردارانِ سیاست آزادی کے نعرے لگا کر دل کی ڈھکی چھپی باتوں کو زبانوں پر لارہے تھے۔ مگر اب نہ کسی پولٹیکل جلسے کی تیاریاں ہیں۔ نہ زبردست مظاہروں کے آوازے سنائی دیتے ہیں۔ رُعب وداب۔ جبر نے رعایا کے ہونٹوں کو سی دیا ہے مگر اس کا دل اندر ہی اندر اس جابرانہ طرز عمل پر ملامت کر رہا ہے۔

ملزموں کو ہیبت ناک سزائیں دی گئی ہیں کچھ حبس دوام بعبور دریائے شور کے سزایاب ہوئے ہیں۔ کچھ پھانسیاں دئے جانے کے قابل قرار دئے گئے ہیں کچھ جیل کو بھیج دئے گئے ہیں جن میں ہمارے ناول کا ہیرو نسیم بھی شامل ہے۔ موتی بیگم کے مقدمہ کی پیشی کو تین دن ہو چکے ہیں، اس نے سبلی بیگم اور پولیس کے سامنے جو قتل کا اقرار کیا تھا اُس سے عدالت میں منحرف ہو گئی لیکن اس کے حرکات و سکنات اور خونی چہرے سے پایا جاتا تھا کہ وہ ملزمہ ہے۔

قتل کے متعلق پولیس کو کوئی شہادت نہ ملی اور اس جرم سے رہا ہو گئی۔ لیکن پولیس نے اسی وقت از سر نو گرفتار کر لیا اور اس کے گزشتہ چال چلن چوروں سے سازش، اس کے ذریعہ سے مال مسروقہ تلف ہونے کا ثبوت پیش کر کے دفعہ ۱۰۹ ضابطہ فوجداری میں مجسٹریٹ درجہ اول کے اجلاس سے اس کو درصورت عدم ادخال ضمانت ایک سال کی قید سخت کا سزایاب کرا دیا چنانچہ اب وہ زنانہ جیل کے بارگ میں موجود ہے۔

بے چارہ نسیم قید کے منحوس دن کاٹ رہا ہے۔ جیل میں دوسرے قیدیوں کا وزن بڑھتا جاتا ہے۔ لیکن غیرت اور شرم سے اس کا منہ سُت گیا ہے۔ چہرے پر حسرت برس رہی ہے۔ بدن پر ہڈیوں کے سوا گوشت کا نام نہیں اور اس کو جب یہ خیال آتا ہے کہ احباب کے طعنے اس کا کلیجہ چھلنی کردیں گے تو پہروں اپنی بدنصیبی پر آنسو بہاتا ہے۔ اس وقت وہ جیلر کے سامنے ایستادہ ہے۔

جیلر (مسکرا کر) "صاحب ایک قیدی عورت آپ سے ملنے کی خواہش کرتی ہے۔"

نسیم: "اس کا نام کیا ہے؟"

جیلر (زور سے قہقہہ لگا کر) "موتی بیگم۔"

نسیم۔ (کانوں پر ہاتھ رکھ کر) حاشا میں ایسی عورت سے نہیں ملنا چاہتا جس نے میرے ایک عزیز دوست کے خون سے اپنا ہاتھ رنگا ہو شیدا مر چکا ہے۔ اس کا نورانی بدن قبر میں خاک ہو چکا ہے۔ لیکن ابھی تک میرے دل میں اُس کی یاد باقی ہے۔"

جیلر: موتی بیگم کا بُرا حال ہے وہ راتوں کو سوتے سوتے چونک پڑتی ہے ہر وقت آپ کا نام زبان پر ہے۔"

نسیم: "مجھ سے زندگی بھر میں کوئی غلطی ہوئی ہے تو وہ یہ ہے کہ ایک آوارہ عورت کو اپنا دل دیا ہے۔"

جیلر: "مگر وہ شریف زادی ہے۔ ایک عزت دار خاندان سے اپنا واسطہ بتاتی ہے پھر مالدار بھی ہے۔"

نسیم: "یہ نہیں ہو سکتا کہ میں دوبارہ ایک قاتلہ کو اپنے پہلو میں بٹھاؤں لعنت لعنت!! الغرض الغرض!!

جیلر: انسان کا دل بھی عجب انقلاب پسند ہے آپ کل جس نازنین کے گلے میں محبت سے باہیں ڈال رہے تھے۔ آج اس پر تین حرف بھیج رہے ہیں وہ بالکل بے قصور ہے۔"

نسیم: "آپ نے یہ اچھی کہی۔ میں بے گناہ قید کیا گیا ہوں تو وہ بھی اپنے آپ کو بے قصور بتاتی ہے، کیا وہ قتل سے منکر ہے۔؟"

جیلر: نہیں وہ قتل کا اقرار کرتی ہے مگر اس کا سبب یہ بتاتی ہے کہ شیدا اس کی عزت لینا چاہتا تھا۔ اس نے عاشقانہ خطوط کا تار باندھ دیا تھا۔ اور وہ اس کو بے آبرو کرنے کے واسطے گھر میں داخل ہوا تھا۔"

نسیم۔ (متعجب ہو کر) شیدا اور میرا رقیب! جیلر صاحب یقین نہیں آتا۔

جیلر: نہ یقین آنے کی وجہ؟ انسان کی نیت ذرا دیر میں بدل جاتی ہے۔ شیطان کا جال بڑے بڑے پرہیزگاروں کو پھانس لیتا ہے پھر شیدا تو ایک جوان اور خوبصورت آدمی تھا۔"

نسیم: یا خدا یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ کیا شیدا کی روح کو مسمریزم کے ذریعے سے بلوا کر اس سے دریافت کیا جائے۔"

جیلر: آپ جو کچھ سن رہے ہیں وہ حرف بحرف ٹھیک ہے۔"

نسیم: "اگر موتی بیگم یہاں آسکتی ہوں تو انکو ضرور بھیجیے۔"

جیلر نے زنداں کی نگہبان عورت کو اشارہ کیا اور وہ تھوڑی دیر میں موتی بیگم کو اپنے ہمراہ لے آئی۔ دونوں ایک گوشے میں بات چیت کرنے لگے۔"

موتی بیگم۔ (رو کر) "ہائے قید میں تمہارا کیا حال ہو گیا؟"

نسیم: یہ رونے کا موقع نہیں صرف چند منٹ کی ملاقات ہے پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے شیدا کو قتل کیوں کیا؟"

موتی بیگم: پیارے نسیم کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ظالم اور خون خوار عورت ہوں میں نے کبھی کھٹمل کو بھی اپنے ہاتھ سے نہیں مارا ہے۔ زمین کی رینگنے والی چیونٹی پر بھی قدم نہیں رکھا ہے پھر یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ انسان کی جان کو قیمتی نہ سمجھوں مگر عصمت عورت کا تاج ہے اگر اس تاج کا ایک ستارہ بھی خاک میں مل جائے تو پھر اس کا وقر نہیں رہتا میں تمہاری محبوبہ ہوں مگر کوئی بازاری نہیں۔ پھر کس طرح شیدا اسے ملتی؟ جس وقت اس نے مجھ پر ہاتھ ڈالا تو میں غصے سے آگ ہو گئی اور بے ہوشی کی دوا کھلانے کے بعد اس کا خاتمہ کر دیا۔

نسیم: "تم نے بہت اچھا کیا مگر اس الزام کا کوئی ثبوت؟"

موتی بیگم: مرنے کے بعد بھی انسان کی خواہشیں فنا نہیں ہوتیں شیدا میرے وصل کی آرزو لے کر قتل ہوا ہے۔ اس کی روح جیل میں آتی ہے۔ میرے ساتھ دوسری قیدی عورتوں کو بھی تنگ کرتی ہے۔"

نسیم: (کر) "میں اس کی روح سے بات چیت کر سکتا ہوں؟"

موتی بیگم: جب پھر موقع ملے گا تو فوراً آپ کو اپنے پاس بلاؤں گی۔ جیلر صاحب سے مل کر میں پہلے اجازت حاصل کر لوں۔"

نسیم (گھنٹے کی آواز سن کر) اچھا پیاری موتی بیگم رخصت جیلر صاحب نے چند منٹ کی اجازت دی تھی وہ ختم ہو گئی خدا نے چاہا تو پھر ملنے کا موقع ملے گا۔"

نسیم کے رخصت ہونے کے بعد موتی بیگم بھی نگہبان عورت کے ہمراہ زنانہ جیل کی بارگ میں آگئی۔

باب ۱۵

جادو بھرا فریب

جاڑوں کی ابتدائی خوشگوار فصل ہے۔ نومبر کا مہینہ ہے مگر خدا کی مخلوق موسمی دلفریبیوں کا لطف اٹھانے کے عوض اندوہ کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور طرح طرح کے افکار اس کو قدرتی نیرنگیوں کی طرف مائل نہیں ہونے دیتے۔

لاہور میں منٹر کمیٹی کے اجلاس کی دھوم ہو رہی ہے جو گزشتہ افسوسناک ہنگاموں کی تحقیقات یا دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کرنے کو مقرر ہوئی ہے یہ کمیشن صدر لارڈ ہنٹر کے نام سے موسوم ہے جو ایک قابل قانون دان مشہور ہیں اور ان کی لیاقت پر اسکاٹ لینڈ اور انگلستان کو فخر و ناز ہے۔ لاہور کی تعلیم یافتہ جماعتوں میں ان کے گزشتہ کارناموں کو دہرایا جاتا ہے اور پبلک امیدوار ہے کہ وہ اپنی وسیع النظری اور قانونی قابلیت کو حسب موقع استعمال میں لا کر ہمارے معاملات کا عمدہ طور پر فیصلہ کریں گے۔

اس کمیٹی کے اجلاس میں بیانات کا سلسلہ جاری ہے۔ گورنمنٹ ایڈوکیٹ سرکاری گواہوں کی طرف سے موجود رہتے ہیں، تماشائیوں کے مجمع سے عدالت میں تل رکھنے کی جگہ نہیں ملتی۔

جنرل ڈایر شہادت کے لئے اجلاس میں تشریف لائے ہیں ان کا پرہیبت چہرہ دیکھ کر انسانی پہلو میں دل تھرا اٹھتے ہیں جس وقت سانحہ جلیانوالہ باغ کے قتل عام کی کیفیت کے سلسلے میں ان کی زبان سے یہ فقرہ سنتے ہیں کہ "میں نے گولیاں چلائیں اور خوب چلائیں" تو اس عظیم الشان مجمع کا دل ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ ہم ایک ایسے زبردست دیو کے درمیان میں کھڑے ہوئے ہیں جس کے بہادرانہ کارناموں کو یونانی قدیم افسانوں میں پڑھا ہے جنرل ڈائر کا مذکورہ بالا فقرہ بتاتا ہے کہ وہ مشہور بیساکھی کے میلے کو جس میں لاکھوں قیمتی جانیں موجود تھیں۔ ایک شکارگاہ سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے۔ آپ نے شہادت میں یہ بھی کہا کہ "زخمیوں کیلئے کوئی انتظام نہیں کیا اور نہ اس کی ضرورت کا احساس کیا گیا تھا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حملہ کرنے کو تیار ہو کر آئے تھے اور بغیر تنبیہ کئے ہوئے آتشین گولیوں کا نشانہ بنا دیا جس وقت ان کی زبانِ مبارک سے یہ فقرہ ادا ہوتا ہے کہ "فوج نے ۱۶۰۵ گولیاں چلائیں اور بہت ممکن ہے کہ ان سے چار سو یا پانچ سو آدمیوں کی جانیں ضائع ہو گئی ہوں" تو اس اوائے تغافل کی متحرک تصویر حاضرین کی آستینوں کو خون چکیدہ اشکوں سے تر کر دیتی ہے۔ اخبارات کے رپورٹروں کا قلم ڈگمگا جاتا ہے اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم انسانی عدالت کے حالات قلمبند نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ محشرستان کا دلسوز نظارہ ہم پر اپنا رعب طاری کر رہا ہے جنرل ڈائر اپنے اظہار میں جس وقت یہ کہتے ہیں کہ "ہندوستان غلاموں کی سرزمین ہے۔ ہندوستانی ایسا سمجھتے ہیں اور انہیں ایسا سمجھنا بھی چاہئے" تو اس وقت لوگوں کے طبائع پر جو اثر پیدا ہوتا ہے اگر اس کی کیفیت ہندوستانی ناولسٹ کے بجائے انگلینڈ کے مشہور فسانہ نگار مسٹر رینالڈز کی زبان سے ادا ہوتی تو وہ جلیانوالہ باغ میں "غلاموں کی سرزمین پر" انسانی کھوپڑیوں کی مینار کا آوازہ کستے اور اپنی خون فشاں ڈکشنری سے چیدہ الفاظ نکال کر ایسے رحم دل انسان کی قصیدہ خوانی کرتے۔

انہیں دنوں میں کانگریس کی طرف سے ایک کمیٹی بھی ان واقعات کی تحقیقات کا اہم کام انجام دے رہی ہے اور اس کے ممبر ہنگاموں کے موقعوں کا معائنہ کر رہے ہیں اور انہوں نے بیانات کو ترتیب دیا ہے ڈاکٹر کچلو اور ڈاکٹر ستیا پال وغیرہ نے جو اس وقت بھی قیدی کی حیثیت سے جیل میں موجود ہیں ہنٹر کمیٹی کے سامنے شہادت دینے سے اس بنا پر انکار کر دیا ہے کہ ان لوگوں کو دوران تحقیقات میں رہا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ ہمارے دوست نسیم کو بھی اس موقع پر عارضی طور پر رہائی کی جو امید لگی ہوئی تھی اس سے مایوسی ہو گئی ہے، اور وہ بدستور لاہور کی جیل میں موجود ہے۔ موتی بیگم بھی اسی بدنصیب آبادی کے زنانہ حصے میں اپنے مصیبت کے دن گزار رہی ہے۔ اور اپنی اس چکنی چپڑی گفتگو پر جو پچھلے دنوں نسیم سے جیل کی ملاقات میں ہوئی تھی غور کر رہی ہے، اور سوچ رہی ہے کہ نسیم جیسے سنجیدہ شخص کو اپنی بیگناہی کا یقین دلانے کے لئے کیا کرنا چاہیے؟ فوراً اس کا خیال ایک دوسری مکارہ عورت کی طرف منتقل ہوتا ہے جس کی نسبت جیل میں یہ مشہور ہے کہ اس کے سر پر کوئی آتا ہے وہ اس کے پاس جا کر مشورہ کرتی ہے اور وہ مکارہ خوشی سے اس فریب میں شامل ہونے کے لئے راضی ہو جاتی ہے۔

یوں تو پنجاب کی بعض بداخلاق اور ادنیٰ درجے کی عورتیں اپنی قیام گاہوں پر مردوں کو فریب دینے کے لئے طرح طرح کے کھیل کھیلا کرتی ہیں۔ لیکن آج موتی بیگم نے نسیم کو دھوکا دینے کے لئے جیل میں جو سوانگ بھرا ہے اس کو انسانی شرارت کا بے نظیر نمونہ کہا جائے تو زیبا ہے۔

نسیم حسب وعدہ وقت مقررہ پر جیلر کی مہربانی کی بدولت زنانہ جیل میں آ گیا وہ جس وقت موتی بیگم کے پاس پہونچا تو اس نے دیکھا کہ ایک عورت جھوم رہی ہے اور موتی بیگم اس کے سامنے بیٹھی کچھ الاپ رہی ہے۔

نسیم (متعجب ہو کر) "یہ کون ہیں؟"

موتی بیگم: "ان کے سر پر شیدا کی روح بد کا دخل ہے"

نسیم: "کیا شیدا کی روح بھوت ہو گئی ہے؟"

موتی بیگم: "ہاں آپ اس کی باتوں سے خود سمجھ لیں گے آپ اس سے کچھ دریافت کریں"

نسیم (عورت سے مخاطب ہو کر) "تمہارا نام کیا ہے؟"

عورت: "میں شیدا ہوں اور اس عورت پر اس وجہ سے آتا ہوں کہ اس کے ذریعہ سے مجھے اپنی معشوقہ کی صورت دیکھنے کا روز موقع ملتا ہے"

نسیم: "شاید اسی لئے یہ اُمید تھی کہ چوری چھپے میری معشوقہ کے پاس جاؤ گے اور میری دوستی کو خیرباد کہہ دو گے۔"

عورت: "دنیا فانی ہے اور اس کی دوستی ناپائیدار۔ انسان کی زندگی پانی کا بلبلا ہے۔"

نسیم: "دوست زندگی کی عمارت کا زبردست ستون ہوتے ہیں۔"

عورت: "جب عمارت کی کڑیاں کمزور ہوں تو ستون کیا کام دے سکتے ہیں؟"

نسیم: "عبرت۔ عبرت۔ حیات کا خاتمہ ہونے پر انسان کی اصلی حالت کھل جاتی ہے۔ تم نے ایسی مولویانہ صورت پائی تھی۔ فسق و فجور کا گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔"

عورت: "عشق ایک فطرتی جذبہ ہے وہ کسی نہ کسی رنگ میں اپنی ہیئت دکھا جاتا ہے؟"

نسیم: "وضع دار اور شریف اپنے دوستوں کی معشوقہ پر آنکھ نہیں ڈالتے۔"

عورت: "جب دنیا کی ہر چیز بے ثبات ہے تو دوستوں کی محبت کس طرح غیر فانی ہو سکتی ہے؟"

نسیم: "کیا عالم ارواح میں تمہاری نگرانی نہیں کی جاتی؟"

عورت: "مرنے کے بعد مجھ کو ایسی طاقت ہے جو عالم ہستی کے باشندوں کو حیرت میں ڈال دے گی۔"

نسیم (خوف اور دہشت کو دور کر کے) "تم اپنے اصلی ہیئت میں میرے سامنے آؤ۔"

عورت: "یہ ناممکن ہے۔ لیکن اگر تم چاہو تو میں تمہارے سر پر آ سکتا ہوں۔"

یہ سُن کر نسیم خوف زدہ ہو گیا اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔

باب ۱۶

سختیوں کا خاتمہ

زمانے کے تغیرات اور حوادث نے بے چین دلوں کو قرار کی جانب متوجہ کیا ہے۔ نسیم کو جیل میں کئی ماہ گزر چکے ہیں۔

۲۵ر دسمبر کی تاریخ کرسمس کے ساتھ ایک نئی خوشی لئے ساتھ لائی ہے۔ ہندوستان کی پبلک ایسی نیک گھڑی کو صدیوں تک نہ بھولے گی جس میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔ جدید امنگوں کو ملتا ہوا پا کر گزشتہ غم فراموش ہو گیا ہے۔ نئی آرزوئیں دلوں میں چٹکیاں لے رہی ہیں۔ زندہ تمنائیں آنے والی مسرت کا خیر مقدم کرنے کو آگے بڑھ رہی ہیں۔ دردرسیدوں میں نالہ و زاری کی جگہ شادمانی کا ظہور ہے۔ دوران کا امید وار کے موتیوں سے لبریز ہے۔ جگر کے زخم مندمل ہو چلے ہیں۔ محو زندگان آزادی خوشی کا پیغام سنکر ایک نئی شاہراہ میں قدم رکھتے ہیں۔ سیاسی شمع جو ہندوستان کی حسرتناک راتوں میں ٹپ ٹپ آنسو بہا رہی تھی اس کی روشنی نے عام مجالس میں اُجالا پھیلا دیا ہے۔ حسرت زدوں کی نگاہ کا جوہر جو اخبار کے اوراق پر نا امیدی کا نقشہ کھینچکر دنیا کو اندوہ میں مبتلا کر رہا تھا اس کو ایک امید افزا وقت کا ادراک ہوا ہے۔

وہ زبردست ہوا جو مغربی گلستاں میں خوش خرامی کرنے کے بعد ہند میں آئی ہے اس کا ہر ایک جھونکا وہم باطل کے شکنجے کو طلسم بے ثبات کی طرح توڑ رہا ہے۔

آئینی اصلاحات کا قانون پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں منظور ہو کر شاہی مہر سے مزین ہو چکا ہے۔ حضور ملک معظم کی طرف سے ایک تسلی بخش فرمان جس پر ۲۳ر دسمبر کو شاہی مہر ثبت ہوئی ہے شعاع امید کہنا رہا ہے۔ جو شاندار مستقبل کا آئینہ ہے جاری ہوا ہے۔ شہنشاہ معدلت پناہ کی دلی خواہش یہ ہے کہ "جہاں تک ممکن ہو میری رعایا اور ذمہ داران نظام حکومت کے درمیان ناگواری کے تمام نشانات محو کر دئے جائیں اور حکام و عمال سلطنت ان ناجائز سرگرمیاں کو فراموش کر دیں جن کا انہیں انسداد کرنا پڑا تھا۔"

فرمان مذکور میں یہ بھی درج ہے کہ سیاسی مجرموں کے ساتھ انتہائی وسعت تک مراحم خسروانہ برتا جائے۔ جن لوگوں سے سلطنت کا کوئی جرم سرزد ہوا ہے اور وہ کسی خاص فرضی قانون کے مطابق نظر بند یا مقید کئے گئے ہیں یا جن کی آزادی پر پابندیاں عائد کی گئی ہیں وہ چھوڑ دئے جائیں۔"

اس فرمان کے نافذ ہونے پر ہندوستان میں عام خوشی کا اظہار کیا گیا۔ شہنشاہ والا جاہ کو دعائیں دی گئیں۔ انگریزوں اور دیسیوں میں محبت بڑھانے کی تدبیریں ہو رہی ہیں۔ ہندوستان سچے دل سے سکریٹری آف اسٹیٹ یعنی مسٹر مانٹیگو کا شکر گزار ہے کہ انہوں نے اس ملک کو اندھیرے سے نکال کر جادۂ زرین کی راہ بتائی ہے۔ حرماں نصیبوں کی زبان سے یہ نکلوا دیا۔

سہ
نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ

نظربند اور پولیٹیکل قیدی گزشتہ آلام کو بھلا کر کانگریس کانفرنسوں، لیگوں کے اجلاس میں پہونچ گئے ہیں۔ جلسوں کے خطبات صدارت میں وہی زور اور آزادی کا رنگ پایا جاتا ہے جس نے مہذب ممالک کو اخلاقی جرات کا دلدادہ بنا دیا ہے۔

ہمارے ناول کے ہیرو کو بھی کئی مہینے تک جیل کی سختیاں جھیلنے کے بعد دوسرے پولیٹیکل قیدیوں کے ہمراہ، میں رہائی کا حکم سنا دیا گیا ہے۔ رہائی کا حکم پاکر وہ سید ہا جیلر کے پاس پہونچا ہے۔

نسیم:۔ جناب جیلر صاحب آپ سے میری ایک درخواست ہے امید ہے کہ آپ اسے قبول فرمائیں گے۔"

جیلر:۔ آپ کی رہائی کا حکم تو ہو چکا اب اور کیا چاہئے؟"

نسیم:۔ میں جیل سے باہر جانے سے قبل یہ چاہتا ہوں کہ آپ زنانہ وارڈ کی ایک قیدی عورت سے مجھے چند منٹ ملنے کی اجازت دیدیں۔"

جیلر:۔ کون عورت؟ نام بتائیے؟"

نسیم:۔ اس کا نام موتی بیگم ہے اس کو دفعہ ۱۰۹ ضابطہ فوجداری میں ایک سال کی سزا ملی تھی۔"

جیلر:۔ اس عورت کا تو مجھے کچا چٹھا معلوم ہے۔ میں نے یہ بھی سُنا ہے کہ اس نے پہلے جیلر صاحب کو اپنی تدبیروں سے رام کرلیا تھا۔ اور انہوں نے دو ایک مرتبہ آپ کی اس سے ملاقات بھی کرا دی تھی اور اس نے ایک دوسری مکار عورت کے ذریعے سے آپ کو ایک بڑے فریب کا شکار بنایا تھا۔ فی الواقع وہ بڑی عیارہ اور خطرناک عورت تھی۔ لیکن وہ شیطان کی خالہ اب کہاں!

نسیم:۔ کہاں گئی؟"

جیلر:۔ جناب! دو مہینے سے زیادہ مدت ہوئے کہ وہ "انفلوئنزا" کی بھینٹ چڑھ گئی۔ اور دنیا کو اس کے مکر و فریب سے نجات مل گئی۔"

نسیم جیلر کی گفتگو سن کر سکتہ میں آگیا اور فوراً اس کو جیل کا وہ واقعہ یاد آگیا جب کہ موتی بیگم نے ایک دوسری عورت کو آسیب زدہ قرار دیکر یہ ظاہر کیا تھا کہ شیدا کی روح اس پر آتی ہے اور اس حیلے سے شیدا کی زبان سے اس کو باتیں سنوا کر اپنے کو بے قصور ثابت کیا تھا وہ اپنے دل سے اس طرح باتیں کرنے لگا۔

اے بدنصیب موتی بیگم تو نے مجھے بھی فریب دیا۔ بیشک تو فریب کی پتلی، دنیا کی چوٹ، دیدہ دلیل، نٹ کھٹ اور سچ مچ شیطان کی خالہ تھی۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ مجھے تجھ سے جلد نجات مل گئی۔

نسیم چند لمحہ تک انہیں خیالات میں مستغرق رہا اور پھر کچھ سنبھلا (جیلر سے مخاطب ہوکر) "تو اچھا سلام لیجئے۔ میں رخصت ہوتا ہوں" یہ کہہ کر وہ فوراً جیل خانے کے دروازے سے باہر نظر آیا۔

باب ۱۷
نسیم اپنے دوستوں میں

امر پور میں مسلم لیگ اور کانگریس کے اجلاس ختم ہو چکے ہیں پنجاب کے تعلیم یافتہ حلقوں میں دونوں انجمنوں کے صدارتی خطبوں پر رائے زنی ہو رہی ہے اور ہندوستان کی دو بڑی قوموں میں چولی دامن کا ساتھ دیکھکر شادمانی کے نعرے لگائے جا رہے ہیں۔ قومی اخبارات جو مارشل لا کے زمانے میں ضروری اور اہم واقعات پر آزادانہ مباحثے کرتے ہوئے ہچکچا رہے تھے ان کی زبانیں کھل گئی ہیں اور وہ صحیح معنوں میں ملک و قوم کی وکالت کر رہے ہیں۔

لاہور کی ہر سوسائٹی اور کمیٹی میں سیاسی تبدیلیوں اور نظربندوں کی رہائی پر جوش مسرت ظاہر کیا جا رہا ہے اور بچے سے بوڑھے تک ان کے استقلال اور ثابت قدمی پر آفریں کہہ رہے ہیں۔

انور نے مسٹر نسیم کی رہائی پر ایک جلسہ کیا ہے جس میں تمام بے تکلف دوستوں کو ٹی پارٹی (چاء کی دعوت) دی گئی ہے بورڈنگ ہوس کا کمرہ معزز مہمانوں سے بھرا ہوا ہے اور نسیم تاریک زندگی اور آوارہ گردی سے توبہ کرنے کے بعد "اخلاق" پر ایک پُر زور تقریر کر رہا ہے۔

معزز حاضرین جلسہ! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ نے کانگریس اور لیگ میں زبردست اور مزیدار تقریریں سنی ہیں دھواں دھار سیاسی لیکچروں کے فقرات اب تک آپ کے کانوں میں گونج رہے ہیں جس طرح ایک دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ کا کچھ بھرم نہیں ہوتا۔ اسی طرح سحر آگیں بیانات کی موجودگی میں میری روکھی پھیکی تقریر کیا ہستی رکھتی ہے لیکن میں جو کچھ کہوں گا وہ آپ بیتی کہوں گا اس لئے جو بات میری

زبان سے نکلے گی وہ دلوں میں بیٹھ جائے گی۔

ملک میں سیاسی مذاق ترقی کر جانے سے یہ مراد نہیں ہے کہ اب پنجاب میں اخلاقی اصلاحوں کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے اور ہم پولٹیکل خیالات میں منہمک ہو کر معاشرتی اصلاح طلب امور کو نظر انداز رکھیں۔ دیکھیں اخلاق کو ہر قوم کے عروج و زوال کی تاریخ سے گہرا تعلق ہے اور اس کے بغیر کوئی ملک ترقی یافتہ نہیں ہو سکتا۔ گزشتہ دنوں پنجاب میں جو ہنگامے برپا ہوئے ہیں اور باشندوں کو جو خلاف انسانیت سزائیں دی گئیں میں اس کو بھی سزا دینے والوں کی اخلاقی کمزوری کہوں گا۔ نہایت افسوس ہے کہ جو گروہ تہذیب مشہور ہو جس کی تہذیب پر مغرب کو فخر ہو وہ خلاف انسانیت احکام کو عمل میں لا کر رحم کا خاتمہ کر دے اور نمائشی تہذیب کا صرف نام باقی رہ جائے۔

اخلاقی نقطہ نظر سے نفس کی حفاظت انسان کو تمام بلاؤں سے محفوظ رکھتی ہے۔ سب سے پہلے بدی کا تصور ہمارے ذہن میں آتا ہے۔ اس کے بعد ہم اس کو عملی صورت میں لاتے ہیں۔ اگر ہم بری بات کا تصور قائم نہ ہونے دیں اور اپنی توجہ کو دوسری جانب مائل کر دیں تو ہماری زندگی ہر قسم کے خطرات سے پاک ہو سکتی ہے۔ نیچر نے ایک چیز کو دوسری چیز کی ضد قرار دے کر دنیا کے نظام میں چار چاند لگا دیے ہیں۔ جس طرح زہر کے لئے تریاق ہے اسی طرح قوت ملکوتی قوت بہیمی پر غالب ہو کر بدی کے طلسم کو توڑ ڈالتی ہے اور انسان حقیقی اخلاق کا پتلا بن جاتا ہے۔ برے خصائل اور خراب خیالات کو دور کرنے کے واسطے توجہ سے بڑھ کر کوئی دوسری طاقت مفید ثابت نہیں۔ ہم ذہن کو فوٹو کھینچنے کا آلہ جانتے ہیں تو توجہ کو ایسا مشاق مصور تسلیم کرتے ہیں جو اپنے نقش و نگار سے ہر قسم کے جذبات کو برانگیختہ کرنے میں کمال رکھتی ہے میں اپنے ذاتی تجربہ کو پیش نظر رکھ کر بیان کرتا ہوں کہ توجہ انسانی خیالات کی دنیا میں انقلاب عظیم پیدا کر سکتی ہے اور چشم زدن میں عادات و اطوار بدل جاتے ہیں۔ میں ٹھوکر کھا کر سنبھلا ہوں گرہ سے بہت کچھ کھو کر عقل آئی ہے۔ آوارہ گردی اور قید کی سختیاں جھیلنے کے بعد آج سوشل ریفارم پر تقریر کر رہا ہوں۔

حضرات میں کسی زمانے میں عالم عشق کا رہ نورد تھا اور اس وادی میں سر ٹکرانے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ اس ملک کی عورتوں میں عصمت فروشی کی عادت کا پیدا ہونا زیادہ تر جہالت اور نکاح ثانی کی رسم اٹھ جانے کی بدولت وا پردہ سایہ ہے۔ موتی بیگم کی مثال میرے سامنے ہے۔ مجھے یہ عملی تجربہ ہوا ہے کہ طالب علم کی زندگی کے لئے بدنام کن عشق نہایت خطرناک ہے جو اس کے خرمن امید کو اپنی شعلہ افشانی سے جلا کر خاک سیاہ کر دیتا ہے۔

یہ دنیا جس میں ہم رہتے ہیں حسن و خوبی کے زیور سے لدی ہوئی ہے اور اس میں لاکھوں چیزیں محبت کرنے کے قابل ہیں مگر وہ نوجوان جو بری صحبت میں بیٹھ کر عشق کے نام سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ کالجوں اور بورڈنگ ہاؤسوں سے نکل کر حسن کے خلوت کدوں میں پہونچتے ہیں وہ اپنی صحت جسمانی کو رو بیٹھتے ہیں اور آوارگی میں مبتلا ہو کر ہر قسم کی ترقیوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ مشرقی فلاسفروں نے محبت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی فطری اور دوسری نفسانی کے نام سے مشہور ہے۔ فطری محبت اپنے والدین سے ملک سے قوم سے ہوتی ہے۔ اور اس کے نتائج نہایت خوشگوار ہیں۔ نفسانی محبت میں ناپائیدار خوشی اور بے ثبات ذوق کے اغراض و مقاصد شامل ہیں وہ اکثر دیرپا نہیں ہوتی مجھکو موتی بیگم کے ساتھ جو محبت تھی وہ اسی قسم میں داخل تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں آج اس کے نام سے متنفر ہوں اور اپنے نوجوان دوستوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ کبھی ایسی آوارہ بے شرم عورتوں کے پنجے میں گرفتار نہ ہوں جو ذلت رسوائی سے نہیں ڈرتیں۔ فریب چالاکی سے دلوں کو لبھاتی ہیں قتل جیسے ہیبت ناک جرم کے ارتکاب سے خوف نہیں کھاتیں۔ ان سے دل لگانا غفلت کی دلیل ہے۔ لازوال محبت وہ ہے جو ملک و قوم سے وابستہ ہو اور نیکی اور بھلائی کے ساتھ انسانی کارناموں کو ابد الآباد تک زندہ رکھے میں ایسے وقت اپنی بداعمالیوں سے تائب ہوا ہوں کہ ملک میں نئی زندگی کے آثار پیدا ہو رہے ہیں اور ارباب قوم اس بات کا احساس کر رہے ہیں کہ ہماری اصلی ترقی اصلاح تمدن میں ہے اور سیاسی تعلیمی صنعتی ترقیاں اسی چشمے کی ایک موج ہیں جب ہماری معاشرت اور خانہ داری میں جس میں صغر سنی کی شادی سے احتراز نکاح ثانی کے رواج کو ترقی دینا سب کچھ شامل ہے۔ قابل قدر اصلاحیں ہو جائیں گی۔ تو جمہوریت کو خود بخود قوت حاصل ہو جائے گی اور ہم نہایت آسانی سے منزل مقصد پر پہونچ جائیں گے۔ میں آئندہ اپنی زندگی کو سوشل کانفرنس کے لئے وقف کروں گا اور ہندوستان بھر میں دورہ کرتے ہوئے ایسے آدمیوں کا انتخاب کروں گا جو خوشی سے کام کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔

موتیم کی تقریر ختم ہونے کے بعد چند اہل نظر بزرگوں نے اس کے خیالات کی اصلاح پر مبارکباد دی اور اس کے نیک ارادوں کی تکمیل کے لئے دعا کی اور جلسہ برخاست [illegible]

بابِ خواتین

خواتین کے لئے

پاکیزہ، علمی، ادبی، اخلاقی مضامین

کے

سولہ صفحات

مرتبہ

فہمیدہ خاتون فرحت

مدیرہ

خاتونِ مشرق

دہلی

اے بے درد مرد سُن

قاضی نذرالاسلام کی نظم کا ترجمہ

ترجمہ از اختر رائے پوری

مرد کی ہر فتح و نصرت عورت کی قربانی کی منت پذیر ہے تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ کس جنگ میں عورتوں نے کتنا خون بہایا۔

لیکن یہ کون بتلائے گا کہ اس کے لئے عورتوں نے کس طرح اپنا سہاگ اجاڑ دیا۔؟

ماں نے جگر پاروں کو کیسے نکال پھینکا؟

شجاعت کی داستانوں میں یہ کہاں لکھا ہے کہ فلاں فاتح کی تلوار کو عورت کی ہمت افزائی نے برق دم بنا دیا تھا۔ راجہ پرجا پر حکومت کرتا ہے۔ مگر راجہ پر رانی راج کرتی ہے۔ ملکہ کی محبت حاکم کی نخوت کو دھوتی ہے۔

اے بے درد مرد سن، کہ عورت نے اپنا خون دے دے کر تجھے زندگی سے مالا مال کیا ہے، تاریخ جن لوگوں کے نام پر قربان ہوتی ہے وہ سب خود فراموشی کے ایک لمحہ میں پیدا ہوئے تھے۔

عیاش بابیوں کے ذہن میں ان کا تخیل بھی نہ تھا۔

ماں کی مامتا بچہ کو رحم و کرم، الفت و محبت کا سبق پڑھاتی ہے مرد کی وفا نا آشنا آنکھوں میں عورت ہی درد مندی کا کاجل لگاتی ہے لیکن مرد کی احسان فراموشی تو دیکھو کہ وہ عورت سے کس طرح پیش آتا ہے جس نے اُسے گود میں کھلایا اُسی کا گلا گھونٹتا ہے۔

جس شخص نے اپنے باپ کا حکم مان کر اپنی ماں کو قتل کر دیا اُسے انسان اوتار سمجھ کر پوجتا ہے پرش رام جنہوں نے اپنے باپ کا حکم پاکر اپنی ماں کو قتل کیا تھا۔

لیکن سُن رکھو اب وہ دن بیت گئے جب عورت مرد کی پابند تھی یہ مساوات انسانیت اور اشتراکیت کا زمانہ ہے۔

باد صبا یہ پیغام لائی ہے کہ غلامی کے سب بندھن ٹوٹ رہے ہیں اب نہ کوئی غلام ہے نہ کوئی غلام فروش۔

اگر مرد عورتوں کو قید رکھنے کی کوشش کرے گا تو وہ دن دور نہیں کہ یہ طوق خود اس کے گلے کا پھندا بن جائے گا۔ اور وہ آپ اپنے دام میں تڑپتا ملے گا۔

دور حاضر للکار کر کہہ رہا ہے کہ جو دوسروں کے لئے گڑھا کھودینگے وہ خود اسی میں گر کر مٹ جائیں گے۔

سُنو تم عورت پر جتنا تشدد کروگے اسی قدر بزدل ہوتے جاؤ گے۔

عورت بتلا تو سہی ان سخت ری ردیلی بیڑیوں میں تجھے کس نے جکڑ رکھا ہے؟

یہ کیوں ہے کہ اب تو اپنی جھجک سے آپ بھڑکتی ہے اور تیری آواز اس خیال سے کانپتی ہے کہ اسے کوئی سُن نہ لے۔

آج تو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ بھی نہیں سکتی۔ تیرے ہاتھوں میں ہتھکڑی ہے پاؤں میں بیڑی۔

عورت کب تک تو اس ظلم کو برداشت کرے گی۔ یہ زیور تیری غلامی کا تمغہ ہے اسے مردوں کے منہ پر پھینک دے۔

مادر گیتی کی لاڈلی بیٹی، پہاڑ اور جنگل کیوں اب تیری آواز سے نہیں گونجتے۔

کیا یونانی سچ کہتے ہیں کہ موت کا فرشتہ ایک روز تجھے اپنے اندھیرے تہہ خانے میں قید کر آیا تھا؟

ہاں ہاں یہی ہوا تھا، تو روز ازل سے قیدی ہے۔ لیکن تو ڈرتی کیوں ہے۔ جب تو اپنے قید خانہ کی دیواروں کو توڑ کر نکلے گی تو تیری چوڑیاں تاریک راستہ کو اجال دیں گی۔

مرد جو رزائیل کا کتا ہے اپنے مالک کے ساتھ تیرے قدموں پر لوٹتا نظر آئے گا۔

عورت اپنے نازک ہاتھوں سے دنیا کو آج تک تونے امرت کے پیالے پلائے تھے، للہ اب انہیں ہاتھوں سے سم قاتل پلادے۔ پھر وہ دن دور نہ ہوگا جب آسمان مرد کے ساتھ جیکار منانے لگے گا۔

آرزوئے رنگیں

(محترمہ صفیہ بیگم شمیم ملیح آبادی)

چلو بس جائیں سکھی چاند کی آبادی میں
آؤ گُن گائیں تبسّم کی حسین وادی میں

غرق ہو جائیں گلستانوں کی رعنائی میں
کھو کے رہ جائیں ستاروں کی درخشانی میں

ڈوب جائیں کبھی گیتوں کی طرب خیزی میں
جذب ہو جائیں فضاؤں کی سکوں بیزی میں

کھیلیں کرنوں سے ستاروں کی شبِ راحت میں
کبھی سو جائیں شگوفوں کی خنک نکہت میں

کھو کے رہ جائیں چمکتے ہوئے نظاروں میں
ڈوب جائیں کبھی امیدوں کے طوفانوں میں

کبھی سو جائیں شعاعوں کی حسیں وادی میں
کبھی کھو جائیں سکوں عیش کی آبادی میں

صبح کو البم قدرت کے اُلٹتے ہوں ورق
شب کو کشتی پہ مہ نو کی کریں سیرِ افق

کبھی گردن میں سب کرنوں کے ڈالیں باہیں
کبھی مسرور ہواؤں میں لگائیں تانیں

کبھی ہنستے ہوئے گلزار میں جھولا ڈالیں
جھوم کر بادلوں کی طرح ترانے گائیں

ذہن سو جائے سکوں کیف کے گہوارے میں
روح آزاد پھرے پریم کے میخانے میں

کھو کے رہ جائیں ستاروں کے پری خانے میں
غرق ہو جائیں تبسم کے طرب خانے میں

پی کے اُلفت کی مئے ناب ہوں سرشار سکھی
دل سے ہوں نیچر قدرت کے پرستار سکھی

آؤ بس جائیں سکھی چاند کی آبادی میں
پُرسکوں سانس لیں اک وادیٔ آزادی میں

بقائے حُسن و شباب

گزشتہ سے پیوستہ

گردن

صراحی دار گردن خوبصورت سمجھی جاتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جسم اور سر کو ملانے والا حصہ اوپر سے ذرا چوڑا ہو بیچ میں سے کچھ تنگ اور نیچے سے ذرا چوڑا۔ کوتاہ گردن بری سمجھی جاتی ہے گردن کی خوبصورتی بہت کچھ اس کے سڈول پن پر بھی منحصر ہے۔ گردن کی رگیں اٹھی ہوئی ہوں تو گردن اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ اس پر گوشت نہ بہت زیادہ ہونا چاہیئے۔ نہ بہت کم گردن کی بہت سی خرابیاں ذراسی ورزش سے دور ہوسکتی ہیں۔ اور گردن کے عیوب زیور سے چھپائے جاسکتے ہیں۔ جن عورتوں کی گردن بہت خراب ہو اُن کے لئے تو گردن پر زیادہ زیور لادنا مناسب ہوسکتا ہے لیکن جن عورتوں کی گردن خوبصورت ہو ان کو بہت ہلکا سا ایک زیور پہننا چاہیئے۔ کان کے زیور کا بھی گردن کے خوشنما معلوم ہونے سے بہت کچھ تعلق ہے۔ اس لئے کان کے زیور کے استعمال کے وقت اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اس سے گردن کی خوشنمائی میں فرق نہ آئے۔

شانے

جسم سے مناسب شانے اچھے سمجھے جاتے ہیں۔ اگر ان پر گوشت بالکل نہ ہوگا تو وہ بدصورت ہوں گے اور اگر گوشت زیادہ ہوگا تو بھی ان کے حسن میں خرابی پیدا ہوجائے گی۔ لیکن شانوں کا عام عیب ان کا بہت سوکھا اور ہڈیاں نکلا ہوا ہوتا ہے۔ یہ عیب ہاتھوں کو باقاعدہ ہلانے سے دور ہوسکتا ہے اور شانوں پر گوشت آسکتا ہے۔

بازو

گول اور سڈول بازو جن کی مچھلیاں ابھری ہوئی ہوں عورت کے جسم پر بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ عموماً۔ بازوؤں کے حسین معلوم ہونے کی طرف لڑکیاں توجہ نہیں کرتیں اس لئے کہ شاید انہیں اس کا احساس نہیں ہے کہ اگر بازو اچھے نہ ہوں گے تو جسم کا بالائی حصہ خوبصورت معلوم نہ ہوگا۔ بازوؤں کو خوبصورت اور سڈول بنانا خود انسان کے اپنے کرنے کی بات ہے۔ ہاتھوں کی گردش اور بازوؤں پر زور دینے والی ورزش کرکے بازوؤں کو خوبصورت بنایا جاسکتا ہے۔

کلائیاں

گول اور نازک کلائیاں خوبصورت ہوتی ہیں لیکن نازک کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان میں سوائے ہڈیوں کے کچھ نہ ہو عورتیں غالباً کلائیوں کے خوشنما ظاہر ہونے کی اہمیت کو تو محسوس کرتی ہیں اور ان پر زیور پہنتی ہیں لیکن وہ اس کا خیال نہیں کرتیں کہ کلائیوں کی ساخت میں حسن پیدا کرنا زیور لاد کر مصنوعی حسن پیدا کرنے کی کوشش سے زیادہ ضروری ہے۔ اگر کلائیاں سڈول ہوں گی تو وہ زیور کی آرائش سے معرا ہونے کے باوجود بہت زیادہ خوبصورت معلوم ہوں گی۔ "نرم نازک" کلائی عورت کے حسن میں بہت کافی اضافہ کرتی ہے۔ اور مرد کو موہ لینے میں کافی مدد دیتی ہے۔

خاموش گویائی

آنکھوں اور لبوں کے فرائض کی ادائیگی کے بعد مرد عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اور اس کے بعد کلائیوں پر نظر پڑتی ہے اگر کلائیاں خوبصورت ہیں تو وہ یقیناً خاموشی سے بہت کچھ کہہ دیں گی پھر ان پر خوبصورت چوڑیوں کی جھنکار مرد کو بے خود کرسکتی ہے اور کردیتی ہے۔ اس لئے کلائیوں کی طرف بھی لڑکیوں کو کافی

توجہ کرلی چاہیئے ان کی خوبصورتی کے لئے بھی اکثر اوقات وہی ورزش کافی ہوگی جو بازوؤں کو خوبصورت بنانے کے لئے ہوتی ہے۔ کلائیوں پر جو زیور پہنے جائیں ان میں خوش مذاقی کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے۔ جس لڑکی کی کلائی خوبصورت ہے اسے ہلکی ہلکی چوڑیاں پہننی چاہئیں۔ زیادہ زیور نہیں۔ اگر اس نے کلائیوں کا قدرتی حسن کھودیا تو اس نے کوئی عقلمندی نہ کی۔ ہاں جن عورتوں کی کلائیاں بدصورت ہوں وہ اپنی کلائیوں کا عیب ڈھکنے کے لئے زیادہ سے زیادہ زیور پہن سکتی ہیں۔

ہاتھ

ہاتھ جسم کے متناسب ہونے چاہئیں، چھوٹے خوبصورت اور نرم اور گداز ہاتھ اپنے اندر ایک مقناطیسی کشش رکھتے ہیں۔ ہاتھ چونکہ لباس سے معرا رہتے ہیں اس لئے ان کے قدرتی حسن کو برقرار رکھنے کے لئے خاص احتیاط کرنی لازم ہے۔ اگر ہاتھ کبھی گرم کبھی سرد پانی سے دھوئے جائیں گے۔ تو وہ پھٹ جائیں گے زیادہ گرمی اور سردی سے بھی ہاتھ پھٹ جاتے ہیں۔ اس لئے ہاتھوں کو زیادہ گرمی اور سردی سے بھی بچانا چاہیئے۔

انگلیاں

ہاتھوں کا جزو انگلیاں ہیں۔ وہ مخروطی ہونی چاہئیں ان کی جلد نہایت صاف ہونی چاہیئے۔ اور ان پر اتنا گوشت ضرور ہونا چاہیئے کہ صرف ہڈیوں کا پنجر نہ ہوں۔ خوبصورت انگلیوں میں بہت چھلے اور انگوٹھیاں نہ پہننی چاہئیں اس لئے کہ وہ اکثر اوقات انگلیوں کا قدرتی حسن زائل کردیتی ہیں۔ بدنما انگلیوں کے عیب کو کم کرنے کے لئے انگوٹھیوں وغیرہ میں افراط ہوسکتی ہے لیکن زیور کے متعلق ایک ضروری اصول یہ مدنظر رکھنا چاہیئے کہ وہ بجائے حسن میں اضافہ کرنے کے اس کے منافی نہ ہوجائے۔

دست حنائی

مختلف ممالک کی عورتیں ہاتھوں کو رنگنے کے لئے مختلف قسم کے رنگ استعمال کرتی ہیں۔ ان میں سرخ اور گلابی رنگ زیادہ استعمال کئے جاتے ہیں بعض ممالک میں نیلے پیلے رنگ بھی استعمال ہوتے ہیں ہندوستان میں مہندی لگانے کا دستور ہے مہندی ایک طرف تو ہاتھوں کو خوبصورت بنادیتی ہے۔ دوسری طرف وہ گرمی کو بھی چھانٹتی ہے۔ اس لئے سلیقہ سے مہندی لگانا ہر طرح مناسب ہے۔

محبت کی برقی رو

آنکھوں نے پیغام محبت دیا اس کا استعمال خاموشی سے کیا لبوں نے حرکت کرکے اور کچھ کہہ کر دل اور آنکھوں کی ترجمانی کی۔ حوصلے بڑھے۔ اور اب وہ وقت آتا ہے کہ ہاتھوں اور انگلیوں کے ذریعہ محبت کی بجلی ایک دوسرے کے جسم میں دوڑے۔ کسی نے کسی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ ہاتھوں کا یہ اتصال خدا معلوم کیسی برقی طاقت اپنے میں رکھتا تھا کہ ایک بجلی کی سی رو دونوں کے جسم میں دوڑ گئی۔ اور آن کی آن کے لئے تو دونوں بے خود سے ہوگئے۔ یقیناً کرخت اور بڑے ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی نرم انگلیوں نے وہ مقناطیسی اثر کیا کہ دماغ تک میں سکون پیدا ہوگیا۔ اب ہمیں ہاتھوں پر نظر پڑنے کا نمبر آتا ہے۔ خوبصورت نرم اور گداز انگلیوں کی تعریف کی جاتی ہے۔ مہندی لگی ہوئی ہتھیلیوں کی تعریف ہوتی ہے مہندی نے ہتھیلیوں اور انگلیوں کے قدرتی رنگ پر سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ وہ جاذب نظر ہوکر مرد کے جذبات میں ایک تموج پیدا کرتا ہے اس سے نشہ سا ہونے لگتا ہے عورت بھی اس نشہ سے بالکل معترا نہیں ہوتی۔ غرضیکہ ہاتھ اور خوبصورت ہاتھ انگلیاں اور نازک انگلیاں پھران پر مہندی کا سنگھار ایسی چیزیں ہیں جو عورت کے حسن کو دوبالا کرنے کے علاوہ مرد کی تسخیر میں بہت زیادہ معاون ہوتی ہیں اس لئے ہم کہیں گے کہ ہر لڑکی ہاتھوں اور انگلیوں کی بہت حفاظت کرے۔ اس لئے کہ محبت کی پہلی برقی رو انہیں کے ذریعہ سے جسم میں دوڑتی ہے۔

(باقی آئندہ)

وہ طبقہ جو عورتوں سے نفرت کرتا ہے

انگریزی سے ماخوذ

عورتوں میں بلاشبہ بے حد کشش اور دلفریبی ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں ہے کہ عورت ایک دلکش چیز ہے۔ لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ دنیا کی جتنی بھی دلکش چیزیں ہیں۔ وہ امن اور سکون کو برباد کرنے والی ہیں۔ موسیقی کی دلکشی سے کون انکار کر سکتا ہے۔ شراب کی کشش کس قدر نمایاں ہے۔ دیگر منشیات میں بھی بے حد کشش ہے یہاں تک کہ لوگ ان منشیات کی بدولت بڑے بڑے جرائم کرتے ہیں۔ عورت کو بھی منشیات ہی کا ایک مجموعہ سمجھیے جو ہم کو اندھا۔ بہرا کر دیتی ہے۔

عورتوں کو اپنے شوہروں سے کس قدر تعلق ہوتا ہے اس کا اندازہ اس سے کر لیجیے کہ اگر عورت کا ایک گاؤن بگڑ جائے تو وہ سارے گھر کو سر پر اٹھا لیتی ہے۔ لیکن اگر اس کا شوہر بیمار ہو جائے تو اسے ہسپتال میں بھیج کر بے فکر ہو جاتی ہے۔ شوہر صرف اس لئے ہوتے ہیں کہ وہ عورتوں کے لئے سامان تعیش فراہم کریں جو شوہر اپنی بیویوں سے محبت کی بھی آرزو رکھتے ہیں وہ بڑے احمق ہیں۔

نیک اور شریف عورتیں اکثر اس لئے بھی اپنے شوہروں سے دلچسپی رکھتی ہیں۔ کیونکہ وہ چند بچوں کی مائیں بننا چاہتی ہیں لیکن ماں بننے کے بعد ان کو شوہر سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی وہ اپنے بچوں کی فکر میں لگ جاتی ہیں۔ اور وہ اپنے بچوں کی دلداری کے لئے سو مرتبہ شوہر کی محبت کو قربان کر سکتی ہیں وہ شوہر جو اپنی بیوی کے متعلق یہ رائے رکھتا ہے کہ اس کی بیوی کو اس کے ساتھ بیٹے کے مقابلہ میں زیادہ محبت ہے اس زمانہ کا سب سے احمق آدمی ہے۔

بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ ان کی بیویاں ان سے محبت کرتی ہیں۔ ممکن ہے کہ ان کا یہ دعویٰ صحیح ہو۔ لیکن اکثر اوقات یہ دعویٰ غلط ہی ثابت ہوتا ہے۔ اگر آپ کو بھی اپنی بیوی کی محبت کا مغالطہ ہے تو ایسا کیجئے کہ نصف آمدنی بنک میں ڈال دیا کیجئے اور بیوی سے کہئے کہ میں نے اپنے ایک دوست کو دیدی ہے اور برابر ایسا کرتے رہیے۔ آپ دیکھیں گے کہ بیوی کی ساری محبت چند ہی روز میں غصہ میں تبدیل ہو جائے گی۔

ایک عورت کے متعلق کوئی دانشمند سے دانشمند یہ رائے نہیں قائم کر سکتا کہ کب وہ بدل جائے گی۔ اس کی فطرت میں غیر مستقل مزاجی اور تلون ہے۔ ایسی حالت میں ہم کسی عورت پر کبھی اعتماد نہیں کر سکتے خواہ وہ ہماری بیوی یا محبوبہ ہی کیوں نہ ہو۔

کیا تمہیں یاد ہے

کیا تمہیں یاد ہے وہ رات
جو ہم نے باغ میں
باتیں کرتے ہوئے گزار دی
کیا تمہیں یاد ہے وہ دن
جب تم نے کانپتی ہوئی آواز میں
ڈرتے ڈرتے مجھ سے اظہار محبت کیا تھا۔
کیا تمہیں یاد ہے وہ دن
جب میں نے کنج باغ میں تم سے
پیمان محبت باندھا تھا
کیا تمہیں یاد ہے وہ دن
جب تم نے مجھ سے کہا تھا
میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا
نہیں او بے وفا اب تم سب کچھ بھول چکے ہو!

عورت سے خطاب

صاحبزادہ محمد صدیق خاں تسلیم

کاشانۂ ہستی کی زندہ تصویر! خواب غفلت سے بیدار ہو کہ اب سحر ہو چلی۔ دیکھ! تیرا اقبال اوج ثریا پر پہنچ چکا ہے۔ کیا نہیں دیکھتی انقلاب زمانہ کے زبردست تھپیڑے تیرے حسن کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے والے ہیں۔ تیرا کمال اس پژمردہ پھول کی مانند رہ گیا جو خزاں کے تند و تیز جھونکوں کے نذر ہو چکا ہو۔ تیرا زوال فلک نشین ہو کر تجھ پر طعنہ زن ہے۔ انصاف کی شفاف موجیں تیرے پاؤں کے قرب کے لئے بیتاب ہیں۔ ان کی تمنا کو پائے حقارت سے نہ ٹھکرا۔ تیرے دل میں رحم ہے .... ہمدردی ہے جو شمع راہ بنکر تیری مشکلات کی تاریکی کو نور سے مالامال کردیں گے۔ تیرا صبر تجھے رہِ استقلال سے بھٹکنے نہ دے گا۔ اور خضر بن کر تیری حفاظت کرے گا۔ ہوشیار ہو۔ کہ اب دورِ زمانہ "مئے انصاف" کا بلوریں اور چھلکتا ہوا جام لئے تیری طرف آرہا ہے۔ اس سے سیر ہو۔ یاد رکھ موجوں کا انتہائی سکون امن شکن طوفان کا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے۔ کہاں ہیں تیرے وہ جوہر جن کی موجودگی سے ایسی ایسی اولوالعزم ہستیاں باغ عالم میں رونما ہوئیں۔ جن کی یاد میں آج تک دنیا ماتمی نغمے گا رہی ہے؟ تو سمجھتی ہے وہ زائل ہوگئے......... مٹ گئے۔ نہیں...... وہ تجھ سے دور کہیں پوشیدہ ہیں۔ انہیں تلاش کر۔ اس مشکلات کے بحرِ بے پایاں کو دیکھ کر مایوس نہ ہو۔ یہ سراب کی حقیقت رکھتا ہے۔ کشتیٔ ہمت میں قدم رکھ اور اسے عبور کر۔

ہاں۔ اے نغمۂ حیات ایک بار پھر دورِ فاروقی رضؓ کے شفاف پردوں کو اٹھا دے۔

محبّت

کہکشاں بن کر جگمگا رہی ہے
شمع بن کر ٹمٹما رہی ہے
کلی بن کر مسکرا رہی ہے
نکہت بن کر پھول میں سما گئی ہے
نسیم بن کر گلستان میں آوارہ ہے
لہریں بن کر ساحل کا منہ چوم رہی ہے
برق بن کر بادل میں شوخیاں کر رہی ہے
بارش بن کر تپتی ہوئی زمین سے ہم آغوش
ہو رہی ہے۔

آنسو بن کر عاشق کے دل میں بس رہی ہے
مسکراہٹ بن کر خوشنما لبوں پر کھیل رہی ہے
غازی کی تلوار بن کر
وطن کا تحفظ کر رہی ہے
بھیک بن کر فقیر کی جھولی میں ہے
خدا بن کر آسمانوں میں چھپی ہے
اور فضائے جنت میں تم سے ہم آغوش ہونے کے
لئے مضطرب ہے
محبت پیاری محبت لازوال محبت!

اے بے درد عورت سُن

صاحبزادہ عبدالمجیب خاں صاحب آف ٹونک

عورت کی ہر خواہش و مسرت مرد کی قربانی کی منت پذیر ہے۔ مرد نے عورت کی محبت اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دنیا میں کیا کیا اور اس نے پھر اس کا صلہ مرد کو کیا دیا۔ سن اے بیدرد عورت زار نے تیرے ساتھ کیسی محبت کی تجھ کو اپنا سمجھا دل کا راز تجھ سے کہا۔ مگر او بے وفا تو نے اس کا صلہ دغا بازی سے دیا اس کے دشمنوں سے مل کر خود اس کے خون سے ہاتھ رنگے۔ تو نے یوسف (علیہ السلام) کو اپنے مکر سے زنداں میں ڈلوایا کیا تو وہ عورت نہیں جس نے مکر سے اپنے بیٹے کو تخت حکومت پر بٹھانے کے لئے رام چندر جی کو ان کے باپ سے اصرار کر کے چودہ برس کی بن باس دلائی تھی۔ اے بیدرد تیرے کرتوتوں سے کون واقف نہیں موجودہ زمانہ کو دیکھ اور کان کھول کر سن کر۔ کیا تو وہ عورت نہیں جو سر بازار اپنے حسن کے ڈورے ڈال کر بے گناہ فرزند کو دام ہوس میں قید کرتی ہے۔ ذرا اپنی محبت پر نظر کر اور سچ بتا کیا تجھے محبت کے پردے میں زر کی لالچ نہیں ستاتی امیروں کو لوٹنا کیا تیری عادت نہیں غریبوں کو دھتکارنا کیا تیرا شیوہ نہیں اے بے رحم عورت وہ خاوند جو تمام دن کمائی کا کام کرتا رہا ہو اور تھکا ماندہ گھر پر آئے جسے یہ امید ہو کہ تو اسے تسلی دے گی۔ اپنی شیریں باتوں سے اسے خوش کرے گی کیا کبھی غلطی سے بھی تو نے ایسا کیا ہے کیا۔ اس کے گھر میں داخل ہوتے ہی تو نے اسے ڈانٹ نہیں پلائی کیا تو نے اس کے گاڑھے پسینے کی کمائی چند روز میں نہیں اڑا دی اے بیدرد عورت سن کیا تعلیم کا یہی مقصد ہے کہ تو مرد کا دل دکھلائے۔ اے عورت کیا تو خاوند کا اپنی ضد پوری کرانے میں ناک میں دم نہیں کرتی کیا فیشن ایبل ساریوں کا تصور تجھے رات دن نہیں ستاتا۔ کیا کبھی خاوند نے تیری ضد پوری کرنے سے انکار کیا اور کیا بعد میں اسے پورا نہ کیا۔ اے مکار عورت تو وہی عورت ہے نا۔ مرد نے تیری خواہش پوری کی تو مسکرا دی جواہرات کا ڈھیر سامنے رکھا تو نے بے اختیار باہیں ڈال دیں اس نے تیرا مطلب پورا کرنے سے انکار کیا تو نے دھتکار باہر کیا۔ کیا تیری محبت یہی ہے۔ مردوں کی محبت بھی کبھی دیکھی ہے کیا کبھی قیس کی محبت پر غور کیا ہے۔ جہانگیر اور نور جہاں کا حال پڑھا ہے۔ کیا شاہ ایڈورڈ کی مثال سامنے نہیں۔ اے ناقص العقل پھر اگر مرد تجھے سمجھاتا ہے تو تو اس کے سر تمام الزام تھوپتی ہے۔ اسے قصوروار ثابت کرتی ہے۔ کیا پھر ہمارا یہ فرض نہیں کہ تجھے نہ دھتکاریں۔ بقول

اگر نیک بودے سرانجام زن
زنان را زن نام بودے نہ زن

اے احسان فراموش ٹھنڈے دل سے غور کر اور یقین جان کہ تیری ہر خوشی و مسرت مرد کی قربانی کی منت پذیر ہے۔

کنجِ باغ میں

میری پیاری سہیلی مجھے تسلیاں نہ دے۔!
میرا محبوب اس وقت بھی میرے پاس ہے۔
دیکھ ہوا کا جھونکا پھول کی آغوش سے
نگہت کو چھین لایا ہے
اور اب یہ نگہت ہمارا مشام جان معطر کر رہی ہے
نگہت ہمارے پاس ہے
لیکن اگر تم پھول کے پاس چلی جاؤ
تو نگہت کو اسی کی آغوش میں پاؤ گی۔
اسی طرح میرا محبوب بھی مجھے تنہا چھوڑ کر
میدان کارزار میں داد شجاعت دے رہا ہے
لیکن آہ میرے دل میں وہ اسی طرح موجود ہے۔
جیسے پھول میں نگہت۔

میں اور تو

صاحبزادہ محمد صدیق خاں سلیم جے پور

دامن کوہ ہو......... اور پہاڑوں کی چوٹیاں سرسبز و شاداب نظر آرہی ہوں......... کالی کالی......... متوالی گنگھور گھٹائیں عقب کوہ سے اٹھتی ہوں......... فضا پر خاموشی طاری ہو......... اور......... مست مئے سکون کا بلاوین جام لئے ہوئے رقص کناں ہو......... عندلیب بیقرار اپنے روح پرور نغموں سے فضا کو مدہوش کرتی ہو......... دامن کوہ کی مستانہ ہوائیں چلتی ہوں......... چار سو رنگ برنگ کے پھول شگفتہ ہوں...... کلیوں کے چہروں پر ہلکا ہلکا تبسم کھیل رہا ہو......... کوئل کی دلکش کوک پیام مسرت بخش رہی ہو......... ماہ کامل منہ پر ابر سیاہ کا نقاب ڈالے سحر کے نورانی پرتو سے ماند ہوتا جا رہا ہو......... کبھی کبھی اس کی نورانی کرنیں دنیا کو منور کرتی ہوں......... برگد کے درخت کے اوپر طاؤس فرط طرب سے بے چین ہو ہو کر صبح کی آمد کے نعرہ ہائے مسرت بلند کرتا ہو......... حسین پھولوں کی ڈالیاں ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر محبت کے راز و نیاز میں مصروف ہوں......... تاریکیٔ شب نور سحر سے گلے مل رہی ہو......... ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہو......... چشمہ کا بہتا ہوا صاف پانی جھاڑیوں میں چمک رہا ہو......... اس کی معصوم لہریں شوخیاں کرتی ہوں......... نازک اندام پودوں کی ڈالیاں باد نسیم کے نرم جھونکوں سے مست ہو ہو کر والہانہ انداز سے سطح آب کو چومتی ہوں......... حسن کائنات کے ذرہ ذرہ پر مہربان ہو......... اور ہر چیز کو سراپا حسن بنا کر صانع قدرت کی زبردست قوت کی یاد دلاتا ہو......... اس وقت......... آہ!......... اس سہانے میں......... میں اور......... تو.........!!

نوحہ

سڑک کے پودے کے پھول پر
شبنم کا خوبصورت قطرہ
کس حسن نزاکت کے ساتھ
چمک رہا ہے
تھوڑی ہی دیر میں جب
سورج افق کی کھڑکی سے
اپنا سر باہر نکالے گا

شبنم کا قطرہ فنا ہو جائے گا
اور اسے ہم پھول کی طرح
اس نازک پتی پر پھر کبھی نہیں دیکھیں گے۔
اسی طرح اپنے جن عزیزوں کو
ہم گوشہ قبر میں سلا آئے ہیں۔
آہ انہیں ہم حشر تک نہیں دیکھ سکیں گے۔

اگر میں ڈکٹیٹر ہوتی

اگر میں ڈکٹیٹر ہوتی تو اُن امور کو جلد از جلد رفع کرتی جو نہ صرف میری نظر میں برے ہیں بلکہ عوام کی حد تک بھی برے اور بہت ہی برے ہیں۔

لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی کہ جن چیزوں کو اب بری سمجھ کر نفرت کی نظر سے دیکھتی ہوں اس وقت بھی دیکھتی جب کہ ڈکٹیٹر ہوتی کیونکہ جب میری نظر ایسی نہ رہتی خیالات جداگانہ ہو جاتے بلکہ خود میری ہستی ہی بدل کر بالکل ایک نئی ہستی ہو کر رہ جاتی۔ اس لئے کہ اس بلندترین عہدہ پر معمور ہونے سے میری حیثیت میں زبردست تغیر آجاتا پھر لازمی طور پر فطرت ہی بدل جاتی اب جو کچھ بھی خوبیاں مجھ میں ہیں نیست و نابود ہو جاتیں اور دنیا کی ساری برائیاں ان کی جگہ لے لیتیں جس کی پوری وجہ یہ ہے کہ دولت کا نشہ میری آنکھوں میں چھا جاتا۔ غرور اور تکبر میرا خاصہ ہو جاتا۔ غرض کہ میں دولت میں اپنے آپ کو اس طرح کھو بیٹھتی کہ ہندوستان کی اصلاحات تو ایک بڑی بات ہے خود مجھے اپنی اصلاح تک کا ہوش نہ رہتا۔ کیونکہ اس وقت جو میرے تخیلات ہیں اگر میں ڈکٹیٹر ہوتی تو طائر آزاد کی طرح دولت کی ہوا میں پرواز کر جاتے اور دوسرے تخیلات کی اک نئی دنیا میرے دماغ میں آباد ہو جاتی۔ جس کی حکمران دولت ہوتی۔

اب میں کہتی ہوں کہ اگر ڈکٹیٹر ہوتی تو سب سے پہلا جو قانون جاری کرتی وہ یہ ہوتا کہ ہر مسلمان اول وقت بیدار ہو جائے اور وقت کی پابندی کرے۔ اور ایسا نہ کرنے والوں پر جرمانہ لگا دیتی۔

لیکن جب ڈکٹیٹر ہونے سے میرا رتبہ اتنا بلند ہو جاتا تو یقیناً میں خدا کو بھول جاتی اور پھر کیا یہ قرین قیاس ہے۔ کہ جس خدا کو خود میں نے فراموش کر دیا ہو (نعوذ باللہ) اسی کی بندگی کے لئے دوسروں کو تاکید کرنے کا خیال تک میرے دماغ میں آئے؟؟؟! کچھ یہ امر ناممکنات سے تو ہے نہیں کہ انسان بڑائی پاکر خدا کو بھول جاتا ہے۔ اقبال مرحوم نے جواب شکوہ میں خدا کی طرف سے جو یہ کہا بالکل حقیقت ہے ؎

امرا نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملت بیضا غربا کے دم سے

لہٰذا کسی صورت یہ بتا ہی نہیں سکتی کہ اگر میں ڈکٹیٹر ہوتی تو کیا کرتی!!! کیونکہ انسان کی فطرت کو بدل دینا دولت کے لئے ایک معمولی سا کام ہے۔

حیدرآباد دکن ——— منیر سلطانہ بہار

اے ستارۂ سحری

ستاروں کے قافلے
آسمان سے کوچ کرتے ہوئے۔
جا چکے ہیں۔
ملکۂ صبح اپنے منہ سے آنچل اٹھائے ہوئے
خراماں خراماں چلی آرہی ہے۔
اے ستارۂ سحری تیری روشن آنکھ اب تک کیوں کھلی ہے؟
کیا تو میرے محبوب کے خوبصورت چہرے پر ایک نظر
ڈالنے کے لئے بے تاب ہے؟
لیکن وہ تو میدان کارزار میں داد و شجاعت دیتا ہوا
موت کی شیریں نیند سو چکا ہے۔
اس کی روح جنت کے مرغزاروں میں ہے

مرد زیادہ مکّار ہوتے ہیں

از لیلیٰ مسز مہدی حسین لکھنوی

"محشر خیال" میں اس عنوان پر بحث چھڑی ہے کہ "مرد زیادہ مکار ہے یا عورت"۔

جناب میکائیل صاحب دہلوی نے اس ہی موضوع پر اک مضمون لکھا ہے اور اس میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ عورت کو مکار ثابت کیا جائے۔ اور اس کے جواب میں محترمہ سلمیٰ عثمانیہ لکھنوی نے ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے۔ مجھے ان کے خیالات سے اتفاق ہے ...... مجھے بہت خوشی ہوئی کہ "محشر خیال" میں اس دلچسپ بحث کا آغاز شروع ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ "مرد زیادہ مکار ہے یا عورت" اس کے جواب میں میں یہ کہوں گی کہ آج کل ۹۰ فی صدی مرد زیادہ مکار ہوتے ہیں۔ وہ عورت کو ایک دلفریب اور خوبصورت دھوکے میں مبتلا کر کے نظریں پھیر لیتے ہیں۔ مرد کی محبت اک بے معنی چیز ہے اس کا پیشہ نفس پرستی اور اس کا کام دھوکے بازی ہے۔ مرد کی وقتی محبت اور اس کے بناوٹی آنسوؤں پر اعتبار کرنا آگ کے شعلوں سے کھیلنا ہے۔ مرد نے ہمیشہ عورت پر ظلم کیا۔ اس کے حقوق تلف کئے اور ہمیشہ اس کمزور ہستی پر ناجائز حکومت کی۔ اس کو پردے کی قید میں جاہل رکھ کر اس کے تمام حقوق تلف کئے ـــــ مرد کو اختیار ہے کہ وہ ایک بیوی کرے یا چار لیکن کیا عورت کو اتنا بھی حق حاصل ہے کہ وہ کسی غیر مرد کی تعریف اپنے شوہر کے سامنے کرے؟ یا وہ کسی مرد کو نظر بھر کر دیکھ سکے۔ اگر بیوی کھڑکی کے پاس محض تفریحاً کھڑی ہو جائے تو شوہر صاحب کا منھ دو دن تک کا نظر آئے گا کہ کیوں تم کھڑکی کے پاس کھڑی ہوئیں؟" اور جب تک بیوی معافی نہ مانگ لے گی کہ "توبہ کرتی ہوں اب کبھی کھڑکی کے نزدیک بھی نہ جاؤں گی" اس وقت تک شوہر صاحب اپنی اصلی حالت پر نہیں آسکتے۔ میں نے اپنے کانوں سے اک شوہر صاحب کو بیوی کے منھ پر یہ کہتے سنا: "سنتی ہو وکیل صاحب کی لڑکی بڑی حسین ہے اگر مل جائے تو واللہ پرستش کروں" بیوی نے نظر اٹھا کر دیکھا اور کھانا پکانے چلی گئیں۔ یقیناً یہ آپ کہیں گے کہ شرع میں چار بیویاں جائز ہیں ہمارے رسول نے چار بیویاں کیں لیکن کیا انہوں نے اپنی بیویوں کو تکلیفیں دیں؟ کیا انہوں نے اپنی بیویوں کے ساتھ برے برتاؤ کئے؟ نہیں کبھی نہیں ... ! میں نے اکثر یہ مردوں کو کہتے سنا کہ شرع ہماری اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ عورت کسی غیر مرد کو نظر بھر کے دیکھے۔" مگر کیا شرع آپ کو اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ طوائف کے یہاں چلکر گانا سنو غیر کی بہو بیٹیوں کو چھپ چھپ کر دیکھو کسی حسین عورت کو دیکھ کر اس کا تعاقب کرو؟ اگر یہ آپ کی شرع میں جائز نہیں ہے تو عورت پر کیوں "ناظلم ڈھاؤ" ...... مجھے اس کا جواب دیجئے کہ آجکل جو یہ باقریب قریب تمام مردوں میں پھیلی ہوئی ہے کیا یہ آپ کے مذہب شرع اور قرآن میں جائز ہے؟ میں دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ مرد نے عورت کو بیوفائی سکھائی۔ مرد کی محبت گرگٹ کی طرح ہے گھڑی میں لیا اور گھڑی میں بھوت ...... عورت آہ کمزور عورت مرد کی جھوٹی محبت پر اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیتی ہے۔ مرد کی خوشی پر اس کی تمام مسرتوں کا انحصار ہے۔ عورت اس کو دیوتا سمجھ کر اپنے دل کے مندر میں اس کی پوجا کرتی ہے۔ مگر مرد ظالم مرد اس سے کھلونے کی مانند کھیلتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو ایک دوسرا نیا کھلونا نہیں مل جاتا ہے ـــــ کس کس بات کا رونا روئیں ـــــ حضرت میکائیل صاحب کا یہ مطلب ہے کہ مرد بیچارے بڑے ہی نیک سیدھے اور ناداں ہوتے ہیں اور عورتیں مکر و فریب اور دغا کا مجسمہ ہیں۔ شاید آپکو عورت کی طرف سے کوئی تلخ تجربہ حاصل ہوا ہے۔ میکائیل صاحب سنئے۔ دنیا کے بڑے بڑے فلاسفروں کے عورت کے لئے کیا خیالات ہیں۔ ہیولاک انلیس کہتا ہے۔ مرد عورت ہر حالت میں برابر ہیں ہر بات میں جدا اور ہر بات میں ایک "باژن" کہتا ہے۔ انسانی زندگی کا وجود ہی عورت کے پہلو سے ہوتا ہے سب سے پہلے الفاظ تم اسی کی زبان سے سنتے ہو۔ تمہارے اول آنسو

کی تلافی بھی وہی کرتی ہے اور تمہاری آخری آہیں بھی کسی عورت ہی کے کانوں تک پہنچتی ہیں ——— عورت "فطرت کا شاہکار" ہے بذاتِ خود اک جنت ہے: "معلمہ فطرت" صحیح معنوں میں "غمگسار ہے" "ناور ہمدرد" محبت ہے اور محبت خدا ہے۔ ماں کے پیروں تلے جنت کے جلوے پوشیدہ ہیں۔ قرآن شریف میں، سورہ ۳۔ آیت ۱۹۵۔ (خدا نے فرمایا ہے) ہم تم میں سے کسی نیک عمل کرنے والے کے عمل کو اکارت نہیں کرتے۔ چاہے تم مرد ہو یا عورت۔ کیونکہ تم سب ایک دوسرے کی جنس ہو ——— سورہ ۳۰۔ آیت ۲۱ خدا کی نشانیوں میں سے ایک تم بھی ہو یہ نشانی اس لے مرد کے لئے پیدا کی تمہاری ہی جنس سے جلیس (عورت) تاکہ تم کو اس سے راحت ملے اور تم میں پیار و اخلاص پیدا کیا ———

آخر میں میکائیل صاحب سے عرض کروں گی کہ یہ آپ کا خیال غلط ہے کہ عورت مکار ہے۔ میں پھر کہتی ہوں کہ "مرد نے عورت کو بیوفائی اور مکاری سکھائی" ——— اور وہ در اصل "مرد مکار ہے"۔

بے تابی

(ترجمہ جناب حبیب الحسن وکیل گوہر گنج بھوپال)

تم جیسی ہو ویسی ہی چلی آؤ۔ اپنے سنگار میں دیر نہ لگاؤ۔ اگر تمہارے سنورے ہوئے بال کھل گئے ہیں۔ اگر تمہاری مانگ سیدھی نہیں رہی۔ اگر تمہاری چولی کے دامن کھلے ہی ہیں۔ تو پروا نہ کرو۔
جیسی ہو ویسی ہی چلی آؤ۔ اپنے سنگار میں دیر نہ لگاؤ۔

گھاس پر تیز قدم اٹھاتی ہوئی آجاؤ!
اگر اوس کی وجہ سے تمہارے پاؤں سے لئی ٹپک رہی ہے۔ اگر تمہارے پاؤں کے گھنگروں کے چھلے ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔ اگر تمہاری مالا کے موتی گرے جاتے ہیں تو پرواہ نہ کرو۔
گھاس پر تیز قدم اٹھاتی ہوئی آجاؤ!

دیکھتی ہو؟ بادل آسمان کے گرد لپٹ رہے ہیں!
دریا کے اس پار کے کنارے سے بگلوں کی قطاریں اڑی جا رہی ہیں۔ اور آندھی کے تیز و تند تھپیڑے درختوں کے اوپر فراٹے بھر رہے ہیں!
فکرمند مویشی گاؤں کو اپنے اپنے چھپروں کی طرف بھاگے جا رہے ہیں ——— دیکھتی ہو؟ بادل آسمان کے گرد لپٹ رہے ہیں۔

تم اپنے سنگار کا چراغ بیکار روشن کرتی ہو۔ کہ وہ آندھی سے ٹمٹماتا ہے۔ اور بجھ جاتا ہے۔ کون جا سکتا ہے۔ کہ تمہارے پپوٹوں پر کاجل نہیں لگایا گیا۔ کیونکہ تمہاری آنکھیں تو گھٹاؤں سے بھی زیادہ کالی ہیں۔
تم اپنے سنگار کا چراغ بیکار روشن کرتی ہو۔ وہ بجھ تو جاتا ہے!

تم جیسی ہو ویسی ہی چلی آؤ۔ اپنے سنگار میں دیر نہ لگاؤ۔ اگر ہار نہیں گوندھا گیا۔ تو اس کی پروا کس کو ہے؟ اگر گجرے نہیں پروئے گئے۔ تو نہیں سہی۔ آسمان بادلوں سے گھر گیا دیر ہو رہی ہے۔
جیسی ہو ویسی ہی چلی آؤ۔ اپنے سنگار میں دیر نہ لگاؤ۔

(ٹیگور)

عورت کی تخلیق

(عادل ادیب مرادآبادی کے قلم سے)

جب ازل میں ہو چکی تکمیلِ نقشِ کائنات — خود بخود روشن ہوئے اجزائے ہستی کے صفات
پھول کو خوشبو ملی۔ تاروں کو نورانی جبین — ہر بزم افروز کو بخشا لباسِ آتشین
موجِ دریا کو روانی۔ بوئے گل کو پیچ و تاب — ساز کو نغموں کی دولت اور نغموں کو شباب
صبح کو پاکیزگی دی۔ پردہ داری شام کو — اور مسلسل بیقراری گردشِ ایام کو
صحنِ گلشن کو عطا کی رنگ و بو کی کائنات — ذرے ذرے کو ودیعت کر دیا ذوقِ حیات

روح چونکی نغمۂ کن کی لطیف آواز سے
زندگی کی شورشیں ابھریں عدم کے ساز سے

لیکن اس پر بھی جہانِ آب و گل بے نور تھا — مقصدِ ہستی۔ ابھی ہستی سے کوسوں دور تھا
گو کہ نغمے مضطرب تھے زندگی کے ساز سے — شور سا پنہاں تھا۔ لیکن ساز کی آواز میں
ناگہاں نقاشِ ہستی کو پھر آیا کچھ خیال — پھول سے خوشبو لی۔ انجم سے لیا حسن و جمال
موجِ دریا سے روانی اور لہروں سے جنون — لی حبابوں سے شرارت اور ساحل سے سکون
غنچۂ نو سے تبسم۔ لالہ و گل سے مہک — بلبل و قمری سے نغمے اور سبزے سے مہک
چاند سے لی موسمِ گل کی سنہری چاندنی — شام سے ظلمت فروشی اور سحر سے روشنی
دامنِ صحرا سے وسعت۔ کوہ سے عزم و وقار — ابر سے نازک خرامی۔ برق سے سوز و شرار
سرو سے قد۔ پھول سے رخ۔ اور غنچے سے دہن — آئینے سے جلوہ ریزی بجلیوں سے بانکپن
گیسوئے سنبل سے زلفیں۔ برگِ گل سے لعلِ لب — نرگسِ شہلا سے آنکھیں۔ تیغِ ابرو سے غضب

آفرینش کے یہ اجزا جب فراہم ہو گئے
اک نئے انداز سے آخر مجسم ہو گئے

جب مکمل کر لیا قدرت نے یہ نقشِ جمیل! — حسن و رعنائی میں جو تھا۔ آپ ہی اپنی دلیل
پھونکی اپنی روح اس پیکر میں اس اعجاز سے — اک لطیف آواز سی گونجی۔ نفس کے ساز سے

دل میں اس کے جذبۂ حسن و لطافت رکھ دیا
نام اس مجموعۂ خوبی کا عورت رکھ دیا

عادل اتنی روح پرور خوبیوں کے باوجود — بیوفائی کی ہوئی اس نقشِ زیبا میں نمود
نرگسی آنکھوں کو بخشا سحرِ قاتل کا اثر — اور دلِ عاشق نے پایا تحفۂ دردِ جگر
حسن کو جور و جفا کی عادتیں بخشی گئیں — عشق کو درد و الم کی لذتیں بخشی گئیں
بن گیا دامِ محبت حلقۂ زلفِ ایاز — اور دلِ محمود کو دی لذتِ سوز و گداز
حسنِ خود آرا کو بخشیں دولتیں ہی دولتیں — عشقِ بیچارے نے پائیں حسرتیں ہی حسرتیں
عشق کو قدرت نے گر اک ہستیٔ بے بود دی — حسن کو عذرِ جفا کی سیرتِ محمود دی
حسن کو سب کچھ دیا۔ جو کچھ اسے منظور تھا — عشق کیا پاتا کہ عرضِ حال سے معذور تھا
عادل آخر شانِ قدرت کی ہویدا ہو گئی — حسن میں بھی عشق کی اک شان پیدا ہو گئی

عورت

از جناب صاحبزادہ محمد عبد القدوس خاں صاحب فرحت آف ٹونک اسٹیٹ

تیری خلقت سے مگر سارا جہاں آباد ہے
تیری صورت سے تسلّی دلِ ناشاد ہے

تیرے دم سے غلغلہ کا شائبہ ہستی میں ہے
روشنی تیرے رخِ زیبا کی اس بستی میں ہے

کوئی شیدا تیری صورت پر کوئی آواز پر
کوئی مفتوں تیرے قامت پر کوئی انداز پر

ہاں صفاتِ باطنی پر تیری شیدا میں بھی ہوں
تیری شمعِ حسنِ سیرت کا پتنگا میں بھی ہوں

ان شجاعان و غیورانِ جہاں کی ماں ہے تو
آج تک جن کی زبانِ خلق پر ہے گفتگو

تجھ سے پیدا ہوگئے ہیں ایسے ایسے نامور
غلغلہ پہونچا تھا جن کا خاک سے افلاک پر

ہاں مگر یہ دیکھنا اے مایۂ نازِ جہاں
مائل بیداد کیوں ہے آج کل دورِ زماں

کیوں وہ اب پیدا نہیں ہوتے ہیں اگلے سے سپوت
کس لئے ہوتے ہیں پیدا آج کل تجھ سے کپوت

اب کہاں وہ علم اور وہ وسعتیں اخلاق کی
وہ تری ہمت کی جولانی۔ دلیری وہ تری

پست تیرے حوصلے بیکار ہے تیرا دماغ
اپنے ہاتھوں گُل کیا ہے تو نے اس گھر کا چراغ

اب بھی ہو احساس تجھ کو اب بھی ہو گر باخبر
عظمتِ ماضی کا منظر پھر وہی آئے نظر

ہو ترقی علم میں شائستگی ہو اور عمل
وسعتِ اخلاق ہو جس سے کھلے دل کا کنول

اب بھی ہو سکتے ہیں پیدا تجھ سے ایسے نونہال
رشکِ صد گلزار ہو اس دور میں جن کا جمال

ہو جو تو بیدار تو حالت بدل دے قوم کی
اب نہیں تو خیر۔ قابل آگئے ہوں نسلیں تری

تربیت بچوں کی ہو معقول اور تعلیم ہو
نونہالوں سے چمن کی پھر نئی تنظیم ہو

یا الٰہی یہ دعا فرحتؔ کی ہے۔ مقبول ہو
مایۂ نازِ بہار اس باغ کا ہر پھول ہو

سات (۷) روز کا مؤثر عمل

شیخ العالم حضرت مولانا جمال الدین یونس سجادہ نشین کا یہ ارشاد ہے کہ اگر اس مؤثر دعا کا صرف سات روز ترکیب کے مطابق عمل کر لینے سے دین و دنیا کے ہر دلی مقصد میں کامیابی اور ہر کام میں فتح و نصرت حاصل نہ ہو یا سخت سے سخت مشکلات کا حل اور تمام مصیبتوں پریشانیوں سے نجات نہ مل جائے تو بس

قیامت کے دن میرا دامن پکڑ لینا

صاحبو! اگر آپ بہت سے عملیات پڑھنے اور سینکڑوں کتابی تعویذات و نقوش استعمال کرنے کے باوجود بدستور محروم یا یوں ناکام ہیں تو اب حضرت سجادہ نشین کا ہفت روزہ عمل کیجئے اور اللہ کے فضل سے اپنی دلی حاجات مرادوں اور تمام آرزوؤں میں کامیابی اور یقینی کامیابی حاصل کیجئے۔ یہ لاثانی عمل دار المجربات کے پانچ ہزار معاونین کو مفت بھیجا جا رہا ہے۔ آپ بھی آج یہ عجیب عمل منگا لیجئے اور صرف موازی گیارہ آنہ بذریعہ منی آرڈر بھیج دیجئے۔ تاکہ آپ کا نام نامی بھی دار المجربات کے معاونین میں درج کر لیا جائے۔ مگر یہ ضرور یاد رکھئے کہ تعداد پانچ ہزار ختم ہونے پر یہ اکسیری عمل کسی ہدیہ پر بھی نہ مل سکیگا۔ عمل نہایت آسان بے خطر ہے۔

صرف ایک رات کا مجرب عمل

اور تنگدستی و بے روزگاری کا خاتمہ

یہ عجیب و غریب عمل حضرت صوفی و کامل مولانا مولوی قاضی و حکیم حاجی محمد عمر صاحب چشتی صابری چرتھاولی نور اللہ مرقدہ کا بیش بہا تحفہ ہے جو بفضلہ تعالیٰ رفع تنگدستی و بے روزگاری حصول روزگار و نیز حصول اور ترقی کاروبار اور روزگار کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ جو شخص اس عمل کو صرف ایک رات پڑھ لے اللہ کے فضل سے وہ کبھی بھی تنگدست و بے روزگار اور عمر بھر کسی کا قرضدار و محتاج نہ رہے گا اور اس کو حیرت ہوگی کہ حق تعالیٰ شانہ کہاں سے اور کن کن ذریعوں سے روزی عطا فرما رہا ہے اور کاروبار میں اس قدر ترقی و برکت ہوگی کہ تعجب ہوگا۔ پس اگر آپ کی یہ آرزو ہے کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے بے فکری خوشحالی اور فراغدستی کے ساتھ زندگی بسر کریں اور عمر بھر کسی کے قرضدار و محتاج نہ رہیں تو یہ اکسیر اور کامیاب عمل صرف ایک روپیہ بذریعہ منی آرڈر بطور نیاز اور خرچہ اشتہارات بھیجکر منگا لیں گر آپ اس عمل کو مفت حاصل کرنا چاہیں تو سفوف صحت افزا کی دو شیشیوں کے ہمراہ منگا لیجئے اور صرف ایک رات پڑھکر قدرت کا مشاہدہ کیجئے۔ ہر دو اکسیری اعمال نہایت آسان بے خطا و بے ضرر ہیں۔

سفوف صحت افزا معدہ کی تمام بیماریوں اور ہر قسم کے ریاحی دردوں کا شرطیہ تریاق ہے جو ہمیشہ رفت پر ناقابل برداشت بھوک لگاتا ہے جسم میں صالح خون بکثرت پیدا کرتا ہے۔ متلی بدہضمی، ہیضہ، نفخ، تراقر معدہ و گرانی شکم دکھٹی ڈکاروں کا فی الفور ازالہ کر دیتا ہے۔ خوش ذائقہ اس قدر ہے کہ بچے بھی بڑی رغبت سے کھا لیتے ہیں۔ نہایت عمدہ چیز ہے۔ اگر ایک بار منگا کر آپ ہمیشہ کے لئے مستقل خریدار نہ بن جائیں تو ہمارا ذمہ ہے۔ قیمت فی شیشی صرف آٹھ آنے محصول وغیرہ آٹھ آنے کل ایک روپیہ (عہ/) تین شیشیوں کے خریدار کو ہر دو اکسیری اعمال مع طریق خواندن پارسل میں ہوں گے۔

دار المجربات کے مقبول عام اور شہرۂ آفاق تعویذات و عملیات کی فہرست بھی پارسل میں ہوگی۔ تین شیشیوں کی قیمت صرف عہ/ اور محصول ڈاک آٹھ آنے ہے۔ حوالہ رسالہ ضرور دیجئے۔

ملنے کا پتہ:۔ **مہتمم دار المجربات حجرہ ۳۳ چرتھاول مظفر نگر یو-پی**

اُردو زبان کا سب سے ارزاں کثیرالاشاعت بہترین ماہوار رسالہ

محشر خیال دہلی

ماہوار رسالہ

قیمت سالانہ
ہندوستان۔ عدن۔ سیلون سے ایک روپیہ صوبہ برما سے سالانہ ایک روپیہ چار آنہ

افریقہ وغیرہ غیر ممالک سے چار شلنگ بذریعہ پوسٹل آرڈر

جلد ۹ | بابت ماہ اپریل ۱۹۳۹ء | نمبر ۵

محمد عبداللہ فاروقی پرنٹر و پبلشر نے بمبئی جوب برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر محشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

ترمیمات پارلیمنٹ میں پیش کی ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ جنگ کی صورت میں بہت سے اختیارات صوبوں سے چھین کر براہ راست گورنر جنرل و وائسرائے ہند کے ماتحت دیدئے جائیں ان ترمیمات کے نفاذ کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ صوبوں کو جو کچھ تھوڑے بہت اختیارات صوبجاتی خودمختاری کے ماتحت دئے گئے ہیں وہ بھی چھین لئے جائیں ان ترمیمات کے خلاف یو۔ پی۔ کانگریس نے پنڈت جواہرلال نہرو کی قیادت میں سخت احتجاج کیا ہے۔ اور خود صدر کانگریس مسٹر سبھاش چندر بوس نے احتجاجی جلسے کرنے کی ہدایات تمام صوبوں کو بھیجی ہیں۔ یہ کوئی نزعی مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ ہندوستان کی تمام قوموں سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اسے کانگریسی مسئلہ نہ بنانا چاہئے۔ بلکہ تمام ہندوستانیوں کو بلا لحاظ اس کے کانگریسی ہیں یا لیگی ان ترمیمات کے خلاف بڑا سخت احتجاج کرنا چاہئے

جے پور کے مسلمانوں کی ہجرت

حکومت جے پور کے رویہ کے خلاف احتجاج کے طور پر جے پور کے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ریاست سے ہجرت کرکے دہلی میں آ ٹی پڑی ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ان مسلمانوں کو کس نے ہجرت کا مشورہ دے کر انہیں مصیبت میں ڈالا۔ بہرحال یہ ہجرت جس کسی کے ایما پر ہوئی بہت ہی غلط ہوئی جے پور کے مسلمانوں کے لئے بہترین راستہ یہ تھا کہ جے پور میں ہی رہ کر وہاں کی صورت حال سے فائدہ اٹھاتے اور حکومت کو اپنے سیاسی اور مذہبی مطالبات ماننے پر مجبور کر دیتے۔

جہاں ہم ہجرت کے فعل کی تائید نہیں کر سکتے وہاں ہم حکومت جے پور کو بھی الزام سے مبرا قرار نہیں دے سکتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ وہاں کے مسلمانوں کی حقوق کی پامالی ہو رہی ہے۔ ان کو مذہبی آزادی حاصل نہیں وغیرہ وغیرہ۔ جے پور کی حکومت اگر چاہتی ہے کہ وہ اپنی موجودہ مشکلات سے آزاد ہو تو اس کے لئے بہترین راستہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے مطالبات منظور کرکے ان کی دلجوئی کرے۔

سی۔ پی کے وزیر کی تحقیقات کی جائے

اس اشاعت میں سی۔ پی گورنمنٹ کے ایک وزیر کے متعلق "اقدام زنا کا الزام" ہند کلکتہ کے حوالہ سے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس واقعہ کے سلسلہ میں اگر کسی صاحب کو مزید معلومات ہوں تو ایڈیٹر صاحب محشر خیال کو مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔

دفتر محشر خیال کی طرف سے کانگریس کے ڈکٹیٹر "گاندھی جی"

دفتر محشر خیال سے

شاندار ہفتہ وار اخبار کا اجرا

ہندوستان کی سیاست پر بے لاگ رائے زنی کرنے ریاستوں اور حکومتوں کے خفیہ رازوں کا انکشاف کرنے کے لئے "دفتر محشر خیال سے ایک ہفتہ وار اخبار کا اجرا کیا جا رہا ہے۔ جس کا نام "محشر خیال ویکلی" ہوگا۔

ماہوار محشر خیال بدستور جاری رہے گا۔ اور ہفتہ وار اخبار کا ادارہ اور اسٹاف علیحدہ ہوگا۔ انتظامات شروع کر دئے گئے ہیں۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آزادی کی کوشش میں غلط اور صحیح طریقہ کار کا موازنہ کریں۔ ان فرقوں اور غدار رہنماؤں کی سیاہ چادر ہٹا کر ان کو اصلی روپ میں دیکھنا چاہیں تو اس آزاد خیال اور بے لاگ اخبار کی خریداری منظور فرمالیجئے۔ ولایتی اور ہندوستانی تازہ ترین خبروں کی اشاعت کا معقول انتظام کیا گیا ہے۔

غیر زبانوں کے کارآمد اور مفید تراجم کے لئے قابل ترین ادارہ کا انتخاب عمل میں لایا جا رہا ہے۔

محشر خیال ویکلی ظاہری و باطنی خوبیوں کے اعتبار سے اپنی نوعیت کا بالکل واحد پرچہ ہوگا۔

اجرا کی درخواست گورنمنٹ کے پاس بھیجی جا چکی ہے منظوری آتے ہی کام شروع کر دیا جائے گا۔ اگر آپ اس شاندار اور بے نظیر پرچہ کا مکمل فائل رکھنا چاہتے ہیں تو آج ہی خریداری کی درخواست بھیجدیجئے سالانہ چندہ تین روپے ہے۔

رعایت } جو حضرات پیشگی یعنی آج ہی سے خریداری منظور فرمالیں ان کو دو روپے بذریعہ منی آرڈر بھیجدینے چاہئیں پرچہ شائع ہوتے ہی ان کے نام جاری کر دیا جائے گا۔ ہمیں امید ہے محشر خیال ویکلی مئی میں نکل آئے گا۔ اور اس شان سے کہ آپ کے دل و دماغ کی روحانی و دماغی پستی کو روشنی سے منور کر دے گا یہ تفریح اور معلومات کا ایک ایسا مخزن ہوگا جس کے مطالعہ کے بعد آپ روزانہ اخبارات سے بے نیاز ہو جائیں گے۔

درخواست خریداری اور ترسیل زر کا پتہ

منیجر رسالہ محشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی

ریاستوں کی دنیا

اس اشاعت سے رسالہ محشرِ خیال میں ایک باب "ریاستوں کی دنیا" کا قائم کیا جا رہا ہے۔ جس میں ریاستی باشندوں کی کسمپرسی اور والیان ریاست کی لاپروائی اور فضول خرچی اور ریاستوں میں اندھیر گردی کے واقعات پیش کئے گئے ہیں۔ جو بھائی ریاستی مسائل سے دلچسپی رکھتے ہیں ان سے حالات حاصل کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔ واقعات صحیح اور ذمہ دارانہ ہونے چاہئیں۔ (مدیر)

پٹیالہ

پرجا منڈل کی سرگرمیوں سے ریاست کے حکام کافی سے زیادہ مرعوب ہو چکے ہیں اور بھٹنڈہ، برنالہ، راجپورہ، جاکھل، سرہند وغیرہ متعدد مقامات کے کارکنوں کو گرفتار کر لیا ہے اور بہت جاری کرنے کے لئے مزید گرفتاریاں ہوں گی۔ مگر توقع ہے کہ ریاست کے باشندے پرامن رہتے ہوئے کوہ وقار عزم واستقلال کے ساتھ تحریک کو آگے بڑھائیں گے۔ اور بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر پٹیالہ کی سخت گیر اور غیر ذمہ دارانہ حکومت کا خاتمہ کر کے آئینی اور ذمہ دار حکومت کی نعمت سے مالامال ہوں گے۔

کپورتھلہ

کپورتھلہ میں بھی اصلاحات کی تحقیقات اور سفارش کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی ہے جس میں مسلمانوں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ حالانکہ کپورتھلہ میں مسلمان ۶۰ فی صدی آباد ہیں اور ۶۰ فی صدی مالیہ ادا کرتے ہیں مگر نظام حکومت میں ان کا دس فی صدی بھی حصہ نہیں ہے اور نہ سردست اس ریفارم کمیٹی سے کوئی توقع ہے۔ ضرورت ہے کہ کپورتھلہ کے مسلمان آنکھیں کھولیں اور اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے منظم ہو جائیں۔ پچاس فی صدی کی تخصیص سے کم پر کسی طرح راضی نہ ہوں اور مہاراجہ کپورتھلہ کے یورپ نہ جانے کو پہلی شرط قرار دیں۔ ورنہ کپورتھلہ میں ان کی ہستی فنا کر دی جائے گی۔ اور اگر مہاراجہ کا یورپ جانا نہ رکا تو اصلاحات کے کیا معنے ہوئے؟

بہاولپور

ابھی تک نہ بہاولپور کی پرجا میں کوئی بیداری پیدا ہوئی ہے اور نہ ہز ہائی نس نے اصلاحات کے لئے قدم اٹھایا ہے۔ غالباً وہاں کا رئیس اور عوام دونوں نے آنکھیں اور کان بند کر لئے ہیں اور شاید بہاولپوری رعایا یہ سمجھتی ہے کہ اس کے لئے من سلویٰ اترے گا۔

بہاولپور کی رعایا کا فرض ہے کہ وہ فوراً بیدار ہو اور ایک متفقہ مطالبہ ہز ہائینس سے اصلاحات کا کیا جائے جس میں سابقہ قرضہ جات کی ادائیگی سے صاف صاف انکار کر دیا جائے۔ اور ہز ہائینس کے کلکتہ، یورپ اور پہاڑی مقامات کے اخراجات کی آئندہ کے لئے منظوری دینے سے انکار کر دیا جائے اور چیف منسٹر کے اخراجات پر پوری طرح کنٹرول ہو۔

اگر ان تمام غیر متعلق اخراجات کو روک دیا گیا تو بہاولپور میگزین ارلالہ زار ہو جائیں گے۔ اور ریاست میں کارخانوں اور کھیتی باڑی سے وہ فارغ البالی ہو گی کہ رعایا چین کرے گی۔ ورنہ بہاولپور کا روپیہ عیش پرستی پر ختم ہو گا اور رعایا بھوکی مرے گی۔

جے پور

جے پور میں پرجا منڈل کے زیر ہدایت پورے زور شور سے سول نافرمانی شروع ہو رہی تھی جس کو گاندھی جی نے بند کر کے شدید غلطی کی ہے۔ عورتیں اور بچے بھی ستیہ گرہ میں حصہ لے رہے تھے جے پور شہر کے علاوہ دیہات میں آزادی کا بے پناہ جوش پھیل گیا تھا۔ جے پور کونسل نے مسجد کے دروازے کی توسیع اس شرط سے منظور کی ہے کہ مسلمان مسجد کے آگے باجہ بجانے پر اصرار نہ کریں گے اور جنازہ کی نماز نہ پڑھیں گے نیز آزادانہ تحقیقات، شہداء کے ورثاء کے معاوضہ اور گرفتاران بلا کی رہائی سے انکار کر دیا۔ یہ دونوں شرطیں ناقابل قبول ہیں کیونکہ ایک مسجد کے احترام کے منافی ہے اور دوسری مسجد کے حق عبادت کو سلب کرتی ہے جس کا کوئی حق ریاست کو نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ ان نامعقول شرائط پر بعض بزدل مسلمان ریاست سے سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار ہیں حالانکہ جے پور فائرنگ کے بعد تک تحریک جے پور کے مسلمانوں کا مسئلہ بن گیا ہے اور بہت جلد مجلس احرار جے پور میں مورچہ لگائے گی اس لئے جے پور کے غیور مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ریاست کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیں اور بلا شرط کے دروازے کی وسعت، فائرنگ کی آزادانہ تحقیقات، ظالموں کی گرفتاری، مظلوموں کی رہائی، شہداء کے ورثاء کے معاوضے قربانی گاؤ کی آزادی سے کم پر ہرگز راضی نہ ہوں اور برابر جلسے کئے جائیں جلوس نکالے جائیں جیسا مجلس احرار کے عقیدے وہاں پہنچیں جوق جوق ان سے اشتراک عمل کریں۔ ورنہ شاہ راہ قربانی کی راہ اپنا حق حاصل کرنے کیلئے اختیار کریں اگر انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا تو جس طرح آج پرجا منڈل سے دب کر ریاست صلح کر رہی ہے اسی طرح مسلمانوں کے آگے بھی گھٹنے ٹیکے گی۔ مگر یہ جب ہی ہو گا جب جے پور کے مسلمان خود منظم ہو کر اپنے آپ کو بے ٹیکس قید و بند کے لئے پیش کریں۔

ہندوستان کے اندرونی معاملات سے جرمنی کی دلچسپی

برلن کے ریڈیو اسٹیشن سے اردو زبان میں دلچسپ تقریر

(مسٹر رفیق احمد یو۔ پی۔ اسمبلی کا بیان)

۱۷ اپریل کی شام کے سوا سات بجے میں ریڈیو سننے کی کوشش کررہا تھا۔ کہ برلن کا سٹیشن سننے لگا۔ میں جرمنی زبان سے ناواقف ہوں۔ مگر خاص خاص افراد مثلاً مسٹر چیمبرلین کرنل بک جنرل فرانکو وغیرہ کے نام مختلف شہروں اور ملکوں کے نام کے ساتھ بار بار آنے سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ روزانہ کی خبریں ریڈیو پر شائع کی جارہی ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد یعنی ساڑھے سات بجے کے قریب اس نے انگریزی میں بولنا شروع کیا۔ اور پہلے مشرق بعید یعنی فلپائن وغیرہ کو مخاطب کرکے ان خطوں کے جواب دیئے۔ جو بعض لوگوں نے شاید وہاں سے بھیجے ہوں۔ اس کے بعد ہی پونے آٹھ بجے کے قریب ہندوستان کو مخاطب کرکے کہا۔ کہ اب ہم گاندھی کے متعلق جرمن کا خیال بیان کریں گے اور فوراً ہی ہندوستانی زبان میں تقریر شروع کردی۔

خلاصہ اس تقریر کا یہ تھا۔ کہ "پنڈت جواہر لال نہرو" یورپ کی سیر کے لئے تشریف لائے۔ اور انگلستان۔ فرانس۔ آسٹریا۔ چیکوسلاواکیہ وغیرہ کا گشت کرکے جرمنی میں وہ یہاں کے کسی ذمہ دار آدمی سے بالکل نہیں ملے اور نہ کسی سے تبادلہ خیالات کرنے کی کوشش کی۔ مگر ہندوستان میں جاکر انہوں نے جرمنی کو بدنام کرنا شروع کردیا۔ اور یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ جرمنی یورپ میں سخت جابرانہ کارروائیاں کررہا ہے اور بیکس لوگوں پر مظالم ڈھا رہا ہے۔ ان کی یہ تمام باتیں یکطرفہ اور غیر ذمہ دارانہ ہیں۔

گاندھی جی کے متعلق

اس کے بعد مقرر نے گاندھی کو خطاب کرکے جو کچھ کہا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

ہم جرمن لوگ تو آپ کو ایک نیک اور سچائی کا حامی تصور کرتے ہیں لیکن آپ جا و بے جا ہم لوگوں کو بدنام کرنا چاہتے ہیں اور سچائی سے چشم پوشی کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ہم پر الزام لگاتے ہیں کہ ہم نے آسٹریا اور سڈٹن لینڈ پر زبردستی قبضہ کرلیا۔ لیکن آپ اس سے ناواقف ہیں کہ ان ملکوں کے رہنے والے اپنی تہذیب اپنے تمدن اور اپنی زبان اور نسل کے لحاظ سے جرمن ہیں پھر اگر ہم نے ان کو اپنے میں ملا لیا تو کیا برا کیا خاص کر جب کہ وہ لوگ خود بھی چاہتے تھے اگر کل کو افغانستان پنجاب پر قبضہ کرلے اور آپ کے سکھ اور ہندو بھائی چاہیں کہ وہ دوبارہ آپ میں جاکر شامل ہو جائیں تو کیا آپ ان کی اس خواہش کی مخالفت کریں گے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بغیر ایک قطرہ خون کا بہائے ہوئے ہم نے ان ملکوں کو جرمنی میں شامل کرلیا۔ اگر وہاں کے باشندوں کی خود یہ خواہش نہ ہوتی۔ تو کیونکر یہ بات ممکن ہوتی۔

گاندھی جی کی اہنسا کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے اس نے کہا۔ آپ ہم کو تعلیم دیتے ہیں کہ ہم کو فوجی تیاریاں نہ کرنا چاہئیں اور اہنسا پر عمل کرنا چاہئے۔ لیکن ہندوستان میں بیٹھ کر آپ ہماری حالت کا کیا اندازہ کرسکتے ہیں۔ آپ کو معلوم رہنا چاہئے کہ آج تک دنیا کا کام اہنسا سے نہیں چلا۔ بلکہ قوت کے مظاہرہ سے چلا ہے۔ اور پھر اگر آپ کی اہنسا میں قوت ہے۔ تو آپ اپنے ہی ملک میں کیوں اس کا استعمال نہیں کرتے اور کیوں ہندو مسلم فساد کو اہنسا کے زور سے ختم نہیں کرا دیتے۔ کیا وجہ تھی کہ آپ اہنسا سے مسٹر جناح کو قائل کرکے اپنا طرفدار نہیں بناسکے۔ اس کے علاوہ ۱۹۱۸ء میں جب ہم اپنی حفاظت اور عزت کے لئے لڑ رہے تھے۔ تو آپ نے ہندوستان میں رنگروٹ بھرتی کرائے۔ اور ہماری عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم بنانے کے لئے سپاہی بھجوائے جنہوں نے ہمارا خون بہایا۔ اس وقت آپ کی اہنسا کی تعلیم کہاں غائب ہوگئی تھی لیکن ایک مدت تک ذلیل رہنے کے بعد اب جرمنی جب دوبارہ عزت حاصل کرنا چاہتا ہے تو آپ اس کو نہیں دیکھ سکتے اور اہنسا کا پرچار کرتے ہیں یہ کیا یہی انصاف اور سچائی کا تقاضا ہے۔ جب آپ ۱۹۳۰ء میں آزادی کے لئے لڑ رہے تھے۔ جرمن قوم اور جرمن اخباروں نے آپ کی تعریف کی اور بہت بڑائی۔ جس کی شہادت اب بھی ان اخباروں کے فائلوں میں موجود ہے۔ لیکن آج جب ہم آزادی کے لئے کوشش کررہے ہیں تو آپ کو ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ اس کا جواب آپ کے پاس کیا ہے؟

گاندھی اور انگریز

کیا اس کا سبب یہ نہیں کہ جو انگریز چاہتے ہیں وہی آپ بھی چاہتے ہیں۔ اور آپ ہمیشہ ان کی حمایت کرنا چاہتے ہیں اور آپ کی تمام تحریر اور تقریر یکطرفہ ہے؟ آپ ہندوستان کو آزاد کرانا چاہتے ہیں اور آپ بھی دعا کرتے ہیں مگر ہندوستان آپ کی اہنسا کی تعلیم سے آزاد نہیں ہوسکتا اور آپ اس کو آزاد کراسکتے ہیں۔ جرمنی کو جب خدا نے آزاد کرنا چاہا تو اس کو ہٹلر جیسا لیڈر دیدیا اسی طرح سے ہندوستان کے بھی جب دن پھر سکیں گے تو کوئی ہٹلر پیدا ہوجائے گا آپس کے اختلاف کو دور کرادیگا۔ ہماری دعا ہے کہ وہ دن جلد آئے۔

تمام تقریر بہت صاف ہندوستانی زبان میں تھی جس میں ہندی کا کافی تھے اور اردو کے روزمرہ کے محاورہ اور فارسی الفاظ بھی بکثرت تھے۔ تقریر بہت دلچسپ تھی اور صاف سنائی دیتی تھی کم وبیش آدھ گھنٹہ میں یعنی سوا آٹھ بجے ختم ہوئی۔

ہندوستان کا "انقلابی مولوی"

جس نے آزادی وطن کے لئے تمام دنیا کی خاک چھانی

(مولانا عبید اللہ سندھی کے اپنے قلم سے)

مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کی ذات گرامی ہندوستان میں کسی تعارف کی محتاج نہیں مولانا موصوف چوتھائی صدی جلاوطنی میں گزارنے کے بعد واپس وطن تشریف لائے ہیں اس موقع پر مولانا کی یہ خود نوشت حالات زندگی ضرور دلچسپی کے ساتھ پڑھے جائیں گے۔ ہم یہ حالات معاصر "انقلاب" لاہور کے شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہیں۔ "ایڈیٹر"

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

لاہور کے اخبارات میں میرے متعلق محبت آمیز مقالات شائع ہورہے ہیں۔ میں مقالہ نگار حضرات کی قدر کرتا ہوں۔ لیکن میری شخصیت اور ابتدائی تعلیم اور عام حالات میں اس قدر فحش غلطیاں موجود ہیں کہ میں بدون شرم محسوس کئے پڑھ نہیں سکتا اس لئے تصحیح کے لئے چند واقعات مختصراً لکھنے پر مجبور ہوں۔

(کتبہ عبید اللہ سندھی دیوبندی)

میرا خاندان اور مولد

میں ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں (چیانوالی) میں پیدا ہوا۔ ہمارے خاندان کا اصلی پیشہ زرگری ہے۔ لیکن عرصہ سے ایک حصہ سرکاری ملازمت میں شامل ہوگیا اور بعض افراد ساہوکارہ بھی کرتے رہے۔

میں عموماً حضرت سلمان فارسی کے اتباع میں اپنا نام عبید اللہ بن اسلام لکھا کرتا ہوں۔ مگر بعض عرب دوستوں کے اصرار سے والدہ کی طرف منسوب کرکے لکھنا پڑا تو عبید اللہ بن ابی عائشہ لکھا میری بڑی ہمشیرہ کا نام "جیونی" تھا میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ اگر کسی نے اس سے زیادہ تصریح کے لئے کہا تو عبید اللہ بن رام راہن رائے لکھوں گا میرے باپ دادا کا پورا نام رام سنگھ ولد جسپت رائے ولد گلاب رائے ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے دادا سکھ حکومت میں اپنے گاؤں کا کاردار تھے۔

پیدائش اور یتیمی

میں شب جمعہ قبل صبح ۱۲ محرم الحرام ۱۲۸۹ھ ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء میں پیدا ہوا۔ میرا باپ چار ماہ پہلے فوت ہوچکا تھا دو سال بعد دادا بھی مرگیا تو میری والدہ مجھے ننھیال میں لے آئی یہ ایک خالص سکھ خاندان تھا میرے نانا کی ترغیب پر ہی میرا والد سکھ بن گیا تھا۔

میرے دو ماموں جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں میں پٹواری تھے جب نانا فوت ہوا تو ہم ان کے پاس چلے آئے۔ میری تعلیم ۱۸۷۸ء سے جام پور کے اردو مڈل اسکول میں شروع ہوئی ۱۸۸۴ء میں مڈل کی تیسری جماعت میں پڑھتا تھا کہ اظہار اسلام کے لئے گھر چھوڑ دیا۔

اس دوران میں دو سال کے لئے میں ضلع سیالکوٹ میں رہا اس لئے ایک ایک سال اپنی جماعت سے پیچھے رہ گیا۔ ورنہ اپنے اسکول میں شروع سے ممتاز طالب علم مانا جاتا تھا۔

مطالعہ اسلام

۱۸۸۶ء میں مجھے اسکول کے ایک آریہ سماجی لڑکے کے ہاتھ سے تحفۃ الہند ملی میں اس کے مسلسل مطالعہ میں مصروف رہا اور بالتدریج اسلام کی صداقت پر یقین بڑھتا گیا۔ ہمارے قریب کے پرائمری اسکول (کوٹلہ مغلاں) سے چند ہندو دوست بھی مل گئے۔ جو میری طرح تحفۃ الہند کے گرویدہ تھے انہیں کے توسط سے مجھے مولانا محمد اسمٰعیل شہید کی "تقویۃ الایمان" ملی اس کے مطالعہ پر اسلامی توحید اور اس کے بالمقابل شرک اچھی طرح سمجھ میں آگیا اس کے بعد مولوی محمد صاحب لکھنوی کی کتاب احوال الآخرۃ پنجابی ایک مولوی صاحب سے ملی اب میں نے نماز سیکھ لی اور اپنا نام تحفۃ الہند کے مصنف کے نام پر عبید اللہ خود تجویز کیا۔

احوال الآخرۃ کا بار بار مطالعہ اور تحفۃ الہند کا وہ حصہ جس میں نومسلموں کے حالات لکھے ہیں۔ یہی دو چیزیں جلدی اظہار اسلام کا باعث بنیں ورنہ اصلی ارادہ یہ تھا کہ جب کسی ہائی اسکول میں اگلے سال تعلیم کے لئے جاؤں گا۔ تو اس وقت اظہار اسلام کروں گا۔

- -

اظہار اسلام

۱۵ر اگست ۱۸۸۷ء کو توکلاً علی اللہ نکل کھڑا ہوا میرے ساتھ کوٹلہ مغلان کا ایک رفیق عبدالقادر تھا ہم دونوں عربی مدرسہ کے ایک طالب علم کے ساتھ کوٹلہ رحم شاہ ضلع مظفر گڈھ میں پہونچے ۹ر ذی الحجہ سنہ ۱۳۰۴ھ کو میری سنت تطہیر ادا ہوئی اس کے چند روز بعد جب میرے اعزہ تعاقب کرنے لگے تو میں سندھ کی طرف روانہ ہوگیا عربی صرف کی کتابیں میں نے راستہ میں اس طالب علم سے پڑھنا شروع کردی تھیں۔

سید العارفین کی صحبت

اللہ کی خاص رحمت ہے جس طرح ابتدائی عمر میں اسلام کی سمجھ آسان ہوگئی اسی طرح کی خاص رحمت کا اثر یہ بھی ہے کہ سندھ میں میں حضرت حافظ محمد صدیق صاحب (بھر چونڈی والی) کی خدمت میں پہونچ گیا۔ جو اپنے وقت کے جنید اور سید العارفین تھے۔ چند ماہ میں ان کی صحبت میں رہا اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرت میرے لئے اسی طرح طبیعت ثانیہ بن گئی جس طرح ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے۔ حضرت نے ایک روز میرے سامنے اپنے لوگوں کو مخاطب فرمایا (غالباً مولانا ابوالحسن امروٹی جن کا ذکر آگے آئے گا۔ اس مجلس میں موجود تھے) کہ عبیداللہ نے اللہ کے لئے ہم کو اپنا ماں باپ بنایا اس کلمہ مبارکہ کی تاثیر خاص میرے دل میں محفوظ ہے میں انہیں اپنا دینی باپ سمجھتا ہوں اور محض اسی لئے سندھ کو مستقل وطن بنایا۔ یا بن گیا میں نے قادری۔ راشدی طریقہ میں حضرت سے بیعت کرلی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ محسوس ہوا کہ بڑے انسان سے بہت کم مرعوب ہوتا ہوں تین چار ماہ بعد میں طالب علمی کے لئے رخصت ہوا مجھے بتایا گیا ہے کہ حضرت نے میرے لئے خاص دعا فرمائی "خدا کرے عبیداللہ کا کسی راسخ عالم سے پالا پڑے"

میرے خیال میں خدا نے یہ دعا قبول فرمائی اور اللہ رب العزت نے محض اپنے فضل سے مجھے حضرت مولانا شیخ الہندؒ کی خدمت میں پہونچا دیا۔

سید العارفین کے خلیفہ

بھر چونڈی سے رخصت ہوکر میں اس طالب علم کے ساتھ ریاست بہاولپور کی دیہاتی مساجد میں ابتدائی عربی کتابیں پڑھتا رہا اس نقل و حرکت میں دین پور پہونچا۔ جہاں سید العارفین کے خلیفہ اولین مولانا ابو السراج غلام محمد صاحب رہتے تھے۔ ہدایۃ النحو تک کتابیں میں نے یہاں مولوی ... صاحب سے پڑھیں حضرت خلیفہ صاحب نے میری والدہ کو خط لکھوایا۔ وہ آگئی اور واپس لے جانے کے لئے بہت زور لگایا مگر میں بحمد اللہ ثابت قدم رہا یہ غلط ہے کہ میری والدہ دیوبند پہونچی۔ شوال ۱۳۰۵ھ میں دین پور سے متصل ... سے کوٹلہ رحم شاہ چلا آیا اور مولوی خدا بخش صاحب سے کافیہ پڑھا۔ یہیں ایک نووارد طالب علم سے ہندوستانی مدارس عربیہ کا حال معلوم ہوا اور میں اٹیشن مظفر گڈھ سے ریل پر سوار ہوکر سیدھا دیوبند پہونچا۔

دار العلوم دیوبند

صفر ۱۳۰۶ھ کو میں دار العلوم میں داخل ہوا تخمیناً پانچ مہینے میں قطبی تک منطق کے رسائل متفرق اساتذہ اور شرح جامی مولانا حکیم محمد حسن صاحب سے پڑھی ایک فاضل استاد کی مہربانی سے طریقہ مطالعہ سیکھ لیا اور محنت سے ترقی کا راستہ کھل گیا۔

حکمت و منطق کی کتابیں جلدی ختم کرنے کے لئے چند ماہ مولانا احمد حسن صاحب کانپوری کے مدرسہ میں چلا گیا۔ اور پھر چند ماہ مدرسہ عالیہ رام پور میں رہ کر مولوی ناظر الدین صاحب سے کتابیں پڑھ لیں اسی طرح صفر ۱۳۰۷ھ کو پھر دیوبند واپس آگیا۔

حضرت مولانا شیخ الہندؒ

دیوبند میں دو تین مہینے تک مولانا حافظ احمد صاحب سے پڑھتا رہا اس کے بعد مولانا شیخ الہند کے درس میں شامل ہوگیا ۱۳۰۷ھ کو ہدایہ تلویح مطول۔ شرح عقائد مسلم الثبوت میں امتحان دیا اور امتیازی نمبروں میں کامیاب ہوا۔ مولانا سید احمد صاحب دہلوی مدرس اول نے میرے جوابات کی بہت تعریف کی فرمایا اگر اس کو کتابیں ملیں تو شاہ عبدالعزیز ثانی ہوگا۔

چند دوستوں نے مبشر خواب دیکھے۔ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی خواب میں دیکھا۔

رمضان شریف میں اصول فقہ کا ایک رسالہ لکھا جسے شیخ الہند نے پسند فرمایا اس میں بعض مسائل اس طرح تحریر کئے جہاں جمہور اہل علم کے خلاف محققین کی رائے کو ترجیح دی تھی مثلاً تاویل المتشابہات ناممکن الحصول نہیں بلکہ راسخین فی العلم وہبی علم سے جانتے ہیں۔

شوال ۱۳۰۷ھ سے تفسیر بیضاوی اور دورۂ حدیث میں شریک ہوا۔ جامع ترمذی حضرت مولانا شیخ الہند سے پڑھی اور سنن ابوداؤد کے لئے حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی خدمت میں گنگوہ پہونچا۔

جہان آباد دہلی

بیمار ہوکر گنگوہ سے دہلی آیا حکیم محمود خاں کے علاج سے افاقہ ہوا حدیث کی باقی کتابیں مولوی عبدالکریم صاحب پنجابی دیوبندی سے جلدی جلدی ختم کرلیں۔ مجھے یاد ہے کہ سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں نے چار چار دن میں

پڑھی ہیں اور سراجی دو گھنٹہ میں ختم کی۔ مولوی صاحب حضرت مولانا قاسم اور حضرت مولانا رشید احمد کے غیر معروف محقق شاگرد تھے اثنائے قیام دہلی میں دو دفعہ حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب کی زیارت کے لئے گیا۔ صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں دو سبق بھی سنے۔

معاودت سندھ

۲۰ر جمادی الثانیہ ۱۳۰۸ھ کو دہلی سے سیدھا بھر چونڈی ضلع سکھر پہونچا۔ اس تمام سفر میں "دیا باؤ دیا بابا" لاہور نہیں اترا اور چینیاں والی مسجد میں نہیں گیا۔ میرے مرشد میرے آنے سے دس دن پہلے وفات پا چکے تھے۔ رجب ۱۳۰۸ھ میں حضرت شیخ الہند نے اجازت نامہ تحریر فرما کر بھیج دیا۔ اور مولوی کمال الدین صاحب نے مجھ سے سنن ابی داؤد پڑھی۔

سید العارفین کے دوسرے خلیفہ

شوال ۱۳۰۸ھ سے سید العارفین کے دوسرے خلیفہ مولانا ابو الحسن تاج محمود صاحب کے پاس امروٹ ضلع سکھر میں چلا گیا۔ انہوں نے اپنے مرشد کا وعدہ پورا کر دکھایا میرے لئے بمنزلہ باپ تھے۔ میرا نکاح سکھر کے اسلامیہ اسکول کے ماسٹر مولوی محمد عظیم خاں یوسف زئی کی لڑکی سے کرایا۔ میری والدہ کو بلایا وہ میرے پاس آخر وقت تک اپنی طرز پر رہی میرے مطالعہ کے لئے بہت بڑا کتب خانہ جمع کیا میں ان کے ظل عاطفت میں ۱۳۱۵ھ تک باطمینان مطالعہ کرتا رہا۔

کتب خانہ پیر صاحب العلم

گوٹھ پیر جھنڈا ضلع حیدر آباد میں راشدی طریقہ کے پیر صاحب العلم کے پاس علوم دینیہ کا بے نظیر کتب خانہ تھا۔ میں دوران مطالعہ میں وہاں جاتا رہا اور کتابیں مستعار بھی لاتا رہا میری تکمیل مطالعہ میں اس کتب خانہ کے فیض کا بڑا دخل تھا۔

حضرت پیر صاحب العلم کی صحبت

اس کے علاوہ حضرت مولانا رشید الدین صاحب العلم الثالث کی صحبت سے مستفید ہوا۔ میں نے ان کی کرامتیں دیکھیں۔ ذکر اسماء الحسنیٰ میں نے انہیں سے سیکھا۔ وہ دعوت توحید و جہاد کے ایک مجدد تھے۔

حضرت مولانا ابو التراب رشد اللہ صاحب العلم الرابع سے علمی صحبتیں رہیں وہ علم حدیث کے بڑے جید عالم اور صاحب تصانیف تھے۔ ان کے ساتھ قاضی فتح محمد صاحب کی علمی صحبت بھی ہمیشہ یاد رہے گی۔

میری علمی تحقیقات کا مرکز

اللہ کی رحمتوں میں سے ایک نعمت عظمیٰ جس کا شکریہ میں ادا نہیں کر سکتا یہ ہے کہ فقہ و حدیث کی تحقیق سے تطبیق میں اور ایسا ہی قرآن عظیم کی تفسیر میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دیوبندی سے شروع کر کے امام ولی اللہ دہلوی تک سلسلہ علماء میرا رہبر بنا اور میں نے ان کو اپنا امام بنا لیا۔

مجھے اپنی علمی و سیاسی ترقی میں اس سلسلہ سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی اس سے میری تمام کوششیں ایک اصول پر منظم ہو گئیں۔ اور میں اسلام کی فلاسفی سمجھنے کے قابل ہو گیا۔

میں نے دہلی میں قبلہ نما کا مطالعہ کیا اس کے معارف میری روح سے پیوستہ ہو گئے۔ حدیث کی تحقیق میں حجۃ اللہ کا تعارف مولانا شیخ الہند نے کرایا تھا۔ آخر میں اسی کے مطالعہ سے مجھے اطمینان نصیب ہوا۔ میں نے علماء کی ایک جماعت کو حجۃ اللہ البالغہ پڑھائی۔ اور کافی عرصہ بعد حضرت شیخ الہند سے پڑھی۔

طریقہ قادریہ

اس عرصہ میں طریقہ قادریہ اور نقشبندیہ مجددیہ کے اشغال و اذکار بھی حسب الاستطاعت حضرت سید العارفین کے خلیفۂ اعظم مولانا ابو السراج دین پوری سے سیکھتا رہا۔ اگر میری کوئی دنیاوی ضرورت امروٹ میں پوری نہ ہوتی تو دین پور سے حاصل کر لیتا۔ اس طرح مجھے اپنے مرشد کی جماعت سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہوئی۔

میرا سیاسی میلان

دوران مطالعہ میں مولانا محمد اسمٰعیل شہید کی سوانحعمری دیکھی اسلامی مطالعہ کی ابتداء سے میرا قلبی تعلق مولانا مرحوم سے پیدا ہو چکا تھا۔ دیوبند کی طالب علمی نے بہت سے واقعات اور حکایات سے آشنا کر دیا تھا۔ مولانا عبد الکریم دیوبندی نے سقوط دہلی کی تاریخ آنکھوں دیکھی بات بتا دی تھی میرا دماغ بچپن سے خاندانی عورتوں کی صحبت میں انقلاب پنجاب کے تکلیف دہ حالات سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں ایک قسم کا انقلاب آیا پہلے جو کچھ لاہور کے لئے سوچتا تھا۔ اب دہلی کے لئے سوچنے لگا۔ مولانا شہید کے مکتوبات میں سے ایک مضمون لے کر میں نے اپنا مختصر سیاسی پروگرام بنا لیا وہ اسلامی بھی تھا۔ اور انقلابی بھی۔ مگر ہند کے باہر مسلمانوں کی تحریک سے اسے کوئی تعلق نہیں تھا۔ میں نے حجۃ اللہ پڑھنے والی جماعت کو اس میں شامل کر لیا۔ اس طرح اپنے خیال کے موافق آہستہ آہستہ کام کرنا شروع کر دیا۔

معاودت دیوبند

۱۳۱۵ھ میں دیوبند پہنچا۔ اپنے مطالعہ کا نمونہ دو رسالے لکھ کر ساتھ لے گیا ایک علم حدیث میں اور دوسرا فقہ حنفی میں حضرت مولانا نے دونوں رسالے پسند فرمائے۔ اس دفعہ دس بارہ حدیث کی مشہور کتابوں کے اطراف سنا کر دوبارہ "کتبہا" اجازت حاصل کی۔

بعض مسائل جہاد کے ضمن میں ہماری اس جماعت کا ذکر آگیا حضرت مولانا نے اسے بہت پسند فرمایا اور چند اصلاحات کا مشورہ دے کر اس کو اتحاد اسلام کی ایک کڑی بنادیا۔ اس کام کو جاری رکھنے کی وصیت کی۔ اس کے بعد میرے تعلیمی اور سیاسی تمام مشاغل حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ سے وابستہ رہے۔

دارالرشاد گوٹھ پیر جھنڈا

امروٹ واپس آکر میں نے مطبع قائم کر کے دو سال تک چلایا بعض عربی اور سندھی نایاب کتابیں طبع ہوئیں اور ایک ماہوار رسالہ ہدایت الاخوان چھپتا رہا۔ اس کے بعد مدرسہ بنانے کی کوشش جاری رہی مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ہمارا کام بغیر مدرسہ کے چل نہیں سکتا تھا۔ اس کے لئے دوسری جگہ کی تلاش میں تھا کہ حضرت مولانا راشد اللہ صاحب العلم الرابع نے ۱۳۲۹ھ ۱۹۱۱ء میں میری تجویز کے مطابق مدرسہ بنانے کا ارادہ کیا یہ نام بھی میری تجویز سے مقرر ہوا۔ میں اس میں شریک ہوگیا۔ سات سال تک علمی و انتظامی کامل اختیارات کے ساتھ کام کرتا رہا۔ اکابر علماء میں سے حضرت مولانا شیخ الہند اور حضرت مولانا شیخ حسین بن محسن انصاری یمانی امتحان کے لئے تشریف لائے۔ اس مدرسہ میں ہی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں کی اور امام مالک کو بھی خواب میں دیکھا ہے۔

جمیعۃ الانصار دیوبند

۱۳۲۷ھ میں حضرت شیخ الہند نے دیوبند طلب فرمایا اور مفصل حالات سن کر دیوبند رہ کر کام کرنے کے لئے حکم دیا۔ اس کے ساتھ سندھ کا تعلق بھی قائم رہا۔ چار سال تک جمیعۃ الانصار میں کام کرتا رہا اس جمیعۃ کی تحریک تاسیس میں مولانا ابو محمد احمد لاہوری اور عزیزی مولوی احمد علی میرے ساتھ شریک تھے۔

نظارۃ المعارف دہلی

حضرت شیخ الہند کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا ۱۳۳۱ھ میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی۔ اس کی سرپرستی میں حضرت شیخ الہند کے ساتھ حکیم اجمل خاں اور نواب وقار الملک ایک ہی طرح پر شریک تھے حضرت شیخ الہند نے جس طرح چار سال دیوبند میں رکھ کر میرا تعارف اپنی جماعت سے کرایا۔ اسی طرح دہلی بھیج کر مجھے نوجوان طاقت سے ملانا چاہتے تھے۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے دہلی تشریف لے آئے اور ڈاکٹر انصاری سے میرا تعارف کرایا۔ ڈاکٹر انصاری نے مجھے مولانا ابوالکلام اور مولانا محمد علی مرحوم سے ملایا۔ اس طرح تخمیناً دو سال مسلمانانِ ہند کی اعلیٰ سیاسی طاقت سے واقف رہا۔

ہجرت کابل

۱۳۳۳ھ ۱۹۱۵ء میں شیخ الہند کے حکم سے کابل گیا مجھے کوئی مفصل پروگرام نہیں بتایا گیا۔ اس لئے میری طبیعت اس ہجرت کو پسند نہیں کرتی تھی لیکن تعمیل حکم کے لئے جانا ضروری تھا۔ خدا نے اپنے فضل سے نکلنے کا راستہ صاف کردیا۔ اور میں افغانستان پہنچ گیا۔

دہلی کی سیاسی جماعت کو میں نے بتلایا کہ میرا کابل جانا طے ہوچکا ہے انہوں نے بھی اپنا نمائندہ بنایا۔ مگر کوئی معقول پروگرام وہ بھی نہیں بتلا سکے۔

کابل جاکر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ جس جماعت کے نمائندے تھے اس کی پچاس سال کی محنتوں کا حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیل حکم کے لئے طیار ہے اس میں میرے جیسے ایک خادم شیخ الہند کی اشد ضرورت تھی۔ اب مجھے اس ہجرت اور شیخ الہند کے اس انتخاب پر فخر محسوس ہونے لگا۔

میں سات سال تک حکومت کابل کی شرکت میں اپنا ہندوستانی کام کرتا رہا ۱۹۱۶ء میں امیر حبیب اللہ خاں نے ہندوؤں سے ملکر کام کرنے کا حکم دیا۔ اس کی تعمیل میرے لئے فقط ایک ہی صورت میں ممکن تھی کہ میں انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہوجاؤں اس وقت سے میں کانگریس کا ایک داعی بن گیا۔

یہ بات عجیب معلوم ہوگی کہ امیر صاحب مرحوم اتحاد اسلام کے کام سے ہندوستانی کام کو زیادہ پسند کرتے تھے ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۲ء میں امیر امان اللہ خاں کے دور میں میں نے کانگریس کمیٹی کابل بنائی جس کا الحاق ڈاکٹر انصاری کی کوششوں سے کانگریس کے گیا سیشن نے منظور کرلیا۔ برٹش ایشیا سے باہر یہ پہلی کانگریس کمیٹی ہے اور میں اس پر فخر محسوس کرسکتا ہوں کہ میں اسکا پہلا پریذیڈنٹ تھا

سیاحت روس

۱۹۲۲ء میں ترکی جانا ہوا سات مہینہ ماسکو میں رہا۔ سرشاہ م

کا مطالعہ اپنے نوجوانوں۔رفیقوں کی مدد سے کرتا رہا۔چونکہ نیشنل کانگریس سے تعلق سرکاری طور پر ثابت ہو چکا تھا اس لئے سوویٹ روس نے اپنا معزز مہمان بنایا۔اور مطالعہ کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں (یہ غلط ہے کہ میں لینن سے ملا۔کامریڈ لینن اس وقت ایسا بیمار تھا کہ اپنے ٹرپی وستدیا کو بھی نہیں پہچان سکتا تھا۔)

میرے اس مطالعہ کا نتیجہ ہے کہ میں اپنی مذہبی تحریک کو جو امام ولی اللہ دہلوی کے فلسفہ کی ایک شاخ ہے۔اس زمانے لادینی حملہ سے محفوظ کرنے کی تدابیر سوچنے میں کامیاب ہؤا۔

میں اس کامیابی پر اول انڈین نیشنل کانگریس دوم اپنے ہندوستانی نوجوان رفقاء جن میں ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی سوشلسٹ بھی ہیں اور نیشلسٹ بھی۔سوم سوویٹ روس کا ہمیشہ ہمیشہ ممنون اور شکر گذار رہوں گا۔اگر ان تینوں طاقتوں کی مدد مجھے نہ ملتی تو میں اس تعلیم اور امتیاز کو کبھی حاصل نہ کر سکتا (فللہ الحمد وحدہٗ)

نئی ترکیا

۱۹۲۶ء میں انقرہ پہنچا۔میرے لئے سفیر ترکیہ متعین ماسکو اور وزارت خارجیہ ماسکو نے مل کر سفر کا راستہ معین کر دیا تھا۔اور برطانوی کارندے اس کا پتہ نہیں لگا سکے (یہ غلط ہے کہ میں استنبول اس زمانہ میں پہنچا جب برطانیہ و فرانس اس پر قابض تھے) تخمیناً تین سال میں ترکی میں رہا ہوں۔ میں نے تحریک اتحاد اسلام کا تاریخی مطالعہ کیا۔مجھے مستقبل قریب میں اس کے لئے کوئی مرکز نظر نہ آیا۔اس لئے میں نے ترکوں کی طرح اپنی اسلامی مذہبی تحریک کو انڈین نیشنل کانگریس میں داخل کرنا ضروری سمجھا۔اور کانگریس میں اپنے اصول کی ایک پارٹی کا پروگرام چھاپ دیا جس سے میری مذہبی تحریک ہر ایک مخالف وانقلاب سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

ہمارا پروگرام

یورپ کو اس طرح اسلام کا تعارف کرانے میں میرا خیال ہے کہ میں اپنے استاذ الاستاذ اور اپنے امام مولانا محمد قاسم دیوبندی کی ایک قلبی خواہش کو عملی جامہ پہنانا چاہتا ہوں۔

اس پروگرام کو ترکی پولیس سے شائع کرنے کیلئے انقرہ گورنمنٹ کی اجازت حاصل کی گئی۔وزارت خارجیہ نے دو مختلف مترجموں سے ترجمہ کرا کے جب تک اس کا حرف حرف نہیں پڑھ لیا۔اجازت نہیں دی۔ بعض ہندو دوست اردو نہیں پڑھ سکتے تھے۔ان کی سہولت کے لئے میں نے اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کر دیا ہے۔استنبول میں لالہ لاجپت رائے سے تبادلہ انکار ہؤا۔اور ایسا ہی ڈاکٹر انصاری سے اچھی طرح باتیں ہوئیں ہمارے بزرگ نہ اسے مان سکتے ہیں نہ اس کا اچھا بدل بتلا سکتے ہیں اور کوشش کریں گے کہ ہمیں ہزار دو ہزار پہلے زمانہ میں لے جا کر کھڑا کر دیں گے۔البتہ پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک آدھ فقرہ اس کی پسندیدگی پر لکھا ہے وہ میرے لئے باعث سرور ہے۔

میں نے اپنے پروگرام میں عدم تشدد کو ضروری قرار دیا ہے۔اس میں میں گاندھی جی کا ممنون ہوں۔میں عدم تشدد کو اخلاقی اصول مانتا تھا لیکن اس بناء پر پولیٹیکل پروگرام کی تشکیل اور اس کی اہمیت میں نے گاندھی جی سے سیکھی ہے۔گاندھی جی نے مجھے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم یاد دلادی۔میں جانتا ہوں کہ اسلام سے پہلے دور میں اسی اصول سیاسی پر عمل ہوتا رہا ہے کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن حیث وجدہا فہو لاحق بہا۔

مکہ معظمہ پہنچنا

۱۳۴۴ھ میں موسم حج پر مکہ معظمہ میں مؤتمر خلافت منعقد ہوئی۔ میرے تمام دوست اس میں آ رہے تھے۔محض ان سے ملنے کی خاطر اٹلی کے راستے سے مکہ معظمہ پہنچنے کی کوشش کی۔مگر میں مؤتمر ختم ہونے کے بعد صفر ۱۳۴۵ھ میں پہنچا۔میں اپنی پوزیشن صحیح طور پر پہچانتا تھا۔میں نے حجاز گورنمنٹ کو یقین دلایا کہ یہاں میں کوئی سیاسی پروپیگنڈا نہیں کروں گا اس نے مجھ کو چند ...... کر لیا اس وجہ سے ایک طرح میں محفوظ ہو گیا۔

اگر کبھی کسی جزوی امداد کی میں نے درخواست کی تو حکومت نے اسے پورا کر دیا۔میرے اپنے طور پر رہنے میں اولیاء امور معارض نہیں ہوتے اس لئے وہ میری طرف سے بہت بہت شکریہ اور دعا کے مستحق ہیں۔جزاہم اللہ خیراً۔

علماء مکہ سے استفادہ

مجھے اہل مکہ میں سے تین ہندوستانی اور ایک عرب خاندان نے خاص طور پر علمی امداد دی سب سے پہلے شیخ عبد الوہاب دہلوی دو حاجی علیجان والے دوسرے عبد الستار بن عبد الوہاب دہلی مرحوم تیسرے ابو الشرف مجددی ان کے کتب خانوں سے میں نے استفادہ کیا۔عرب خاندان سے میری مراد شیخ محمد بن عبد الرزاق بن حمزہ شیخ دار الحدیث مکہ ودیر شیخ ابو السمح عبد الظاہر امام الحرم کا خاندان ہے۔

میرا علمی مشغلہ

میں تقریباً ۱۲-۱۳ سال سے قرآن عظیم اور حجۃ اللہ البالغہ کا بنظر عمیق مطالعہ کرتا رہا۔تفسیر قرآن عظیم میں جس قدر مقامات میرے لئے مشکل تھے اس زمانہ میں میں انہیں امام ولی اللہ دہلوی کے اصول پر بالاطمینان

حاصل کرسکا۔ جو لوگ میری طرح امام ولی اللہ دہلی کو نہیں مان سکتے ان کو مطمئن کرنے کا دعویٰ میں نہیں کرسکتا۔

لیکن مجھے اپنے اصول پر قرآن عظیم میں اس زمانہ میں قابل عمل تعلیم کا ایک اعلیٰ نصاب نظر آیا۔ اس میں اس تجلی ریز مقدس مقام کی تاثیر ضرور ماننا پڑتی ہے۔

میں نے امام ولی اللہ دہلوی کی مشہور کتابوں کا خاص طور پر مطالعہ جاری رکھا۔ مثلاً حجۃ اللہ البالغہ، خیر کثیر، تفہیمات الٰہیہ، سطعات، الطاف القدس، لمعات وغیرہ۔

ان کتابوں کے لئے بطور مفتاح میں نے مولانا رفیع الدین دہلوی کی تکمیل الاذہان اور مولانا محمد اسمٰعیل شہید کی عبقات اور مولانا محمد قاسم کی قاسم العلوم اور تقریر دلپذیر اور آبحیات کو استعمال کیا۔

مجھے لوگوں کے پڑھانے کا بھی موقع ملتا رہا اور ساتھ ہی درس قرآن حکیم بھی جاری رہی اس سے میری نظر بہت وسیع ہوگئی۔ للہ الحمد۔

امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا مدرسہ

اگر مجھے موقع دیا جائے کہ میں امام ولی اللہ دہلوی کو حکمت کا مجتہد مستقل فرض کروں اور امام عبد العزیز دہلوی اور مولانا رفیع الدین دہلوی کو اس حکمت کا منتسب اور مولانا محمد اسمٰعیل شہید اور مولانا محمد قاسم کو مجتہد فی المذہب کے رتبہ پر تسلیم کروں تو میں اس حکمت کا ایسا اسکول قائم کرسکتا ہوں جس میں (الف) قرآن عظیم (ب) سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وسنت الخلفاء الراشدین (ج) تاریخ اسلام کی پوری عقلی تشریح ممکن ہو۔

اس کے بعد تمام مذاہب عالم اور ان کی کتب مقدسہ کی تحقیق وتطبیق اسی اصول پر آسان ہوجائے۔ (ذالک من فضل اللہ واللہ ذو الفضل العظیم۔)

مراجعت وطن

۱۹۳۶ء میں انڈین نیشنل کانگریس نے میری واپسی کے متعلق کوشش شروع کی۔ اور میرے تمام دوست اس کی تائید میں کام کرتے رہے۔ اس میں سیاسی ساتھیوں کے اتحاد واختلاف کا کوئی فرق نہیں رہا اس طرح کی کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ مجھے یکم نومبر ۱۹۳۶ء کو اجازت واپسی وطن کی اطلاع ملی اور یکم جنوری ۱۹۳۶ء کو پاسپورٹ دینے کا فیصلہ معلوم ہوا۔ حج کا موسم سر پر آگیا۔ اس لئے ادائے مناسک سے فراغت پر واپسی کا ارادہ ہے۔ (واللہ الموفق)

ہندوستان میں پروگرام

ہندوستان پہونچ کر میرا پروگرام اس کے قریب قریب ہوگا

(۱) انڈین نیشنل کانگریس کا معمولی ممبر تو ہمیشہ رہوں گا تاکہ عدم تشدد کے متعلق میری ذمہ داری میرے قومی قانون کے اندر منضبط رہے اور میں پریشان دوستوں کی مشوش حرکات سے محفوظ رہ سکوں۔ لیکن کانگریس کی کسی پارٹی کے عملی حصہ میں شرکت نہیں کروں گا۔

(۲) میرا محبوب مشغلہ فلسفہ امام ولی اللہ کی تعلیم واشاعت ہوگا میں علمی طبقہ اہل علم کو اس طرف متوجہ کرتا رہوں گا۔ اس میں دینی عالم اور دانشمند مسلم مخاطب ہوں گے۔ اگر کوئی غیر مسلم ہندو مسیحی۔ آزاد منش اس فلسفہ کا مطالعہ پسند کرے گا تو اس کی پوری امداد کروں گا۔

(۳) جب کبھی حالات مناسب پیدا ہوئے تو میں نیشنل کانگریس میں فلسفہ امام ولی اللہ کی روشنی میں اقتصادی اصول پر اپنی مستقل پارٹی کی تشکیل کروں گا۔

(عبید اللہ)

اُردُو الفاظ کا اِملا

(از پروفیسر حامد اللہ افسر میرٹھی)

ہر زبان کا دستور ہے کہ عوام تک پہنچ کر اس کے الفاظ کی صورت کچھ کی کچھ ہو جاتی ہے۔ خصوصاً غیر تعلیم یافتہ لوگوں میں چند الفاظ کا تلفظ ضرور بدل جاتا ہے۔ اور بعض اوقات تبدیلی اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ لفظ کی صورت پہچانتی مشکل ہوتی ہے۔ اور چونکہ عوام کی تعداد ہمیشہ زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے اس تبدیلی کا اثر بھی زیادہ پڑتا ہے اور تعلیم یافتہ اور ذمہ وار گروہ کو بھی اکثریت کے سامنے سر خم کرنا پڑتا ہے اور وہ اُس غلط لفظ کو باوجود اس کی حقیقت اور اصلیت سے واقف ہونے کے ٹکسالی مستند اور صحیح زبان میں داخل کر لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

یہ تو خیر ایک ایسا سلسلہ ہے جس کا روکنا کسی زبان میں ممکن نہیں۔ عوام ہر لفظ کے صحیح تلفظ پر قادر نہیں ہوتے اس لئے یہ امید رکھنا فضول ہے کہ ہم کسی زبان میں الفاظ کو ان کی اصلی صورت پر قائم رکھنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

دوسری زبانوں میں اس قسم کی تبدیلیاں عموماً اُن لوگوں کے ہاتھوں عمل میں آتی ہیں جو کسی زبان کو محض روزمرہ کی گفتگو میں استعمال کرتے ہیں اور جنہیں لفظوں کے تحریر میں لانے کا اتفاق کبھی نہیں ہوتا۔ لیکن ہماری زبان میں ایک خاص وقت اس قسم کی ہے جس سے بعض الفاظ کے متعلق وہ لوگ بھی لغزش کھا جاتے ہیں جنہیں الفاظ کو تحریر میں لانے کا کام پڑتا ہے۔ یہ لغزش عموماً ہم آواز حروف کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً ”ت اور ط۔ ح اور ہ۔ ذ۔ ز۔ ض اور ظ۔ ث۔ س۔ اور ص وغیرہ طلبار کے لئے تو ان حروف پر قادر ہونا ایک مرحلہ ہے ہی لیکن بڑے بڑے ادیبوں انشا پردازوں میں بھی ان حروف کے ہم آواز ہونے کی وجہ سے بعض الفاظ کے املا میں اختلاف ہے۔ متعدد بار اکثر حضرات نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ ہم آواز حروف میں سے صرف ایک ایک حرف برقرار رکھا جائے اور باقی سب کو خارج کر دیا جائے۔ لیکن یہ ایک ایسی تجویز ہے جس کا عملی صورت اختیار کرنا کم سے کم اس وقت تک تو کسی طرح ممکن نہیں جب تک کہ ہماری زبان میں عربی اور فارسی کے الفاظ مستعمل ہیں۔

املا کا اختلاف عموماً اُن الفاظ میں ہے جو متحد الصوت اور متحد الصورت ہیں۔ مثلاً

۱۔ وہ الفاظ جن میں ”ب“ کا تلفظ مشدد اور ماقبل نون غنہ یا میم ہو۔ ایسے ادغامی الفاظ کا املا کبھی ”م“ اور کبھی ”ن“ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے

گمبد	گنبد
کمبل	کنبل
تمباکو	تنباکو
لمبا	لنبا
کھمبا	کھنبا

ان الفاظ کے رسم خط کا تعین ہونا ضروری ہے۔ مناسب تو یہ ہے کہ فارسی الفاظ کا رسم خط ”ن“ سے اور دوسری زبان کے الفاظ کا ”م“ سے ہو۔ اس لئے کہ فارسی میں ایسے الفاظ کا املا ہمیشہ ”ن“ سے ہوتا ہے۔ لیکن اس اصول کے قرار دینے میں یہ خرابی ہے کہ رسمِ خط کا اختلاف پھر بھی باقی رہے گا۔ کیونکہ اردو میں متعدد زبانوں کے لفظ شامل ہیں۔ اس لئے میری رائے میں اس قسم کے تمام الفاظ کا املا ”م“ ہی سے صحیح قرار دینا مناسب ہے اور عام رجحان بھی اسی طرف ہے۔

۲۔ بعض ایسے الفاظ میں بھی املا کا اختلاف ہے جو متحد المعنی اور متحد الصوت ہونے کے باوجود مختلف الصورت ہیں جیسے

حرج	ہرج
تیار	طیار
مسالہ	مصالحہ
خیر سلا	خیر صلاح
سہی	صحیح
ذرا	زرا
رضائی	رزائی
پروا	پرواہ
چلیچی	سلفچی۔ سیلابچی
نیمپ	نیم۔ نیب
لیمو	لیموں۔ نیمبو

اس قسم کے الفاظ میں رسم خط کا اختلاف ہماری زبان

کے لئے ایک بڑی کمزوری ہے۔ جس کا انسداد جلد سے جلد ہونا چاہئے اصلاح کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ چند مستند اور اہل الرائے حضرات کی ایک مستقل جماعت مقرر ہو جو وقتاً فوقتاً مختلف الفاظ کے املا پر غور کر کے ایک خاص املا معین کر دے۔ اس جماعت کی رائے آخری اور فیصلہ کن تسلیم کی جائے۔ جو رسم خط وہ جماعت معین کرے اُسے مختلف رسائل و اخبارات میں مشتہر کر دیا جائے۔ اور پھر سب بالاتفاق اس پر قائم رہیں۔ میری رائے میں اس قسم کے الفاظ کے متعلق اصول یہ ہونا چاہئے کہ جو املا عوام میں کثرت کے ساتھ مستعمل ہو یا جو تلفظ سے زیادہ مطابق ہو وہی صحیح قرار دیا جائے۔ مثلاً

حرج بہ حائے حطی و بہ تحتیں صحیح عربی لفظ ہے۔ دراصل اس کے معنی تنگی۔ سختی اور نقصان کے ہیں۔ اُردو میں بہ ہائے ہوز و بہ سکون ر بھی مستعمل ہے۔ لیکن اس کا املا بہ حائے حطی ہی صحیح قرار دینا مناسب ہے اس سے اور بھی دو لفظ نکلتے ہیں حرج۔ مرج اور مرجہ۔

"تیار" اور "طیار" اصل میں دو مختلف المعنی اور متحد الصوت لفظ ہیں۔ لیکن اردو میں دونوں متحد المعنی ہیں۔ میرے نزدیک آمادہ کے معنی میں اس کا املا "ت" سے ہی ہونا بہتر ہے۔ کثرت استعمال کے لحاظ سے بھی اور اصل معنی کے لحاظ سے بھی۔

"مسالہ" کو میں سین ہی کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں۔ آجکل یہ املا عام طور پر مستعمل ہے اور اردو کے مستند ادیبوں نے اسے استعمال کیا ہے۔ مصلحت فارسی میں کسی چیز کے سامان اور اسباب کی درستی کو بھی کہتے ہیں۔ اس کی جمع مصالح ہے لیکن خدا جانے اس کے آخر میں یہ ہائے مختفی کیسے بڑھائی گئی۔ بہرکیف کثرت استعمال نے اس لفظ کو "س" کے ساتھ صحیح قرار دے دیا۔ بالکل یہی حال خیرسلا کا ہے، یہ لفظ بھی اب "س" اور تشدید لام کے ساتھ صحیح ہے،

سہی اصل میں صحیح تھا مگر اب کثرت استعمال سے اس کا املا بھی "س" اور ہائے ہوز کے ساتھ صحیح قرار دے لیا گیا۔ یہ لفظ بہت سے موقعوں پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً

۱۔ بجا اور درست جیسے۔ جو تم کہو سو سہی۔
۲۔ برائے شرط جیسے، آ تو سہی
۳۔ غنیمت ہے۔ مقتنم ہے۔ جیسے مرزا غالب کہتے ہیں

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحہ غم ہی سہی۔ نغمہ شادی نہ سہی

۴۔ تسلسل کے واسطے جیسے غالب کا شعر ہے سہ

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

اس کے املا میں اب کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں اور کوئی خا[ص] ضرورت بھی تبدیلی کی نہیں۔ "ذرا" اصل میں عربی لفظ ذرہ سے ماخ[وذ] ہے۔ جس کے معنی چیونٹی اور مقدار قلیل کے ہیں۔

لفظ "رضائی" کے متعلق بعض محققوں کا خیال ہے کہ یہ لفظ "ض" کے ساتھ صحیح ہے۔ اُن کے نزدیک اس کا موجد کوئی شخص محمد رضا نامی ہے۔ اصل میں اہل فارس کے کلام میں یہ لفظ کہیں نہیں پایا جاتا۔ ہاں مرزا بیدل نے جو ہندی نژاد تھے اس لفظ کو استعمال کیا ہے ایک انگریز کی رائے ہے کہ یہ لفظ سنسکرت سے آیا ہے اور اصل میں "رجا[ئی]" تھا اس سے "رضائی" ہوگیا۔ بعض لوگ "ردائی" منسوب بہ چادر بھی قرار دیتے ہیں۔

"برتا" کا املا عام طور پر آخر میں ہائے مختفی کے اضافہ کے ساتھ مستعمل ہوگیا ہے۔ یہاں تک کہ رسالہ اردو میں بھی یہ لفظ اسی طرح نظر سے گزرا۔ اس لفظ کے استعمال کے ساتھ ہائے مختفی غیر ضروری بھی ہے اور غلط بھی۔ اس لئے اس کا املا بغیر ہائے مختفی کے ہونا چاہئے۔

چلمچی کی اُردو میں تین مختلف صورتیں ہیں چلمچی۔ سیلاچی اور سلفچی۔ یہ اردو میں ترکی زبان سے آیا ہے۔ اصل ترکی لفظ چلپچی ہے یعنی ہاتھ منہ دھونے کا برتن۔ لیکن اردو میں زیادہ "ترمیم" کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ اس لئے یہی املا صحیح قرار دینا چاہئے۔ املا اصل لفظ سے قریب تر

علامہ اقبال

پروفیسر مجیب نے اقبال کے اس جہانِ فانی سے اٹھ جانے پر کیا سچی بات کہی ہے کہ ایسے شخص کے لئے جس نے اس آب و گل کی دنیا میں اپنی زندگی کے اکثر لمحات میں ابدیت کی جھلکیاں دیکھی ہوں یہ موت کوئی نقصان نہیں۔" اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اسلامی فلسفہ کے مطابق (جس کو سمجھنے اور سمجھانے میں اقبال زمانہ حاضرہ کا سب سے بڑا عالم ہے) جسم کی یہ موت نہ صرف یہ کہ موت نہیں بلکہ وہ ایک ایسی زندگی کا باب ہے جو اس حیاتِ ناپائدار سے کہیں وسیع تر ہے اور اپنے اندر تکمیل شخصیت کے لئے وہ تمام امکانات رکھتی ہے جن کی ایک روحِ بلند کو ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ قومیں کیسے مرتی ہیں تو میں کہوں گا کہ ان میں سے سوچنے والے دماغوں، محسوس کرنے والے دلوں اور عمل کی دعوت دینے والے باہمتوں کو اٹھا لو۔ وہ قومیں خود بخود مر جائیں گی۔ اقبال نہیں مرا اور اقبال مر بھی کیسے سکتا ہے؟ جب تک اس کی زندہ جاوید تصانیف موجود ہیں۔ جب تک اس کا پیغام دلوں کو گرمانے کے لئے باقی ہے اور جب تک اس کا فلسفہ بھٹکتے ہوؤں کے لئے مشعل راہ ہے۔ موت تو اس قوم کی ہے جس میں سے یہ جوہر قابل اٹھ گیا۔ کیا زمانہ ایک صدی میں بھی اقبال پیدا کر سکے گا؟ بدنصیب ہے وہ قوم جسمیں قحط الرجال ہے۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساقی!

مایوس ہونا گناہ ہے، اور جواں مردی کے خلاف بھی۔ لیکن جب ہم حقائق اور واقعات کی روشنی میں اپنی حالت کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں بھی شاعرِ مشرق کے ساتھ مایوسی کے لہجہ میں کہنا پڑتا ہے۔ دیکھئے " دگر دانائے راز آید کہ ناید"

اقبال زمانہ حاضرہ کے عظیم ترین فلسفیوں میں سے تھا۔ اس کی شاعری نہ تھی۔ یہ تفریح و تفننِ طبع کی شاعری نہ تھی۔ یہ شاعری کسی فرضی محبوب یا ترک منچیوں کی زلفیں سنوارنے والی مشاطہ نہ تھی۔ یہ شاعری ان لوگوں کی شاعری نہ تھی جن کے متعلق خود اقبال فرماتے ہیں :-

عشق و مستی کا جنازہ ہے تخیل ان کا
ان کے اندیشۂ تاریک میں قوموں کے مزار
چشمِ آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ، بدن کو بیدار

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

اقبال نے شاعری سے وہ کام لیا جو شاعری کا صحیح نصب العین ہے اس کی جاندار اور زندہ شاعری نے مسلمانوں کی مردہ قوم میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔ اسی "نازنین" کے ذریعہ جو انہیں اب تک اپنی مشکیں زلفوں کی خواب آور بو سے تھپک تھپک کر سلاتی رہی تھی وہ مقاماتِ بلند دکھلائے جو کبھی اُن کے تصرف میں رہ چکے تھے۔ اور اب غیروں کی ملک ہیں جنہیں یہ دور سے مرعوب اور حیرت زدہ ہو کر دیکھتے ہیں اور اکثر اوقات اپنے احساسِ بیتری کو چھپانے کی غرض سے سلف کے کارنامے یاد کرکے اور دوسروں کو یاد دلا کر فخر کر لیا کرتے ہیں۔ اسی شعر کے ذریعے جو کبھی مجنوؤں اور فرہادوں کے لئے افیون کا کام کیا کرتا تھا۔ اقبال نے حیاتِ ابدی کا پیغام دیا۔ نغمہ جبریل سنایا اور بانگِ اسرافیل دی۔

جو لوگ اقبال کی شاعری کی قدر کا اندازہ محض اس کی نوک پلک، خد و خال یا نقش و نگار دیکھ کر کرنا چاہتے ہیں غلطی پر ہیں۔ جب تک ہم پر یہ حقیقت واضح نہ ہو جائے گی کہ اقبال کی شاعری محض ایک آلہ ہے اس کے فلسفہ کی ترجمانی کا ہماری رسائی اس کی روح اس کی گہرائیوں اور پنہائیوں اور اس کے حسنِ مستور تک ہو ہی نہیں سکتی۔ غدر سے پہلے کی تمام اردو شاعری کا پس منظر بہار نگار رنگ بزم آرائیاں محفل ہائے عیش و نشاط تن آسانیاں اور تن پروریاں۔ چنانچہ جیسا خارجی ماحول تھا ویسا ہی ادبی سرمایہ رہا۔ غدر کے مسلمانوں کا خارجی ماحول بدلا۔ مگر اب مسلمان فاتحوں کی نظروں میں معتوب تھے۔ انہیں نظر انداز کیا گیا اور ان سے بے نیازی برتی گئی دوسروں پر نگاہِ کرم ہوئی اور انہیں سہارا دیا گیا۔ کچھ عرصہ اسی طرح گزر گیا۔ اب انگریزی تعلیم کا زمانہ آتا ہے۔ علماء اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ مسلمان جھجکتے ہیں اور اسے غیبہ کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ مگر سرسید، مولانا حالی اور ڈاکٹر نذیر احمد جیسے بزرگوں کی مساعی جمیلہ آخر مسلمانوں کی اس شکستہ کشتی کو اس بھنور سے نکال کر زندگی کے دھارے پر ڈال ہی دیتی ہیں۔ اسکول بن گئے، یونیورسٹیاں کھل گئیں اور ساٹھ سال کے اندر اندر پھلے پھلائے، بنے بنائے، صاف ستھرے اور تمام لباسِ ظاہری سے آراستہ نوجوانوں کی ایک بڑی کھیپ بازار میں آ گئی۔ اس زمانہ میں اس جنس کی مانگ بھی کافی تھی چنانچہ کھپت بھی خوب ہوئی مگر قوم کو اس پیداوار سے کیا فائدہ پہونچا۔ کچھ بھی نہیں۔ پہونچا بھی

کیسے؟ کیا تعلیم کی بنیاد قوم کے ماضی، اس کی روایات یا تہذیب و تمدن پر رکھی گئی تھی؟ ہرگز نہیں۔ نتیجہ "بیکاری و عریانی و میخواری و افلاس"۔ قوم کو کیسے نوجوانوں کی ضرورت تھی۔ اقبال کی زبان سے سنئے

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اُن کو اپنی منزل آسمانوں میں
نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

مگر یہاں ایسی عقابی روح رکھنے والے نوجوان کہاں تھے! یہاں تو کاسا سکون تھا تعلیم جیسا ہو رہا تھا۔ فساد کی تھی۔ ہمتیں پست تھیں ارادے سست تھے۔ ماضی سے بے نیازی کی حد تک پہنچی ہوئی لاعلمی تھی قومی روایات اور اپنی تہذیب و تمدن نغانہ، ملامت "یہ کارِ شیشہ گراں" یعنی تہذیب قومی، وہ بھی اوعوری سروں پر سوار یہ تھا وہ پس منظر اور یہ تھا وہ ماحول جس میں اقبال نے آنکھیں کھولیں۔ اس ماحول اور پس منظر کو سامنے رکھکر اقبال کو سمجھئے اس کا فلسفہ، اس کا پیغام اور اس کی شاعری کے عروسانے پہ جو سب کچھ سمجھ میں آ جائیں گے۔

اقبال کے کل فلسفیانہ نظام کا احاطہ کرنا تو اس مختصر سے مقالہ کے بس کا کام نہیں۔ ہمارا مقصد تو صرف اس قدر ہے کہ اقبال کے فلسفہ پر ایک سرسری مگر سلجھی ہوئی نظر ڈال کر اس کے پیغام اور شاعری کے بعد آنے والے سب کو سمجھیں جو اس نے دوسرے لوگوں سے الگ ہٹ کر اختیار کیا تھا۔ ڈاکٹر الکا فرماتے ہیں "اقبال کے لئے خود شعوری اور انفرادیت ہی اصل اصول ہے۔ وہ ہمیشہ علم ذات، اثبات خودی اور ارتقاء نفس کا سبق دیتا ہے اس کا مقصد حیات عمل ہے۔ جس کا انجام روحانی اور اخلاقی قوت ہے۔"

ایک جگہ اقبال فرماتے ہیں "جوہر زندگی ہے عشق، جوہر عشق ہے خودی" مگر یہ خودی یا خود شعوری ہے کیا؟ انسان ایک مختصر کائنات ہے۔ اور اپنے اندر ترقی کے لامحدود امکانات رکھتا ہے۔ اس کی ذہنیت یا شخصیت کے تین پہلو ہیں۔ تعقلی، وجدانی اور عملی۔ تعقلی پہلو اپنی ترقی کے لئے سائنس، فلسفہ منطق اور دیگر علوم چاہتا ہے۔ وجدان کی نشو و نما کے لئے احساسِ صحیح کی روشنی میں خود روحانی اور اخلاقی قوت حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو اس کے حصول میں مدد کرتا ہے۔ انسانی شخصیت کے یہ تینوں پہلو کوئی الگ الگ اکائیاں نہیں۔ بلکہ ایک ہی اکائی کے تین رخ ہیں۔ اس لئے ایک کی تربیت دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اور ایک کی تشکیل دوسرے کی تشکیل کا باعث اپنی اہمیتوں اور گہرائیوں کو سمجھنا اور پھر شخصیت کے ان تینوں پہلوؤں کے متوازی ارتقاء کے لئے جد و جہد کرنا خودی یا خود شعوری ہے۔

اقبال کی تصنیفات میں جگہ جگہ مختلف طریقوں سے شخصیت کے ان تینوں پہلوؤں پر زور دیا گیا ہے۔ اور افراط و تفریط کے خلاف تنبیہہ کی گئی ہے۔ موجودہ دور علم و سائنس کا دور ہے۔ مغرب نے فلسفہ و سائنس میں حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ مگر انجام روحانی اور اخلاقی قوت نہیں بلکہ برعکس اس کے ایک انتشار ہے، بدامنی ہے، کمزوروں کی متاعِ حیات کی لوٹا کھسوٹی ہے اور بین الاقوامی کش مکش ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ مغرب کی ترقی یک رخی ہے اس کے وجدان کی تربیت صحیح خطوط پر نہیں ہوئی جہاں تک وجدان یا قلب و نظر کا تعلق ہے۔ مغرب اپنے آپ کو بربریت کی سطح سے بلند نہ کر سکا۔ اس کا دل رنگ و نسل کی آلودگیوں سے ملوث ہے۔ مغرب کا علم روشنی نہیں تاریکی ہے۔ اس کا علم اس کے لئے مارِ آستین ثابت ہوا اور ہو رہا ہے ایک جگہ ڈاکٹر اقبال اپنے پیر و مرشد مولانا روم سے سوال کرتے ہیں۔

"چشم بینا سے ہے جاری جوئے خوں
علم حاضر سے ہے دیں زار و زبوں"

مولانا روم جواب دیتے ہیں:۔

"علم را بر تن زنی مارے بود!
علم را بر دل زنی یارے بود!"

سارے یورپ اور اب اس کی دیکھا دیکھی جاپان نے علم کا کیا استعمال کیا؟ کیا اس نے اسے "تن پر مارا" یا من پر؟ ملک گیری یا جوع ارض "علم را بر تن زدن" ہی کی تفسیر ہے نہ کہ تربیتِ قلب و نظر کی اسپنوزا کے خیال کے مطابق مرد دانشمند حیات پر نظر رکھتا ہے۔ افلاطون کا خیال ہے کہ عقلمند کی نظر صرف موت پر ہونی چاہئے۔ مگر اقبال فرماتے ہیں:۔

حیات و موت نہیں التفات کے لائق
فقط خودی ہے خودی نگاہ کا مقصود

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ حاضر کا انسان۔

"عقل کو تابعِ فرمانِ نظر کر نہ سکا"

کیا یہ ترقی علم و ہنر بغیر وجدانِ صحیح کے مسائل حاضرہ کی گتھیوں کو سلجھا سکتی ہے؟ ابلیس خدا کے حضور میں کھڑا ہے اور عرض کرتا ہے "الٰہی جب تک میں خیمۂ افلاک کے نیچے جیا میرے دل میں ایک بات کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی اگر اجازت ہو تو پوچھوں" کہتا ہے:۔

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

جب تک علم و عمل سے صحیح وجدان اور پاکیزہ ذوق کا سنگم نہ ہوگا جب تک سینے کی نہ کھلیں گی۔ جب تک عقل و علم دل و نظر کے تابع نہ ہونگے اس وقت تک امن و امان، صلح و آشتی معلوم۔

اقبال فرماتے ہیں:۔

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیشِ جہاں کا دوام
وائے تمنائے خام! وائے تمنائے خام

مگر اس تمام بحث سے یہ سمجھ لینا کہ اقبال علم کی ترقی کے خلاف ہے غلطی ہے۔ خود ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

علم میں دولت بھی ہے قدرت بھی ہے لذت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ

یوں تو فلاسفۂ یورپ بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں علم اپنی رسائی کے اعتبار سے خود محدود و مجبور ہے عقل یعنی اصل شے تک ہماری رہنمائی نہیں کر سکتی۔ اور ہم حقیقت مجرد یا عقلِ کل کا ادراک نہیں کر سکتے۔ جرمنی کے مشہور فلسفی کانٹ نے اپنی "تنقیدِ عقل" لکھ کر مغربی فلسفیوں کی آنکھیں کھولدیں۔ اس نظریہ کی بیخ کنی کر دی کہ عقل اپنی رسائی کے اعتبار سے ہمہ گیر واقع ہوئی ہے اور اس کی تیز نظریں اشیاء کی سطح سے گزر کر ان کی کنہ و حقیقت تک پہونچ سکتی ہیں۔ مگر اقبال اس سے آگے بڑھکر کہتا ہے کہ حقیقت یا خدا کا ادراک ہم کر سکتے ہیں مگر عقل کے ذریعہ نہیں بلکہ قلب و نظر کے ذریعہ۔ بلکہ اقبال کے فلسفہ کی صحیح ترجمانی تو اسی وقت ہو گی جب ہم یہ کہیں کہ خدا کا ادراک ہم اس وقت کر سکتے ہیں جب ہماری خودی کے تینوں پہلو معراجِ کمال تک پہونچ چکے ہوں:۔

خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل
اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل

اس شعر میں عشق سے مطلب وہی قلب و نظر ہے۔

کشاکشِ پیہم کا دوسرا نام زندگی ہے جینا اور حرکت ایک ہی عمل کے دو مختلف اصطلاحیں ہیں۔ اگر زندگی جئے جانے کے لائق ہے تو زندوں کی طرح زندہ رہنا چاہئے۔ جب تک علم و وجدان دونوں کو عمل کے ذریعے متشکل اور متجسم نہ کیا جائے دونوں مردہ ہیں۔ رہبانیت یا ترکِ دنیا خودکشی اور بزدلی ہے۔ اپنے ایک مضمون "فلسفۂ سخت کوشی" میں جو ایک خط کی صورت میں ڈاکٹر نکلسن کو لکھا تھا، فرماتے ہیں:۔ "میرے نزدیک بقا انسان کی بلند ترین آرزو اور ایسی متاعِ گرانمایہ ہے جس کے حصول پر انسان اپنی تمام قوتیں مرکوز کر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ میں عمل کی مختلف صور و اشکال کو جن میں تصادم و پیکار بھی شامل ہے۔ ضروری سمجھتا ہوں۔ اور میرے نزدیک ان سے انسان کو زیادہ استحکام و استقلال حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی خیال کے پیشِ نظر میں نے سکون و جمود اور اس نوع کے تصوف کو جس کا دائرہ محض قیاس آرائیوں تک محدود ہو مردود قرار دیا ہے"

علمی مشاغل اور صوفیانہ ریاضتوں کا نتیجہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ انسان منجمد ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعض عالم یا حکیم جنہیں زندگی کی تلخیوں سے دوچار ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ اپنے حجروں میں بیٹھے جنت ارضی بنانے کے خواب دیکھا کرتے ہیں صفحۂ کاغذ پر تو بہت خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ہوتے ہیں وہ ہوائی قلعہ جن کی بنیادیں واقعات کی ٹھوس چٹانوں پر نہیں ہوتیں بلکہ ان فلسفیوں کے مفروضہ نظریوں پر ہوتی ہیں وجہ یہ کہ فلسفی نے عملاً تو کبھی اپنے ان نظریوں کو اس عملی دنیا کی سخت حقیقتوں سے ٹکرا کے دیکھا ہی نہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے؟ ذوقِ انقلاب
ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے؟ ملت کا شباب
ندرتِ فکر و عمل سے معجزاتِ زندگی
ندرتِ فکر و عمل سے سنگِ خارہ لعلِ ناب

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

راز ہے راز ہے، تقدیرِ جہانِ تگ و تاز
جوشِ کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز

"جوشِ کردار" جسے "تقدیرِ جہانِ تگ و تاز" کی کلید بنایا ہے۔ وہی خودی کا عملی پہلو ہے۔

ایک نظم میں جس میں روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے، انسان کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:۔

جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پنہاں ہے، ترے خونِ جگر میں
اے پیکرِ گِل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ

ایک اور شعر میں اسی خیال کو یوں ادا کیا ہے:۔

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخِ زندگانی انگبیں

بے عمل ہندوستانی طالب علم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:۔

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں

یوں تو اقبال کا فلسفہ اور پیغام کسی قوم، ملک، نسل یا مذہب کے لئے مخصوص نہیں مگر اس نظام فلسفہ کے بعض حصص ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے لئے لکھے گئے ہیں اگرچہ ان کا اطلاق یکساں طور پر دنیا کے ہر حصہ پر ہوتا ہے فلسفۂ عمل ہندوستانیوں کے مرض کا واحد علاج ہے۔

اقبال کے فلسفۂ عمل کا ایک نہایت اہم جز تصادم ہے۔ وہ پیکار کو برا نہیں سمجھتے بشرطیکہ اس تصادم سے بنی نوع انسان کی نشو و نما مقصود ہو۔ فلسفۂ سخت کوشی" میں فرماتے ہیں۔ میرے عقیدہ میں حقیقت ایسے

رسالہ مخزن خیال دہلی

اجزا کا مجموعہ ہے جو تصور کے واسطے سے ربط و امتزاج پیدا کرکے کل کی صورت میں تبدیلی کی سعی کر رہے ہیں اور یہ تصادم لامحالہ ان کی شیرازہ بندی اور ارتباط کی صورت میں رونما ہوگا، در اصل بقائے شخصی اور زندگی کے علو و ارتقا کے لئے تصادم نہایت ضروری ہے۔"

مگر اس تصادم کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ کمزور کو طاقتور کچل ڈالے غریب کو دولت سے دبایا جائے یا مزدور کا سرمایہ دار پی جائے۔ اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے فرماتے ہیں "میں روحانی قوت کا تو قائل ہوں لیکن جسمانی قوت پر یقین نہیں رکھتا۔ لیکن جب کسی قوم کو حق و صداقت کی حمایت میں دعوتِ پیکار دی جائے تو میرے عقیدے کی رو سے اس دعوت پر لبیک کہنا اس کا فرض ہے۔ لیکن میں ان تمام جنگوں کو مردود سمجھتا ہوں جن کا مقصد محض کشور کشائی اور ملک گیری ہے۔"

اقبال کے نزدیک کمزور ہونا خود ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ کمزور ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ہم طاقتور کو ظلم کا موقع دے رہے ہیں۔ حقیقت میں مظلوم ہونا ظالم بننے سے زیادہ قابلِ نفرت چیز ہے فرماتے ہیں:-

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

ایک بھنے ہوئے تیتر کو دیکھ کر ابوالعلا معری کی زبان سے کہلواتے ہیں:-

اے مرغکِ بیچارہ ذرا یہ تو بتا تو
تیرا وہ گنہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات؟
افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات!

اقبال کے نزدیک عمل کی بنیاد اعتمادِ نفس یا راسخ عقیدے پر ہے۔ اس کا منتہا عشق یعنی نوعِ انسان سے محبت ہے۔ اثباتِ خودی عمل کا جزو لاینفک ہے۔ راسخ عقیدے کے بغیر عامل ایک ایسے راہرو کی طرح ہے جس نے اپنی راہ گم کر دی ہو اور ادھر ادھر بھٹکتا پھر رہا ہو۔ ایسے شخص کی کوئی متعین راہ نہیں۔ وہ چند قدم ہر راہرو کے ساتھ دوڑتا ہے اور پھر ٹھٹھک کر رہ جاتا ہے۔ اس کے لئے زندگی کی مختلف راہیں مجہول بھولبھلیاں سے کم نہیں۔ راسخ عقیدہ اور اعتمادِ نفس عمل اور زندگی کی محکم اور استوار بنیادیں ہیں۔ یہ نہیں تو اساسِ زندگی متزلزل ہے ایک قطعہ میں فرماتے ہیں:-

یقین مثلِ خلیل آتش نشینی
یقین اللہ مستی خود گزینی
سُن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار
غلامی سے ہے بدتر بے یقینی

قوموں کی ترقی، اُن کی نشو و نما اور اُن کی نجات اسی وقت ممکن ہے جب عمل کی عمارت یقینِ کامل، اعتمادِ راسخ اور اعتمادِ نفس پر کھڑی کی جائے فرماتے ہیں:-

مئے یقیں سے ضمیرِ حیات ہے پُرسوز
نصیبِ مدرسہ یارب یہ آبِ آتش ناک

راسخ الاعتقادی اور اعتمادِ نفس کا لازمی نتیجہ اثباتِ خودی ہے۔ جرأت و ہمت مردانگی کے جوہر ہیں۔ اثباتِ خودی کے سلسلے میں اقبال اس قدر جری واقع ہوا ہے کہ خدا کے مقابلہ میں ابلیس کی جرأت کی داد دئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا۔ جبریل و ابلیس کے مکالمہ کے چند شعر ہیں:-

جبریل:- کھو دئے انکار سے تو نے مقاماتِ بلند
چشمِ یزداں میں فرشتوں کی رہی کیا آبرو
ابلیس:- ہے مری جرأت سے مشتِ خاک میں ذوقِ نمو
میرے فتنے جامۂ عقل و خرد کے تار و پو!
دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزمِ خیر و شر
کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے میں کہ تو؟
گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو؟
میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو

اس تمام جد و جہد اور کاوش و کوشش کا ماحصل عشق ہے عشق زندگی کا جوہر ہے عشق کائنات کی روح ہے عشق ہی آفرینشِ کائنات کا سبب تھا۔ اور عشق ہی مقصدِ کائنات ہے فرماتے ہیں:-

کھول کے کیا بیاں کروں سرِّ مقامِ مرگ و عشق
عشق ہے مرگِ باشرف، مرگ حیاتِ بے شرف

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

عشق کی ہمہ گیری ملاحظہ ہو۔ کہتے ہیں:-

عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دمِ جبریل، عشق دلِ مصطفےٰ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات

ڈاکٹر نکلسن کی مساعی سے مغرب مشرق کے اس فلسفی شاعر سے روشناس ہو چکا ہے۔ آج مغرب بین الاقوامی الجھنوں میں پھنسا ہوا ہے۔ رنگ و نسل کے امتیازات، ملک گیری اور کشور کشائی کی بھوک اور قوت کے نشہ نے انسانوں کو بھیڑیوں میں بدل دیا ہے۔ سائنٹفک آلاتِ حرب نے ان انسان نما درندوں کے خون آشام پنجوں کو اور بھی مضبوط کر دیا ہے۔ بعض ایک دوسرے کے گلوں پر جھپٹنے کے لئے موقع کی تلاش میں تیار بیٹھے ہیں اور بعض حملہ آور ہو چکے ہیں۔ بعض ان "کفن کھسوٹوں" میں تقسیم تبور کر کے عارضی صلح و آشتی کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن قلب و نظر کی کم ذوقی بلکہ کور ذوقی، بین الاقوامی امن و امان میں سنگِ راہ ثابت ہو رہی ہے۔ اقبال کا پیغام مغرب کے لئے امن و آشتی کا پیغام ہے۔ اور اس کا فلسفہ اس امن و آشتی کی بنیاد۔ مشرق کے لئے اقبال کا پیغام خود شعوری، اثباتِ خودی، عمل آزادی اور حریت کا پیغام ہے۔

ممتاز حسین بی اے، بی، ٹی

ادراکِ غم

محبت کارفرمائے دو عالم ہوتی جاتی ہے　　کہ ہر دنیائے دل شائستۂ غم ہوتی جاتی ہے
ہر اک صورت ہر اک تصویر مبہم ہوتی جاتی ہے　　الٰہی کیا مری دیوانگی، کم ہوتی جاتی ہے
طبیعت ان دنوں بیگانۂ غم ہوتی جاتی ہے　　مرے حصہ کی گویا ہر خوشی کم ہوتی جاتی ہے
قیامت کیا یہ اے حسن دو عالم ہوتی جاتی ہے　　کہ محفل تو وہی ہے دل کشی، کم ہوتی جاتی ہے
وہی شورش ہے لیکن جیسے موجِ تہ نشیں کوئی　　وہی دل ہے مگر آواز مدھم ہوتی جاتی ہے
جہاں تک دل کا شیرازہ فراہم کرتا جاتا ہوں　　یہ محفل اور برہم اور برہم ہوتی جاتی ہے
وہی ساغر وہی ساقی مگر دل بجھتا جاتا ہے　　وہی ہے شمع لیکن روشنی کم ہوتی جاتی ہے
جہاں تک توڑتا جاتا ہوں رسمِ ظاہر و باطن　　دلیلِ عاشقی آنی ہی محکم ہوتی جاتی ہے
وہ رہ رہ کر گلے مل مل کے رخصت ہوتے جاتے ہیں　　مری آنکھوں سے یارب روشنی کم ہوتی جاتی ہے

جدھر سے میں گزرتا ہوں نگاہیں اٹھتی جاتی ہیں
مری ہستی بھی کیا تیرا ہی عالم ہوتی جاتی ہے

حضرت جگر مراد آبادی

بادشاہوں نے مرتے وقت کیا کہا

شاہی محلوں میں دم توڑتے ہوئے بادشاہوں کے الفاظ ہمیں بتا رہے ہیں کہ یہ دنیا اور دنیا کی حکومتیں کس قدر بے حقیقت ہیں۔ اور انسان خواہ وہ بادشاہ ہو یا مزدور جب موت سے ہم آغوش ہوتا ہے تو اس کے دل کی دنیا میں ایک انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ بادشاہوں نے کس طرح مرتے وقت درد میں ڈوبے ہوئے جملے کہے ہیں۔ انہیں ہم درج کرتے ہیں تاکہ ان سے اندازہ لگایا جا سکے۔ یہ دنیا کس قدر بے ثبات ہے اور اس کی ثروت کس درجہ عارضی ہے۔

سکندر اعظم جس نے ساری دنیا کو ہلا دیا تھا۔ اور جس نے لاکھوں انسانوں کا خون بہا دیا تھا جب موت سے ہم آغوش ہوا تو اس نے کہنا شروع کیا۔

"میں دنیا کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ مگر موت نے مجھے فتح کر لیا میں سوچ رہا ہوں کہ میں نے کتنے انسانوں کا خون بہایا ہے۔ اور میں کیا لے کر جا رہا ہوں۔ افسوس کہ مجھے زندگی کا وہ سکون بھی حاصل نہ ہو سکا جو ایک معمولی انسان کو بھی حاصل ہے۔ اچھا ہوا کہ میں دنیا فتح نہ کر سکا۔ اگر میں دنیا فتح کرتا تو اس سے زیادہ کچھ نہ حاصل ہوتا کہ اپنے گناہوں میں اور اضافہ کر لے کر دنیا سے جاتا۔ مجھے خونی لباس میں دفن کرنا کیونکہ میں سپاہی تھا۔ اور سپاہی ہوں۔"

یہ ہیں اس سکندر اعظم کے مایوسی میں ڈوبے ہوئے الفاظ جو کروڑہا انسانوں کی جان کا مالک تھا۔

نپولین جس نے انتہائی مایوسی میں جان دی ہے۔ اس کے الفاظ سکندر اعظم سے بھی زیادہ دردناک ہیں۔ نپولین نے مرتے وقت کہا۔

"مایوسی میرے ہاں گناہ تھی۔ مگر مجھ سے زیادہ مایوس انسان کوئی دنیا میں نہیں ہے۔ میں دنیا میں دو چیزوں کا بھوکا تھا ایک حکومت کا اور دوسرے محبت کا حکومت مجھے ملی مگر وہ میرا ساتھ نہ دے سکی محبت کو میں نے بہت تلاش کیا۔ مگر میں اسے کبھی نہ حاصل کر سکا میں نے جس سے محبت کی اس نے مجھے دغا دی۔ شاید محبت کا جواب دغا ہی ہوتا ہوگا۔ اگر کسی انسان کی زندگی کا مقصد یہی ہے جو میری زندگی کا مقصد رہا ہے تو وہ زندگی بے معنی ہے میرے نزدیک دنیا مایوس ہے۔ اور مایوسی ہی کا نام دنیا ہے۔"

یہ ہیں اس نپولین کے الفاظ جس نے سارے یورپ کو ہلا دیا تھا اور جسے آج بھی دنیا کی تاریخ میں ایک امتیازی درجہ حاصل ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید طوس میں بستر علالت پر پڑا ہوا تھا موت ہارون الرشید کو گھیرے ہوئے تھی۔ ہارون الرشید نے اسی مکان میں جس میں کہ وہ پڑا ہوا تھا اپنی قبر کھدوائی۔ جب قبر کھد کر تیار ہو گئی۔ تو چند حافظوں نے قبر میں اتر کر ختم قرآن مجید کیا۔ ہارون الرشید نے اپنی چارپائی قبر کے کنارے بچھوا لی ہے۔ اور پڑے پڑے قبر کو دیکھتا رہا یہ ہارون الرشید کا آخری وقت تھا۔ ہارون الرشید نے کہنا شروع کیا۔

"لوگو گواہ رہنا کہ میں خدا پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور رسول اللہ کی رسالت کا سچے دل سے قائل ہوں۔ میں ایک معصیت اور گناہ کا پیکر ہوں جس نے ساری عمر عمر غلط کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میں پھر بھی غم غلط نہ کر سکا میں نے بے حد مغموم اور فکر کی زندگی گذاری ہے۔ حکومت کے کاموں نے اور حکومت کی لعنتوں نے مجھے اکثر خدا اور مذہب سے غافل رکھا ہے۔ خدا مجھے معاف کرے مجھے زندگی کا کوئی دن ایسا یاد نہیں ہے جو میں نے بے فکری کے ساتھ گذارا ہو۔ اب میں موت کے کنارے ہوں موت تم سب سے مجھے جدا کر دے گی۔ اور یہ قبر جو اس وقت منہ کھولے ہوئے سامنے ہے۔ میرے جسم کو نگل لے گی۔ یہی ہر انسان کا مآل ہے مگر انسان اپنے مآل سے میری طرح غافل رہتا ہے۔"

اس کے بعد خلیفہ ہارون الرشید نے کچھ حکومت کے انتظامی معاملات کے بارے میں مشورے دئے اور اس کے بعد ہارون الرشید کا چراغ زندگی گل ہو گیا۔

مدائنی کہتے ہیں کہ جب عبدالملک کو اپنے مرنے کا یقین ہو گیا تو اس نے کہا۔

جب سے میں پیدا ہوا ہوں مجھے یہ آرزو ہی رہی کہ میں کسی طرح اپنے آپ کو مسرور کر سکوں۔ لیکن مجھے کبھی سچی خوشی حاصل نہیں ہوئی۔ میں نے حکومت کا بوجھ اپنے سر اس لئے لیا تھا کہ میں سمجھتا تھا کہ بادشاہت انسان کی ترقی کی معراج ہے۔ مگر مجھے دھوکہ ہوا میں نے جو کچھ کیا ہے اور میں جو کچھ کر رہا ہوں۔ اس پر میں نادم ہوں۔ مگر ندامت کا وقت گزر چکا ہے۔ اور میں ناکام اور نامراد دنیا سے جا رہا ہوں۔ میں نے جو راستہ اپنے لئے منتخب کیا وہ غلط تھا۔

یہ ہیں الفاظ اس عبدالملک کے جس کی خلافت میں حجاج نے خانہ کعبہ کو ڈھا دیا تھا۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے افعال پر نادم تھا۔ اور موت کے وقت اسے اندازہ ہوا کہ حکومت بے معنی چیز ہے۔

منصور نے اپنی موت سے پہلے جو چند دردناک جملے کہے ہیں وہ عبرت اور نصیحت سے لبریز ہیں۔ منصور نے مرنے سے پہلے کہا:۔

"میں نے ٹھوکریں کھانے کے بعد حکومت حاصل کی مگر مجھے معلوم ہوا کہ میں نے دنیا پر دین کو فروخت کر دیا۔ اگر میں اور زندہ رہ سکتا تو ایسی حکومت کو آگ لگا دیتا جس نے مجھے راستی سے ہٹا دیا۔ ایک نیکی اس ساری حکومت سے بہتر ہے۔ مگر یہ بات مجھے اس وقت معلوم ہوئی جب موت نے مجھے اپنے چنگل میں لے لیا۔

شاہانِ سلف کے مندرجہ بالا الفاظ انسانی بے بسی اور مایوسی کی ایک ایسی داستان ہیں جن میں ارباب بصیرت کے لئے بہت کچھ ہے۔

پریم پُجارن

(از شمشاد نجمہ صاحبہ۔ بی۔ اے، بی، ٹی)

میں پریم پجارن ہوں۔ الفت کی بھکارن ہوں
وارفتۂ قسمت ہوں
ناکام محبت ہوں
دل سوز حکایت ہوں
اک پیکر حسرت ہوں ۔ ہاں ہیں غم الفت ہوں

میں پریم پجارن ہوں ۔ الفت کی بھکارن ہوں
گم کردۂ منزل ہوں
انجام سے غافل ہوں
بیتاب ہوں بسمل ہوں
دکھ سہنے کے قابل ہوں ۔ مجروح سا اک دل ہوں

میں پریم پجارن ہوں ۔ الفت کی بھکارن ہوں
اک غم کی کہانی ہوں
اک سوز نہانی ہوں
اشکوں کی روانی ہوں
بیکار ہوں فانی ہوں ۔ کھوئی سی جوانی ہوں

میں پریم پجارن ہوں ۔ الفت کی بھکارن ہوں
اک قلب پریشاں ہوں
اک اجڑا گلستاں ہوں
میں چاک گریباں ہوں
اور خاک بداماں ہوں ۔ اک سوختہ ساماں ہوں

میں پریم پجارن ہوں ۔ الفت کی بھکارن ہوں
امیدوں کا مدفن ہوں
پامال سا گلشن ہوں
ایک سوختہ خرمن ہوں
تاراج نشیمن ہوں ۔ تم سمجھے ہو دشمن ہوں
میں پریم پجارن ہوں ۔ الفت کی بھکارن ہوں

ہندوستان اور پردہ

(از محترمہ صدیقہ بیگم صاحبہ سیوہاروی)

یہ ایسا موضوع ہے جس پر نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے ادیبوں نے خامہ فرسائی کی ہے۔ کسی نے اپنے دلائل سے اس کی مخالفت میں زمین اور آسمان کے قلابے ملا دیئے ہیں اور کسی نے موافقت میں تعریفوں کے پل باندھ دیئے ہیں آج میں بھی اسی موضوع پر اپنے حقیر قلم کو جنبش دے رہی ہوں۔ لیکن ناظرین! میں اس کو اپنے ذاتی، ذہنی دلائل کی آماجگاہ بنانا نہیں چاہتی بلکہ اسلام اور دیگر مذاہب کی روشنی میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتی ہوں۔

(صدیقہ سیوہاروی)

سب سے پہلے ہم کو یہ جاننا چاہیئے کہ پردہ کے معنی کیا ہیں؟ پردہ کے لغوی معنی یہ ہیں کہ کسی شے کو عوام کی نظروں سے پوشیدہ رکھا جائے پردہ نہ صرف ہندوستان جیسے ملک میں جہاں مختلف مذاہب، مختلف عقائد اور مختلف خیالات کے لوگ آباد ہیں —— ضروری ہے بلکہ دنیا کے سب سے زیادہ ترقی کردہ اور تعلیم یافتہ —— یورپ اور امریکہ جیسے ممالک کے لئے بھی اشد ضروری ہے۔ لیکن پردہ جن اصول پر ہندوستان میں رائج ہے۔ اپنی نوعیت کا عجیب وغریب ہے۔ جس پر دنیا کی ترقی کردہ قومیں حقارت آمیز قہقہہ لگاتی ہیں۔ پردہ کا یہ مقصد ہے کہ عورتوں کو مکان کی چہار دیواری میں بند کر دیا جائے تاکہ نہ وہ دنیا کو دیکھ سکیں اور نہ دنیا ان کو دیکھ سکے۔

یہ عجیب وغریب رسم ہم ہندوستان میں خصوصاً مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ اور تھوڑی بہت اوسط درجہ کے لوگوں میں پاتے ہیں۔ برخلاف اس کے نیچے طبقہ کے لوگوں میں یہ رسم قریب قریب بالکل ہی معدوم ہے بات یہ ہے کہ اس طبقہ کے لوگوں کے پاس اتنا سرمایہ کہاں جو عورتوں اور لڑکیوں کو گھر میں بٹھا کر آسائش سے کھلا اور پہنا سکیں اس لئے وہ عورتوں کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ گھر سے باہر نکل کر خود اپنی شکم پری کا انتظام کریں۔ پس مکان کے دروازے ان کے واسطے ہر وقت کھلے ہیں۔ وہ ایک آزاد پرند کی طرح جب چاہیں اپنے آشیانے میں آ بیٹھیں۔ اور جب چاہیں ادھر ادھر کی گشت کریں ان کے آنے جانے میں کوئی شے سد راہ نہیں۔ میرے یہ لکھنے سے آپ یہ نہ سمجھ لیجئے گا کہ شاید ان کو اس قدر آزادی دے دی گئی ہے کہ وہ شتر بے مہار کی طرح جدہر منہ اٹھے چلدیں۔

یہ اُس زمانہ کی حالت تھی جبکہ ہندوستان پر مغربی تہذیب وتمدن کے بادل نہ چھائے تھے۔ جب ہندوستان میں انگریزوں کا دور دورہ ہوا اور رفتہ رفتہ ہندوستانیوں پر مغربی تہذیب وتمدن کا اثر پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈولی اور پالکیوں کی جگہ موٹر کار اور دیگر انگریزی گاڑیاں رائج ہو گئیں۔ لیکن اوسط درجہ اور نیچے طبقہ کے لوگ غربت کی وجہ سے اپنے رئیس بھائیوں کے قدم بقدم نہ چل سکے چنانچہ اب بھی ہم ہندوستان کے بہت سے حصوں میں ڈولی اور پالکیوں کا رواج پاتے ہیں۔

اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ پردہ کی اس عجیب رسم پر ہر طرف سے اعتراضات ہو رہے ہیں اور ہمارے بہت سے معترض حضرات بہت دیدہ دلیری سے فرماتے ہیں کہ پردہ کی رسم ہندوستان میں دوسرے ممالک سے آئی ہے۔ یعنی بالفاظ دیگر جب مسلمان ہندوستان آئے تو وہ یہ رسم اپنے ساتھ لائے جن کی دیکھا دیکھی ہندوستان کی اور قوموں نے بھی یہ رسم اختیار کر لی۔ اس وقت میں یہ لکھنے پر مجبور ہوں کہ ایسا بیان کرنے والے حضرات جاہل مطلق ہیں۔ انہوں نے شاید کبھی اپنی تاریخ کی ورق گردانی کی زحمت گوارا نہیں فرمائی ورنہ وہ ایسی بات زبان سے نکالنے کی جرات نہ کرتے بقول کسی کے کہ "چھاج (سوپ) بولے تو بولے چھلنی بھی بولے جس میں نو سے بہتر چھید ہیں"۔

تاریخ شاہد ہے کہ پردہ ہندوستان میں اس زمانہ سے رائج ہے جب شاید مسلمانوں کا ہندوستان میں تو کیا بلکہ دنیا میں بھی کہیں وجود نہ تھا۔ مسز فرید ایچ واس اپنی ایک کتاب میں پردہ کے متعلق لکھتی ہیں: "پردہ کی رسم زمانہ قدیم میں اس واسطے قائم ہوئی تاکہ شریف طبقہ اور رذیل طبقہ کے لوگوں میں امتیاز کیا جا سکے اس لئے ایک عورت کا پردہ میں رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتی ہے"۔

مسٹر این سی مہتا۔ آئی سی ایس۔ اپنی ایک کتاب میں جس میں انہوں نے یہ دکھایا ہے کہ ہندوستان پر مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کا کیا اثر پڑا —— لکھتے ہیں "یہ بالکل غلط ہے کہ پردہ ہندوستان

میں مسلمانوں سے پھیلا۔ برخلاف اس کے پردہ ہندوستان کی پرانی اقوام میں بہت پہلے سے موجود تھا۔ اور جب مسلمان ہندوستان آئے تو انہوں نے بھی ان کی دیکھا دیکھی یہ رسم اختیار کر لی۔

ذیل کے چند حوالوں سے ہم کو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ پردہ کا الزام کس پر عائد ہوتا ہے۔ خود مسلمانوں پر یا ان پر جو مسلمانوں کو اس کا موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔ ہندو [illegible] رامائن اور مہابھارت کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پردہ ہندوستان میں بہت قدیم زمانہ سے رائج تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب [illegible] اور دروپدی یہ دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتی تھیں کہ ان کے خوبصورت اور سڈول [illegible] ——— حتیٰ کہ ہواؤں تک نے کبھی نہیں دیکھے۔ رامائن ایودھیا کانڈ باب ۳۳ اشلوک ۷ ۹ میں لکھا ہے کہ "جب سیتا جی اپنے پتی رام جی کے ساتھ بن باس جانے کے لئے مکان سے باہر آئیں تو اپنی رانی کو بے پردہ دیکھ کر لوگوں میں سخت ہیجان پیدا ہو گیا اور وہ چلائے "دیکھو کتنا برا زمانہ آ گیا ہے کہ سیتا جی جن کی جھلک دیوتا وں تک نے کبھی نہ دیکھی تھی وہ اس وقت نگاہ بد کا نشانہ بننے کے لئے راہِ عوام پر نظر آ رہی ہے۔"

دوسری جگہ پر رامائن ایودھیا کانڈ باب ۱۱۴ اشلوک ۲۴۹ میں آیا ہے کہ لنکا کی چڑھائی کے بعد جب رام جی نے سیتا جی کو اپنے سامنے لانے کا حکم دیا تو بادشاہ کے ہمراہی مردوں کو وہاں سے ہٹانے لگے اس وقت رام جی نے ان کے سامنے ذیل کی تقریر کی۔

اے نیک مردو سنو! کسی دکھ ——— یا لڑائی ——— یا سوئمبر (شوہر کا انتخاب) کے موقع پر اگر عورت پردہ سے باہر آئے تو کوئی [illegible] نہیں ——— سنو! سیتا مصیبت زدہ ہے ——— مجبور ہے اگر وہ اس وقت مردوں کے سامنے آئے تو کوئی حرج نہیں اور سو تما میری موجودگی میں" ——— اس کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ جب راجہ لکشمن سیتا جی کو رام جی کے سامنے لائے تو شرم کی وجہ سے ان کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ اور چلنے کے لئے ان کے قدم نہ اٹھتے تھے" گویا کہ وہ اپنے آپ کو اپنے جسم میں چھپا رہی تھیں۔ ( )

اب ہم یہ سوچیں کہ اگر اس زمانہ میں ہندوستان میں پردہ کی رسم نہ تھی تو سیتا جی کو رام جی کے سامنے لاتے وقت بادشاہ کے ہمراہی مردوں کو وہاں سے کیوں ہٹانے لگے؟ اور رام جی نے اس قسم کی تقریر کیوں کی؟

اسی طرح عورتوں کے پردہ کے متعلق ہم کو بہت سی مثالیں مہابھارت میں بھی ملیں گی۔

"مہابھارت اشلوک ر ۵ ، ۸ ، ۹ [illegible] ادھیایا ۹ [illegible]

پر لکھا ہے کہ جب یدھشٹر اپنی بیوی کو جوئے میں ہار گئے اور دریودھن نے دروپدی کو باہر لانا چاہا تو اس وقت دروپدی نے کہا "راجاؤں نے مجھے صرف سوئمبر کے وقت دیکھا تھا۔ نہ کبھی کسی نے مجھے اس سے قبل دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد دیکھا لیکن آج بدقسمتی سے مجھے لوگوں کے سامنے آنے پر مجبور کر رہی ہے۔ افسوس کہ پرانے عقائد راجاؤں سے اٹھ گئے دستاتن دھرم (؟) [illegible] اس وقت تک اپنی بیوی کو عوام کے سامنے نہ لایا ———

افسوس کہ اب مذہب کی بو لوگوں میں بالکل ہی نہیں رہی۔

پرانوں میں بھی پردہ کے متعلق ہم کو ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ [illegible] پران وشنو باب ۱۳ ادھیایا ۱۹ ——— میں لکھا ہے کہ جب راجہ [illegible] شری [illegible] نے اپنے شہر میں کشتی کا انتظام کیا اور دور دور سے راجاؤں پہلوانوں کو مدعو کیا۔ اور کشتی کے دیکھنے کے لئے عورتوں کے دیکھنے کے واسطے بھی ایک خاص موقع پر انتظام کیا گیا ——— چاروں طرف کپڑوں کے پردہ لگائے گئے جن میں بہت مہین مہین سوراخ تھے۔ تاکہ عورتیں ان سوراخوں سے جھانک کر بہ آسانی دیکھ سکیں۔

دوسری جگہ پر برہم پران۔ اشلوک ۳۵۔ ادھیایا ۲۲ ——— میں عورتوں کے پردہ سے باہر نکلنے پر بہت حقارت آمیز تبصرہ کیا گیا ہے۔ وہیں پر یہ بھی لکھا ہے کہ جب عورتیں پردہ سے باہر نکلنے لگیں گی ——— اور دنیا میں طرح طرح کی برائیاں پیدا ہوں گی تو کلیگ زمانہ کی ابتدا ہوگی۔

ہم نے اتنی مثالیں رامائن اور مہابھارت سے لیں اب ذرا دیگر مقدس کتابوں پر بھی نظر ثانی کریں۔ اور دیکھیں کہ وہ اس بارے میں ہم کو کیا بتلاتی ہیں جن میں ہرش چندر کا چرتر باب ۱ ——— پردہ ۳ ——— میں آیا ہے کہ "چہرہ پر نقاب اور پردہ شریف عورتوں کی پہچان ہے"

شکنتلا ناٹک اشلوک ۱۳ ——— لکھا ہے "جب راجہ وشینت نے شکنتلا کو پہلی بار دیکھا تو اس نے کہا" اس لڑکی نے اپنے کپڑوں کو اس طرح لپیٹ رکھا ہے کہ اس کا سارا جسم ڈھک گیا ہے۔ اور ان غریب فقیروں کے گھر شکنتلا اس نوجوان پودے کے مانند معلوم ہو رہی ہے جو سوکھی پتیوں سے ڈھکا ہوا ہو۔

کائش کی آرتھ شاستر میں بھی جو تین سو برس قبل مسیح لکھی گئی تھی ہم کو ایسی بہت سی مثالیں ملیں گی جن سے ہم کو اس زمانہ کے پردہ کی رسم و رواج کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔

مسز [illegible] داس اپنی کتاب (پردہ) میں صفحہ ۹۳ پر ہندوستانی عورتوں کی پوزیشن کے متعلق یوں رقم طراز ہیں "پرانے ہندو لٹریچر عورت [illegible] ان سب سے زیادہ [illegible] ——— سم قاتل ——— [illegible] ——— [illegible] ——— [illegible] ——— [illegible] اگر اعتماد کرے تو [illegible] عورت [illegible] تو وہ زندگی کی صحیح راہ

سے بھٹک کر ایسے تاریک راستہ پر چلے گا کہ پھر راستہ نہ ملے گا۔" (گوتم بدھ)

اس سے ہم کو صاف پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں مردوں کی نگاہ میں عورتوں کا کیا رتبہ تھا جن لوگوں کے خیالات عورت کی طرف سے اس قدر باغیانہ ہوں ـــ جو عورت کو دنیا کی بدترین شے تصور کرتے ہوں وہ بھلا کب گوارا کر سکتے ہیں کہ عورتیں گھر سے باہر نکلیں ـــ بلکہ وہ یہی بہتر سمجھتے ہوں گے کہ وہ مکان کی چہار دیواری میں بند رہیں تاکہ دنیا ـــ بدمعاشی ـــ ریاکاری اور طرح طرح کی خرابیوں سے محفوظ رہے۔

اس وقت میں یہ بھی بتلا دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ اس زمانہ میں عورتوں کے متعلق دنیا کے دیگر ممالک کے لوگوں کے خیالات بھی کچھ اس سے بہتر نہ تھے۔ یونان کا مشہور فلسفی سقراط کہتا ہے "دنیا میں عورت سے زیادہ تکلیف دہ کوئی دوسری شے نہیں۔" جان آف ڈمسکس کہتا ہے "عورت بدمعاشیوں کا پتلا ہے اور امن و چین کی دشمن ہے۔"

یہ اس زمانہ کے لوگوں کے خیالات تھے۔ جب دنیا میں اسلام کا وجود تک نہ تھا جب اسلام قائم ہوا تو اس نے یہ تعلیم دی کہ عورت مرد کی ساتھی ہے جو اس کے ہر آرام و تکلیف میں برابر کی شریک ہے اسلام نے مرد اور عورت کے حقوق برابر کے رکھے ہیں جب عرب میں اسلام پھیلنا شروع ہوا تو اس وقت وہاں پردہ کی رسم تھی۔ تاہم ایسی نہیں جیسی کہ ہندوستان میں ہے۔ عورتیں صرف چہرہ پر نقاب ڈال کر باہر نکلتی تھیں۔ اسلام نے اس طریقہ کو بھی پسند نہ کیا ـــ اس نے عورتوں کو بلا نقاب باہر نکلنے کی اجازت دی جس پر تمام عرب میں شور مچ گیا۔ اس عظیم مخالفت کے باوجود بھی محمد صاحب نے عورتوں کو دو قسم کی پوشاکیں "جلباب" اور "خمار" پہن کر باہر نکلنے کا حکم دیا۔ یہ پوشاکیں ہندوستانی "شٹل کاک" نما برقعہ کی طرح نہیں ہیں جس کو کسی عالی خاندان بیگم کو پہنے دیکھ کر فوراً یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید ریلوے اسٹیشن کے کسی پارسل میں جان پڑ گئی ہے یا شاید کسی نے باہر بھیجنے کے لئے انسانی پارسل بنایا ہے جو اس طرح سطح زمین پر حرکت کر رہا ہے۔ بلکہ ان پوشاکوں میں ہاتھ۔ پیر اور چہرہ بالکل کھلے رہتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ باقی تمام جسم بالکل ڈھکا رہتا ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کو اس بے رحمی سے مکان کی چہار دیواری کے اندر بند کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اب ذرا مسلمانوں کی مقدس کتاب میں قرآن اور حدیث پر نظر ڈالیں اور ان کے احکامات پر غور کریں۔

قرآن پاک سپارہ اٹھارواں سورہ "النور" (۲۴) آیت (۳۰)

ترجمہ:- آپ مسلمان مردوں سے کہدیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اس جگہ پر عورتوں کے واسطے بھی یہ حکم آیا ہے۔

ترجمہ:- اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

ان احکام سے ہم کو صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان کتنی مساوات رکھی ہے وہ دونوں کو ایک ہی حکم دیتا ہے اگر اسلام کے نزدیک عورت کا رتبہ مرد سے کم ہوتا اور عورت ذلیل خیال کی جاتی جیسا کہ سقراط ـــ جان آف ڈمسکس نے لکھا ہے تو شاید کبھی یہ حکم نہ دیا جاتا۔ بلکہ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اس کی جگہ پر خدا یہ حکم دیتا کہ عورتیں زہریلی ناگن ہیں۔ اے نیک مردو! تم ان سے بچو اور بہتر یہ ہے کہ تم ان کے واسطے ایک جیل خانہ تیار کرو اور ان کو کبھی اس سے باہر نہ نکلنے دو تاکہ دنیا ان کے زہریلے ڈنک سے محفوظ رہے اگر اسلام عورتوں کو باہر نکلنے اور مردوں سے ملنے جلنے کی اجازت نہ دیتا تو صاف ظاہر ہے کہ اس حکم کی قطعی ضرورت نہ تھی۔

دوسری جگہ پر قرآن پاک سپارہ اٹھارہ سورہ (۲۴) النور آیت ۱۔۳۔۳۲۔

ترجمہ:- اور اپنی زینت کے موقع کو ظاہر نہ کریں ـــ مگر جو اس موقع زینت میں سے کھلا رہتا ہے جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے اور دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں۔ اور اپنی زینت کے موقع کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں سوائے اپنے شوہر باپ۔ ماں اور دیگر قریبی اعزا کے۔

تفسیر:- زینت سے مراد زیور جیسے کنگن چوڑی وغیرہ اور ان کے موقع سے مراد پنڈلی۔ بازو۔ سینہ وغیرہ ان سب موقع کو چھپائے رکھیں۔

اس سے ہم کو صاف پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو پردہ میں بیٹھنے کا قطعی حکم نہیں دیا۔ اور اگر دیا ہوتا تو اس حکم کی قطعی ضرورت نہ تھی کہ وہ اپنی زینت کے موقع (پنڈلی۔ بازو۔ سینہ) کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں سوائے اپنے شوہر۔ باپ۔ ماں اور دیگر قریبی اعزا کے۔" اس سے صاف ظاہر ہے کہ پنڈلی۔ بازو۔ سینہ کے علاوہ جسم کے دیگر حصے مثلاً چہرہ۔ ہاتھ (یعنی پنجہ) اور پیر ماں۔ باپ۔ شوہر اور دیگر قریبی اعزا کے علاوہ عوام کے سامنے ظاہر کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

ایک اور جگہ پر قرآن پاک میں آیا ہے کہ عورتوں کو اپنی ضروریات کے لئے خود کمانا چاہئے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ اپنی عورتوں کو بڑی بڑی جنگوں میں زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کے واسطے لیجاتے تھے جیسا کہ اس وقت "ریڈ کراس" ریڈ کراس سوسائٹی کی سوسائٹیاں کرتی ہیں۔

حضرت ام عطیہ اسلام کے بانی محمد صاحب کے ہمراہ سات بار مختلف مذہبی لڑائیوں میں تشریف لے گئیں۔ محمد صاحب اپنی بیوی حضرت عائشہ رضی اور ام مسلم و انصار کی عورتوں کو بھی اپنے ہمراہ لڑائیوں میں لے جاتے تھے۔

عرب کی تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت صفیہ نے جنگ خندق میں ایک یہودی کو بہت بہادری سے مارا۔ اس لڑائی میں ایک موقع پر ام عمارہ نے محمد صاحب کی جان بچائی۔ (دیبرس شہابیات ص ۵)

مشہور تاریخ نویس گبن سلطنت روم کے زوال کے حالات لکھتے ہوئے ایک واقعہ درج کرتا ہے کہ ازنادین کے میدان میں جو لڑائی ہوئی اس میں ابن کی بیوی بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ ابن اس لڑائی میں شہید ہوئے ان کی بیوی نے اپنے شوہر کا انتقام لینے کی قسم کھائی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کے قاتل کو بری طرح زخمی کیا۔

تاریخ یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ عورتیں مردوں کے ساتھ مسجد میں عبادت کے لئے جایا کرتی تھیں۔ رائٹ آنریبل سید امیر علی صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ مسلمان اپنی لائق ــــ خوبصورت لڑکیوں پر فخر کرتے تھے وہ ان کے نام پر اپنے خاندان کے نام رکھتے تھے۔ وہ اپنی لڑکیوں ــــ اپنی بہنوں ــــ اور اپنی پیاری بیویوں کے نام پر خوشی خوشی میدان جنگ میں جایا کرتے تھے۔ ایک دوسری کتاب تاریخ سریکنز (   ) میں صفحہ ۲۰۰ پر لکھا ہے

کہ ایک بار ابوطیب محمد المفضل ادبی جو عرب کے مشہور و معروف ادیب گزرے ہیں مکے سے واپس ہوتے ہوئے راہ میں پیاس کی شدت سے بے چین ہو کر ایک ناواقف مقام پر ٹھہر گئے جو مدینہ شریف سے کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ زیادہ تھک جانے کی وجہ سے وہ قریب کے ایک مکان میں آرام کے لئے چلے گئے۔ وہاں پر ایک نوجوان حسین و جمیل لڑکی نے جو اس وقت گھر میں تنہا تھی ان کا بہت خیر مقدم کیا اور ان کو ٹھہرنے کے لئے جگہ دی۔ دونوں بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ جب وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ لڑکی کی دادی جو کسی کام سے باہر گئی تھی آگئی ــــ اور وہ بھی ان کے قریب بیٹھ کر باتیں کرنے لگی۔

تاریخ اسلام ایسی صدہا مثالیں ہمارے سامنے پیش کرتی ہے جو مسلمان عورتوں کی اعلیٰ قابلیت و ذہانت پر کافی روشنی ڈالتی ہیں ایک جگہ پر لکھا ہے کہ ام البنین ــــ ولید اوّل کی بیوی جو حضرت عمر دوم کی بہن تھیں اپنے زمانہ کی بہت قابل اور مشہور عورت گزری ہیں جنہوں نے حجاج کے سامنے صدہا بار تقریریں کی ہیں۔ حضرت سکینہ رض جو حضرت امام حسین رض (شہید کربلا) کی لڑکی اپنے وقت کی سب سے زیادہ خوبصورت

سب سے زیادہ قابل اور باعصمت عورت گزری ہیں۔ وہ جہاں رہتی تھیں ان کے پاس ملک کے بڑے بڑے عالم۔ شعرا اور ادیب جمع رہتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اسلام کا ستارہ عروج پر تھا۔ اور دیگر ممالک کی تہذیب و تمدن ان پر اثر پذیر نہ ہوئی تھی۔ بعد میں جب فارس کی تہذیب و تمدن کا اثرات پڑا تو ان کے دماغ میں بھی پردہ کے گندے گندے خیالات گھومنے لگے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے عورتوں کو اس بے رحمی سے مکان کی چہار دیواری میں بند نہیں کیا۔

جب مسلمان ہندوستان آئے اس وقت مسلمان عورتوں میں مکمل آزادی تھی ان کے حقوق ہر طرح سے مردوں کے برابر تھے۔ لیکن یہ فطری بات ہے کہ انسان پر اس کے ماحول کا بہت اثر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہماری ہندی زبان میں ایک مثل ہے "خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے" چنانچہ ہندوستان کی تہذیب ان پر اثر کئے بغیر نہ رہ سکی جس کا خمیازہ آج تک ہماری بہنیں اور مائیں بھگت رہی ہیں مجھے یہ بات تسلیم کرنے میں قطعی شرم نہیں آتی کہ ہندو قوم اس وقت مسلمانوں سے کہیں زیادہ ترقی کردہ اور ریفارمیڈ ہے۔ ہاں اس وقت ضرور یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے یہاں عورتوں کا رتبہ مردوں کے برابر ہے۔ ہمارے یہاں عورتوں کو مکمل آزادی دی گئی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ان کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا (جیسا کہ میں اوپر ثابت کر چکی ہوں) کہ ان کے یہاں ہمیشہ عورتوں کا رتبہ مرد کے برابر نہ تھا۔ وہ ہمیشہ اسی طرح آزاد نہ تھیں۔ جب مسلمانوں نے ہندوستان میں قدم رکھا تو اس وقت ہندو عورتوں کی حالت اس سے بدتر تھی جیسی اس وقت مسلمان عورتوں کی ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ انہوں نے اپنی کمزوری میں اصلاح کی۔ اس وقت ہندو قوم تنزلی سے ترقی کی طرف بہت گرمجوشی سے گامزن جاری ہے۔ برخلاف اس کے مسلمان ترقی سے تنزلی کی طرف جا رہے ہیں راہ میں جب کہیں ٹھوکر لگ جاتی ہے تو ذرا خواب غفلت سے چونک پڑتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد پھر وہی غنودگی طاری ہو جاتی ہے ــــ

کتنی ہستیاں ایسی پیدا ہوئیں جنہوں نے اپنی بیش بہا زندگیاں مسلمانوں کی اصلاح کے واسطے وقف کر دیں۔ لیکن افسوس کہ ان بے چاروں کی محنتیں اور جانفشانیاں بیکار ثابت ہوئیں ــــ صرف یہیں تک نہیں بلکہ مسلمانوں نے اپنے ریفارمروں کے ساتھ وہ ــــ وہ مظالم کئے جن کو سنکر بدن کے رونگٹے تک کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سر سید احمد خاں کی زندگی پر نظر ڈالئے۔ مسلمانوں نے ان کے ساتھ کیا کیا ــــ نہ کیا حتیٰ کہ گالیاں دیں ــــ پتھر مارے۔ انہوں نے مسلمانوں کی اصلاح کے واسطے رسالہ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا۔ جو بالکل مقبول نہ ہوا۔ مجبوراً ان کو رسالہ بند کرنا پڑا ان کا آخری مضمون جو مسلمانوں کے متعلق شائع ہوا اس کے ابتدائی فقرے یہ تھے:۔

سوتوں کو جھنجھوڑتے ہیں کہ جاگ اٹھیں۔ اگر اٹھ گئے تو مطلب پورا ہوگیا۔ اور اگر نیند میں اٹھانے سے کچھ بڑبڑائے کچھ جھنجھلاتے ادھر ہاتھ جھٹک دیا ادھر پیر جھٹک دیا۔ اوندھے پڑے ہوئے سوتے رہے تو بھی توقع ہوگی کہ تھوڑی دیر بعد جاگ اٹھیں گے۔ شاید ہمارے بھائیوں کی اس آخیر درجہ تک نوبت آگئی ہے۔ اگر یہ فعل ٹھیک ہے تو ہم کو بھی زیادہ نہ چھیڑنا چاہئے۔ بچے اٹھاتے وقت کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم کو اٹھائے جاؤگے تو ہم اور پڑے رہیں گے۔ تم ٹھہر جاؤ ہم آپ ہی اٹھ کھڑے ہوں گے۔ بچہ کڑوی دوا پیتے وقت بسورکر ماں سے کہتا ہے "بی — یہ مت کہے جاؤ کہ شاباش بیٹا پی لے — پی لے — تم چپ رہو میں آپ ہی پی لوں گا۔ لو۔ بھائیو! اب ہم بھی نہیں کہتے کہ اٹھو — اٹھو — پی لو — پی لو —

افسوس کہ مسلمانوں کی اب بھی وہی حالت ہے، اب بھی انکی آنکھیں نہیں کھلیں — خدا کرے کہ وہ دن جلد آئے جب یہ اس خواب غفلت سے بیدار ہوں اور دوسری قوموں کی طرح ترقی کی راہ پر قدم رکھیں۔

محسوسات ماہر

(از حضرت مولانا ماہر القادری صاحب)

وہ کیوں نہ ہر نظر میں ہو، تابِ نظر فروش
ذرّے ہیں جس کی راہ میں شمس و قمر فروش

بڑھ جائیں گی کچھ اور بیاباں کی وسعتیں
جوشِ جنوں رہا جو یونہی بام و در فروش

"دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی"
تو دشنہ در نگاہ، میں قاشِ جگر فروش

کانٹے نگاہ گیر ہیں، کلیاں نظر نواز
جلوے ہیں ہر لباس میں ذوقِ نظر فروش

گیسو ہیں اور عارضِ رنگیں کی تابشیں
وہ ایک ہی ادا میں ہیں شام و سحر فروش

ناکامیوں نے حوصلے دل کے بڑھا دئے
یعنی شکستِ عشق ہے فتح و ظفر فروش

تم سامنے ہو، پھر مجھے کیا اور چاہئے
عکسِ نظر ملیح، تبسم شکر فروش

غم کیا دیا کہ تو نے خزانے لٹا دئے
ہر چشم اشکبار ہے لعل و گہر فروش

خودداریٔ کمال کی رسوائیاں نہ پوچھ
بازارِ زندگی میں ہے، ماہرؔ ہنر فروش

جب غرناطہ مِٹا نہ تھا

(از جناب سید محمد کرمانی بی۔ اے)

غرناطہ! خوش نصیب شہر! ۔ ۔ ۔ ۔ جس نے تیری مسجدوں میں نمازیں پڑھیں۔

پھولوں کی سیج پر سو رہا ہے! ۔ ۔ ۔ ۔ جس نے تیرے محلوں میں بسیرا کیا۔

جس نے تیری کامنی صورت نہیں دیکھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بس اُسی نے فردوس عدن کے طلسم کو دیکھا۔

اُس نے نو تو رکو دیکھا نہ مسرت کو دیوسف ہو رلیا، وہی اپلتے چشمے کھیل رہے ہیں۔ ملکہ زہرہ ابھی غسل کر کے باہر نکلی ہے۔ گیلے گیلے بال شانوں پر ابھی بے پروائی سے پڑے ہیں۔ بادشاہ کو دیکھکر تمکنت سے مسکراتی ہے۔ گویا اپنی فتح کا اس کو پورا احساس ہے۔ اس کا صبح کے تارے کا حسن دیکھکر سلطان حسن فریفتہ نہ ہوتا تو شاید دنیا کو حیرت رہ جاتی۔ اس کا فرد نے مسلمان ہو کر سب سے پہلے ملکہ کی جگہ چھین لی تھی انگڑائی لیتے ہوئے ابن حسن کے ہاتھوں پر گر پڑتی ہے۔ اور اس کے اطراف حبشی لونڈیاں پنکھا جھلنے لگتی ہیں اس کے چشم نیم وا کے اشارے کی ہر ایک منتظر ہے۔ اس اشارے کا مطلب شاید اس سے زیادہ نہ ہو کہ نظارہ حسن کے لئے ایک آئینہ لادے یا کسی ڈھلکتے ہوئے آنچل کو درست کردے۔ مگر انہی آنکھوں نے تو سلطنتوں کی کہانیاں بدل دیں۔

ابھی دن باقی ہے مگر غسل خانہ میں شمعدان لگے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بنانے والے کے دل میں حسد کی آگ بھری تھی کہ کوئی اپنے محبوب کی جھلک دیکھ نہ لے اسی واسطے اس جگہ آفتاب کی کرنوں سے بھی پردہ تھا۔ ظل کی کمانیں کسی عربی دلہن کی طرح تنی ہوئی ملکہ کا بوسہ لینے کیلئے جھک رہی ہیں۔ لذت حسن سے ازلی تعلق ظاہر کرنے کے لئے معمار نے شہد کی پوپیوں کا تار بنا رکھا ہے۔ کسی غار کے فطری خزانوں کی طرح نگس کے سینکڑوں ٹھکرا یک جھلک میں چمک اٹھتے ہیں۔ سبز۔ نیلے۔ سُرخ اور سنہری سب رنگ ایک جا ہو کر قوس قزح کا اثر پیدا کرتے ہیں۔

چشم نیم وا کے اشارے پر ایک لونڈی ساز چھیڑتی ہے اور رقص شروع ہوتا ہے۔ محل کے پتلے پتلے نازک ستون ان کی صراحی دار کمانیں جن کے کناروں پر کسی حسینہ کی چوٹی کی طرح سیاہ مو باف کا کام ہو رہا ہے۔ لاانتہا قسم کے نقش و نگار کی مرصع کاری سب ملکر خواب عشرت میں مدد دیتے ہیں۔

سلطان حسن اس فضائے عشرت سے مسرور زہرہ کے حسن کا نظارہ کر رہا ہے۔ زہرہ اس پر جھک کر آہستہ سے کان میں کچھ کہتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عشق کے لطیف الفاظ نہیں تھے کیونکہ بادشاہ کا چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے اور محفل کو چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

زہرہ کے لبوں پر ابھی مسکراہٹ باقی ہے۔ اور مطربہ کو ایک نئی تان چھیڑنے کا حکم دیتی ہے۔

رات ہوئی تھی اور صاف اور سے آسمان پر چاند نکل آیا تھا۔ غرناطہ کی وادی دودھ میں نہائی ہوئی تھی جنت العارف کے گلستان میں پھولوں کی بھینی بھینی مہک اٹھتی تھی چشموں کے دونوں جانب فوارے اُبل رہے تھے اور مل مل کر پھر اس طرح نیچے گرتے تھے کہ گویا دونوں طرف سے کسی پر پھول برسا رہے ہوں۔ ایک گول فوارہ دالان کے بیچ میں اس طرح بڑھ آیا تھا کہ گویا رہنے والوں کو کشتی میں

کوئی تحفہ پیش کر رہا ہو۔ الحمراء کی پہاڑیوں میں تہ بہ تہ زینوں پر باغ یوں بنا تھا کہ ساری نیرنگیاں ایک ہی نظر میں سما جائیں کہیں سرو کے درخت انداز معشوقانہ سے کھڑے تھے، کہیں نیلی دیواروں پر گھنی بیلیں پڑھی تھیں، کہیں بے خار گلاب مہک رہے تھے۔

ایسے گلستاں کو دیکھکر آدم اپنی کھوئی ہوئی فردوس بریں کو کیوں روئے۔ ایک حور اس چاندنی کی سیر کرتی ہوئی خراماں خراماں چلی آ رہی تھی۔ وہی پہلی ملکہ عائشہ جس کی بے مثال سیرت اور صورت نے حسن سے کبھی انور کا خطاب حاصل کیا تھا۔

زینہ کی دیوار پر شفاف پانی کی نالیاں بہہ کر ایک نیا اثر پیدا کر رہی تھیں اور ہر طرف فواروں کی آواز اور بہتے پانی کا زمزم شور وادی میں ابدی موسیقیت پیدا کرتا تھا۔ پتوں میں سرسراہٹ سُن کر ملکہ رُکی اور دبی آواز میں بولی "کون؟"

"سراج ہے"

"سرکار!"

سراج آگے بڑھا اور ملکہ کے دامن کو بوسہ دیکر آنکھیں نیچے کئے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ اوپر بانس کے درخت ہوا سے ہل کر آواز کر رہے تھے۔ ان کے سائے سے چھن چھن کر چاندنی دونوں کے چہروں پر پڑ رہی تھی۔

"ادھر دیکھو"

سراج کی آنکھیں اُٹھیں۔ حور کی آنکھوں سے ملکر پھر زمین میں گڑ گئیں۔ اس نے اس خموشی میں کچھ کہدیا تھا۔ جس کو ملکہ ہی سمجھ سکی۔

لیکن ابن سراج کی رگوں میں وفاداری کا خون دوڑ رہا تھا۔ وہی خون جو عرب کے صحراؤں میں جانی دشمن کا نمک بھی دے تو بھی کھانے کے بعد پھر اس پر ہاتھ اٹھانیکا روادار نہیں ہوتا تھا۔

حضور کا جو حکم ہو یہ نمک خوار حاضر ہے۔

محل عربی سے محفل سرود کی آوازیں خاموش فضا میں صاف سُنائی دے رہی تھیں۔ عائشہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

سراج تمہاری وقعت میرے دل میں جو ہے میرا خدا ہی جانتا ہے۔ اب میری مدد کرو۔

غلام کو آقاؤں کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار پائیگا۔

اچھا سنو۔ زہرہ کا اثر تم خوب جانتے ہو۔ مگر مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ ابن حسن کہیں جہنم میں جائے۔ مگر اب میرے عبداللہ کی جان کے لالے پڑے ہیں۔

بظاہر عائشہ کے جذبات متلاطم تھے۔ اس کے پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ سرو کے درخت کے نیچے جو کی پڑی ہوئی تھی۔ سنبھلنے کے لئے اس کا سہارا ٹٹولا۔ سراج نے اپنا ہاتھ مدد کو بڑھایا۔ حضور گھبرائے نہیں انشاء اللہ۔

ابھی سراج ملکہ کو سنبھال رہا تھا کہ سامنے کی جھاڑی میں سے کھانسی کی آواز آئی۔ فوراً دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے کی طرف اٹھیں چہروں کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ اس آواز کو دونوں خوب پہچانتے تھے اور اس پراسرار کھانسی کا نتیجہ انھیں معلوم تھا۔

چاندنی کی مدھم روشنی میں محل کی طرف کوئی سفید پوش جاتا ہوا دکھائی دیا۔

دوسرے دن دربار میں سلطان حسن نہایت بشاش نظر آ رہے تھے اور تمام امراء پر اعزاز و اکرام کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ ابن سراج سے نہایت خندہ پیشانی سے ملے اور مزاج پرسی کی ہمارے دربار کے سراج! کہو۔ کیوں پژمردہ معلوم ہوتے ہو خفگی تو نہیں؟

ابن سراج "حضور"! شمع کی کیا مجال کہ آفتاب کی ضیا سے مکدر ہو۔

بادشاہ مگر تم تو ماہتاب ہو ماہ کی ضیا میں بھی بہت کچھ نظر آ سکتا ہے۔

اس شاعری پر ابن سراج کا ماتھا ٹھنکا۔ درباریوں میں اس تمثیل سے کہ تخیل پر تعریف شروع ہوئی مگر اس کے معنی

محشر خیال کا آئندہ ماہ مئی ۱۹۳۹ء کا پرچہ افسانہ نمبر ہوگا جس میں بہترین دلچسپ افسانے درج ہونگے جو آپکو محو حیرت بنا دینگے۔ منیجر

دربار میں دو ہی شخص سیکھے، پراسرار کہانی کا اسرار کھل رہا تھا۔ سراج نے بادشاہ کی طرف نظر اٹھائی۔ وہاں لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا اور جانے کی اجازت لینا چاہتا تھا کہ بادشاہ نے روکا "نہیں ابن سراج آج تو تم ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ گے انشاء اللہ"

لفظ انشاء اللہ پر کچھ اس طرح زور دیا گیا تھا کہ گویا دونوں کے لئے اس لفظ کے کوئی خاص معنی تھے۔ ابن سراج کی آنکھوں میں اندھیرا آگیا اُسے معلوم تھا کہ یہ میٹھی دعوت کس لئے تھی۔

دوسرے دن سراج کے پُراسرار گم ہو جانے پر غرناطہ میں کھلبلی مچ گئی۔ کل شب بادشاہ کے پاس اس کی دعوت تھی۔ مگر وزیر کا بیان تھا کہ دعوت کے بعد وہ محل سے باہر نکلا تھا لیکن کسی دربان نے اُس کو نکلتے ہوئے یا جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

ساری اور خوبصورتی

آج کل ہندوستان کے تمام صوبوں میں ساری کا عام رواج ہے۔ کشمیر سے لیکر کولمبو تک کی عورتوں نے ساری کو اپنے لباس میں داخل کر لیا ہے، ہندوستان ہی پر موقوف نہیں ہے، ساری کا فیشن ہندوستان کی حدود کو عبور کر کے فارس اور یورپ تک پہونچ چکا ہے، اپٹوڈیٹ کہلانے والی عورتیں زیادہ تر ساری ہی کو پسند کرتی ہیں،

ساری ریشم، اون اور سوت، ہر چیز کی ہوتی ہے اور عموماً اس کا عرض ۴۴ انچ اور طول ۶ گز ہوتا ہے۔ اس پر اکثر کنارہ بھی ہوتا ہے جو پھولدار بھی ہوتا ہے اور دھاری دھار بھی اور ایک ہی رنگ کا بھی اور رنگ رنگ کا بھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ساری سے سر ڈھکنے کا رواج مسلمانوں کے بُرقعہ کی نقل ہے، ورنہ دکن میں جہاں مسلمانوں کا زیادہ اثر نہیں تھا وہاں آج بھی عورتیں کھلے سر رہتی ہیں۔ ساری پہننے کے چار طریقے ہیں۔ پارسی یا گجراتی، مرہٹی، بنگالی، نیپالی، ان سب میں مرہٹی طریقے کا زیادہ رواج ہو رہا ہے۔ جنوبی ہند میں ایک مقام مدورا ہے، وہاں ساری بننے اور رنگنے کا مشہور کارخانہ ہے، مدراسی ساری زرد اور پھولدار کنارے کے لئے مشہور ہے اڑیسہ کی عورتیں رنگا رنگ کی ساری پسند کرتی ہیں، وہاں ایک قسم کی ساری تیار ہوتی ہے جو خاص شادی میں کام آتی ہے۔ کلکتہ میں مرشد آباد کی ساری بہت فیشن ایبل سمجھی جاتی ہے، بنارسی ساریاں ہندوستان اور یورپ تک مشہور رہیں۔ گجرات کی "پٹولا" ساری بھی خاص چیز سمجھی جاتی ہے، گجرات اور راجپوتانہ میں "بندنی" کے نام سے ایک ساری بنتی ہے اسے مارواڑنیں بہت پسند کرتی ہیں۔ مرہٹی ساری کا رنگ اس کے سُرخ رنگوں پر موقوف ہے۔ گوالیار میں چندری کے نام سے حسین ترین ساریاں تیار ہوتی ہیں، نیپال میں ساریاں استعمال ہوتی ہیں مگر جاتی ہیں یو۔پی سے۔ خلاصہ یہ کہ ساری کا رواج۔ بڑے زوروں پر ترقی کر رہا ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ لباس ہے بھی بہت موزوں اور حسین ؛

ایک دوشیزہ کا خواب

نور سے پُر اک کشادہ صحن کے نزدیک تر
لے گئے میرے خیالاتِ پریشاں کھینچ کر

آرہی تھی آسماں سے ہلکی ہلکی روشنی
تھی فضا خاموش اور چھا ہوئی تھی بے حسی

ایک دوشیزہ پہ میری ناگہاں پہنچی نظر
سو رہی تھی اپنے بیگانہ سے ہو کر بے خبر

اس کی نزدیکی سے جتنا دل کو حاصل تھا سرور
اتنا ہی ہوش و خرد سے خود کو پاتا تھا میں دور

اک شعاعِ مہر تھی جو شام ہی سے رہ گئی
یا سمٹ آئی تھی مرکز پر تجلّی طور کی

اُف تحیّر میں سکھاتی تھیں مجھے بیباکیاں
نیند میں ڈوبی ہوئیں اس شوخ کی انگڑائیاں

بازوؤں کے پاس آکر وہ پریشانیٔ مو
لے رہی تھی ٹکریں ساحل سے موجِ آب جو

وہ نسیمِ شب کہ تھی رخسارِ زریں پر نثار
اُس کی پیشانی کو آکر چومتی تھی بار بار

نرم رخساروں پہ تھی سرخی سی کچھ چھائی ہوئی
دھیمی دھیمی مسکراہٹ کی سی لہر آئی ہوئی

خواب آلودہ و مے نوشی سے آنکھیں بے نیاز
جن میں تھا مستور حسن و عشق کا سربستہ راز

رنگِ رخ سے تھی عیاں معصومیت کی زندگی
ساحری کیشوں سے پیدا بے نیازی حسن کی

اک طرف دوشیزگی کی تھیں عیاں رنگینیاں
کھیلتی تھیں جس میں آکر حسن کی رعنائیاں

وہ لڑکپن لے رہا تھا کروٹیں جس میں شباب
تھیں ابھی تک نوجوانی کی امنگیں محوِ خواب

وہ سنہری آرزوئیں نیند کی انگڑائیاں
تھی ابھی پوشیدہ مستقبل کی جس میں داستاں

وہ لڑکپن جس میں امیدوں کی دنیا بیقرار
پہلوئے رنگیں سے پیدا نوجوانی کا ابھار

تھا مرے جذبوں پہ زیدی کیف سا چھایا ہوا
کیا بتاؤں میں کہ کس عالم میں تھا کیا حال تھا

سید آل نبی زیدی

ارکول بسنتلہ

رکشا والا

(مترجمہ جناب محمد یونس آحمر کلکتہ)

اُس کی بیوی حد سے زیادہ موٹی تھی۔ لیکن قسمت سے وہ خود دُبلا پتلا تھا۔ اس لئے مشکل سے دونوں رکشا پر سوار ہو سکے۔ اس پر طرہ یہ کہ دو بچے بھی تھے۔ ایک کو تو بیوی نے اپنی گود میں بٹھا لیا اور دوسرے کو شوہر نے پائیدان پر رکھ دیا۔

رکشا والے نے اپنی چھوٹی سی گھنٹی بجائی شروع کی۔ وہ بالکل جوان اور لمبے قد کا تھا۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور سفید سفید مضبوط دانت تھے۔ بہتیرے رکشا والوں کی مانند اس کا جسم ننگا نہیں تھا۔ اس کے جسم پر کپڑے بھی تھے۔ لیکن پسینہ کی وجہ سے ادھر ادھر سے تار تار ہو چکے تھے —— اُس نے اپنے رکشا کو حرکت دی۔

"یہ لوگ گاہے گاہے لوگوں کے ساتھ کمینہ پن کا بھی اظہار کرتے ہیں" اُس کی بیوی رکشا والے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"شاید" شوہر نے جواب دیا۔

اصل بات یہ تھی کہ کئی رکشا والوں نے انہیں سوار کرنے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ سبھوں نے "چاروں" کو دیکھ کر کہہ دیا تھا کہ ہم اتنے آدمیوں کو سوار نہیں کر سکیں گے۔ آخر یہ چاروں جاتے بھی کیسے۔ کون بیوقوف ہوگا جو صرف دو آنے میں چلچلاتی دھوپ کی تپش برداشت کرتے ہوئے دور کی مسافت طے کرے۔ یہی سبب تھا کہ رکشا والوں کو کمینہ بنایا جا رہا تھا۔ آپ ہی خیال کیجئے کہ جب شوہر نے خود ہی کہا کہ ہمیں دو رکشا کرایہ پر لینا چاہیے کیونکہ ایک رکشا میں بیٹھنا مشکل ہے لیکن بیوی ایک ہی رکشا لینے پر مصر تھی اور یہ بھی کہتی کہ یہ تو بچے ہیں انہیں شمار کیوں کیا جائے۔ اسی درمیان میں رکشا والے نے پوچھا۔

"کتنی دور جانا ہوگا؟"

"اس ایڈن پارک کے قریب" عورت نے جواب دیا۔

"چار آنے ہوں گے" "ہاں جی"

"دو آنے دئے جائیں گے سنا تم نے؟"

"بہت دور ہے ماں جی"

"کیا کہہ رہے ہو؟ تم تو جوان آدمی ہو۔ ہم لوگ خود پیدل چلے جاتے۔ آج گرمی زیادہ ہونے کی وجہ سے رکشا کرنا پڑا۔ چلو دس منٹ میں پہنچ جائیں گے"

"تین آنے ہو سکتے ہیں۔ اس سے کم کیسے ہوگا۔ خود انصاف کیجیے"

"اچھا اچھا چلو" بیوی مکاری سے بولی۔

آفتاب بہت تیزی سے چمک رہا تھا۔ راش بہاری ایونیو کی سڑکیں دھوپ کی تیزی سے بالکل پگھل گئی تھیں۔ ہوا میں حد درجہ خشکی اور گرمی تھی۔ رکشا میں بیٹھنے کو تو کسی صورت سے بیٹھ گئے مگر گرمی سے بُری حالت ہو رہی تھی پسینے سے کپڑے بالکل بھیگ گئے تھے۔ آخر پریشان ہو کر کہنے لگے۔

"ہمیں دو رکشا لینا چاہئے تھا" شوہر نے تنگ آ کر کہا۔

"پریشان کیوں ہونے لگے۔ ہم لوگ پانچ منٹ میں پہنچ جائیں گے" بیوی نے فوراً جواب دیا

بیوی رومال سے چہرے کا پسینہ پونچھتے ہوئے رکشا والے سے کہنے لگی۔

"ارے جلدی چلو۔ سست کیوں ہو گئے"۔

وہ رکشا کو تیزی سے کھینچنے کی کوشش کرتا مگر بیوی کے موٹاپے نے اُسے بے دست و پا بنا دیا تھا اور آفتاب کی تمازت سے اس کا سارا جسم جھلس گیا تھا۔

"میں کہتی ہوں ذرا تیزی سے چلو۔ تم نے تو اور آہستہ آہستہ چلنا شروع کر دیا ہے۔"

اس نے اپنے قدموں کو تیز کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔

"جس طرح وہ چل رہا ہے چلنے دو" شوہر بولا۔

"کتے کی طرح تم اس قدر آہستہ کیوں چل رہے ہو؟" تھوڑی دیر بعد بیوی پھر بولی۔

"گرمی بہت زیادہ ہے۔ تم دیکھتی نہیں ہو اور.........."

شوہر کہہ ہی رہا تھا کہ اس نے بات کاٹتے ہوئے جواب دیا "اگر زیادہ گرمی ہے تو پھر یہ لوگ گھر ہی میں کیوں نہ بیٹھے رہتے۔؟"

"ان کا کوئی گھر نہیں ہے" اُس نے کہا۔ لیکن اس کی بیوی کو اس پر غور کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

"ان لوگوں کے لئے ہرگز یہ بہت گرمی نہیں ہے۔ ان میں برداشت کرنے کا مادہ ہے۔ ان کا کام ہی یہ ہے"

"اچھا اچھا" اس نے کہا "وہ بھی اچھی طرح سے جا رہا ہے چپکی بیٹھی رہو"

"تم تو اب مزاج دکھا رہے ہو! خدا ہی جانے میرے مرنے کے بعد تمہاری کیا حالت ہوگی۔"

شوہر ایک سرد آہ کھینچ کر رہ گیا۔ شاید اس کا مطلب یہ تھا کہ خدا کرے یہ مر جائے۔

رکشا والا بہت تھک گیا تھا۔ اُس کے سر اور چہرے سے پسینے ڈھلک ڈھلک کر کپڑے کو شرابور کر رہے تھے۔ چہرہ میں کافی سرخی آگئی تھی اور پیر کے تلوے زمین کی گرمی سے دہک رہے تھے۔ اب وہ پارک کے بالکل نزدیک آگیا تھا اس نے اپنی گھنٹی بجا کر پوچھا۔ "اب کس طرف چلوں بابوجی؟"

"بائیں طرف"

اُس نے ٹرامبوے لائن سے رکشا کو پار کیا۔ اب وہ ایک تنگ گلی سے گزر رہا تھا۔

عورت نے سرد آہ کھینچ کر کہا: "کبھی نہ کبھی سامنے جھیل کی طرف ہم بھی اپنا مکان بنائیں گے۔"

"لیکن آج کل زمین کی قیمت بہت زیادہ ہے۔" شوہر نے جواب دیا۔

"بہت سے لوگوں کی زبانی میں نے سنا ہے کہ شمال کی جانب زمین بہت ارزاں ملتی ہے۔" بیوی گفتگو کر رہی تھی کہ اسی اثنا میں رکشا والے نے پوچھا: "اب کتنی دور ہے۔"

"بس اب قریب ہی ہے" عورت نے جواب دیا۔

رکشا والا بے دم ہو کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا "لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ پارک کے نزدیک ہے۔"

"کیا تم پارک کے نزدیک آگئے ہو؟ چلو آگے بڑھو"

"میں چار آنے سے کم نہیں لوں گا" وہ بڑبڑاتے ہوئے رکشا کھینچنے لگا۔

خدا خدا کر کے وہ لوگ منزل مقصود تک پہونچ گئے۔ جس مکان میں انہیں جانا تھا بہت بڑی عمارت تھی اور اس کا رخ جھیل کی طرف تھا۔

پہلے تو شوہر رکشا سے نیچے سے اُترا پھر اپنی بیوی اور بچے کو اتارنے میں مدد دی۔ عورت نے دو آنے پیسے بڑھاتے ہوئے کہا "لو اپنا کرایہ۔"

"کیا؟ دو آنے۔ ان پیسوں کو بھی رکھ لیجئے۔ یہاں کی سواری چار آنے سے کم نہیں ہوتی ہے۔"

"اچھا تو یہ اور لو" عورت دو پیسے اور دیتے ہوئے بولی۔

اس نے رکشا کی گدی پر پیسے رکھ دئے اور آگے بڑھ گئی۔ لیکن رکشا والے نے پیسے اٹھا کر راستہ میں پھینک دئے۔

"تمہاری یہ جرأت دور ہو جاؤ۔ اب تمہیں کچھ نہیں ملے گا تم جو کرنا چاہتے ہو کر لو۔"

"نہیں یہ کم ہے۔" اس کے شوہر نے آہستہ سے کہا: "کم از کم تین آنے دیدو۔"

"ایک پیسہ بھی نہیں دوں گی۔" اُس نے چلاتے ہوئے کہا "ان پیسوں کو بھی اٹھا لو اور میرے ساتھ آؤ۔"

شوہر نے پیسے اٹھا کر رکشا والے کے سامنے آ کر کہا "کیا تم یہاں دیر تک کھڑے رہو گے؟"

ساتھ ہی بیوی نے دریافت کیا "اور کیا تم ہمیں پھر واپس لے جا سکو گے؟ سب ملا کر تم کتنا لو گے؟"

"جو واجب کرایہ ہے مجھے ملنا چاہئے۔" رکشا والے کا سفید دانت چمک اٹھا۔

"کیا تم ایک گھنٹہ ٹھہر سکتے ہو۔؟"

"جی ہاں۔"

بہت اچھا کہہ کر دونوں مکان کے اندر چلے گئے۔ پھر بیوی نے شوہر سے کہنا شروع کیا۔ "دیکھا کس طرح غصہ ہو کر میں نے اُسے راضی کر لیا۔ اسی لئے میں تم سے کہتی ہوں کہ جب کبھی ایسے آدمیوں سے سابقہ پڑے تو کڑے خاں بن جاؤ۔ وہ تمہاری ہر بات پر راضی ہو جائے گا۔ ہر شخص کو یہ طریقہ جاننا چاہئے کہ کس طرح ان بیوقوفوں کو گدھا بنایا جا سکتا ہے۔"

وہ اپنی کامیابی پر بہت خوش ہو رہی تھی اور رکشا والے کو مزید بیوقوف بنانے کی فکر کر رہی تھی۔ ابھی چار بجا عمل ہوا ہوگا کہ وہ لوگ مکان سے واپس آئے۔ "مجھے یقین نہیں تھا کہ رکشا والا یہاں کھڑا ہوگا" "یہ لوگ بالکل کتے کی ذات ہیں۔" بیوی تنک کر بولی۔

دونوں مع اپنے بچوں کے رکشا میں بیٹھ گئے۔ ابھی اطمینان سے بیٹھے بھی نہ تھے کہ رکشا والا گھوڑے کی طرح دوڑنے لگا۔

"ارے اتنا تیز" عورت گھبرا کر بول اٹھی۔

"کیا آپ نے مجھے پہلے تیز چلنے کو نہیں کہا تھا۔ دیکھئے اب میں کس قدر تیز چلتا ہوں۔" رکشا والا بولا۔

درحقیقت وہ بڑی تیزی سے جا رہا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ دم کے دم میں پہونچ جائے۔ اب سورج کی روشنی میں ٹھنڈک آگئی تھی سرمایہ داروں کے نوکر اپنے مالک کے بچوں کو پارک کی طرف لے جا رہے تھے رکشا والا اتنی تیزی سے جا رہا تھا کہ دفعتاً سامنے رکھی ہوئی بڑی اینٹ سے ٹھوکر کھائی۔ رکشا الٹ گیا مرد و عورت اور بچے سب کے سب بیچ راستہ میں آ گئے اور خود بھی بے تحاشا منہ کے بل گر پڑا۔

بیوی نے دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کیا۔ بچے چلانے لگے اور

شوہر اپنی ٹانگیں سہلانے لگا۔ چاروں طرف شور و غل کا طوفان برپا ہوگیا بعض لوگوں نے انہیں دیکھ کر قہقہے لگانے شروع کئے۔ گاڑیاں بند ہوگئیں اور چند ہی سکنڈ میں لوگوں کا اچھا خاصہ ہجوم ہوگیا۔

بہت مشکل سے شوہر لڑکھڑاتا ہوا اٹھا۔

"کیا ہوا؟ کیا آپ کو کوئی تکلیف پہونچی ہے؟ ہم ہسپتال کی گاڑی بلاویں؟ کیا ٹکرا لیا یا غش آیا؟" ہر طرف سے لوگوں نے شور مچانا شروع کیا۔ شوہر نے بڑی مشکل سے لڑکوں کو سنبھالا لیکن بیوی کو اٹھانا دشوار امر تھا۔ بیوی کا چہرہ گرد و غبار سے بالکل بھر گیا تھا۔ بال چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے اور ساری میں ایک بڑا سوراخ بھی ہوگیا تھا بہت سے بدمعاش لڑکوں نے اس کی شکل دیکھ کر ہنسنا شروع کیا۔

چھوٹی بچی مارے خوف کے رونے لگی۔ رکشا والا زمین پر پڑا درد و کرب سے سسکیاں بھر رہا تھا۔

"ابے کمینے پاجی کی ذات۔ حرامزادے۔ تو نے یہ کیا حرکت کی" شوہر غصہ سے کانپتے ہوئے بولا۔

"بابو جی اس کی اچھی طرح مرمت کیجئے" ہجوم میں سے ایک رئیس زادے نے کہا۔

"میں تمہیں عدالت میں لے جاؤں گا۔ اور نقصان کی قیمت لوں گا تم جیل بھیجدئے جاؤ گے۔ شوہر بدحواسی میں چلا رہا تھا" جیل بھیجدینے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ وہاں تو وقت پر آرام ملے گا" ایک سیٹھ نے کہا ——

"بلکہ اس کی ہڈیوں کے گودے نکال دو یہ رکشا کھینچنا بھول جائے گا۔ چھوٹے آدمی ایسے ہی ہوتے ہیں" ساتھ ہی سیٹھ صاحب نے رکشا والے کے ایک زبردست گھونسا رسید کیا۔ ہجوم میں سے چند اور سرمایہ داروں نے بھی اس کی اچھی طرح مرمت کی۔ یہانتک کہ وہ راستہ میں بیہوش ہوکر گر پڑا۔ اس کے بدن سے خون جاری تھا۔ اور جابجا چھل بھی گیا تھا۔

"بس یہی کافی ہے" ہجوم میں سے ایک ساہوکار نے چلا کر کہا۔

"کمینے اب تم یہ سبق ہمیشہ یاد رکھو گے" شوہر خوش ہوگیا اور اپنی بیوی کو بلاتے ہوئے کہا "اب ہمیں ایک موٹر لینا چاہئے۔

"موٹر" اس کی بیوی نے حیرت سے پوچھا؟

"ہاں" ہمیں ایک موٹر لینا چاہئے کیونکہ تمہیں بہت زیادہ چوٹ لگی ہے"

"اب وہ اچھی طرح یاد کرے گا۔ اچھا ہوا کرایہ بھی بچ گیا۔ شوہر نے ایک موٹر کو ٹھہرایا اور سب کے سب اندر بیٹھ گئے۔

"اس کمینے کی وجہ سے میری ساری تار تار ہوگئی، میرا بدن بھی چھل گیا" یہ کہہ کر بیوی ذرا نخرے سے سسکیاں بھرنے لگی۔ پھر اس کی موٹر فراٹے بھرتی ہوئی چلی گئی۔

ہجوم آہستہ آہستہ چھٹنے لگا۔ رکشا والا بے یار و مددگار بیہوش پڑا سرمایہ داروں کے جابرانہ مظالم کا زخمی شکار بنا ہوا تھا کسی نے بھی اسے ہوش میں لانے کی کوشش نہ کی۔ بالآخر ایک رحمدل اور خدا ترس راہ گیر نے اسے بدقت تمام ہسپتال پہونچایا۔ جہاں لگاتار تین روز تک اس کے منھ سے خون ابلتا رہا۔ ہسپتال کے ڈاکٹروں کی لاپرواہی نے اس کے لئے جلد ہی مرجانے کا راستہ صاف کردیا۔ اس طرح مظلوم رکشا والا۔ امارت والوں اور عالیشان محلوں میں گلچھرے اڑانے والوں کے مظالم کا نشانہ بنکر راہی عدم ہوگیا۔

نغمۂ نشاط

شاعر رنگیں تصورات کی دنیا میں

وہ پوپھوٹی۔ وہ نور اٹھا۔ وہ چمکا صبح کا تارہ
گجر دم ہر طرف اک جگمگاہٹ ہوگئی پیدا

فلک نے جھوم کر لی اک اثر انگیز انگڑائی
شفق کے نرم ہونٹوں پر تبسم نے جگہ پائی

محبت کی نظر گلشن کے لعلیں پھول تک پہونچی
نشاط وکیف نے کی ترجمانی غنچہ و گل کی،

ہوا کے نرم جھونکوں سے گلے ملنے لگیں شاخیں
وفور وجد و ذوق و شوق سے ہلنے لگیں شاخیں

نگاہ دل نے دیکھا حسن کو مرغوب عنواں سے
ملی گل کو حیات تازہ گلشن کی رگ جاں سے

شگوفوں نے دیا پیغام ربط و ضبط گلشن کو
ملا فیض نظر تاروں سے اس پیمان احسن کو

چمن کے غنچۂ نورس کو دیکھا چشم نرگس نے
دلوں کے راز کیا معلوم کس سے کہہ دئے کس نے

ہوئی پیدا چمن کی ہر روش سے شان محبوبی
خوش و خوشتر یہ رنگینی۔ یہ محبوبی یہ مرغوبی

مہ تازہ نے اپنی آنکھ سے انوار برسائے
زمین نور کے سینے کے کل پرزے نکل آئے

زمیں کے پہلوئے عالی سے اٹھا جھوم کر بادل
وہ آیا ایک گھر پر ہر جگہ سے جھوم کر بادل

شب رنگین و صبح زندگی۔ و دلکش تمنائیں
نئی فطرت، نیا جذبہ، نئی باتیں، نئی راتیں

سکون بزم غائب رات پر آثار بیداری
کبھی باتیں کبھی ہر گفتگو پر خامشی، طاری

نظر آزاد۔ دل آزاد۔ آزاد محبت کا
خوش و خوشتر کہ دل ہے شاد ناشاد محبت کا

نظر بیدار، دل بیدار۔ ہر اک آرزو بیدار
وفائے زندگی حسن وفا کے روبرو بیدار

اجالا رات میں۔ فانوس دل میں شمع کافوری
محبت کی حکومت عشق کا انداز فغفوری

زہے ربطے بہ ربط اک مستقل تقدیر ہو جائے
محبت خود محبت کیلئے تفسیر ہو جائے

انجام بغاوت

(از سید غـــــرت نیدی، بدایونی)

(۱)

قرۃ العین، نور الابصار بعافیت باشند۔

مجھے تمہارے دیدار کا اس درجہ اشتیاق ہے۔ کہ میں اُسے کسی طرح معرض تحریر میں نہیں لاسکتا۔ مگر تمہارا صرف اپنے مشتاق باپ کی زیارت کے لئے اس شان وشوکت سے آنا محبت اثر خاطر پر شاق گزرتا ہے۔ اگر اس جاہ وتجمل کے ظاہر کرنے اور لشکر وسپاہ کے پیش کرنے سے تمہارا یہ مطلب ہے کہ میں تمہاری اس خداداد ترقی کو وقعت کی نگاہ سے دیکھوں اور تمہارے اعزاز واحترام کو بڑھاؤں تو یہ مطلب اس کے بغیر بھی بر آسکتا ہے۔ تمہیں مناسب ہے۔ کہ اس جم غفیر اور لشکر جرار کو الہ آباد رخصت کرو۔ اور تنہا حاضر ہو کر اپنے باپ کی ہجران نصیب آنکھ کو منور کرو۔ اور اگر بدخواہوں کی یاوہ گوئی سے تمہارے ذہن میں کسی طرح کا وسوسہ اور توہم پیدا ہوگیا ہے تو فوراً الہ آباد روانہ ہو جاؤ اور کسی قسم کا خیال دل میں نہ لاؤ۔ جب بدظنی کے نقوش تمہارے دل سے مٹ جائیں گے بلا تردد اپنے باپ سے پُر خلوص ملاقات کر سکو گے۔ باقی دعا۔

الراقم جلال الدین محمد اکبر

بادشاہ کا یہ خط پڑھتے ہی جہانگیر تذبذب میں آگیا۔ آج اسے پہلی مرتبہ اپنی خود غرضانہ کارروائیوں اور اپنے ناحق شناس ساتھیوں پر مصاحبوں کی بغاوت انگیز باتوں کا احساس ہوا۔ یہ بات تو اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی۔ کہ اکبر جیسا جلیل القدر فرمانروا اس کی تمردی وسرکشی کی درشت اثر خبر پر سنے اور غصہ کو پی جائے گا۔ اور اس کو مفسدہ انگیزی کی قرار واقعی سزا دینے کی بجائے اس قدر تحمل وبردباری کو کام میں لائیگا اور پے بہ پے عنایت آمیز اور تلطف بار فرمانوں سے سرفراز فرمائیگا کل ہی کی بات تھی کہ محمد شریف (خواجہ عبد الصمد شیریں قلم کا فرزند) جہانگیر کا ہم سبق جب اکبر کا خط لایا تھا تو اُس نے اپنے ہم جلیسوں اور ندیموں کے مشورہ سے عنانِ بغاوت کو ہاتھ سے نہ چھوڑا تھا۔ اور خود اُسے بھی اکبر کے پاس واپس جانے سے باز رکھ کر اپنا وکیل السلطنت مقرر کردیا تھا مگر خدا جانے اس خط میں کیا جادو تھا۔ کہ وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور پھر ایک بار اس کے دل میں والد کی محبت اور عظمت تازہ ہوگئی۔

اس وقت جب کہ وہ شاہانہ دبدبہ سے اٹاوہ میں مقیم تھا بے شمار آلات حرب اور چالیس ہزار مسلح سواروں کا ایک خونخوار لشکر جرار اس کے ہمرکاب تھا۔ وہ اس ارادہ سے آگرہ کی طرف روانہ ہوا تھا۔ کہ اکبر کی فوج ظفر موج کو شکست دے کر ہندوستان کا شہنشاہ اعظم کہلائے گا۔ وہ صوبہ بہار میں اکبر کے اکثر جاگیرداروں کو تہ تیغ کر چکا تھا۔ ان کا مال واسباب لوٹ چکا تھا۔ جن کے استغاثے اکبری دربار میں دائر ہو چکے تھے اور برابر ہو رہے تھے۔ مگر اب جہانگیر کی دنیا بدل چکی تھی۔ خیالات اور ارادوں میں انقلاب عظیم آچکا تھا۔ چنانچہ کسی سے مشورہ کئے بغیر مندرجہ بالا خط کے جواب میں اسی وقت بلحاظ ادب وخجالت ایک عرضداشت مفصلہ ذیل مکہ کو روانہ کی۔

خداوند مرشد وقبلہ من سلامت

میرا بجز قدمبوسی اور آرزوئے ملازمت کے اور کوئی ایسا ارادہ جو بدگویوں اور عیب جویوں کے دل وزبان پر ہے نہ تھا۔ لیکن جب حضور کا ارشاد یوں ہے تو اب فدوی کو بجز اُس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ خداوند کے آگے گردن تسلیم خم کردے۔ اور چندروز حضور سے جدا رہنے کے بعد ملازمت قدمبوسی حاصل کرے۔ فقط

(نور الدین محمد سلیم)

اس خط کی ترسیل کے بعد وہ خود بھی حسب تحریر الہ آباد کو روانہ ہوگیا یہاں کسی بات پر بعید نہ ہوا جو اور ضدی شہزادے نے ایام شباب کے ولولوں کے زیر اثر اور احباب کے ناعاقبت مشوروں کی وجہ سے اپنی تمام خطاؤں اور گزشتہ احساسات کو پس پشت ڈال دیا۔ فطری خودسری عود کر آئی وہ پھر ایک بار اکبر سے بگڑ بیٹھا اور اپنے مستقل بادشاہ ہونے کا اعلان عام کردیا۔

(۲)

جس وقت جہانگیر نے پہلی مرتبہ بغاوت پر کمر باندھی تھی۔ اکبر دکن کی مہم سر کرنے میں منہمک تھا۔ جب اسے اس انقلاب کی خبر پہنچی تو اس کی طبیعت عادل شاہی اور نظام الملکی قلعوں اور شہروں کو فتح کرنے سے بالکل اچاٹ ہوگئی اسے دکن میں ایک دن کا قیام بھی دوبھر ہوگیا وہ نمانخاناں اور شیخ ابو الفضل کو برہان پور میں چھوڑ کر خود آگرہ چلا آیا یہاں جب اکبر کو شیخ سو عموت کی یاد نے زیادہ پریشان کیا تو اس نے دکن سے واپس آنے کا حکم صادر فرمایا۔

علامہ ابو الفضل سے مسلمانوں کو عموماً اور جہانگیر کو خصوصاً بے انتہا

کدہ کاوش تھی وہ اس کے نام سے جلتا تھا۔ علامہ موصوف کے بعض اطوار بالخصوص اس کے مذہبی خیالات جہانگیر کی نظر میں نہایت نفرت انگیز اور قابلِ اعتراض تھے وہ اکثر کہا کرتا تھا۔

"بار بخت ابوالفضل کی صحبت نے میرے دونوں بھائیوں (مراد و دانیال) اور میرے باپ کو کہیں کا نہ رکھا۔ اور اس کے الحاد و دہریت نے سچ پوچھو تو میرے معزز خاندان کے نام کو بٹہ لگا دیا۔"

اس کے علاوہ اسے یقین کامل تھا کہ ابوالفضل اس کی طرف سے کچھ اچھے خیالات کا حامل نہیں ہے۔ چنانچہ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ ابوالفضل دکن سے واپس آرہا ہے تو وہ سخت متردد ہوا کیونکہ اسے اس بات کا گمان ہی نہیں بلکہ یقین تھا کہ ابوالفضل میرے باپ کے پاس پہنچ کر میرے خلاف زہر ضرور اگلے گا۔ اور حتی الامکان میری بدخواہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرے گا۔ ان خیالات کے ماتحت اس نے عزم صمیم کر لیا کہ وہ علامہ مذکور کو بادشاہ تک پہنچنے سے پیشتر ہی ملک عدم پہنچا دے گا۔

جہانگیر کو موقعہ کی نزاکت کا احساس تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے ارادے کی تکمیل کی فوری تدبیر سوچی کہ اورچھا کے راجہ نرسنگھ بندیلے کو جس کا وطن گوالیار کے متصل ہی تھا۔ رخصت وطن کی شہرت دے کر ادھر روانہ کیا۔ اور خفیہ اشارہ کر دیا کہ ابوالفضل کے گوالیار پہنچنے سے پہلے تو وہاں پہنچ جانا اور راستہ ہی میں اس کا محاصرہ کر کے یکایک اور اچانک لوٹ پڑنا یا شب خون مارنا۔ غرض جس طرح ممکن ہو اور جہاں تک قابو چلے اس ملحد اور دہریت پرست کو تیغ کے گھاٹ اتار دینا۔ تلوار کا ایسا اچھا ہاتھ لگانا کہ گردن میں ایک تار لگا ہوا نہ رہ جائے۔ اس کے ملک زندگی کو متاصل کرنے میں ذرا دریغ نہ کرنا۔ اگر تو بر سر رحم آگیا۔ تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔

راجہ نرسنگھ کو شہزادہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ اس نے جہانگیر کے حکم و ارشاد کے مطابق عمل کیا۔ اور گوالیار پہونچکر شیخ ابوالفضل کے پہنچنے سے پہلے ایک محفوظ گوشہ میں چھپ گیا۔ جیسے ہی ابوالفضل اور اس کا لشکر نمودار ہوا۔ اس نے عقب سے ایک زبردست حملہ کر کے بے خبر علامہ کا آن واحد میں کام تمام کر دیا۔

جہانگیر نے اپنی خودنوشت سوانحعمری یعنی جہانگیر نامہ میں شیخ ابوالفضل کے متعلق خود لکھا ہے کہ "چونکہ ملحدوں کا مقتدا ابوالفضل میرے والد کی بدنامی کا بہت بڑا باعث ہو گیا تھا۔ اس لئے میں نے اس سیہ کار کا اس تدبیر سے کام تمام کر ڈالا۔

(۴)

ابوالفضل سے بادشاہ کو بڑی محبت تھی۔ اکبر کی محبت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ جب اس نے ابوالفضل کے قتل کا حال سنا تو کہا:۔

"سلیم اگر تخت چاہتا تھا تو اس نے مجھے کیوں نہ مار ڈالا بے چارے ابوالفضل کو کیوں مارا"۔ اگرچہ اکبر کو اس دہشت ناک اور روح فرسا خبر سے بہت صدمہ اور قلق ہوا۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ جہانگیر کی مسلسل بے عنوانیوں سے اکبر کا دل پک گیا تھا مگر تاہم کیا مجبور تھا محبت پدری سزا دینے سے باز رکھتی تھی گو رنج سے دل بیٹھا جا رہا تھا۔ مگر ظاہر میں اس نے بڑے تحمل و ضبط سے کام لیا اور سلیم کی والدہ سلیمہ سلطان بیگم کو جو دانائی میں سحر آفریں تھی اس کی تسلی کے لئے بھیجا چنانچہ والدہ کے سمجھانے بجھانے اور اس کی غمگساریوں نے اس کے تمام شکوک اور اندیشوں کو مٹا دیا۔

سلیمہ سلطان بیگم اپنے فرزند کو ساتھ لے کر اکبر آباد آئی اور اکبر کی والدہ کی امداد اور دستگیری سے جو جہانگیر پر جان چھڑکتی تھی اور اکبر سے زیادہ اس سے محبت و الفت رکھتی تھی بیٹے اور ضدی شہزادے کو باپ کے قدموں میں ڈال دیا۔ اکبر نے کمال الفت و مہربانی سے سلیم کا سر اٹھایا اور بغلگیر ہو کر بہت دیر تک اس کی حالت پر افسوس کرتا رہا۔

اکبر نے بڑی فیاضی سے ہزاروں اشرفیاں نچھاور کیں اور سات ہاتھی مختلف قسم کے بیش قیمت جواہرات اور آلات مرصع عطا کئے اور اپنا عمامہ سر سے اتار کر جہانگیر کے سر پر رکھ دیا۔ علاوہ بریں از سر نو مستقل ولی عہدی کی خوشخبری اور مبارکباد سے ممتاز و مفتخر کیا۔ تمام شہر میں چند روز تک بڑی دھوم دھام سے پُر لطف جشن رہا۔ اور چاروں طرف عیش و عشرت کے بازار لگے رہے۔

المختصر باپ بیٹوں میں مصالحت ہو گئی۔ دن گزرتے گئے اور جملہ واقعات خواب و افسانہ بنتے گئے۔ مگر جہانگیر کی اس بغاوت کے طفیل ہندوستان ابوالفضل جیسے عربی و فارسی کے ذہین عالم، جید فاضل، علامہ الدہر، بہادر جنرل کی ادبی و جنگی خدمات سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا۔ یہ وہ عالی مرتبت ہستی تھی جس کے مباحثہ میں بڑے بڑے عالم لوہا مانتے تھے جس نے "آئین اکبری" اور "اکبر نامہ" کی تصنیفات سے ہندوستان ہی نہیں بلکہ غیر ممالک کے اہل علم و فضل سے داد تحسین حاصل کر کے اپنے نام کے تاج میں بقائے دوام کے موتی ٹانک دئے۔ اور اپنی خداداد قابلیت کے چار دانگ عالم میں جھنڈے گاڑ دئے۔

دنیا میں آج تک ہزاروں قابل اور لائق انسان پیدا ہوئے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ جگہ جو خود سر شہزادہ سلیم کے ادنیٰ اشارہ پر خالی ہو گئی تھی۔ آج تک تہی آغوش ہے۔

باتیں

میرے عہدِ شباب کی باتیں زیست کے انقلاب کی باتیں

دل ہے آخر نہیں کوئی پتھر سہوں کب تک عتاب کی باتیں

کبھی جیتی ہوں اور کبھی مرتی سن کے لطف و عتاب کی باتیں

دم میں ہے بدر اور دم میں ہلال گردشِ ماہتاب کی باتیں

بات میری وہ کاٹ کر بولے سُن چکا میں جناب کی باتیں

دل میں کچھ اور زبان پر کچھ اور ہیں یہ تقویٰ مآب کی باتیں

دشتِ عصیاں ہے اور بحرِ کرم یہ عذاب و ثواب کی باتیں

دیکھ کر جاذبِ نظر ہر گل رہ گئیں انتخاب کی باتیں

کتنی دلچسپ اور بے معنی ہیں کسی محوِ خواب کی باتیں

کرتی ہوں عالمِ تصور میں
مظہرؔ اُس سے خطاب کی باتیں

اغوا اور زنا کا الزام

سی۔ پی۔ کے وزیر انصاف وقانون مسٹر مصرا کے خلاف

سی۔ پی کے وزیر اعظم پر ایک مسلمان لڑکی، حسینہ بیگم کو اغوا کرنے کا جو الزام لگایا ہے۔ اس کے بارے میں پولیس کی تحقیقات کے کاغذ ہمیں حاصل ہوگئے ہیں، ہم یہ تمام تحریریں شائع کئے دیتے ہیں اور اپنی رائے اس وقت کے لئے محفوظ رکھتے ہیں جب تک الزام کا کوئی فیصلہ عدالت سے نہ ہو جائے، لیکن کانگریس کی طرف سے بھی اس سنگین الزام کی پوری جانچ ہونی چاہئے۔ (ایڈیٹر)

(۱)

ڈی۔ ایس۔ پی۔ جبل پور مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۳۷ء۔ بہ نسبت جرم ۳۶۳/۳۶۶ قانون تعزیرات ہند ۱۹۳۷ء ملزمان مصرا اور نانا۔

مذکورہ بالا مقدمہ کی تحقیقات کی گئی، جس میں بیان کیا گیا کہ حسینہ بیگم نامی لڑکی بھوپال میں پیدا ہوئی تھی اور جن لوگوں نے اس کو دیکھا ہے بیان کرتے ہیں کہ لڑکی کی عمر سولہ سال سے بھی بہت کم ہے۔ ہیڈ کانسٹبل عبد اللطیف کو بھوپال روانہ کیا گیا کہ اگر ممکن ہو تو وہاں سے لڑکی کی پیدائش کی صحیح تاریخ معلوم کرنے اور پیدائش کے رجسٹر کی تحقیق شدہ نقل حاصل کرے۔ اس شہر میں لڑکی کا (جو اس وقت لاپتہ تھی) سراغ لگانے کی کوشش کی گئی جو کامیاب ثابت نہ ہوئی۔ ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ لڑکی سیونی نامی مقام پر ہے لیکن اس اطلاع کی تصدیق نہ ہونے کی وجہ سے سب انسپکٹر مرلی منوہر کی روانگی میں تاخیر ہوئی نانا نائیڈو سے سوال کیا گیا اور اس نے یہ بھی بیان کیا۔ اس لڑکی کی عمر ۱۹ سال ہے۔ اس نے بہت سے متضاد بیانات دیئے۔ لیکن لڑکی کا صحیح پتہ نہ بتایا۔ ساڑھے آٹھ بجے رات کے وقت اس کو پنڈت دوارکا ناتھ مصرا کی موٹر گاڑی میں جاتے ہوئے دیکھا گیا کہ وہ سیونی ہی کو جا رہا ہے۔ سب انسپکٹر مرلی منوہر اور ضروری اسٹاف کو میری موٹر گاڑی میں سوار کر کے اس کے پیچھے روانہ کیا گیا سب انسپکٹر افتخار اور ورما کو گوری گھاٹ اور تلوار گھاٹ پر اس کی نگرانی کے لئے مقرر کیا گیا کہ کہیں وہ اس طرف سے لڑکی کو لے کر نہ دالیں ہو سب انسپکٹر مرلی منوہر نے بارگی نامی مقام تک تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ نانا سیونی نہیں گیا تھا۔ گزشتہ شب ہیڈ کانسٹبل بھیا لال کو سیونی بھیجا گیا کہ کوشش کر کے لڑکی کا پتہ لگائے۔ نانا گیارہ بجے رات کے وقت واپس آیا اور ایک کانسٹبل رام پدارتھ جو دیا باغ میں خفیہ نگرانی کے لئے مقرر کیا گیا تھا اس کو گوپال باغ میں پھر سویرے صبح چھ بجے کے وقت دیکھا۔ رات کے وقت نانا دیبی پرشاد شری واستوا بیرسٹر کے پاس مشورہ کے لئے گیا تھا۔ اس کی تصدیق کی جا رہی ہے آج صبح کے وقت انسپکٹر مرلی منوہر نے تحقیقات کی۔ وہ گوپال باغ گیا اور وہاں مصرا اور سیٹھ گوبند داس کو دیکھا۔

مکان کی بعض عورتوں نے اقرار کیا کہ نانا رات کے وقت گوپال باغ میں ہی تھا اور یہ کہ وہاں صبح تک رہا۔ نارے نے جو نانا کا ایک دوست ہے اقرار کیا کہ نانا رات کے وقت گوپال باغ ہی میں تھا اور یہ کہ اس نے اپنے آپ کو ایک تنگ کمرے میں چھپا رکھا تھا۔ دوارکا پرشاد اور سیٹھ گوبند داس نے سب انسپکٹر موصوف سے کہا کہ وہ نانا اور لڑکی کا پتہ لگانے کے لئے ان کے تمام مکانات اور ان کے خاص رہنے کے مکان کی تلاشی لے سکتے ہیں سب انسپکٹر مرلی منوہر ابھی گوپال باغ میں ہی ہیں۔ نانا ایک درخواست لے کر جس میں بیان کیا گیا تھا کہ لڑکی کی عمر انیس سال ہے۔ اور چونکہ اس کے والدین اس کی مرضی کے خلاف ایک بوڑھے آدمی کے ساتھ اس کی شادی کرنا چاہتے تھے لہذا اس نے اپنے والدین کی سرپرستی اور حفاظت ترک کر دی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ نانا کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ لڑکی کو یا تو عدالت میں یا پولس کے سامنے بیان مذکور کی تصدیق کے لئے پیش کرے۔ لیکن اس کو خطرہ لاحق ہے کہ اگر لڑکی پیش کی گئی تو نابالغ ثابت ہوگی۔ لڑکی کے سیونی میں ہونے کے قصہ پر بغیر کسی تصدیق کے زیادہ بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ لڑکی اور نانا کا سراغ لگانے کی کوشش جاری ہے۔

(دستخط) سی سپرنٹنڈنٹ آف پولس جبل پور۔ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۳۷ء

(۲)

ڈی۔ ایس۔ پی۔ جبل پور۔ بہ نسبت جرم ۳۶۳/۳۶۶ قانون تعزیرات ہند ۱۹۲۹ء ملزمان مصرا اور نانا مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۳۷ء۔

ہیڈ کانسٹبل بھیا لال سیونی سے واپس آگیا اس نے رپورٹ کی کہ اس کو پتہ لگا ہے کہ دس دن ہوئے نانا نائیڈو اور لڑکی حسینہ سیونی میں آئے تھے۔ لیکن دو دن تک وہاں رہنے کے بعد دونوں وہاں

روانہ ہو گئے۔ نانا نے لڑکی کو اپنے ایک چچیرے یا (میرے) بھائی کے پاس وہاں رکھا تھا۔ لیکن وہ اس کو دو ہی دن کے بعد وہاں سے لے گیا۔ ہیڈ کانسٹبل لطیف بھوپال سے دو دن تک وہاں قیام کرنے کے بعد واپس آ گیا۔ لڑکی کی پیدائش کے متعلق وہاں انتہائی کوشش کرنے کے باوجود کوئی پتہ نہ چل سکا اس سلسلے میں مزید کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کے بعد معلوم ہوا ہے کہ ڈی۔ پی۔ مصرا کا ایک بھائی کانپور میں رہتا ہے، اور یہ کہ لڑکی کو اسی کے یہاں کانپور بھیج دیا گیا ہے۔ اور یہ کہ نانا وہیں گیا ہے۔ کانپور کی پولیس کو ضروری کارروائی کرنے کی ہدایت کر دی گئی ہے۔ رام سروپ نامی ایک شخص کے بیان سے معلوم ہوا ہے کہ اس نے کل دوپہر کے وقت نانا کو ایک سبز رنگ کی موٹر گاڑی میں یونسپل آفس کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا جو مشرق کی طرف سے آ رہا تھا۔ اس کی تصدیق کی گئی۔ لڑکی کی ماں نے رپورٹ کی کہ افواہ ہے کہ اس لڑکی کو آریہ لوگ ہندو دھرم میں داخل کریں گے اور نانا نیڈو کے ساتھ اس کی شادی کر دی جائے گی۔ اور یہ جبل پور لائی جائیگی اس کے بعد اس کو عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ اب تک اس افواہ کی تائید میں کوئی براہ راست رپورٹ موصول نہیں ہوئی ہے۔ سیٹھ گوبند داس اور دوارکا پرشاد مصرا اس سلسلے میں معاملات کو طوالت میں ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ انہیں دونوں کے اصرار پر نانا نیڈو روپوش ہو گیا ہے۔ یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ میونسپل کمیٹی کے ایک ملازم نیڈو نے نانا نیڈو کو اپنے کتاب خانہ میں چھپا رکھا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کئی اشخاص مسٹر دستر بیرسٹر کے پاس لڑکی کو عدالت میں پیش کرنے کے سلسلے میں مشورہ کرنے کے لئے گئے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ نانا بھی ان کے ساتھ گیا تھا لیکن اس کی ابھی تصدیق نہیں ہوئی لڑکی اور نانا نیڈو کا پتہ لگانے کے لئے ہر قسم کی کوشش کی جا رہی ہے۔

(دستخط) ڈسٹی سپرنٹنڈنٹ آف پولیس جبل پور مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۳۶ء
نقل بملاحظہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ

(۳)

مسماۃ حسینہ بیگم کا مختصر بیان

حسینہ بیگم دختر محمد حنیف ساکن محلہ گڑھا پھاٹک

جس دن چیرٹیال کی آتشزدگی کا واقعہ رونما ہوا اس دن نانا نیڈو میرے مکان میں ساڑھے سات بجے شام کو میری ماں کی غیر موجودگی میں آیا اس سے قبل نانا نیڈو میرے مکان میں تین چار بار آ چکا تھا۔ اور میری ماں سے بات چیت کرتا تھا۔ مجھ کو علم نہیں کہ ان دونوں کے درمیان کیا بات چیت ہوتی تھی۔ میں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ میری ماں کو نوٹ یا روپے دکھائے گئے کیونکہ میں پردہ کرتی تھی۔ چونکہ میرا مکان چھوٹا تھا۔ اس لئے میں اپنے مسلمان ہمسایہ کے یہاں جا کر بیٹھا کرتی تھی۔ نیڈو کے آنے پر بھی میں یہی کرتی تھی۔ ایک دن جس دن چیرٹیال کی آتشزدگی کا واقعہ رونما ہوا تھا میری ماں حسب معمول بازار کو گئی تھی اس وقت اندھیرا ہو رہا تھا اسی دن نانا نیڈو آیا اس وقت میں اپنے گھر کے اندر روٹی تلاش کرنے اور اپنے چھوٹے بھائی اور بہن کو کھلانے جا رہی تھی۔ میں اس کے ہمراہ گھر سے باہر گئی اس نے مجھ سے آگے چلنے کے لئے کہا۔ جب میں نے دریافت کیا کہ میری ماں کہاں ہے تو اس نے کہا کہ وہ کچھ فاصلہ پر ہے۔ کچھ دور پر ایک موٹر گاڑی کھڑی تھی۔ جونہی میں موٹر کار کے قریب پہنچی اس نے مجھ کو زبردستی پکڑ کر موٹر کار کی پچھلی نشست پر بٹھا دیا ان تمام اوقات کے دوران میں نیڈو مجھ سے کہتا رہا کہ مجھ کو خوفزدہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ میری ماں وہاں ہے۔ اور وہ مجھ کو بلا رہی ہے۔ میں چلانے لگی تو نیڈو موٹر کار کا ہارن زور زور سے بجانے لگا اور اس طرح اس نے میری آواز کو دبا دیا۔ موٹر گاڑی میں ایک دوسرا آدمی بھی آگے کی نشست پر بیٹھا تھا۔ میں اس کو پہچان نہ سکی کیونکہ اس وقت اندھیرا چھا رہا تھا اور میرے حواس درست نہ تھے۔ مجھ کو فوراً گوپال باغ لیجایا گیا۔ گوپال باغ میں ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جس کو میں بتا سکتی ہوں۔ مجھ کو زبردستی وہاں لے گئے اس کمرے کی پشت پر ایک کھڑکی ہے اس میں لکڑی کے چھڑ لگے ہوئے ہیں لکڑی کے دو چھڑ نکال لئے گئے تھے۔ اس رات کو نانا نیڈو نے میرے ساتھ زنا بالجبر کیا۔ نانا نے اس رات کو میرے ساتھ کئی بار زنا بالجبر کیا جب کبھی وہ باہر جاتا تھا تو سامنے کا دروازہ مقفل کر دیا جاتا تھا۔ میں نے حتی الوسع بھاگ جانے کی کوشش کی اور نیڈو سے درخواست کی کہ مجھکو رہا کر دے لیکن وہ اس پر رضامند نہ ہوا۔ اس کا سلسلہ پانچ چھ دن تک جاری رہا۔ نانا میرے لئے کھانا لایا کرتا تھا اور جب کبھی مجھکو حوائج ضروری پیش آتیں تو نانا چارپائی پر اک کرسی رکھ دیتا اور مجھ سے کہتا کہ پشت کی جانب کی کھڑکی کے دو کھلے ہوئے لکڑی کے چھڑ کے راستے سے اس طرح فراغت کروں کہ غلاظت باہر کی جانب گرے کھڑکی کی اس جانب خالی، غیر آباد مکانوں کی دیواروں کی لمبی قطار تھی۔ میں اسی طرح حوائج ضروری سے فراغت کرنے پر مجبور تھی۔

ان تمام اوقات کے دوران میں نیڈو مجھ سے کہا کرتا تھا کہ مجھ کو مصرا جی (ڈی۔ پی۔ مصرا) کے مکان میں رہنا ہوگا اور وہاں میں آرام دہ اور پر لطف زندگی بسر کروں گی اور یہ کہ وہ ایک بڑا آدمی ہے۔ مجھ کو گوپال باغ میں گئے ہوئے ایک یا دو دن گزرے تھے کہ مصرا جی ایک دن میرے پاس آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ مجھ کو ان کے گھر جانا ہوگا اور مجھ سے اس طریقہ پر باتیں کرنے لگے جن کو میں ناپسند کرتی تھی۔ میں نے جانے سے انکار کیا اور اس کے ساتھ بدکاری کرنے پر رضامند نہ ہوئی۔ لیکن اس نے اسی رات کو بدکاری کی۔ مصرا جی کے ساتھ اس واقعہ کے بعد میں بہت رنجیدہ ہوئی اور میں نے نیڈو سے کہا۔ خواہ کچھ ہی ہو مصرا جی کے ساتھ گوپال باغ میں نہ رہوں گی اور اس کے بعد میں چلا چلا کر

رونے لگی اور تمام دن چلاتی اور روتی رہی۔ میں گوپال باغ میں ایک ہفتہ رہی وہاں کے مقامات کا پتہ بتا سکتی ہوں اس کے بعد مجھ کو کدار ناتھ کے مکان میں لے جایا گیا جہاں مجھکو پندرہ دنوں تک یا اس سے کچھ کم یا زیادہ دنوں تک رکھا گیا۔ کدار ناتھ ایک ٹیچر ہے۔ نانا روز با قاعدہ طور پر وہاں آتا تھا۔ یہاں سے مجھ کو ایک دن کے لئے سینیٹری انسپکٹر کے مکان پر لے گئے اور پھر یہاں سے مجھ کو پرتاب سنگھ کے مکان پر گورکھپور لے گئے یہاں میں اس کے ساتھ دس دنوں کے قریب رہی۔ پھر یہاں سے مجھ کو ہردیپ سنگھ کے مکان پر لے گئے جہاں سے برآمد کی گئی۔

(۴)

مقدمہ مذکور کے سلسلے میں گزشتہ دو ہفتوں کے دوران میں کئی بار تحقیقات کی گئی۔ ملزم نانا نیڈو اور حسینہ کے بارے میں مختلف رپورٹیں موصول ہوئیں۔ رپورٹ کے مطابق عمل کیا گیا۔ لیکن بے سود ثابت ہوا۔ ہیڈ کانسٹبل سندر لال ایک رپورٹ لائے کہ محلہ بھانٹ بہال میں دو دن سے ایک ہندو لڑکی جو ہندوانہ وضع کی ساری پہنے ہوئے ہے آئی ہے اور اس کو بمبئی لے جایا جا رہا ہے وہ ہردیو دفش کے مکان میں ٹھیری ہوئی ہے اس رپورٹ کے مطابق کارروائی عمل میں لائی گئی اور بڑی مشکلوں سے محلہ کی دوسری عورتوں کی مدد سے لڑکی مذکور کا حلیہ معلوم کیا گیا۔ اور لڑکی کے متعلق تشریح معلوم کرنے کے بعد پتہ چلا کہ لڑکی مذکور گمشدہ حسینہ ہی ہے مکان پر چھاپا مارا گیا۔ ہردیو سنگھ نے پہلے تو انکار کیا اور کہا کوئی لڑکی مکان کے اندر نہیں ہے۔ لیکن جب اس سے زور دیکر کہا گیا کہ لڑکی ضرور مکان کے اندر ہے اور یہ کہ اس کا دروازہ توڑ دیا جائے گا تو اس نے اقرار کیا اور لڑکی دستیاب ہو گئی۔ اس کی ماں نے شناخت کیا کہ حسینہ یہی ہے۔ ہردیو سنگھ نے پہلے یہ بیان دیا کہ لڑکی کو اس نے گداگری کی حالت میں پایا اس نے اس کو پناہ دی۔ یہ سفید جھوٹ تھا کیونکہ لڑکی عمدہ لباس پہنے ہوئے تھی۔ اس کو گرفتار کیا گیا۔ جلد ہی اس نے سچی بات بتا دی۔ اس نے اقرار کیا کہ لڑکی مذکور کو اس کا بھتیجہ جو نانا کا گہرا دوست ہے اس کے پاس لایا تھا اور یہ کہ وہ لڑکی کو بمبئی لے جا رہا تھا۔ تلاشی لی گئی تو بستر اور دیگر سامان بمبئی روانہ ہونے کے لئے بندھے پائے گئے اور تلاشی لی گئی تو ایک ٹکڑے کاغذ پر ہردیو سنگھ کے بھتیجے پرتاب سنگھ کے ہاتھ کا لکھا ہوا پتہ دریافت ہوا اس پر لکھا ہوا تھا "بنرجی۔ اوارا نا چترال لنگٹن روڈ بمبئی" یہ پتہ جہاں لڑکی کو روانہ کیا جا رہا تھا ہردیو سنگھ کی جیب سے برآمد کیا گیا تھا۔ اوارا نا چترال ایک فلم کمپنی ہے جو سیٹھ گوبند داس کی ہے اور اس کے انتظام میں مصرا کا بڑا ہاتھ ہے ہردیو اور پرتاب سنگھ نے بیان کیا کہ نانا نیڈو بمبئی میں مذکورہ بالا پتہ پر ہے پرتاب کنٹونمنٹ یا روز مس موٹر سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر فائز ہے اور اس کی تنخواہ ایک سو روپے ہے۔ مکان کی تلاشی لی گئی تو کوئی کارآمد کاغذ برآمد نہیں ہوا۔

پرتاب سنگھ نے ۶۰۲ روپے دیئے اور ۲ روپے مانا ڈرائیور نے جو مصرا کا موٹر ڈرائیور ہے۔ لڑکی کو ہردیو سنگھ کے ساتھ بمبئی روانہ کرنے کے لئے لایا تھا اخراجات وضع کرنے کے بعد ۵۰۳ روپے برآمد کئے گئے۔ سب انسپکٹر ورما کو نانا کی گرفتاری کے لئے بمبئی بھیجا گیا۔ جس شخص کو بنرجی کے نام سے ظاہر کیا گیا ہے وہ مصرا کا خاص لفٹننٹ ہے۔ اور وہ اپنا زیادہ وقت ڈی۔ پی مصرا کے ساتھ گوپال باغ میں صرف کرتا ہے۔ جب پولیس نے گوپال باغ میں نانا کو تلاش کیا تو اس موقع پر بنرجی گوپال باغ میں پایا گیا تھا۔ لڑکی مسماۃ حسینہ سے ابھی اس سلسلے میں سوال نہیں کیا گیا ہے۔ لڑکی نے اپنی ماں بہن اور بھائیوں سے ملاقات کی اس کے حواس ابھی بجا نہیں تھے اس نے شکایت کی کہ اس کے سر میں سخت درد ہے اور بخار ہے اس نے اب تک جو کچھ بیان دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ گوپال باغ میں تھی۔ اس کو اس کی مرضی کے خلاف ایک کوٹھڑی میں کمرہ میں قفل لگا کر رکھا گیا تھا اور یہ کہ نانا نیڈو کے علاوہ ڈی۔ پی مصرا بھی گوپال باغ میں اس کے پاس آئے تھے۔

تحقیقات کرنے والے افسر کو آج زیادہ وقت نہ مل سکا کہ وہ لڑکی سے اس سلسلے میں زیادہ سوال کر سکے۔ تفتیش اور مقدمہ کی دوسری اہم کارروائیوں میں مصروف رہا۔

(دستخط) سٹی سپرنٹنڈنٹ آف پولیس جبل پور مورخہ ۲۱ جون ۳۷ء

(۵)

جرم $\frac{۳۶۳}{۳۶۶}$ قانون تعزیرات ہند۔ مورخہ ۲۷۔ جون ۱۹۳۷ء

مزید تحقیقاتی رپورٹ۔

ملزمان نانا نیڈو اور ڈی۔ پی مصرا

اس مقدمہ کی تحقیقات جاری رکھی گئی۔ مجسٹریٹ کے سامنے لوگوں کی ایک قطار میں سے لڑکی مسماۃ حسینہ نے سی۔ آر نیڈو کو انسپکٹر کو شناخت کیا اور بتایا کہ انہوں نے اس کو پناہ دی تھی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ ڈاکٹر جارج ڈی سلوا نے سینیٹری انسپکٹر کے مکان پر معائنہ کیا تھا۔ اور یہ کہ وہ اس کے ساتھ لیڈی ڈاکٹر مس قاضی کے یہاں گئی تھی وہاں اس کا طبی معائنہ کیا گیا تھا مسٹر سی آر نیڈو سینیٹری انسپکٹر نے اقرار کیا کہ نانا نیڈو لڑکی مذکور کو ان کے یہاں لایا تھا۔ سب سے پہلے دیبی پرشاد سریواستوا اس کے مکان پر آئے اور اس سے درخواست کی کہ وہ لیڈی ڈاکٹر مس قاضی کے پاس لے گئے مس قاضی نے اس کا طبی معائنہ کرنے کے بعد اپنی رائے ظاہر کی کہ لڑکی مذکور کی عمر سولہ سال سے کم اور چودہ سال کے قریب ہے۔ اس لئے سرٹیفکٹ نہ دیا۔ دوسرے دن لکشمی سنگھ جادون ڈاکٹر جارج ڈی سلوا کو اپنے مکان میں لایا اور لڑکی کا طبی معائنہ کرایا۔

ڈاکٹر ڈی سلوا نے رائے ظاہر کی کہ لڑکی مذکورہ نابالغ ہے۔ اور یقینی طور پر اس کی عمر سولہ سال سے کم ہے۔ اس لئے اس کی سرٹیفکیٹ بھی نہ لی گئی۔

میں نے ڈاکٹر جارج ڈی سلوا سے سوال کیا تامل کے بعد انہوں نے جواب دیا کہ اگرچہ پولیس کی امداد کرنا ان کا فرض ہے لیکن وہ اس سلسلے میں کوئی بیان نہ دیں گے۔ کیونکہ اس طرح کی باتوں سے بدنامی ہوتی ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ اسمبلی کے لئے نامزدگی کے دوسرے دن وہ کاغذات واپس کرنے کے لئے لکشمن سنگھ کے چاون کے پاس گئے لکشمن سنگھ نے وہاں ان سے کہا کہ لڑکی کی عمر کے متعلق اس کا طبی معائنہ کریں وہ لکشمن سنگھ چاون کے ہمراہ سینئر انسپکٹر سی آر تیاری کے یہاں گئے اور وہاں لڑکی مذکورہ کا معائنہ کرنے کے بعد معلوم کیا کہ وہ لڑکی نابالغ ہے کیونکہ اس کے پوشیدہ اعضا اور بغل میں بال نہ جمے تھے اور دیگر علامات سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی عمر چودہ سال سے زیادہ نہیں ہے۔ انہوں نے سرٹیفکیٹ دینے سے انکار کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ لڑکی نابالغ تھی۔ انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ اگر عدالت میں ان سے بیان لیا گیا تو وہ سچ بولیں گے۔

لڑکی نے پرتاب سنگھ کو بھی شناخت کیا اور بیان کیا کہ پرتاب سنگھ نے تمام باتوں کا اقرار کر لیا اور اس سلسلے میں ایک مفصل بیان دیا ہے۔

کدار ناتھ کا پتہ نہ چل سکا۔ اس کا مکان مقفل تھا۔ ان لوگوں میں سے ایک وہ بھی ایک شخص ہے جس نے لڑکی مذکورہ کو نانا کے ہمراہ اپنے گھر میں رکھا تھا۔ کوشش کی گئی کہ ڈی۔ پی مصرا سے سوال کیا جائے۔ جب سب انسپکٹر اس کے یہاں پہنچا تو اس نے کہا کہ وہ سخت بیمار ہے۔ بستر پر پڑا ہوا ہے اور اس کو باہر نکلنے کی تاب نہیں ہے اس نے بیماری کا بہانہ کر لیا تھا۔ کیونکہ اس کی خواہش تھی کہ اس طرح بات بنا کر سب انسپکٹر کے سوالات سے بچ جائے اس کی تائید اس سے ہوئی کہ مصرا کو بہتر حالت میں چلتے پھرتے دیکھا گیا اب اس سے سوالات کئے جا رہے ہیں۔

(دستخط) سٹی سپرنٹنڈنٹ آف پولیس جبل پور۔ ۲۷ جون ۱۹۳۷ء

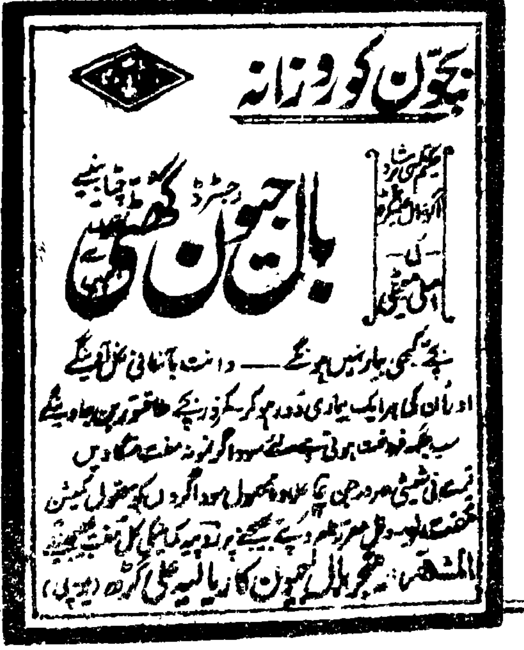
(۶)

پروگریس رپورٹ تحقیقات جرم ۳۶۶/۳۷۲ قانون تعزیرات ہند مورخہ یکم جولائی ۱۹۳۷ء

اس مقدمہ کی تحقیقات جاری رکھی گئی۔ لڑکی کے بیان کی پھر تصدیق کی گئی اور اس کو صحیح و درست پایا گیا دوار کا ناتھ مصرا سے ملاقات کرنے کی سب انسپکٹر گوپال باغ پہنچا تو مصرا نے کہلا بھیجا کہ وہ باہر گیا ہوا ہے یا اس کی طبیعت اچھی نہیں۔ آخر کار مورخہ ۲۹ جون کو پولیس کے آدمی کو معمولی لباس میں بھیجا گیا۔ ساڑھے نو بجے دن کے وقت اس نے مصرا سے ملاقات کی اور نوٹس تعمیل کیا۔ مصرا کو کوتوالی میں مورخہ ۳۰ جون ۱۹۳۷ء کو حاضر ہونے کا نوٹس دیا گیا تھا۔ اس کے بعد مصرا نے سب انسپکٹر کو ایک خط لکھا اور اس میں درخواست کی کہ اگر گوپال باغ ہی میں اس سے ملاقات کی جائے تو زیادہ آسانی ہوگی۔ اس کے مطابق عمل کیا گیا اور دوار کا ناتھ مصرا سے سوال کیئے گئے اس نے تمام باتوں سے لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ اس کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ نانا بیدو لڑکی مذکور کو گوپال باغ لایا ہے۔ آج صبح لڑکی نے ایک مجسٹریٹ کی موجودگی میں وہ راستہ دکھایا۔ جس سے ملزم اسے گوپال باغ لے گئے تھے۔ اس نے گوپال باغ کی کوٹھڑی اور دیگر مقامات کو بھی دکھلایا۔ دوسرے مقامات کو لڑکی کے مطابق پایا گیا۔ ملزم نانا کے دو پاجامے گوپال باغ کی کوٹھڑی میں پائے گئے جس کو لڑکی نے یہ کہہ کر اٹھا لیا کہ یہ پاجامے نانا کے ہیں۔ کمرہ مذکور کے اندر سے اب تمام سامان نکال لئے گئے ہیں۔ جب لڑکی کو اس میں رکھا گیا تھا اس کمرے کے اندر ایک چارپائی اور ایک کرسی رکھی ہوئی تھی۔ دوار کا ناتھ مصرا کی شناخت مورخہ ۲ جولائی ۱۹۳۷ء کو عمل میں آئے گی ایک مجسٹریٹ اس کام کے لئے مقرر کئے جا رہے ہیں۔

(دستخط) سٹی سپرنٹنڈنٹ آف پولیس جبل پور مورخہ یکم جولائی ۱۹۳۷ء

(حریت دہلی بحوالہ ہند کلکتہ)



"لبِ جو"

(از جناب عادل ادیب مرادآبادی)

وہ شام وہ صحرا وہ خموشی وہ لبِ جو   بکھرے ہوئے کہسار پہ وہ شام کے گیسو

رنگین شعاعیں

خاموش فضائیں

آسودہ ہوائیں

موجوں کا وہ نغمہ وہ خموشی سی ہر اک سو

وہ شام وہ صحرا وہ خموشی لبِ جو

۲

گاگر لیے پانی کی وہ دوشیزۂ صحرا   اندازِ حجاب اور وہ عنوان تماشا

شوخی سی حیا میں

مستی سی ادا میں

جنگل کی ہوا میں

بکھری ہوئی زلفوں کی وہ پھیلی ہوئی خوشبو

وہ شام وہ صحرا وہ خموشی لبِ جو

۳

ڈوبی ہوئی وہ کیف جوانی میں سراپا   اور لغزشِ مستانہ سے اک حشر سا برپا

وہ عارضِ تاباں

گیسوئے پریشاں

ہر سمت کو نگراں

چونکے کسی آواز سے جیسے کوئی آہو

وہ شام وہ صحرا وہ خموشی وہ لبِ جو

۴

دیکھا جو مجھے طالبِ نظارہ سراسر   اللہ ری مغرور کہ خود پھینک کے گاگر

رخ پھیر ادھر سے

چلتی ہوئی سر سے

عادل کی نظر سے

غائب ہوئی اس طرح کہ جیسے کوئی جادو

وہ شام وہ صحرا وہ خموشی وہ لبِ جو

پہلا مریض

(از ملک سلمان الارشد فاروقی بھوپال)

جمال اسی سال ایم بی۔ بی۔ ایس کے امتحان میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوا تھا اور اسے مطب قائم کئے ہوئے ابھی صرف ایک ہی ماہ گزرا تھا۔ بارش زور شور سے ہو رہی تھی۔ کبھی کبھی بجلی کی چمک سے اس کا مطب روشن ہو جاتا تھا اور اس کی بجلی کی روشنی اس کے آگے ایک جگنو کی روشنی کی طرح معلوم ہوتی تھی۔ جمال سوچ رہا تھا۔ وہ دن کس قدر مبارک اور بہتر ہوگا جب اس کے یہاں پہلا مریض آئے گا اور وہ اس کا علاج نہایت انہماک سے کرے گا۔ اور پھر اس کی شہرت اس کے ذریعہ سے ہو جائے گی اور مریضوں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جائے گی۔ اور بالآخر وہ ان سے گھبرانے لگے گا اس وقت دولت اس کی لونڈی ہوگی اور وہ تمام قرض جو اس کے والدین نے اس کی تعلیم اور اس کے مطب کے لئے لیا ہے ادا کر دے گا اور پھر وہ اپنی منگیتر کے باپ سے کہہ سکے گا کہ اب آپ اپنا وعدہ پورا کیجیے۔ یہ تمام دولت اس نے اپنی محنت سے پیدا کی ہے۔ تب اس وقت پرجبیں اس کی شریک حیات ہوگی اور وہ زنانہ کلب گھر میں یہ سن کر کس قدر مسرور ہوا کرے گی جب کہ لوگ کہا کریں گے کہ ڈاکٹر جمال نے اس مریض کو واقعی حیات نو بخشی یہ سوچتے سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی۔ اس کو سوئے ہوئے دو یا تین ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ کمپونڈر کی کرخت آواز سنائی دی "ڈاکٹر صاحب اٹھئے جلدی اٹھئے" جمال نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا "کیوں کیا ہے"۔

"مریض! ڈاکٹر صاحب" یہ کہہ کر اس نے اپنے زرد دانت باہر نکال دئے "مریض! کیا واقعی مریض!!" جمال نے حیرت سے پوچھا۔ "جی ہاں ڈاکٹر صاحب مریض وہ بھی ایک عورت" ڈاکٹر نے مسکرا کر پوچھا "کہاں ہے"؟ کمپونڈر نے اشارہ کیا کہ باہر ہے۔ میں ابھی بلا کر لاتا ہوں۔ ایک لمبی عورت اندر داخل ہوئی جو سیاہ برقعہ پہنے ہوئے تھی اور ڈاکٹر کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی۔ "تشریف رکھئے" ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ عورت ایک صوفے پر بیٹھ گئی اور کمپونڈر کی طرف دیکھنے لگی۔ ڈاکٹر نے اشارہ سے اس کو چلے جانے کو کہا اور پھر شیریں آواز سے پوچھا "میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کو کیا تکلیف ہے"۔ عورت نے کچھ نہ کہا اور وہ کچھ سوچنے لگی۔ "بلا تکلف فرمائیے دیکھئے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھئے گا ورنہ علاج اچھی طرح سے نہ ہو سکے گا"۔ "ڈاکٹر صاحب ......" عورت کہتے کہتے رک گئی۔ "کہئے یہاں کوئی نہیں ہے آپ کو کیا تکلیف ہے"۔ "ڈاکٹر صاحب میں بیمار نہیں بلکہ میرا دل بیمار ہے کاش میں ہی بیمار ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو میں ہرگز ہرگز اس ڈراونی اور بھیانک رات میں نہ آتی۔ بلکہ اطمینان سے موت کا انتظار کرتی۔ میں اسوقت ایک نوجوان کے لئے امداد حاصل کرنا چاہتی ہوں گو کہ وہ انسان کی امداد کا اب محتاج نہیں۔ لیکن پھر بھی میں اپنی تسکین کئے بغیر اس کو دفن نہیں کر سکتی"۔ "تو کیا وہ نوجوان مر گیا۔ ممکن ہے اس کو سکتہ ہو گیا ہو۔ میں ابھی ابھی آپ کے ہمراہ چلتا ہوں اور اگر اس میں ذرا بھی زندگی کے آثار ہوں گے تو میں اپنی پوری کوشش اس کے علاج میں صرف کر دوں گا۔ لیکن آپ نے پہلے کہیں امداد حاصل نہ کی"؟

"ڈاکٹر صاحب اس وقت امداد حاصل کرنا بیکار تھی اور اب بھی بیکار ہے"۔

ڈاکٹر عورت کی گفتگو سے گھبرا گیا۔ مگر اس نے اپنے حواس قائم رکھے اور کہا "آپ ایک پیالی چائے پی لیجئے۔ آپ بہت زیادہ تھکی ہوئی معلوم دیتی ہیں"۔

"نہیں ڈاکٹر صاحب مجھ کو چائے کی ضرورت نہیں" عورت نے ذرا سخت لہجہ میں کہا۔ "ممکن ہے آپ مجھ کو بے وقوف یا پاگل سمجھ رہے ہوں۔ لیکن میں آپ سے سچ کہتی ہوں کہ جس نوجوان کے لئے آپ سے امداد مانگ رہی ہوں وہ کل آپ کے قبضۂ قدرت سے باہر ہوگا۔ لیکن پھر بھی آپ آج اس سے نہیں مل سکتے اور نہ آج اس کی آپ کوئی امداد کر سکتے ہیں"۔ ڈاکٹر نے پھر کہا۔ "مگر محترمہ! یہ معمہ میری عقل و فہم سے بالکل باہر ہے کہ وہ نوجوان جو کل مرنے والا ہے آج میری امداد سے اس کو کیوں نہیں فائدہ ہو سکتا۔ کیا اس لئے کہ میں نے ابھی نئی نئی پریکٹس شروع کی ہے اگر یہ بات ہے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری امداد ضرور ان کے لئے مفید ہوگی"۔ "نہیں ڈاکٹر صاحب یہ وجہ نہیں ہے کہ آپ نئے ہیں۔ بلکہ میں تو اسی وجہ سے آپ کے پاس آئی ہوں کہ پرانے ڈاکٹر کے مقابلہ میں نیا ڈاکٹر زیادہ توجہ سے علاج کرتا ہے"۔ "تو پھر کیا وجہ ہے کہ میں ان کو آج نہ چل کر دیکھ لوں آخر آج دیکھنے میں کیا حرج ہے"؟

ڈاکٹر صاحب آج ناممکن ہے کیا؟ کل آپ اس کو نہیں دیکھیں گے نہیں محترمہ! میرا مطلب یہ نہیں کہ میں اس کو کل نہیں دیکھوں گا۔ مگر اس کی موت کی ذمہ داری آپ ہی پر عائد ہوگی۔ اگر آج ہی وہ مر گیا تو کل پھر

کیا ہوگا۔

اچھا ڈاکٹر صاحب یہی سہی اس کی موت کی ذمہ داری کا جواب تو میں خدا کے یہاں دے لوں گی بہرحال آپ کل نو بجے تشریف لائے اور یہ اپنی فیس لیجئے یہ کہہ کر اس نے دس دس روپیہ کے دو نوٹ ڈاکٹر کی طرف بڑھا دئے اور کہا ڈاکٹر صاحب اس سے زیادہ میں دینے کی استطاعت نہیں رکھتی امید ہے کہ آپ اس کو قبول فرمائیں گے۔

لیکن محترمہ میری فیس تو رات کو دس روپے اور دن کو پانچ روپے ہے یہ تو آپ بہت زیادہ دے رہی ہیں۔

مگر ڈاکٹر صاحب میری خوشی ہے کہ آپ اس کو قبول فرمائیں۔ ڈاکٹر نے مجبوراً نوٹوں کو جیب میں ڈال لیا اور کہا کہ میں کل کس جگہ حاضر ہوؤں چونگی اسٹریٹ کے داہنے موڑ پر گلی دالے کے محل میں پیچھے کی طرف۔

بہتر ہے میں کل نو بجے حاضر ہوں گا۔ مگر مریض کی کافی حفاظت کیجئے گا۔

ڈاکٹر صاحب مریض میرے پاس نہیں ہے۔

ڈاکٹر نے حیرت سے پوچھا تو وہ پھر کہاں ہے۔

اس کے بتانے کی اس وقت کوئی ضرورت نہیں

تو اگر میں اس وقت آپ کو کوئی مشورہ بھی دوں تو وہ بالکل بیکار ہو۔

بالکل بیکار آج ——— بالکل بیکار عورت نے اسی استقلال کے ساتھ کہا۔

ڈاکٹر نے دیکھا کہ اس جرح کے باوجود اس سے کوئی بات حاصل نہیں کر سکا اس لئے اس نے اس سے زیادہ پوچھنا بیکار سمجھا اور کہا اچھا تو پھر محترمہ آپ کیوں تکلیف فرما رہی ہیں۔ عورت تیزی سے خدا حافظ کہتی ہوئی چلی گئی عورت کے جانے کے بعد ڈاکٹر بہت دیر تک اسی خیال میں مستغرق رہا کبھی وہ خیال کرتا کہ عورت کا دماغ خراب ہے اور کسی صدمہ کی وجہ سے اس کا دماغی توازن قائم نہیں رہا۔ انہیں خیالات میں وہ رات بھر الجھتا رہا اور اس کو بالکل نیند نہیں آئی اس نے ہر چند سونے کی کوشش کی مگر رہ رہ کر اس کے سامنے عورت کی تصویر آجاتی۔ اور وہ اس کے خیال میں محو ہو جاتا یہاں تک کہ صبح ہوگئی

شیو کر کے نہانے کے بعد وہ بہت دیر تک اس گتھی کو سلجھاتا رہا کہ آیا اس کو جانا چاہئے یا نہیں۔ ممکن ہے کہ اس کے ساتھ کوئی فریب کھیلا جا رہا ہو۔ یا کسی خاص مصلحت کی بنا پر دھوکا دیا جا رہا ہو۔ مگر پھر وہ خود ہی خیال کرتا ہے کہ میرے ساتھ دھوکے یا فریب کی کیا ضرورت ہے دوسرے عورت نے جس استقلال اور دلیری سے گفتگو کی ہے وہ اس بات کی ضامن ہے کہ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ۹ بجے ڈاکٹر عورت کی جائے قیام کی طرف روانہ ہوا جس گلی کا پتہ دیا گیا۔ اس کی تلاش میں کافی دقت اٹھانا پڑی۔ گلی کافی گنجان تھی اس کے اندر چھوٹے چھوٹے مکانات تھے جس کے اندر سے دھواں نکل رہا تھا اور در و دیوار سے حسرت سی برس رہی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ خود اہل مکان کا نوحہ پڑھ رہے تھے کہ ان کی زندگی کس درجہ خراب ہے اور کس کشمکش کے عالم میں زندگی گزار رہے ہیں۔

ڈاکٹر نے دروازہ پر آکر آواز دی کچھ عرصہ کے بعد دروازہ سے ایک پستہ قد سیاہ رنگ کا آدمی باہر برآمد ہوا اور کہا تشریف لے چلئے جیسے ہی ڈاکٹر نے گھر میں قدم رکھا بوڑھے نے دروازہ کو بند کر دیا ڈاکٹر ڈر کے مارے کانپ گیا لیکن اس نے اپنے حواس قائم رکھتے ہوئے کہا "کیا؟ میں ٹھیک وقت پر آگیا!

نہیں ڈاکٹر صاحب آپ چند منٹ قبل تشریف لے آئے اگر آپ کو زیادہ تکلیف نہیں اٹھانا پڑے گی آپ تشریف رکھئے یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ کمرہ حد سے زیادہ سرد تھا۔ لکڑی کے تین پاؤں کی ایک کرسی رکھی ہوئی تھی اور چوتھے پاؤں کی جگہ چند اینٹیں تھیں نزدیک ہی ٹین کا مونڈھا پڑا تھا۔ ڈاکٹر کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا اور رات والی عورت نے آکر کہا چلئے۔ دونوں ایک تنگ و تاریک کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں دن کے باوجود لالٹین جل رہی تھی مگر پھر بھی اندھیرا تھا ایک شکستہ پلنگ پر ایک شخص پڑا ہوا تھا جس کے اوپر ایک خاکی مائل پیوند دار چادر پڑی ہوئی تھی۔ عورت نے چادر الٹ دی ڈاکٹر نے نبض دیکھنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہاتھ سخت ہو گیا تھا اور اس میں کوئی زندگی کی علامت باقی نہیں تھی ڈاکٹر نے مغموم صورت بنا کے کہا افسوس کہ مریض ہم سے جدا ہو چکا۔ عورت کھڑی ہو گی۔ ڈاکٹر صاحب یہ نہ کہئے خدا کے لئے مجھے ناامید نہ کیجئے۔ پھر سے دیکھئے ڈاکٹر صاحب شاید زندگی کے آثار ہوں ڈاکٹر نے مریض کے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا محترمہ مجھے افسوس ہے کہ ان کو دنیا کی کوئی طاقت اب اس نیند سے نہیں جگا سکتی ہے مہربانی فرما کر آپ ان کی لاش باہر لے چلئے۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ ان کی موت کسی کے ہاتھوں واقع ہوئی ہے یہ کہہ کر ڈاکٹر نے لالٹین لاش کے قریب کے اس کو غور سے دیکھا گلے کی رگیں پھولی ہوئی تھیں اور ایک گول نشان بنا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے ایک دم سے بھاری آواز میں کہا ان کو تو معلوم ہوتا ہے کہ پھانسی دی گئی ہے۔ عورت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ڈاکٹر صاحب اس غریب نوجوان کو پھانسی دی گئی ہے صرف اس لئے کہ اس نے اپنے باپ سے اپنی ماں کا انتقام لیا اس کی ماں یعنی کبھی میں بدنصیب خوبصورت تھی۔ محلہ کے ایک نوجوان سے میری ——— اس کے بعد یہ بچہ پیدا ہوا اس پر اس ظالم نے مجھ کو نکال دیا۔ میں اس بچے کے جوان ہونے کے انتظار میں بیٹھی رہی ایک سال ہوا۔ جب میں نے زندگی کے اس تاریک پہلو سے اس کو مطلع کیا دوسرے دن اس خبر سے شہر میں کھلبلی مچ گئی کہ خان بہادر وقار حسین ڈپٹی کلکٹر قتل کر دئے گئے ——— ڈاکٹر زور سے چیخا ——— خان بہادر وقار حسین ——— میرے چچا میرے چچا کے قتل کا یہ سبب تھا یہ کہتا ہوا وہ تیزی سے گھر سے نکل کر سڑک پر بے تحاشہ دوڑنے لگا۔

شاعر کا دل

(از حضرت مولانا جوش ملیح آبادی)

کبھی دل فخر سے دیتا ہے آواز
کہ ایک تنکے سے ہلکا آسماں ہے
کبھی فریاد کرتا ہے کہ مجھ پر
نفس کا ثقل بھی بارگراں ہے
کبھی ہر ذرۂ خاکی کا محکوم
کبھی شمس و قمر پر حکمراں ہے
کبھی ہے کامراں ہوکر بھی ناکام
کبھی ناکام ہوکر کامراں ہے
کبھی لطفِ خداوندی سے مغموم
کبھی جورِ بتاں سے شادماں ہے
کبھی مژگان کی جنبش سے کہن سال
کبھی صدیوں کی کاوش سے جواں ہے
سُن اے غافل کہ جس دل کے ہیں یہ طور
وہ دل ہم شاعروں کا آشیاں ہے

دماغوں پر کھلیں ہم کیا کہ ہم کو
وہ سمجھے گا جو دل کا رازداں ہے

اُستاد مُرغی خانہ

یعنی

مکمل مُرغی خانہ جدید

یہ امر تو پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ کہ یورپ اور امریکہ کے مہذب ممالک میں کروڑوں روپیہ سالانہ مرغیوں اور انڈوں کی فروخت سے پیدا کیا جاتا ہے۔ اس صنعت کی ہندوستان میں بھی ضرورت ہے استاد مرغی خانہ کی امداد سے ایک نوجوان سمجھدار شخص ہزاروں اور لاکھوں روپیہ کما سکتا ہے۔ اس میں مرغیوں کی پرورش کے طریقے اور ان کے جملہ اقسام مرغیوں کی تمام بیماریاں اور ان کے علاج بتائے گئے ہیں۔ اسی طرح زیادہ سے زیادہ اور بڑے سے بڑے انڈے حاصل کرنے اور انڈوں کو مہینوں تک محفوظ رکھنے کی تدبیریں مذکور ہیں۔ اس سے قطع نظر اُن تمام زرین اصولوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جو مرغی انڈے کے کاروبار میں منافع و کامرانی کے کفیل ہیں۔ اور جن پر عمل پیرا ہو کر انسان بام عزت و دولت تک پہنچ سکتا ہے۔ مزید برآں بطخوں، قاز، ہنس اور فیل مرغ یا ٹرکی کی پرورش نگہداشت اور کبوتروں کے رکھ رکھاؤ کے متعلق بھی ماہرین فن کی ہدایات و تعلیمات بوضاحت درج ہیں۔ کتاب میں فوٹو بلاک کی تصاویر ہیں تاکہ مضمون سمجھنے میں آسانی ہو۔ زیادہ تعریف فضول ہے

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

باوجود اتنی خوبیوں کے **قیمت صرف ایک روپیہ چار آنہ** (عہ ۱؍) جو اس کی خوبی کے لحاظ سے بالکل کم ہے۔ آج ہی پہلی ڈاک میں ایک کتاب منگائیے۔ اور ہزاروں روپے کمائیے۔ ورنہ آئندہ ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔ (محصول ڈاک بذمہ خریدار)

منگانے کا پتہ:- **منیجر رسالہ محشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی**

شاہان مغلیہ کی بیویاں اور رانیاں

جن میں ہر طبقہ اور خطہ کی مخدرات ہیں یہ تاریخ ہند اسلام کی جگمگاتی کتاب ہے۔ اس میں ۲۴ شاہی بیگمات کے حالات ہیں جو اپنے وقت میں یکتائے روزگار تھیں خصوصاً ان ہندو رانیوں کے حالات بہت دلچسپ ہیں۔ سوانح و حالات چند جگہ حسن و عشق کی کرشمہ کاری بھی اس میں نمایاں ہیں۔ ان بیگموں اور رانیوں کے ہیں۔ ارجمند بانو بیگم۔ زینت النساء بیگم۔ اختر زمانی بیگم۔ سلیمہ سلطان بیگم۔ بادشاہ بیگم۔ نواب قدسیہ بیگم۔ ثریا بانو بیگم۔ اشرف زمانی بیگم۔ دلپذیر بانو بیگم۔ شہزادہ خانم۔ فاطمہ زادی بیگم۔ حمیدہ بانو بیگم۔ حاجی بیگم۔ بدر النساء بیگم۔ آرام دل جہاں آرا بیگم۔ بی بی۔ بائی سلطان بیگم رضیہ سلطان۔ جمیلہ خاتون آلی بیگم۔ سکندر سلطان بیگم۔ چاند بی۔ بی بیگم۔ رضیہ سلطان۔ جمیلہ خاتون آلی بیگم۔ سکندر سلطان بیگم۔ چاند بی۔ بی بیگم۔ سلطان بی۔ بی رودوتد۔ ورس بانو بیگم۔ بائی اودے پوری۔ بائی بھگوت دی راجہ جودھ بائی رانی۔ پاربتی۔ رانی تارا بائی تلسی بائی۔ زیب النساء بیگم۔ نور جہاں بیگم۔ نواب بیگم۔ حجاب سندری یونجی خاتون۔ چاند خاتون۔ درگا بائی۔ ارملا سدا رانی مینا۔ رانی موہنی۔ پکنا بائی وغیرہ خواتین کے حالات ہیں یہ سب ۴۲ ہیں ۱۹۲ صفحات قیمت صرف دس آنے۔ (۱۰)

شب زفاف باتصویر

مواصلت کے لذیذ طریقے۔ چوراسی آسنوں کا بیان۔ مواصلت پر اصولی بحث استقرار حمل۔ غیر فطری مواصلت کے خطرناک نتائج۔ مغربی عورتوں کے دلچسپ بیانات اور تجربات کسی کی غلط کاریاں غرض صنف نازک کے ہر پوشیدہ مسئلہ پر یہ کتاب نہایت دلچسپ معلومات پیش کرتی ہے۔ چار ہم برہنہ تصاویر قیمت ایک روپیہ (عہ) محصول ڈاک پانچ آنے (۵)

عورت کی فطرت

عورت کی نیچر یعنی فطرت و خصلت کے متعلق اس کتاب میں وہ بیش بہا معلومات کوٹ کر بھری ہیں جس سے بڑے بڑے تجربہ کار سینے آج تک خالی ہیں عورت کی فطرت میں جس قدر عیاریاں اور جو جو باتیں ہیں وہ بالتفصیل بیان کی گئی ہیں یہ دلچسپ کتاب ایک تاریخی فسانہ کی شکل میں ہے۔ قیمت صرف آٹھ آنے (۸) محصول ڈاک علاوہ۔

مرد کی خصلت

اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ مردوں کی خصلت کیا ہے اور مرد غریب عورتوں پر کس بے دردی کے ساتھ ظلم کرتے ہیں یہ سب ایک دردناک اور عبرت انگیز فسانہ کی صورت میں کتاب مرد کی خصلت میں درج ہے یہ ایک نئی اور دلچسپ کتاب ہے جو آج تک اس موضوع پر آپ کی نظر سے نہ گزری ہوگی۔ قیمت صرف چھ آنے (۶) علاوہ محصول ڈاک۔

ساغر محبت

یہ محبت میں ڈوبے ہوئے خطوط کا مجموعہ ہے جس میں ایک حسین و جمیل نازنین اور اس کے بے شمار عاشقوں کی داستان عشق کے علاوہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق محبت آمیز خطوط ہیں یعنی زن و شوہر کے خطوط، باپ بیٹے کے خطوط، عاشق و معشوق کے خطوط وغیرہ غرض یہ ایک نہایت ہی انوکھے انداز میں لکھی ہوئی ہے قیمت صرف آٹھ آنے (۸) محصول ڈاک علاوہ۔

ابتدائے عشق

بوسہ جیسے لطیف اور پُر کیف عنوان پر ایک تاریخی، علمی اور ادبی ذخیرہ مہیا کرنا۔ نادر تحفہ ہے۔ یہ کتاب بتاتی ہے کہ عہد قدیم میں بوسہ کی کیا حقیقت تھی اور موجودہ زمانہ میں مغرب کے شوقینوں نے بوسہ لینے کا کونسا کیف پرور طریقہ نکالا ہے۔ بوسہ کے تاریخی انقلابات اور کونسی کونسی جنگیں صرف بوسہ کے باعث ہوئیں۔ قیمت بارہ آنے (۱۲) علاوہ محصول ڈاک

علم رمل

انگریزی، اردو، ہندی کی کتب مستند کا نچوڑ ہے یہ علم ہزاروں برس سے بہترین تحقیق کے ساتھ ترقی کر رہا ہے جدید معلومات حاصل کرنے اور فریبی ملاؤں سے اور بازاری دھوکہ بازوں سے بچنے کے لئے ہم نے یہ صرف کثیر رمل کی مستند معلومات اس کتاب میں جمع کی ہیں قیمت صرف بارہ آنے (۱۲) محصول ڈاک پانچ آنے علاوہ۔

علم نجوم

سیاروں کے نام، ان کے اثرات، ان کی حرکات اور نقشے ستاروں کی گردش، لگن نکالنے کے طریقے، سوال معلوم کرنے کا طریقہ یعنی زمانہ کب موافق آئے گا۔ دولت کب ملے گی محبوب کو محبت ہے یا نہیں شادی ہوگی یا نہیں اناج کب سستا ہوگا چور کون ہے دشمن پر کس کو فتح ہوگی۔ ان کے علاوہ ہر قسم کے سوال کا جواب معلوم کرنے کا طریقہ درج ہے۔ قیمت دس آنے (۱۰) علاوہ محصول ڈاک

علم پامسٹری

علم الید کے متعلق ماہرین کے تجربات، علوم مشرقی و مغربی کا نچوڑ، ہاتھوں کے نقوش کی عکسی تصویریں، فلسفیانہ آرٹسٹک اور تخیلاتی ہاتھوں کی تصویریں۔ انگلیاں، ناخنوں، انگوٹھوں اور ہتھیلی کی تصاویر، علامات اور کیریکٹر کا مفصل ذکر، مشاہیر کے خیالات کا تذکرہ اور مفید تجربے نہایت عمدہ انداز میں تحریر ہیں۔ قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

ان تمام کتابوں کے ملنے کا پتہ:- **منیجر رسالہ محشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی**

جذباتِ جگر

عشق بن کے محشر میں حسن کامیاب آیا
خاک کی تھی جو دنیا خاک ہی میں داب آیا

یہ بھی کیا محبت میں دورِ انقلاب آیا
جیسے کچی نیند اٹھ کر کوئی مستِ خواب آیا

حشر در جلو آیا، نشہ در رکاب آیا
حسن کی کھلی آنکھیں عشق کا شباب آیا

گودیوں میں عصمت کی کھیلتا شباب آیا
شوخیوں کے جھرمٹ میں شاہدِ حجاب آیا

ایک نغمۂ رنگیں ایک پرچۂ سادہ
اے دل سکون دشمن لے تیرا جواب آیا

تم سے میں اگر کہدوں کیا ہی تم کو رشک آئے
رات جو نظر مجھ کو ایک حسین خواب آیا

تو وہ نغمہ چھیڑ اے دل، سب کہیں کہ گلشن میں
ہر گلِ فسردہ پر اک نیا شباب آیا

وہ جھکی جھکی پلکیں، وہ عرق عرق عارض
شکوۂ ستم کرکے خود مجھے حجاب آیا

دھیان ن تیرا کیا آیا، جان صد بہار آئی
یاد تیری کیا آئی، حاصل شراب آیا

(جگر مرادآبادی)

شباب و شیب

(از خامہ: خان صاحب حکیم محمود علی خاں ماہر اکبر آبادی)

کیا عرض کروں عالمِ تنویرِ جوانی ۔۔۔ لفظوں میں کہیں کھنچتی ہے تصویرِ جوانی
ہر حال میں کرنے کو مسخر دلِ کونین ۔۔۔ کافی ہے فقط سرمۂ تسخیرِ جوانی
ہے زلفِ جواناں میں پھنسی گردنِ عالم ۔۔۔ ہے پائے دل و دیدہ میں زنجیرِ جوانی
رخ مست، نظر مست، زباں مست، بیاں مست ۔۔۔ اک قصۂ مستی ہے کہ تقریرِ جوانی
ہر چیز جہاں کی نظر آتی تھی دل آویز ۔۔۔ ہر شے پہ تھے سو حسن بہ تاثیرِ جوانی

دنیائے دنی غیرتِ گلزارِ جناں تھی
جب تک کہ جوانی تھی ہر اک چیز جواں تھی

اس خواب سے چونکے تو گلو گیر تھی پیری ۔۔۔ کیا کہئے کہ کس جرم کی تعزیر تھی پیری
تھے گرچہ دل و دیدہ و احساس بدستور ۔۔۔ لیکن غمِ جانکاہ کی تصویر تھی پیری
جس راہ چلے آہ! ستم زا تھی ضعیفی ۔۔۔ جس سمت بڑھے آہ! عناں گیر تھی پیری
کس طرح پنپتا شجرِ باغِ جوانی ۔۔۔ جس کیلئے اک برشِ شمشیر تھی پیری
ناچار رہے راضی بہ رضا ہوتے نہ کیونکر ۔۔۔ مجبور تھے اپنے لئے تقدیر تھی پیری

ماہر مری ہستی کے یہ اوراق ہیں دونوں
آنکھیں ہوں تو ہر شخص کو اسباق ہیں دونوں

مرد زیادہ مکّار ہوتے ہیں یا عورتیں؟

مندرجہ بالا عنوان پر ماہ جنوری سے ایک سلسلۂ مضامین کا آغاز کیا گیا ہے یہ عنوان محشرِ خیال کے حلقۂ اشاعت میں کافی مقبول ہوا جس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ دفتر میں اس عنوان کے تحت بہت سے مضامین آئے۔ خواتین نے اس بحث میں زیادہ دلچسپی کا اظہار کیا ہم چاہتے تھے کہ تمام موصول شدہ مضامین کو درج کر دیا جائے لیکن بدقسمتی سے بیشتر مضامین ناقابلِ اشاعت ہیں اس اشاعت میں صرف ایک مضمون شائع کیا جا رہا ہے۔ ہم ان بھائیوں اور بہنوں سے جو اس عنوان پر متانت اور دلچسپی کے ساتھ لکھ سکتے ہیں درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے مضامین دفتر کو بھیج کر مشکور فرمائیں۔ "ایڈیٹر"

عورتیں زیادہ مکّار ہوتی ہیں

محترمہ سلمیٰ عثمانیہ کے دندان شکن جواب کا جواب

(از جناب سید شہاب الدین صاحب سہیل کابری گیاوی)

آپ نے اپنے گزشتہ مضمون بعنوان "مرد زیادہ مکار ہوتے ہیں" ہمیں چیلنج کی دعوت دیکر شکریہ کا موقع عطا فرمایا۔ محترمہ موصوفہ نے اپنے دلائل بیان کرنے کے قبل مضمون کو ایک قصے سے شروع کیا ہے اور اس بات کو ثابت کرنے کی بے سود کوشش کی ہے کہ بے چاری عورتیں بڑی سیدھی سادھی اور بھولی بھالی ہوتی ہیں لیکن قصہ پیش کرنے کے قبل غالباً انہوں نے اس بات پر غور نہ کیا کہ اس میں عصبیت اور خود غرضی کا عنصر کہاں تک نمایاں ہے۔ یہ کیسی مضحکہ خیز اور بے بنیاد حقیقت ہے کہ ایک شیر تصویر دیکھ کر آدمی کو جواب دیتا ہے کہ اگر یہ تصویر کسی شیر کی بنائی ہوتی تو شیر ہی آدم پر سوار ہوتا سخت تعجب ہے کہ محترمہ موصوفہ نے اس جملہ کو کس تحسین آمیز جملے سے سراہنے کی کوشش کی ہے "شیر کا جواب کس قدر معقول تھا" مگر غالباً حضرت میکائیل صاحب کو دندان شکن جواب دینے کی دھن میں آپ ایک دم بھول گئیں کہ یہ بات حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ یہاں حقیقت کا انکشاف مطلوب ہے اس لئے ہر واقعہ کو حقیقت کی روشنی میں پیش کر کے استدلال کا استخراج کرنا چاہئے نہ کہ خیالی باتوں سے۔ یہ دھوکا نہیں تو اور کیا ہے؟ جس کا دعویٰ ہی اتنا نحیف اور اس قدر ناپائیدار ہو اس کے ثبوت کا کیا کہنا۔ خیر تھوڑی دیر کیلئے اس کو واقعہ ہی تصور کرتا ہوں مگر ٹھنڈے دل سے آپ ذرا جواب دیں۔ کیا شیر نے اپنے جواب میں انتہائی خود غرضی کا ثبوت نہیں دیا؟ کیا شیر نے اس طرح انصاف کا خون نہیں کیا؟ اگر آپ کا جواب نفی میں ہے، تو یہ فرمانا کہاں تک بجا ہے کہ میکائیل صاحب کے الزامات کا وہی جواب ہے، جو شیر نے دیا تھا۔

آپ مرد کو ملزم قرار دیتی ہیں کہ مرد نے ہمیشہ عورت کو نیچا دکھانے اور پامال کرنے کی کوشش کی۔ یہ الزام کس قدر غیر معقول اور لغو معلوم ہوتا ہے جب کسی صاحب انصاف کی نظر اس حقیقت پر پڑتی ہے کہ مرد ہی کی خواہش صنف لطیف کی وجہ تخلیق ہوئی اور مرد ہی ہے جو صنف لطیف کو ہمیشہ سر آنکھوں پر بٹھائے رکھتا ہے صنف نازک کو نہیں اب بہترین خلائق اور فطرت انسانی کی برائیاں اور کمزوریاں تو یہ دونوں میں کسی ایک کے سر تھوپی نہیں جا سکتیں بلکہ یہ دونوں کے اعمال و افعال کی آمیزش کا نتیجہ ہے۔ برائیوں اور خوبیوں سے کوئی بری نہیں۔ موجودہ موضوع یہ ہے کہ کون زیادہ مکار ہے۔ اس بحث میں مذہب کو آلۂ کار بنانا سخت ناعاقبت اندیشی ہوگی مرد نے عورت کو غلام بنا کر کبھی نہیں رکھا بلکہ دل کی ملکہ بنا کر رکھا اور اب تک رکھتا ہے اور تاقیامت اسی طرح دل کی رانی بنا کر رکھے گا۔ آج اس گئے گزرے زمانے میں بھی مردوں نے عورتوں کا وہی اقتدار، وہی عزت اور وہی سلوک برقرار رکھا ہے آپ کا یہ الزام بے بنیاد اور بے حقیقت ہے کہ مرد کے ہاتھ میں طاقت آگئی تھی اور وہ عورتوں کو غلام بنا کر رکھنا چاہتا تھا بلکہ یہ کہنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ آپ نے اپنا دندان شکن جواب مرتب کرنے وقت حقیقت کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ آج کل مغربی ممالک میں تو عورتوں کو اس قدر آزادی اور عورتوں کو حقوق اور اقتدار حاصل ہے کہ اس کا رد عمل شروع ہو گیا ہے اسلامی حکومتوں میں بھی اس حقیقت کا نمایاں جلوہ نظر آتا ہے ہندوستان میں جہانگیر اور شاہجہاں کو دیکھئے اور ان سے عورتوں کے متعلق مردوں کے جذبات اور احترام کا اندازہ لگائیے ایسی ایک دو نہیں سینکڑوں مثالیں ہیں۔

محترمہ سلمیٰ نے حضرت میکائیل کے اس جملہ سے نہایت فائدہ و بڑی خوبی کے ساتھ اٹھایا "سب سے پہلے شیطان نے اہل حوا کو فریب میں مبتلا کیا" اور اسی جملہ پر آپ نے الٹی چھری چلا دی یعنی کل جنس ذکور کو فریب کا سرچشمہ قرار دیا! غالباً محترمہ موصوفہ نے علم النفس کا مطالعہ نہیں کیا ہے ورنہ کل جنس ذکور کو اس طرح دعویٰ کے ساتھ مورد الزام نہ بناتیں بڑی دلیری کے ساتھ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ خواہ آتشی ہو یا ہوائی وہ صنف کثیف تھا۔ جب عام تذکیر و تانیث کو آپ مرکز بحث تصور کرتی ہیں تو آپ کو مثال کی مطابقت کی وہ ہونی چاہئے تھی۔ یہ تو بتلائیے آپ نے سانپ اور طاؤس کی مثال کیوں نہ پیش کی؟ آخر وہ بھی تو جنس ذکور ہی سے تھے اور مکر و فریب میں شیطان

کے چھوٹے بھائی تھے؟ آپ کو کہنا چاہئے کہ لفظ مرد عمومیت پر نہیں بلکہ خصوصیت پر صادر ہوتا ہے۔ اب مجھے لغات کی بھی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ دیکھئے لفظ مرد کا صاف اور غیر مشکوک مطلب شخص یا آدمی ہے اور عورت کا لغوی مطلب "وہ بدن آدمی کا جس کا کھولنا موجب شرم ہے۔ مجازاً 'زن' اور یہاں عنوان بحث بھی ایک دم صاف اور غیر مشتبہ ہے تاہم آپ نے اپنا الوسیدھا کرنے کی دھن میں ایسی ایسی مثالوں سے کام لیا ہے جن کی موجودہ بحث میں مطلق گنجائش نہیں شیطان مکر کرتا لیکن آدمی نہ تھا بہ الفاظ دیگر مرد نہ تھا۔ اس وقت کا موضوع مرد اور عورت ہے۔ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ محترمہ موصوفہ مندرجہ بالا باتوں سے ناواقف ہیں بلکہ میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ آپ نے اپنی جادو بیانی اور سطحی دلیلوں سے بہتوں کو فریب اور دھوکے میں ڈال دینے کی کوشش کی ہے۔ میں حضرت میکائیل کے فیصلہ کو صحیح مانتے ہوئے ایک مذہبی کتاب سے ذیل کا اقتباس پیش کرتا ہوں۔

"خاص کلام حوا آدم علیہ السلام کے لئے دو دانے گندم کے لے گئیں وہ بولے کیا چیز ہے۔ حوا نے کہا یہ پھل اس درخت کا ہے جس کے کھانے سے ہمیں خدا نے منع کیا تھا۔ اس سے میں نے ایک دانہ کھایا اور دو دانے تمہارے لئے لائی ہوں۔ آدم نے کہا اس میں کیا لذت ہے وہ بولیں کہ حلاوت و شیرینی ہے حضرت نے فرمایا میں نہیں کھاؤں گا کہ اللہ تعالےٰ سے اور مجھ سے عہد ہے کہ اس درخت سے میوے نہ کھانا۔ حوا جب مایوس ہوئیں تو آدم کو دانے کھلانے سے پہلے ایک پیالہ شراب بہشت سے لا کر پلایا۔ بے ہوش ہو کر ان سے دو دانے گندم کے کھا گئے اور عہد شکنی کی" اس تشریح سے ابلیس کے سر سے بھی الزام ایک دم اٹھ جاتا ہے۔ کیونکہ آخر شیطان وہ زمان حوا کا بیٹا ہی تو تھا۔

محترمہ سلمٰی نے اِنَّ کَیدَکُنَّ عَظِیم کے اعتراف میں بڑی فراخدلی کا ثبوت دیا ہے اور اقرار کیا ہے کہ عورت کی فطرت کی انتہاپسندی ضرور ثابت ہو آگے چل کر پھر انہوں نے وہی کج روی اختیار کرکے پہلو بدلنے کی کوشش کی ہے مگر افسوس کامیاب نہ ہوسکیں۔ آپ فرماتی ہیں "لیکن اس سے کسی طرح نہیں ثابت ہوتا ہے کہ مکروفریب کرنے والی عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے" میں پھر کہوں گا کہ محترمہ موصوفہ کو پھر یہاں پر بڑی غلط فہمی ہوئی۔ حضرت میکائیل کب کہتے ہیں کہ فریب کرنے والی عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے یہ آپ ہی کا خود ساختہ جملہ ہے۔ یہاں تعداد کی کمی اور زیادتی کا مطلق سوال نہیں بلکہ موضوع دوسرا ہے یعنی "مرد زیادہ مکار ہوتے ہیں یا عورتیں"۔ یہاں فقط لفظ مکار پر صادر ہوتا ہے نہ کہ لفظ مرد یا عورت پر۔

محترمہ موصوفہ کو دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتی۔ میکائیل صاحب کو تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کا مشورہ دینا خوب جانتی ہیں لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتیں! آپ فرماتی ہیں۔ "ایکٹنگ وغیرہ کے سلسلہ میں اونہیں فلم ایکٹرس جو زیادہ کامیاب نظر آتی ہیں یہ مردوں کی حسن پرست نگاہ اور عورتوں کے حسن کا کرشمہ ہے ورنہ عورتیں بے چاری مردوں کے مقابلہ میں نقالی اور ایکٹنگ کیا کریں گی۔ بھانڈوں کا لائق تر طبقہ مردوں ہی میں ہے۔ عورتوں میں نہیں" ان بیانات میں بھی آپ نے ناحق شناسی اور بے انصافی کا بین ثبوت دیا ہے۔ جس کو آپ حسن پرست نگاہ سے یاد کرتی ہیں اصل میں وہ حسن پرست نگاہ نہیں بلکہ وہ ایک حقیقت شناس نگاہ ہے۔ جو ہر شے کو حقیقت کی کسوٹی پر پرکھتی ہے۔ اور جس کو آپ حسن کا کرشمہ کہتی ہیں وہ حسن کا کرشمہ نہیں بلکہ اس کو مکروفریب کا سرچشمہ کہتی ہیں وہ حسن کا کرشمہ نہیں بلکہ اس کو مکروفریب کا سرچشمہ کہئے تو زیادہ مناسب اور زیادہ موزوں ہوگا۔ اب رہا بھانڈوں کا تذکرہ تو اس کے تردیدی جواب کے قبل میں آپ کے جذبۂ عدل سے اتنا کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ اگر اس نام کے ساتھ ہی ساتھ آپ آپ کو صنف لطیف کے اس طبقہ کا ذرہ بھر بھی خیال آجاتا جس سے مکروفریب کی دنیا میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے اور مالی۔ جسمانی اور معاشرتی نقصانات سیلاب کی طرح روز بروز روبہ ترقی نظر آتے ہیں تو مجھے اس وقت اس تردیدی جواب کی چنداں ضرورت نہ ہوتی پھر بھی میں اتنا ضرور کہوں گا کہ بھانڈیا کا کام عیاری اور مکاری نہیں بلکہ صاف گوئی پر مبنی ہے۔ یہ ان کی ذہانت۔ دقیق سوجھ اور حاضر جوابی کا بین ثبوت ہے۔

جب مندرجہ بالا تشریحات سے محترمہ سلمٰی کے دنداں شکن دلائل کی کچھ وقعت باقی نہیں رہی تو مجھے اس بات کا فیصلہ کرنے میں ذرا بھی دقت محسوس نہیں ہوئی۔ کہ عورت کی فطرت میں مکر کا مادہ قدرتاً زیادہ ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ مکروفریب میں گرفتار ہو جانے کی صلاحیت بھی زیادہ رکھتی ہے۔ اور عورتیں مردوں سے زیادہ مکار ہوتی ہیں۔ یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اور عیاں را چہ بیاں۔

حُسن کی شوخیاں

یہ کتاب دفتر محشر خیال سے عنقریب شائع ہونے والی ہے۔ اس کی قیمت ایک روپیہ ہوگی اور محصولڈاک پانچ آنے۔ کتاب غالباً مئی کے آخر میں تیار ہو جائے گی۔ لیکن جو حضرات اس وقت صرف دس آنے کے ٹکٹ یا ذریعہ منی آرڈر پیشگی بھیجدیں گے۔ ان کو یہ کتاب اپنے پاس سے محصولڈاک لگاکر اس رعایتی قیمت میں بھیجدی جاوے گی۔ ورنہ کتاب تیار ہونے پر پوری قیمت لی جاوے گی۔ "منیجر"

ایک وقت میں متعدد شادیاں اور کسی بیوی کو دوسری کا علم نہیں

یورپ میں ایک شخص جتنی چاہے داشتہ عورتیں رکھ سکتا ہے۔ چنانچہ یورپ کے ہزاروں بے فکرے داشتہ عورتوں کے طفیل میں بیاہیوں سے اچھے رہتے ہیں۔ ان شوقین مزاجوں کو نہ بچوں کی فکر ہے اور نہ گھر کے جھگڑوں سے کوئی واسطہ مزے سے عارضی بیوی کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ جہاں ذرا آپس میں ان بن ہوئی فوراً داشتہ کو بدل ڈالا۔ کوئی دوسری اچھی نوک پلک والی تلاش کرلی۔ غرضکہ آج اس کی بغل میں ہے تو کل اس کی بغل میں۔

عیش پرست طبقہ تو اس طرح آرام سے گزارتا ہے۔ لیکن وہ طبقہ جو نکاح اور شادی کرنے کا شوقین ہے بڑی دقت میں ہے۔ کیونکہ یورپ میں نکاح کرنے والے شخص کے لئے یہ چیز نہایت ضروری ہے کہ ساری عمر ایک ہی سانپ کو گلے میں ڈالے ہوئے پھرے اور کبھی بھول کر بھی دوسری شادی کا نام نہ لے۔ اگر کوئی شخص ایک بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری بیوی کر لینے کے جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اسے جیل میں چکی پیسنا پڑتی ہے۔

ان قانونی پابندیوں کے باوجود یار لوگ کب اپنی حرکتوں سے چوکتے ہیں۔ روزانہ شادیوں پر شادیاں ہو رہی ہیں جیل جا رہے ہیں مگر بیوی بازی سے کنارہ کش نہیں ہوتے۔

بیوی بازی کا ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ لندن کا ایک تاجر ولیم لوئس بڑا دل پھینک واقع ہوا تھا، جب کوئی اچھی صورت والی نظر آجاتی جھٹ اس سے شادی کر لیتا۔ چنانچہ اسے ایک ہی وقت میں متعدد بیویوں کا شوہر رہنے کا فخر حاصل ہو رہا ہے۔

۱۹۱۸ء میں ایک حسین لڑکی مس نورا اس شخص کی نظر پڑ گئی دیکھتے ہی دل دے بیٹھا اور اسی سال اس حسینہ سے شادی کر ڈالی چار سال تک یہ دونوں نہایت عیش کے ساتھ زندگی گزارتے رہے۔ چار سال کے بعد ایک اور لڑکی مس میری کو دیکھ کر لٹو ہو گیا۔ اور اس دوشیزہ کو اس طرح شیشہ میں اتارا کہ وہ بھی اس سے محبت کرنے لگی یہاں تک کہ ۱۹۲۳ء میں اس کے ساتھ بھی شادی کرلی۔

آدمی تھا نہایت چالاک نئی اور پرانی دونوں ہی کو خوش رکھتا تھا اور دونوں میں سے ایک کو بھی اپنی دوسری شادی کی حرکت سے باخبر نہیں ہونے دیا اور ہر ایک بیوی یہی سمجھتی رہی کہ میں ہی بلا شرکت غیرے شوہر کی مالک ہوں۔ غرضکہ مسلسل ۹ سال تک یہ حضرت نہایت بے تکلفی کے ساتھ دونوں بیویوں کو الو بناتے رہے ۱۹۳۲ء میں ایک اور حادثہ پیش آگیا کہ ایک حسینہ مس کوٹن ان حضرات کا دل اچک کرلے گئی یہ حضرت بڑے پریشان ہوئے آخر یہی سوچا کہ جہاں دو ہیں وہاں تیسری بھی سہی، چنانچہ ۱۹۳۲ء میں دو کے بجائے تین بیویوں کے شوہر بن گئے۔

تینوں بیویاں اپنی اپنی جگہ خوش تھیں تینوں میں سے ایک کو بھی میاں کے کرتوتوں کا علم نہ تھا کہ یکایک تینوں بیویوں کو اطلاع ملی کہ میاں کو گرفتار کر کے پولیس لے گئی ہے۔ تینوں دوڑی ہوئی عدالت میں گئیں اب تینوں کو پتہ چلا کہ میاں کی کیا حرکتیں تھیں لیکن پھر بھی تینوں نے عدالت سے رو رو کر کہنا شروع کیا کہ ہمارا میاں بڑا نیک ہے۔ یہ ہم تینوں کو خوش رکھتا ہے اسے کوئی سزا نہ دی جائے مگر عدالت نہ مانی اور ان کو صرف تین مہینہ کے لئے تین بیویاں رکھنے کے جرم میں جیل کی ہوا کھانے کیلئے بھیجدیا

بیسویں صدی کے لیلےٰ اور مجنوں کا عشق

بیسویں صدی کے لیلےٰ اور مجنوں نے عشق و محبت کے لیے ایسے انوکھے طریقے دریافت کرلئے ہیں جو آپ ہی اپنی نظیر ہیں۔

یوروپ کے ایک مجنوں پر جو عشق کا دورہ پڑا تو وہ اپنی لیلےٰ کو ہوائی جہاز میں بٹھا آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ اس جدت پسند مجنوں نے

سوچا کہ زمین پر تو ساری دنیا عشق کرتی ہے چلو ہم آسمان پر چل کر عشق کرو۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ فضائے آسمانی میں عشق و محبت کا یہ ڈرامہ کتنی دیر تک جاری رہا۔ اس ڈرامہ کے ڈراپ سین کا پتہ اس وقت ملا جب الاسکائے لوگوں نے ایک شکستہ ہوائی جہاز اور دو زخمیوں کو اٹھایا۔ ہوا یہ کہ نئی روشنی کے یہ لیلےٰ مجنوں محبت میں ایسے بے خود ہوئے کہ ان کو یہ خبر ہی نہیں رہی کہ وہ زمین پر ہیں یا آسمان پر ان کی بے خبری میں جہاز ایک پہاڑ سے ٹکرا گیا۔ ملاحظہ فرمائی جناب نے بیسویں صدی کے لیلےٰ مجنوں کی جدت پسندی۔

ہمبرگ کے لیلیٰ مجنوں کی داستان بھی کچھ کم پر لطف نہیں ہے ایک روز ہمبرگ میں لوگوں نے دیکھا کہ نئی روشنی کے ایک مجنوں اپنی لیلےٰ کی گردن میں بانہیں حمائل کئے ہوئے موٹر چلا رہے تھے۔ ایک طرف موٹر جاری تھی اور دوسری جانب عشق و محبت کا پارٹ ادا ہو رہا تھا۔

عشق و محبت کے ڈرامے کے اس دوران میں حضرت مجنوں یہ بھول گئے کہ وہ کسی صحرا میں ہیں یا گنجان شہر میں چنانچہ ہوا یہ کہ موٹر ایک دوسری موٹر سے ٹکرا گئی۔ دوسری موٹر والا نہایت ہوشیار تھا۔ اس نے اس طرح موٹر بچائی کہ دونوں موٹروں کو زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ معاملہ عدالت میں گیا۔ عدالت میں وکلا میں بحث چھڑی کہ آیا کسی عاشق کو موٹر چلاتے وقت عشق کرنا چاہیئے یا نہیں عاشق مزاج مجنوں کے وکیل نے کہا کہ عشق ہر انسان کا پیدائشی حق ہے وہ موٹر میں ریل میں راستہ چلتے ہوئے، ہر جگہ عشق کر سکتا ہے۔ وکیل سرکار نے بحث کرتے ہوئے کہا کہ موٹر میں عشق کرنا سرتا پا خطرہ ہے۔ کیونکہ اس سے نہ صرف عشق کرنے والے کی زندگی خطرہ میں پڑتی ہے۔ بلکہ راہ گیروں کے لئے بھی یہ خطرناک ہے۔

عدالت عاشق مزاج مجنوں کے وکیل اور سرکاری وکیل کی بحث کو بغور سنتی رہی۔ اس کے بعد عدالت نے فیصلہ دیا کہ موٹر چلانے والے کو اپنی محبوبہ کو بغل میں لے کر ہرگز موٹر نہیں چلانی چاہئے جس طرح شراب پی کر موٹر چلانا خطرناک ہے۔ اسی طرح محبوبہ کو بغل میں لے کر بھی موٹر چلانا خطرناک ہے۔ لہذا اس جرم میں دو ماہ قید کا حکم دیا جاتا ہے"

دیکھا آپ نے کہ آج کل کا مجنوں صرف عشق میں جدت پیدا کرنے کے لئے جیل تک چلا جاتا ہے۔ یہ ہے بیسویں صدی کے مجنوں کی شان۔

خاوند محبت نہیں کرتا!

لیورپول کی ایک عدالت میں دو میاں بیویوں میں خوب ٹھنی ہوئی ہے۔

بیوی کا کہنا ہے کہ میرا میاں مجھ سے محبت نہیں کرتا۔ دوسری لڑکیوں کے پیچھے گھومتا پھرتا ہے اسے راہ راست پر لایا جائے میاں کا کہنا ہے کہ مجھے اس بیوی سے نجات دلائی جائے کیونکہ ہر سال بچہ پیدا کر دیتی ہے اور اس نے بچے پیدا کر کے میرے گھر کو اچھا خاصہ یتیم خانہ بنا دیا ہے۔

عدالت حیران ہے کہ کسے مجرم قرار دے۔ کیونکہ جہاں تک شوہر کا دوسری لڑکیوں کے پیچھے پھرنے کا تعلق ہے وہ مجبور ہے کیونکہ اس کی بیوی سال میں نو مہینے حاملہ رہتی ہے۔ اب رہا بیوی کا یہ قصور کہ وہ بچے زیادہ پیدا کرتی ہے۔ اس میں اس کی کوئی خطا نہیں یہ تو شوہر کی ساری خطا ہے غرضکہ عدالت حیران اور پریشان ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ عدالت بیوی پر بچے پیدا کرنے کے سلسلے میں حکم امتناعی جاری کرتی ہے۔ یا شوہر پر دوسری عورتوں کے پیچھے پھرنے کی وجہ سے دفعہ ۱۴۴ نافذ کرتی ہے۔ بہر حال یہ مقدمہ اپنی نوعیت کا نہایت ہی عجیب و غریب مقدمہ ہے ایسے مقدمات مہذب قوموں ہی میں دائر ہوتے ہیں۔ ابھی ہندوستانی مجسٹریٹوں کے لئے یہ وقت پیدا نہیں ہوئی ہے۔ لیکن بہت جلد ہندوستان میں بھی سب کچھ ہونے لگے گا۔

اولاد پیدا کرنے کی ترکیب

سائنس کی نئی تحقیقات کا زندہ معجزہ

اب کوئی عورت اولاد سے محروم نہیں رہ سکتی

یعنی جن عورتوں کے ہاں باوجود تمنا کے اولاد نہیں ہوتی۔ وہ اگر اب چاہیں تو ہر سال ایک بچہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ میاں بیوی دونوں تندرست ہیں یا کسی ایک میں کوئی معمولی خرابی ہے تو بے چارے اولاد سے محروم رہتے ہیں، اور اس ارمان پر لاکھوں روپے برباد کر دیتے ہیں کہ کسی طرح وہ بھی اولاد کا منہ دیکھیں۔ مگر اب سائنس کی جدید تحقیقات اور کوششوں نے انسانی زندگی کی یہ کمی بھی پوری کر دی۔ سالہا سال کی محنت کے بعد سائنٹفک اصولوں پر ایک ایسا مرکب تیار کیا گیا ہے کہ جسے مسلسل سات رات تک عورت استعمال کرتی ہے اور ان سات راتوں تک مرد کا پرہیز کرتی ہے۔ ٹھیک آٹھویں رات مرد کا پرہیز توڑا جاتا ہے تو یہی شب عورت کو حمل رہ جاتا ہے اس مرکب دوا کا نام **محافظ اولاد** ہے اور اس کا اعلان اکثر اس رسالہ میں شائع ہوتا رہتا ہے۔

محافظ اولاد کو سینکڑوں ہی عورتوں نے استعمال کیا اور خدا نے ان کی گودیں بھر دیں۔ درحقیقت یہ دوا لاکھوں روپے قیمت کی ہے۔ کیونکہ دنیا کی سب سے پہلی اور بے حد کامیاب ایجاد ہے اور موجد اس عجیب ایجاد پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ سات دن کے اندر یہ دوا عورت کے رحم کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ ٹھیک

آٹھویں رات عورت کو حمل رہ جاتا ہے

پس جو عورتیں اولاد سے محروم ہیں اور جن کی شادیوں کو کافی عرصہ گزر گیا ہے۔ مگر اولاد نہیں ہوتی ان کو علی الاعلان اس زندہ جاوید ایجاد کی دعوت دی جاتی ہے۔ وہ اس دوا یعنی **محافظ اولاد** کو سات دن تک استعمال کریں اور ان سات دن تک مرد سے بالکل علیحدہ رہیں۔ ٹھیک آٹھویں رات یہ پرہیز توڑ دیں۔ اسی رات حمل قائم ہو جائے گا اور نو مہینہ بعد ان کی گود میں بچہ ہوگا۔ دوا محافظ اولاد کی ایک شیشی جس میں سات دن کی مکمل دوا ہوتی ہے اس کی قیمت صرف دو روپے آٹھ آنے ہے اور پارسل پر سات آنے محصول ڈاک لگتا ہے۔ **لیڈی منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۳۲ دہلی** کے پتہ پر خط لکھ کر بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے اور عورت کو استعمال کرا کے خود اپنی آنکھوں سے اس عجیب و غریب دوا کا زندہ ثبوت دیکھ لیجئے۔ یاد رکھیے یہ دہلی کے زنانہ دواخانہ کا اعلان ہے جس کی بابت سارا ملک جانتا ہے کہ یہ دواخانہ اپنی دیانت داری اور طبقہ نسواں کی بے لوث خدمت کے سلسلہ میں کافی سے زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ اور جس کا آج تک کوئی اعلان جھوٹا ثابت نہیں ہو سکا ہے۔

عورت مہینہ میں ایک دفعہ روتی ہے

اور اس لئے روتی ہے کہ اُسے ہر مہینہ ماہواری ایام کے زمانہ میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ بے چینی کا درد ہو کر ایام آتے ہیں۔ یا رک رک کر درد کے ساتھ ہوتے ہیں۔ بعض عورتوں کو اس زمانہ میں غشی کا دورہ پڑ جاتا ہے اور کئی کئی دن تک تڑپ تڑپ کر کاٹتی ہیں۔ کسی کو زیادہ تعداد میں آتے ہیں۔ کسی کو بہت ہی کم آتے ہیں۔ اور کسی کو مہینہ میں دو بار آجاتے ہیں۔ غرضیکہ ماہواری کے زمانہ میں بہت ہی تکلیف اٹھاتی ہیں۔ مگر مرد ہیں کہ عورت کے رونے کی پروا نہیں کرتے اور وہ بے چاری ہر مہینے بڑی دردناک تکلیف اٹھاتی ہے۔ لیکن ایسی عورتیں جو ماہواری کے زمانہ میں کسی قسم کی تکلیف اور درد کی بے چینی میں مبتلا ہو جاتی ہیں ان کو چاہئے کہ صرف ایک شیشی دوا کورس منگا کر استعمال کریں۔ اس دوا میں عجیب کمال یہ ہے کہ یہ ماہواری ایام کو باقاعدہ کر دیتی ہے۔ اور اس کے استعمال کے بعد ماہواری ایام ہر مہینے بغیر درد کے اور بغیر کسی تکلیف کے اپنی صحیح تعداد اور مقررہ مقدار میں آنے لگتے ہیں۔ اور مہینہ میں صرف ایک بار آنے لگتے ہیں۔ کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی۔ کم آتے ہوں تو پوری تعداد میں آنے لگتے ہیں۔ دو بار آتے ہوں یا کوئی بھی خرابی ہو تو خرابی کو دور کر کے ماہواری کو باقاعدہ کر دیتی ہے اور پھر عورت ہر مہینے بڑی آسانی کے ساتھ ایام ماہواری سے بغیر تکلیف کے فارغ ہو جاتی ہے۔ ماہواری کے لئے بہت کارگر دوا ہے۔ ہزارہا عورتوں کی تندرستی ٹھیک کر چکی ہے۔ اور اب وہ پورے طور پر تندرست ہیں۔ لیڈی منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۱۲ دہلی کے پتہ پر خط لکھ کر ایک شیشی کورس بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے۔ ایک شیشی کورس کی قیمت دو روپے آٹھ آنے ہے اور اس پر سات آنے محصول پارسل خرچ ہوتا ہے۔ اس دوا کے متعلق دواخانہ ہذا میں لاتعداد سارٹیفکٹ موجود ہیں جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کورس ماہواری کو باقاعدہ کر دینے میں کتنی مشہور ہو چکی ہے۔

کشیدہ کاری کی جرمنی مشین

لڑکیوں کو کشیدہ کاری کا بہت شوق ہوتا ہے جرمنی نے اس اہم ضرورت کا لحاظ کر کے ایک ایسی عجیب مشین تیار کر دی ہے کہ کشیدہ کاری کا جو کام پہلے ایک گھنٹہ میں ہوتا تھا اب اس مشین کے ذریعہ پانچ منٹ میں ہو جاتا ہے۔ لڑکیوں کے لئے بہترین چیز ہے۔ کورے کپڑوں پر پھول بوٹے بنانے کے لئے ہر لڑکی اس مشین کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہے۔ قیمت بہت کم یعنی صرف تین روپے ہے۔ سینکڑوں روپے کے کام کی چیز صرف تین روپے میں منگا لیجئے۔ آپ کے گھر میں چند ہی روز میں اس مشین کی بہار نظر آنے لگے گی۔ اس مشین کی قیمت تین روپے ہے (۳ روپے)

منیجر صاحب کامیاب بکڈپو پوسٹ بکس ۱۲ دہلی

کو خط لکھ کر بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے۔ سات آنے محصول لگے گا

دمہ کا ایک ہی علاج ہے

اور وہ اتنا کامیاب ہے کہ آج تک اس کی شکایت سننے میں نہیں آئی یہ ضرور ہے کہ دمہ کا مرض بہت مشکل سے جاتا ہے لیکن اس مرض کو لاعلاج قرار دینے میں بعض اطباء نے غیر ذمہ داری سے کام لیا ہے۔

ہندوستان میں جو لوگ دمہ کے مریض ہیں نہ صرف ایک شیشی دوا ساںنول استعمال کر کے دیکھ لیں، انہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ دوا سانول دمہ کے مرض کو کیسی آسانی کے ساتھ دور کر دیتی ہے۔ اس دوا سے بڑے بڑے پرانے مریضوں کو صحت حاصل ہو گئی۔ پس جس مریض کو دمہ کی تکلیف ہو اسے چاہئے فوراً دوا سانول استعمال کرنی چاہئے دمہ کا مرض بالکل جاتا رہے گا اور پھر کبھی سانس کا دورہ نہ پڑے گا سانول کی ایک شیشی ایک روپیہ چھ آنے میں جنرل منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۱۲ دہلی کو خط لکھ کر منگا لیجئے۔ ایک شیشی پر محصول سات آنے تین شیشیاں ایک ساتھ منگانے پر محصول معاف

(نوٹ) ہمیں سانول جیسی عجیب دوا پر فخر ہے کہ اس کی ہر جگہ ذکر ہے

جو عورتیں سفید پانی کی بیمار ہیں

وہ درحقیقت بڑے خطرے میں ہیں کیونکہ سیلان الرحم کی بیماری میں جو سفید رطوبت عورت کے جسم سے وقت بیوقت خارج ہوتی رہتی ہے وہی زندگی کا اصلی جوہر ہے۔ سفید رطوبت کا خارج ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس عورت کی جوانی بہت تیزی کیساتھ جا رہی ہے اور اس کے چہرہ پر بہت جلد جھریاں پڑنے والی ہیں اس پر ضعیفی غالب آرہی ہے عقلمند عورتیں اور عقلمند مرد اس خطرہ کو خوب سمجھتے ہیں لوگوں کا خیال ہے کہ سفید رطوبت کی بیماری کے علاج میں روپیہ زیادہ صرف ہوتا ہے مگر یہ ان کی غلط فہمی ہے۔

سفید رطوبت کا علاج صرف تین روپے میں ہوسکتا ہے

ہندوستان کی ہزارہا نہیں بلکہ لاکھوں عورتوں کو اس بات کا ثبوت مل چکا ہے کہ سفید رطوبت کا علاج بیحد آسان ہے اگر کوئی عورت اس مرض میں مبتلا ہو یعنی سفید رطوبت خارج ہوتی ہو یا اس کے ناف تلووں میں درد رہتا ہو یا ماہواری کے زمانہ میں تکلیف ہوتی ہو۔ دن بھر اداس اور مغموم رہنے کی عادت پڑ گئی ہو یا کمر اور پنڈلیوں میں درد کی شکایت ہوتی ہو تو سمجھ لیجئے کہ یہ عورت سیلان رحم کی مریضہ ہے اور اسے صرف ایک شیشی دوا روک استعمال کرائیے دوسرے تیسرے دن ہی آپ خود محسوس کرلیں گے کہ مریضہ کے چہرہ پر کتنی بشاشت ہے۔ کتنی جوانی ہے کتنی بہار ہے یہ محض اس لئے ہوتا ہے کہ دوا روک ہندوستانی آب و ہوا کے لحاظ سے عورتوں کے لئے اکسیر کی حیثیت حاصل کر چکی ہے سفید رطوبت کا مسلسل اخراج جو کسی علاج سے بند نہ ہوتا ہو اسے دوا روک کا استعمال ٹھیک تیسرے دن بند کر دیتا ہے۔

لہٰذا یاد رکھئے کہ صرف تین روپے کا لالچ کرکے عورت کی جوانی کو برباد ہوتے دیکھنا کسی دن رنگ لائیگا۔ اس واسطے اس کا پہلے انتظام کیجئے اور اگر کوئی عورت سیلان الرحم کی مریض ہے تو اسے ہدایت کر دیجئے کہ ایک شیشی دوا روک استعمال کرے سفید رطوبت آنی بند ہو جائیگی اور اس کا اندرونی جسم (رحم) تندرست ہو جائیگا۔ ایک شیشی دوا روک کی قیمت تین روپے ہے اور اس کے ساتھ کئی محصول پارسل خرچ ہوتا ہے لیڈی منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس دہلی کے پتہ پر ایک خط لکھ کر بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے آپ کو گھر بیٹھے دوا پہنچ جائیگی اور اس طرح تین روپے میں ایک خطرناک مرض سے عورت کو نجات مل جائیگی دوا روک تمام ہندوستان میں مشہور ہے اور ہزارہا عورتوں کو تندرست کر چکی ہے۔ ہر مزاج اور آب و ہوا کے عین مطابق ہے اور تیسرے دن اپنا کمال مریض پر پوری طرح ظاہر کر دیتی ہے۔ ملک کے بے شمار حکیم اور ڈاکٹر اپنے مریضوں کو دوا روک استعمال کرنے کی سفارش کرتے ہیں۔ کیونکہ اس دوا کا علی الاعلان کافی سے زیادہ تجربہ کیا جا چکا ہے۔ اس لئے مہربانی کرکے دوا روک کو اشتہاری دوا نہ سمجھئے۔ یہ دہلی کے زنانہ دواخانہ کی تیار کی ہوئی ہے۔ وہ دواخانہ جو سالہا سال سے ہندوستانی عورتوں کی خدمت میں لازوال شہرت کا واحد مالک ہے۔

شیطان کے لئے لاحول
جریان کے لئے جوہر اعظم

پیشاب سے پہلے یا پیشاب کے بعد سفید رطوبت کا نکل جانا جریان کی بیماری کہلاتا ہے۔ جریان سے قوت مردمی ختم ہو جاتی ہے۔ اس واسطے عقلمند لوگ جریان کے مرض کا فوراً علاج کر لیتے ہیں اور یہ سفید رطوبت نکلنی بند ہو جاتی ہے۔ اس کی آسان اور مجرب ترکیب یہ ہے کہ جریان کے مریض کو صرف ایک شیشی دوا "جوہر اعظم" کھلا دیجئے۔ ایک ہی شیشی سے رطوبت نکلنی بند ہو جائے گی۔ ڈاکٹروں اور حکیموں کا بیان ہے کہ جریان کا مرض جوہر اعظم دوا سے اس طرح جاتا ہے جیسے لاحول سے شیطان۔ دعویٰ یہ کہ ایک ہی شیشی مریض کو بالکل تندرست کر دیتی ہے اور پیشاب کے بعد یا پہلے یا بیوی کے قریب جانے سے پیشتر جو سفید رطوبت نکل جاتی تھی وہ بند ہو گئی اور مریض مکمل تندرست اور مرد ہو گیا۔

تقریباً چار ہزار جریان کے مریض "جوہر اعظم" سے تندرست ہو گئے

پس اگر کوئی شخص جریان کا مریض ہے اور پیشاب سے پہلے یا پیشاب کے بعد یا بیوی کے قریب جانے سے پیشتر رطوبت بلاوجہ خارج ہوتی ہے یا رات کو سوتے میں احتلام زیادہ ہو جاتا ہے (یعنی خواب ہوتا ہے) تو اسے چاہئے کہ آج ہی جنرل منیجر زنانہ دوا خانہ پوسٹ نمبر ۳۴ دہلی کو ایک خط لکھ کر دوا "جوہر اعظم" کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی پارسل منگائے۔ ایک شیشی کی قیمت صرف تین روپے آٹھ آنے ہے اور محصول ڈاک اس دوا پر کسی مریض سے نہیں لیا جاتا ہے۔

عورت کا سینہ

بچوں کو زیادہ دودھ پلانے یا کسی دوسری بے احتیاطی کے سبب عورت کا سینہ (یعنی پستان) بہت بدنما ہو کر نیچے کو ڈھلک جاتے ہیں۔ ان میں نرمی ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں مشہور دوا "اپریسٹین" کا استعمال کرنا چاہئے۔ پستان اپنی اصلی حالت میں آ کر گول اور سخت ہو جائیں گے۔ اور عورت از سر نو جوان معلوم ہو گی۔ بے حد قیمتی دوا ہے۔ اور بہت جلد اثر کرنے والی۔ اس کے استعمال سے دودھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یعنی ہر دو کا بچہ برابر دودھ پی سکتا ہے۔ ایک شیشی پریسٹین کی قیمت چار روپے پندرہ آنے (۴/۱۵) اور محصول ڈاک اس پر سات آنے لگتا ہے۔ منگانے کا پتہ:

لیڈی منیجر زنانہ دوا خانہ پوسٹ نمبر ۳۴ دہلی

زچہ خانہ کی خرابی

بہت دن پریشان کرتی ہے جس عورت کا زچہ خانہ خراب ہو جاتا ہے۔ وہ بیچاری بہت ہی سخت مصیبت میں پھنس جاتی ہے۔ پیٹ بھی بڑھ جاتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر دوا "ری می ٹول" استعمال کر لی جائے تو زچہ خانہ کی خرابیاں دور ہو جائیں اور پیٹ اصل حالت میں آ جائے۔ "ری می ٹول" بہت مشہور اور موثر دوا ہے۔ متعدد عورتوں نے استعمال کیا اور فائدہ اٹھایا۔ پیٹ کی حالت ٹھیک ہو گئی۔ اور تندرستی اصل حالت میں آ گئی۔ ایک شیشی کی قیمت صرف تین روپے نو آنے اور محصول ڈاک اس پر سات آنے خرچ ہوتے ہیں۔

لیڈی منیجر زنانہ دوا خانہ پوسٹ نمبر ۳۴ دہلی

دلفریب
یا
تاروں کی بارش

(از مسٹر محمد رحیم تپن دہلوی مصنف چاند سورج کی چوری)

ایک چھوٹا سا ان رجسٹرڈ پارسل جو تقریباً تین انچ لمبا دو انچ چوڑا اور ایک انچ اونچا تھا اور اوسط درجہ کے سگرٹ کے بکس سے مشابہ تھا۔ زرد رنگ کے موٹے کاغذ میں لپٹا ہوا ایک بہت چوڑی اور شاندار میز پر مس چالیس چٹھیوں کے پہلو میں رکھا تھا۔ معمولی ڈاک پارسلوں کی طرح اُسے رنگین دھاگے سے لپیٹا گیا تھا۔ مگر اس کے سوا حفاظت و احتیاط کی کوئی اور علامت لاکھ یا سیسہ کی مہر کی قسم سے اس پر بالکل نہ تھی وہ ایک بالکل معمولی اور بے حیثیت پارسل تھا جس پر ایک طرف ایک آنے کے ٹکٹ پر روانگی کی گول مہر لگی ہوئی اور دوسری طرف بہت صاف اور خوشخط حرفوں میں پتہ لکھا ہوا تھا۔ بس اس کے سوا نہ اُس پر اشیائے اندرونی کا حال تحریر تھا اور نہ بھیجنے والے کا پتہ تھا۔ صرف ڈاک خانہ کی مہر سے اتنا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ایک روز پہلے جامع مسجد کے لیٹر بکس میں ساڑھے پانچ بجے شام کو ڈالا گیا ہے۔

دہلی کے بازار کشمیری دروازہ میں ہرکشن کمپنی جواہرات کی دوکان مشہور ہے۔ اس لئے محتاج تعارف نہیں۔ دس بجکر چند منٹ گزرے تھے۔ کہ کمپنی کے سب سے بڑے ڈائریکٹر اور اس کے سرگرم کارکن مسٹر ہرکشن شان استغنا کے ساتھ جو ایسے امیر ابن امیر لوگوں کیلئے مخصوص ہوتی ہے اپنے کمرہ میں داخل ہوئے اور میز کے قریب رکھی ہوتی گھومنے والی کرسی پر بیٹھ گئے ——— اور جیب سے چشمہ نکال کر صاف کیا اور پھر اُسے ناک کے سرے پر رکھکر پہلے چٹھیوں کے ڈھیر کو دیکھا۔ پھر اُس چھوٹے پارسل پر نظر پڑی۔ لیکن چونکہ چٹھیاں بہت تھیں اور پارسل صرف ایک تھا اس لئے پہلے اُن کا ہاتھ پارسل ہی کی طرف گیا۔ اس کو اٹھا کر انہوں نے پہلے دو چار بار الٹ پلٹ کر غور سے دیکھا اور پھر یہ دیکھ کر کہ اس پر بھیجنے والے کا نام اور پتہ درج نہیں ہے آہستہ سے اسے ہلا کر بھی دیکھا۔ اور پھر بڑھتے ہوئے شوق تجسس سے چاندی کی چھوٹی سی قینچی سے کر پہلے رنگین دھاگے کو کاٹا۔ پھر کاغذ کی تہیں کھولیں۔ وہ ہرے کاغذ میں لپٹا ہوا سرخ ریشمی مخمل کا ایک چھوٹا سا ڈبہ بند تھا۔ جو عموماً جواہرات اور زیورات میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر کوئی تحریر کوئی نشان اکوئی مہر اس پر بھی نہ تھی۔ نہ اوپر کے ڈھکنے پر نہ نیچے

چپنار ہے ہیں۔

مسٹر ہرکشن نے خفیف تامل کے بعد ڈھکنا کھولا۔ اندر سفید روئی کی موٹی تہہ تھی۔ اس کو بھی ہٹایا تو کیا دیکھتے ہیں روئی کی ایک موٹی اور نرم تہہ پر احتیاط کے ساتھ ایک نہایت خوشنما اور بے حد شاندار ہیرا رکھا ہوا جھلمل جھلمل کر رہا ہے۔ اس کی نیلاہٹ ملی ہوئی سفیدی کے حق میں لا انتہا رنگوں کی آمیزش قوس قزح کی یاد دلاتی تھی اور کرنیں اس میں سے نکل نکل کر روئی کے گرد گدے بچھونے کو منور کر رہی تھیں۔

مسٹر ہرکشن نے لمبا گہرا سانس لیا پھر اسی طرح کھلے ہوئے ڈبہ کو ہاتھ میں لے کر کھڑکی کے پاس گئے۔ تاکہ سورج کی روشنی میں اسے اچھی طرح دیکھ سکیں۔

کئی منٹ تک وہ ڈبہ میں رکھے ہوئے قیمتی ہیرے کو حیرت کی نظر سے دیکھتے رہے۔ اس کی رنگت صاف۔ گہرائی خوشنما۔ اور کٹائی بہترین اور شکل و شباہت تارے کی سی تھی اور بحیثیت مجموعی وہ بہت ہی شاندار اور نہایت ہی بیش قیمت ہیرا تھا۔ مکمل الماس جس کی قیمت ....

لیکن قیمت کے سوال پر مسٹر ہرکشن کے خیالات کا سلسلہ رک گیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ایک کامیاب جوہری تھے۔ اور جواہرات کی خرید و فروخت اُن کی زندگی کا خاص مشغلہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود جب تک کئی اور ماہرین کی رائے معلوم نہ کی جائے۔ ایسے عالی شان ہیرے کی صحیح قیمت قائم کرلینا سخت مشکل تھا۔ مگر ایک بات جو اس انمول ہیرے کو دیکھتے ہی ان کے ذہن میں قائم ہوگئی۔ اور جسے کسی بڑے مبصر کی رائے بھی تبدیل نہ کرسکتی تھی یہ تھی کہ پندرہ لاکھ پونڈ تک کے جتنے الماس ہرکشن کمپنی کی تجوریوں میں بحفاظت بند ہیں۔ ان میں سے ایک بھی اپنی آب اور خوشنمائی کے لحاظ سے اس گوہر نایاب کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

دیر تک اس کو ہتھیلی پر رکھے وہ اس انداز سے دیکھتے رہے گویا اس ہیرے میں کوئی جادو ہے۔ جو انہیں نظر ہٹانے کی اجازت نہیں دیتا خوشنمائی کسی رنگ اور کسی صورت میں کیوں نہ ہو بہر حال طبع انسانی کے

سے کشش رکھتی ہے۔ اس لئے ایک تجربہ کار جوہری کا اس سے اتنی دلچسپی لینا باعث حیرت نہیں کہا جا سکتا۔

یکایک پھر خیال آیا کہ اب تک اس کے بھیجنے والے کا نام اور پتہ معلوم نہیں ہو سکا۔ اس خیال کے آتے ہی انہوں نے روئی کی نچلی تہہ اٹھائی کہ شاید اسی میں دبا ہوا کوئی پرچہ مل جائے۔ لیکن ڈبہ کے اندر یا باہر کسی جگہ بھی کوئی تحریر کوئی نشان اور کوئی سراغ ایسا نہ ملا جس سے بھیجنے والے کا حال معلوم ہو سکتا۔

ایک ایسی بیش قیمت چیز کو بغیر بیمہ ——— یا کم از کم رجسٹری کئے بغیر بھیجنا بجائے خود عجیب انگیز امر تھا اور پھر اس کے ساتھ ہی یہ بات کہ اس کے بھیجنے والے نے اپنا نام اور پتہ اور روانگی کی وجہ ظاہر کرنے کی پرواہ نہیں کی۔ معاملہ کو اور زیادہ عجب انگیز بنانے والی ثابت ہوئی۔

ایک بار پھر مسٹر ہرکشن نے بکس کو ہر طرف سے بغور دیکھا۔ اس کے بعد ناامید ہو کر پارسل کو ہاتھ سے رکھنا چاہتے تھے۔ کہ خیال آیا کوئی چٹھی اس کے متعلق ڈاک میں ضرور ہو گی۔ اور اسی میں نام و پتہ کے ساتھ ساتھ روانگی کی وجہ بھی تحریر ہو گی۔ شاید کوئی راجہ نواب یا کوئی مالدار رئیس اس گوہر نایاب کو کسی زیور میں جڑوانے کا خواہشمند ہو۔ یا افلاس کا مارا کوئی بگڑا ہوا رئیس اس کو فروخت کرنا چاہتا ہو۔ لیکن معاملہ کی صورت خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ ایسی لاانتہا قیمتی چیز کو بغیر رجسٹری بھیجنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

مسٹر ہرکشن نے دوبارہ میز کے پاس جا کر خطوط کو ایک ایک کر کے دیکھا اس کے بعد ہر ایک کا از اول تا آخر پڑھا۔ مگر اس انمول ہیرے کا حال کسی میں بھی درج نہ تھا۔ بالآخر اس بڑھتی ہوئی بیچیدگی سے متاثر ہو کر مسٹر ہرکشن کمپنی بکس کرادہ سر تھام کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر وہ اسی حالت میں بیٹھے کچھ سوچتے رہے۔ پھر یکایک کسی خیال کے آجانے سے چونکے۔ اور انہوں نے گھنٹی بجا کر کمپنی کے صراف مسٹر راج گیر کو طلب کیا۔

مسٹر راج گیر فوراً آ گئے۔ ان کے اعضا متناسب اور رنگ کھلا ہوا تھا۔ آنکھیں روشن اور چمکدار تھیں بائیں رخسار پر ابھرے ہوئے زخم کا باریک مگر لمبا نشان تھا۔ ہرکشن کمپنی میں وہ خطیر تنخواہ پر ملازم تھے۔ مگر مارکیٹ میں وہ اس سے بھی زیادہ کے حقدار سمجھے جاتے تھے کیونکہ ان کے برابر جواہرات کی پرکھ رکھنے والا ہندوستان تو کیا ایشیا بھر میں کوئی نہ تھا۔ وہ اس فرم میں ہیروں کے صراف تھے اور پچھلے پندرہ سال کے دوران میں کھرے کھوٹے کی پہچان اور قیمت کے سوال پر ان کی رائے قطعاً آخری سمجھی جاتی تھی

ان کی عمر کا زیادہ حصہ جواہرات کے کاروبار ہی میں گزرا تھا۔ اور اسی سلسلہ میں وہ ایک مرتبہ جنوبی افریقہ بھی جا چکے تھے اور وہاں ہیروں کی کانوں میں بذات خود کام کیا تھا۔ وہیں کسی اختلاف کی بنا پر ان سے حسد کرنے والے ایک دشمن نے ان پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ جس میں وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ لیکن چہرہ پر زخم کا ایک نشان اس واقعہ کی یادگار رہ گیا۔

کمرے میں داخل ہو کر انہوں نے مسٹر ہرکشن کو سلام کیا۔ مسٹر ہرکشن نے ان کے سلام کا جواب دیکر الماس کا ڈبہ ان کے ہاتھ میں دیدیا اور کہا:-

"ذرا اس کو دیکھئے"

مسٹر راج گیر نے کرسی پر بیٹھ کر ڈھکنا کھولا اور روئی کی اوپر والی تہہ ہٹا کر ہیرے کو بائیں ہتھیلی پر ڈال لیا۔ ایک لمحہ وہ اس کو سحر کن نظروں سے خاموش دیکھتے رہے۔ پھر ایک دو بار ہلایا اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے الٹ کر دیکھا۔ اس کے بعد اٹھے اور کھڑکی کے پاس چلے گئے۔ ایک خوردبین شیشہ نکال کر بائیں آنکھ پر لگا لیا۔ اور امتحان کرتے رہے۔

جتنی دیر ان کا یہ عمل جاری رہا۔ مسٹر ہرکشن کرسی گھما کر تجسس آمیز نظروں سے ان کے منہ کی طرف دیکھتے رہے۔

"نیلاہٹ آمیز سفید رنگ کا یہ نایاب الماس ہے" بالآخر راج گیر نے شیشہ اتار کر مسٹر ہرکشن سے کہا "اور اس قدر نایاب کہ اس کا ثانی آج تک میری نظر سے نہیں گزرا"

مسٹر ہرکشن گھبرا کر اٹھے اور راج گیر کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے راج گیر اب تک اس کو گھما گھما کر کبھی اس کی تراش دیکھتے کبھی انگلی کی نوک پر رکھ کر آنکتے اور کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ اس میں کوئی دھبہ نشان یا بال تو نہیں ہے۔

"تراش بہتر ہے" انہوں نے تھوڑے سکوت کے بعد کہا "صحیح جانچ تو آلات ریاضی سے ہی ہو سکے گی۔ لیکن بظاہر تو کوئی نقص دکھائی نہیں دیتا۔ اور وزن بھی میرے خیال میں تقریباً چھ قیراط سے کم نہ ہو گا"

"اور قیمت؟" مسٹر ہرکشن نے حالات کی پیچیدگی سے مضطرب ہو کر پوچھا "آپ کی رائے میں اس کی قیمت کا اندازہ کیا ہو گا؟"

راج گیر تھوڑی دیر سوچتے رہے۔ پھر بولے:-

"رنگت کے لحاظ سے یہ ہیرا بے حد دلکش ہے۔ اور سونے پر سہاگہ یہ کہ اس کی تراش بھی بے عیب ہے۔ گہرائی ٹھیک ہے اور وزن بھی چھ قیراط ہو گا۔ اس صورت میں میرے خیال میں ——— اس کی قیمت ——— آپ جو چاہیں قرار دے سکتے

ہیں ــــ ۲۰ ــــ ۲۵ ــــ ۳۰ لاکھ پونڈ اس کے لئے ہیچ ہیں"

مسٹر ہرکشن نے جیب سے رومال نکال کر پیشانی سے پسینہ پونچھا ــ تیس لاکھ پونڈ کا ہیرا بغیر رجسٹری پارسل میں اور پھر کچھ معلوم نہیں ــ کہ اس کا بھیجنے والا کون ہے۔

آپ کے خیال میں اس قسم کے ہیرے کس ملک میں پائے جاتے ہیں" آخرکار مسٹر ہرکشن نے دریافت کیا۔

راج گیر نے صورت انکار سے سر ہلایا۔

"اس کے متعلق صحیح طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا" انہوں نے جواباً کہا "مگر ہاں اندازاً کہتا ہوں کہ شاید ملک برازیل کی پیداوار ہو کیونکہ اس رنگت کے بہترین الماس خصوصیت سے وہیں دستیاب ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی واقعہ ہے۔ کہ ہر قسم کے ہیرے ہر حصہ عالم میں پائے جا سکتے ہیں۔ بہت ممکن ہے۔ یہ افریقہ، روس چین۔ امریکہ یا ہمیں ہندوستان میں ہی ملا ہو"

مسٹر ہرکشن خاموش ہو گئے۔ اور بہت دیر تک چپ چاپ کمرہ کے اندر ٹہلا کئے۔ راج گیر خاموش کھڑے مزید استفسار کا انتظار کرتے رہے۔

"اچھا تو اس ہیرے کا صحیح وزن کیجئے"۔ آخرکار مسٹر ہرکشن نے کہا "اور یہ بھی دیکھئے کہ اس کی تراش میں کچھ نقص ہے یا نہیں۔ چونکہ ہیرا غیر معمولی صورت میں میرے پاس پہنچا ہے۔ اس لئے مجھے اس سے دلچسپی ہے۔"

راج گیر چلے گئے اور کوئی گھنٹہ بھر بعد واپس آ کر انہوں نے ہیرے کا ڈبہ مسٹر ہرکشن کی میز پر رکھ دیا۔

"اس کا صحیح وزن سوا چھ قیراط ہے" انہوں نے بتایا "تراش اور گہرائی میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں۔ اور رنگت بے عیب ہے میرے خیال میں اتنا مکمل ہیرا روئے زمین پر اور کہیں نہ ہوگا۔

مسٹر ہرکشن حیران اور سراسیمہ ہو گئے وہ نہیں جانتے تھے۔ کہ اس عجیب معاملہ کی نسبت کیا رائے قائم کریں۔

"اور اس کی قیمت؟" آخرکار انہوں نے پوچھا۔

"اور اس کی قیمت" راج گیر کی زبان سے بے ساختہ اونچا جملہ نکلا اور وہ پھر کسی خیال میں غرق ہو گئے۔ آخر ایک لمحہ سکوت کے بعد انہوں نے کہنا شروع کیا "آپ کو معلوم ہے۔ ہمارا ایجنٹ ہی ہند والیان ریاست اور بڑے بڑے جاگیرداران امرا اور روسا کے نمائندے نایاب جواہرات کی تلاش میں دنیا بھر کی منڈیوں میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اور ہر اس چیز کے لئے جو نایاب ہو یا کوئی خصوصیت رکھتی ہو۔ منہ مانگی قیمت سے زیادہ دینے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر آپ اس کو فروخت کرنا چاہتے ہوں تو پہلے انہیں دکھائیے"

انہوں نے ایک لحظ مسحور نظروں سے اسے دیکھا اور پھر کہا "عام طور پر مشہور ہے۔ کہ تاج برطانیہ میں اس وقت دنیا کے بہترین جواہرات منسلک ہیں۔ لیکن میرے خیال میں اس پائے کا ہیرا اس میں بھی نہیں ہے"

"کیا کوہ نور بھی نہیں؟" مسٹر ہرکشن نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں کوہ نور بھی نہیں۔ بیشک وہ اس سے بڑا ہے۔ لیکن رنگت اور تراش، دونوں باتوں میں وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا ــــ کیا میں پوچھ سکتا ہوں اس کا مالک کون ہے؟"

"میں نہیں جانتا" مسٹر ہرکشن نے عجیب انداز سے کہا "میں نہیں جانتا۔ بہرحال وہ ہماری کمپنی کی ملکیت نہیں ہے شاید پھر ...."

"خیر جانے دیجئے" راج گیر نے خلیقانہ انداز سے قطع کلام کیا اور ان کے داغدار چہرہ پر حیرت کے آثار نمودار ہو گئے "کیا مجھے اجازت ہے؟"

مسٹر ہرکشن نے بے صبری سے سر کے اشارے سے ہاں کہی اور راج گیر رخصت ہو گئے۔

اس پراسرار معاملہ پر مسٹر ہرکشن جس قدر غور کرتے اس کا ہر پہلو زیادہ سے زیادہ پیچیدہ اور پراسرار معلوم ہوتا بالآخر انہوں نے سوچا۔ شہر کے کسی اور مانے ہوئے ماہر فن کو یہ ہیرا دکھا کر اس کی رائے معلوم کریں۔

رائے صاحب لالہ ہری ہر جی کے بہت پرانے اور شہرہ آفاق جوہری تھے۔ اور دریبہ کے باہر چاندنی چوک میں ان کی شاندار دکان تھی۔ مسٹر ہرکشن سے ان کی بے تکلفانہ دوستی تھی۔ چنانچہ مسٹر ہرکشن نے موٹر منگائی اور سیدھے ان کے پاس پہنچے۔

رائے صاحب نے اٹھ کر ان کا خیر مقدم کیا۔ اور مسٹر ہرکشن ان سے ہاتھ ملا کر پاس بیٹھ گئے۔ گو اپنی الجھن میں انہوں نے محسوس نہیں کیا کہ رائے صاحب کی آواز دبے ہوئے جوش کا مظہر تھی۔

"ہری ہر" انہوں نے آخرکار کہا "موروثی کاروبار کے سبب قیمتی جواہرات کی جو پرکھ ہے وہ محتاج بیان نہیں اور اپنے عالمگیر کاروبار کے سلسلے میں جس قدر جواہرات تمہارے ہاتھ سے نکلے ہیں شہر کے کئی درجن جوہریوں کی مشترکہ خرید و فروخت سے وہ کہیں زیادہ ہوں گے۔ میں چاہتا ہوں۔ تم اس ہیرے کو دیکھ کر بتاؤ کہ اس سے پہلے بھی تمہیں کبھی اتنا نایاب ہیرا دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔

یہ کہہ کر انہوں نے سرخ ریشمی مخمل کا ایک چھوٹا سا ڈبہ میز پر

دکھا دیا۔ جس کو ہری ہر نے ایک لمحہ متحیر نظروں سے دیکھا۔ اور پھر اٹھا کر اُسے کھولا۔

لا انتہا نیلاہٹ آمیز سفید کرنیں ہیرے میں سے نکل نکل کر چاروں طرف پھیل گئیں۔

"اوہ" بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا اور ریکس اٹھا کر ہیرے کو دو انگلیوں میں پکڑے وہ کچھ دیر تک اس روشنی میں اُسے دیکھتے رہے۔

مسٹر ہرکشن میز پر جھکے ہوئے ان کا فیصلہ سننے کے لئے بیتاب تھے۔ ہری ہر کو خاموش دیکھ کر آخر کار مضطرب ہوکر انہوں نے کہا۔

"کیوں؟"

"ہرکشن" رائے صاحب نے ہیرے کو آہستہ آہستہ انگلیوں میں گھماتے ہوئے عجیب انداز سے کہا "یہ اگر معجزہ نہیں تو اور کیا ہے کہ بالکل اسی قسم کا اور بعینہ اسی شکل وشباہت کا ایک ہیرا میرے پاس بھی ہے"

یہ کہہ کر انہوں نے جیب سے سرخ ریشمی مخمل کا ایک چھوٹا سا ڈبہ بالکل اسی قسم کا جیسا کہ مسٹر ہرکشن کے پاس تھا۔ ایسے انداز سے نکالا۔ جیسا کہ مداری اپنے خالی ٹوکرے میں سے زندہ کتے کا پلہ نکال کر حاضرین کو محوِ حیرت بنا دیتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ رائے صاحب کے پاس اسی قسم کے ڈبہ کی موجودگی حقیقتاً تھی بھی حیرت انگیز ڈبہ کا ڈھکنا کھول کر انہوں نے احتیاط سے بکس مسٹر ہرکشن کو دے دیا۔ مسٹر ہرکشن نے اسے دیکھا اور حیران رہ گئے۔ بالکل اسی قسم کا ایک اور ہیرا جس میں کا خود ان کے اپنے پاس بھی تھا ان کی نگاہوں کے سامنے موجود تھا۔

"کیوں ہرکشن؟" رائے صاحب نے پھر سکوت توڑتے ہوئے کہا "تمہارے خیال میں کیا ان دونوں میں کوئی فرق ہے۔ یہ ہیرا جو میں نے تمہیں دکھایا ہے۔ آج ہی صبح بذریعہ پارسل ہمارے ہاں آیا ہے ——— ایک ان رجسٹرڈ پارسل یونہی سادے کاغذ میں لپٹا ہوا جس پر نہ بھیجنے والے کا پتہ ہے اور نہ اس کا نام اور نہ کوئی اور نشان"

مسٹر ہرکشن نے آگے جھک کر ہیرے کو نزاکت سے دو انگلیوں میں پکڑا اور اس کو اپنے ہیرے کے پاس رکھ کر غور و احتیاط سے مقابلہ کرنا شروع کیا۔ رنگت وزن جسامت کٹائی شکل وشباہت ہر بات میں دونوں یکساں تھے۔

"ہرکشن یقین مانو اس میں کوئی معجزہ ہے" رائے صاحب نے کہا "ایسے خوشنما ہیرے جیسے یہ ہیں آج تک نظر سے نہیں گزرے اور اس ہیرے کا میرے پاس اس عجیب طریقے سے پہنچنا بھی خالی نہیں تو اور کیا ہے؟

مسٹر ہرکشن سخت متعجب اور گہرے فکر میں مبتلا تھے۔ انہوں نے رائے صاحب کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔

پھر کچھ دیر بعد ایک دفعہ گلا صاف کیا اور بولے۔

"کیا تم اپنے ہیرے کا معائنہ کر چکے ہو"

"اچھی طرح ——— نہایت اچھی طرح" رائے صاحب نے الفاظ کو اہمیت دینے کے لئے ایک ہی جملہ کو دوبارہ ادا کرتے ہوئے کہا "میں نے اس کے معائنہ میں انتہائی غور و فکر سے کام لیا ہے۔ مگر اس کی ناپ ہر ایک کاٹ اور رنگت میں ذرہ برابر بھی نقص نہیں اور تم جانتے ہو میرا امتحان کس قدر سخت ہوتا ہے۔ راج گیر کے علاوہ میرا دعویٰ ہے کہ ہندوستان کا کوئی شخص ہیرے کی پہچان میں میرا مقابلہ نہیں کر سکتا"

"اچھا اس کا وزن کیا ہے"

"سوا چھ قیراط نصف چاول بھر کم نہ رتی بھر زیادہ"

ایک سرد لہر ہرکشن کو ریڑھ کی ہڈی میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی ٹھیک یہی وزن خود ان کے اپنے ہیرے کا تھا۔ بمشکل آواز کی تھراہٹ دباتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"ہری ہر دونوں ہیروں کا وزن بھی ایک ہے"

دیر تک وہ متحیر نظروں سے ایک دوسرے کو تکتے رہے۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے" مسٹر ہرکشن نے کہا "کہ یہ دونوں ہیرے کس کے ہیں اور ان کو ہمارے پاس کیوں بھیجا گیا ہے۔ اور کیا سبب ہے کہ بھیجنے والے نے اپنا نام پتہ اور روانگی کی وجہ تحریر نہیں کی تمہارا ہیرا دیکھنے سے پہلے میرا خیال تھا۔ کہ کسی لاپرواہ اور بے وقوف آدمی نے اس کو کسی زیور میں لگوانے کے لئے بھیجا ہے۔ لیکن خط لکھنا بھول گیا۔ اور چونکہ یہ اپنی نوعیت کی ایک عجیب چیز تھی اس لئے تمہیں دکھانے لایا تھا کہ شاید تم اس کی قیمت کا اندازہ بتا سکو مگر یہ دیکھنے کے بعد کہ بالکل اسی قسم کا ایک اور ہیرا بعینہ اسی پراسرار حالت میں تمہارے پاس بھی آیا ہے"............. حالت یاس میں مسٹر ہرکشن فقرہ کو ناتمام چھوڑ کر خاموش رہ گئے اور پھر ایک لمحہ بعد انہوں نے کہا "ہری ہر آخر اس کارروائی کا مطلب کیا ہے؟"

"میں خود متعجب ہوں" رائے صاحب بولے "ہیرے آخر کنکر نہیں کہ کسی کو راہ میں پڑے ہوئے مل جائیں۔ اور پھر ہندوستان میں جن لوگوں کے پاس بیش بہا ہیرے ہیں ان تمام لوگوں کو میں اچھی طرح جانتا ہوں اور وہ تمام ہیرے کسی نہ کسی موقعہ پر میرے ہاتھ سے ضرور گزرے ہیں۔ لیکن یہ دونوں ہیرے اس سے پہلے دیکھنے تو کجا کبھی ان کا ذکر بھی نہیں سنا"

(باقی آئندہ)



همسر دلربا و زیبای جان عوزتری جمکو دو تصویر قرینی اول اعلام ملا









۱۹۳۹ کی یورپین حسین عورتیں
جنکو خوبصورتی میں اول انعام ملا





فہرست مضامین

افسانہ نمبر

قیمت سالانہ
ہندوستان عدن سیلون سے ایک روپیہ صوبہ برما سے سالانہ ایک روپیہ چار آنہ

قیمت سالانہ
افریقہ وغیرہ غیر ممالک سے چار شلنگ بذریعہ پوسٹل آرڈر

جلد ۹ — بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۳۹ء — نمبر ۶

(محمد عبد اللہ فاروقی پرنٹر و پبلیشر نے محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر محشر خیال ارمعہ بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا)

سوزاک کو فنا کرنے کا تجربہ

ایک امریکن پروفیسر جو مدت سے سوزاک کو فنا کرنے کا تجربہ کر رہا تھا۔ آٹھ سال میں کامیاب ہوگیا اس نے ایک ایسا مرکب تیار کر لیا جس کی ایک خوراک سے سوزاک کا تڑپتا ہوا مریض راحت محسوس کرتا ہے۔ یہ اس پروفیسر کی شاندار کامیابی ہے جس نے ایک ایسے سخت مرض کو جس کی وجہ سے مریض کی جان پر بن جاتی ہو۔ جڑ سے کھو دینے کی ترکیب معلوم کر لی۔ سوزاک کے شدید مرض کو کھو دینے کی بے مثل دوا کا نام "بامون" ہے۔ جس کی ایک شیشی میں بیس خوراک دوا ہوتی ہے اور اس پوری شیشی سے مریض کو مکمل آرام ہو جاتا ہے۔ ایک شیشی کی قیمت دو روپے دس آنے ہے۔ محصولڈاک کا خرچ آٹھ آنے علیحدہ ہے۔

یہ دوا اکسیری دواخانہ کلاں محل ۵ دہلی سے طلب فرمائیے

ایک گولی کا جادو

جن حضرات کو امساک کی ایسی دوا کی تلاش ہو جس میں مضر صحت اور نشیلے اجزا نہ ہوں تو وہ طبی دنیا کی ایسی حیرت انگیز اور نئی ایجاد خوش شوقی رجسٹرڈ کا تجربہ کریں۔ جس کی ایک گولی سے امساک کی قوت اس وقت تک باقی رہتی ہے۔ جب تک نمک نہ کھا لیا جائے۔ اس دوا کو امساک کا جادو۔ خوش رہنے اور خوش کرنے کا طلسم راجگان ہند اور رؤسا نے کہا ہے۔

یہ نوٹ کر لیجئے کہ امساک کی بے ضرر دوا آپ کو "خوش شوقی" کے سوا اور کوئی نہ ملے گی۔ قیمت فی درجن ایک شیشی دو روپے۔ ڈاک خرچ آٹھ آنے علاوہ

ایک قطرہ کا کرشمہ

امریکن ڈاکٹر رابنسن کی حیرت انگیز ایجاد رجو نیٹنگ آئیل اس حیرت انگیز دوا کا کمال یہ ہے کہ صرف ایک قطرہ لگایا جاتا ہے۔ کیسا ہی سست آدمی ہو اور اس کو شرمندگی اٹھانی پڑتی ہو بیتاب ہو نے ہی۔ بوڑھے اور جوان دونوں پر یکساں اثر کرتا ہے۔

نہ پان باندھنے کی ضرورت اور نہ کپڑا پیٹنے کی حاجت۔ ایک قطرہ میں طاقت اور لذت کا خزانہ پوشیدہ ہے۔

قیمت فی شیشی دو روپے سات آنے (عہ/۲)

ڈاک خرچ آٹھ آنے علاوہ

عورت کی لذت

حاصل کرنے کے لئے آج تک کوئی دوا ایجاد نہیں ہوئی۔ اس فن کے ماہر یہ کہتے ہیں کہ لذت حاصل کرنے کے لئے دنیا میں صرف ایک دوا ہے۔ جس کو کہ کہنہ مشق ماہر صنفیات نے خاص طور پر بادشاہ کے لئے تیار کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عورت کو کس دوا سے خوش کیا جاسکتا ہے اور کیونکر وہ بہت جلد منزل ہو سکتی ہے۔ بوقت خاص ذرا سی لگائی جاتی ہے۔ اور پس فریق ثانی بے چین ہو جاتا ہے۔ "لذتین" ایک شیشی میں سو دفعہ استعمال کی دوا ہوتی ہے قیمت فی شیشی عہ/ محصولڈاک ۸/ علاوہ

تمام دوائیں۔ اکسیری دواخانہ کلاں محل نمبر ۵ دہلی سے طلب کیجئے

امریکن ریوالور

ایک پائی کارتوس ۔۔۔ اور بہت تیز صورت خوفناک

آپ اپنی جیب میں رکھئے۔ جس وقت دشمن نظر آئے اک دم بلند دھماکہ ہوگا تو خوف سے بھاگ نظر آئے گا۔ کارتوس بھیجتے جاتے ہیں۔ جب کارتوس ختم ہو جائیں تو پھر بھرے جاتے ہیں۔ ہر شخص کے کام کی چیز ہے اس پستول کی خریداری کیجئے۔ [illegible] ہاتھوں ہاتھ نکل گئے تو آپ کو۔ [illegible] قیمت فی پستول چار روپے آٹھ آنے۔ کارتوس علیحدہ ایک روپیہ سیکڑہ۔ ڈاک خرچ بارہ آنے علاوہ [illegible]

پتہ:۔ برادرس بندوق فولاد خاں امرت سر

خیالات

(ادارہ)

فلسطین کے مسئلہ کا حل

لندن میں فلسطین کی گول میز کانفرنس کی ناکامی کے بعد حکومت برطانیہ نے اعلان کیا تھا کہ وہ خود اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے تجاویز پیش کرے گی۔ چنانچہ اب وہ تجاویز ایک قرطاس ابیض کی صورت میں پیش کردی گئی ہیں۔ ان تجاویز کی رو سے فلسطین کو دس سال کے بعد مکمل آزادی جائیگی اور انتداب ختم کردیا جائے گا۔ آزادی کے بعد برطانیہ اور فلسطین میں ایک معاہدہ مرتب ہوگا جس کی رو سے فلسطین میں اہم فوجی اور سیاسی مقامات پر حکومت برطانیہ کا کچھ نہ کچھ اقتدار باقی رہے گا۔ اب سے پانچ سال کی مدت تک ... نے فلسطین میں ہجرت کرسکتے ہیں۔ آیندہ پانچ سال میں فلسطین میں آنے والے یہودیوں کی تعداد پچھتر ہزار مقرر کی گئی ہے۔ اس تعداد کے پورے ہونے کے بعد ان کی ہجرت روک دی جائے گی مکمل آزادی ملنے سے پیشتر (یعنی دس سال کی مدت میں) کوشش کی جائیگی کہ فلسطینی باشندوں کو ملکی حکومت میں زیادہ سے زائد دخل حاصل ہو۔

قرطاس ابیض شائع ہونے کے بعد فوراً ہی فلسطین کے یہودیوں نے اپنے غیظ وغضب کا اظہار کیا۔ بہت سے مقامات پر تشدد آمیز مظاہرے ہوئے اور چند سرکاری دفاتر کو آگ لگادی گئی۔ دنیا بھر کے یہودی بھی ان تجاویز کو نامنظور کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان تجاویز کی رو سے یہودیوں کے قومی وطن کی اسکیم خاک میں مل جاتی ہے۔

عربوں نے بھی ان تجاویز کو منظور کرنے سے انکار کردیا ہے مصر عراق اور سعودی عربستان نے سرکاری طور پر حکومت برطانیہ کو مطلع کردیا ہے۔ کہ وہ ان تجاویز کو منظور نہیں کرسکتے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے دس سال کی مدت بہت زیادہ ہے۔ نہ معلوم دس سال کے اندر کیا صورت حال پیدا ہوجائے۔ اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ برطانیہ دس سال کے بعد اپنے وعدہ پر قائم رہے۔ ہمارا خیال ہے کہ قرطاس ابیض کی صورت میں عربوں کے لئے قابل قبول نہیں ہوسکتا یہ تجاویز فلسطین کے عربوں کے لئے سراسر نامنصفانہ ہیں۔ عرب صرف ایک تجویز کو منظور کرسکتے ہیں فلسطین کو فوراً مکمل آزادی دی جائے۔ اور یہودیوں کی مزید ہجرت بند کردی جائے۔

برطانیہ اور روس کا معاہدہ

جرمنی اور اٹلی کے بڑھتے ہوئے ارادوں کو روکنے کے لئے حکومت برطانیہ نے جو معاہدوں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس کی ایک اہم کڑی روس اور برطانیہ کے درمیان سیاسی اور فوجی معاہدہ ہے۔ اگرچہ یہ معاہدہ باقاعدہ طور پر ابھی عالم وجود میں نہیں آیا۔ لیکن واقعات کچھ اس تیزی کے ساتھ بڑھ رہے ہیں کہ برطانیہ کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ جلد سے جلد اس سے اس قسم کا معاہدہ کرے۔ اب امید پیدا ہوگئی ہے کہ روس اور برطانیہ کے معاہدہ پر فوراً دستخط ہوجائیں گے۔ اس سلسلہ میں تمام اصول تسلیم کرلئے گئے ہیں۔ صرف چھوٹی چھوٹی باتوں پر فیصلہ ہونا باقی ہے۔

روس اور برطانیہ کے معاہدہ کی تکمیل ہوجانے سے جرمنی اور اٹلی پر زبردست اثر پڑے گا۔ اس لئے کہ آیندہ جنگ میں روس کی فوجی طاقت اس کے حلیفوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوسکتی ہے۔ اس معاہدہ کے بعد جرمنی آسانی کے ساتھ ڈینزگ پر حملہ نہیں کرسکتا۔ علاوہ ازیں بلقانی ریاستوں کو جو جرمنی سے خائف ہورہی ہیں اس معاہدہ سے بہت تقویت حاصل ہوجائے گی۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ روس اور برطانیہ کے معاہدہ میں ترکی کو بہت دخل ہے۔ برطانیہ اور ترکی کے معاہدہ کے بعد ترکی برطانیہ پر زور دے رہا تھا کہ روس سے (جو ترکی کا زبردست حلیف ہے) فوراً معاہدہ کرلیا جائے۔

کیا جنگ ہوگی؟

کیا جنگ ہوگی؟ یہ سوال آسان بھی اور مشکل بھی۔ اگرچہ گزشتہ دنوں دنیا میں اس قسم کے حالات پیدا ہوگئے تھے جو یقینی طور پر جنگ کی طرف اشارہ کررہے تھے۔ لیکن اب بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جنگ ابھی نہیں ہوگی۔ برطانیہ نے فوجی بھرتی کا اعلان کردیا ہے اور اس کو قانونی شکل بھی حاصل ہوگئی ہے۔ برطانیہ اور ترکی میں ایک سیاسی اور فوجی

معاہدہ ہوگیا ہے۔

برطانیہ اور روس میں عنقریب اس قسم کا معاہدہ ہونے والا ہے۔

ان تمام باتوں کا اٹلی اور جرمنی پر زبردست اثر پڑا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمارا خیال ہے۔ کہ اٹلی اور جرمنی جنگ سے باز آئیں گے۔ دونوں ملکوں کی اقتصادی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی ہے۔ اسلحہ پر اربوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ لیکن لوگوں کو کھانے کو نہیں ملتا غذا کی کمی ہے۔ اور یہ صورت حال دیر تک جاری نہیں رہ سکتی۔ لوگ ایک نہ ایک دن اقتصادی بدحالی کی وجہ سے ہٹلر اور مسولینی کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے اس وقت ہٹلر اور مسولینی کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا کہ لوگوں کی توجہ اندرون معاملات سے ہٹا کر غیر ملکی حالات کی طرف مرکوز کر دے۔ اس وقت جنگ ناگزیر ہو جائے گی۔

یہ صورت کب پیدا ہوگی۔ اس کے متعلق کوئی صحیح تاریخ مقرر نہیں کی جا سکتی، لیکن یہ ضرور ہے کہ بہت جلد جرمنی اور اٹلی کے داخلی حالات خراب ہو جائیں گے۔

راجکوٹ میں گاندھی جی کو شکست

ہندوستان کی ریاستی جدوجہد کی تاریخ میں راجکوٹ کا نام بہت جلی حرفوں میں لکھا جائے گا۔ اس لئے کہ اس ریاست کے ہنگامہ نے جس صورت سے رنگ بدلے ہیں وہ بہت زیادہ دلچسپ ہیں۔ ایک چھوٹی سی ریاست جس کو آج سے چند سال پہلے بہت کم لوگ جانتے تھے اس طرح روشنی میں آئی کہ تمام ملک کی توجہات اس کی طرف مرکوز ہوگئیں۔ راجکوٹ کا مسئلہ تمام ہندوستان کا مسئلہ ہوگیا۔ بلکہ اس سے زیادہ۔ اس چھوٹی سی ریاست کے تمام جھگڑے کی تاریخ سب کو معلوم ہے۔ اس کے اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں۔ لیکن اس تمام جھگڑے کا جو نتیجہ ہوا اس پر ہم تبصرہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ گاندھی جی نے جو راجکوٹ کی جدوجہد کے رہنمائے اعظم تھے ایک بیان دیا جس کی رو سے انہوں نے وہ تمام فوائد مسترد کر دئے جو بڑی کوششوں سے چیف جسٹس کے فیصلہ سے حاصل ہوئے تھے۔ لوگ متعجب ہیں کہ آخر یہ کیا راز ہے۔ اتنا بڑا مدبر اور اس نے اپنی فتح کو اپنے ہاتھوں شکست میں تبدیل کر لیا۔ گاندھی جی نے اپنے تمام کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ ایک چھوٹی سی ریاست کے فرمانروا کے [illegible] گئے۔ یہ ایک راز ہے جس کا انکشاف ہم پر اب تک نہیں ہو سکا

فارورڈ بلاک کا قیام

۲۹ اپریل کو کلکتہ میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ اس میں مسٹر سوبھاش چندر بوس نے کانگریس کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ جواہر لال جی نے کوشش کی کہ سوبھاش بابو استعفیٰ واپس لے لیں۔ لیکن جواہر لال اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ سوبھاش بابو کی جگہ کانگریس کے سابق صدر راجندر بابو منتخب کر لئے گئے۔ استعفیٰ کے بعد سوبھاش بابو اور ان کے ساتھیوں نے کانگریس کے اندر ایک جماعت فارورڈ بلاک کے نام سے بنائی۔ اس کا پروگرام باقاعدہ طور پر شائع نہیں ہوا۔ لیکن سوبھاش بابو کی تقریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بلاک کا مقصد کانگریس کے پروگرام کو تیزی کے ساتھ آگے بڑھانا اور کانگریس کی موجودہ آئین پسندی کو ختم کر کے انقلاب کے جراثیم پیدا کرنا ہے۔ گاندھی جی کی جماعت کے لوگوں نے اس نئے بلاک کی مخالفت کی ہے۔ یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے۔ قدامت پسند کب چاہتے ہیں کہ انقلاب پسند طبقہ آگے بڑھے۔ لیکن سیاسی جماعتوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر جماعت میں انقلاب پسند طبقہ قدامت پسند طبقہ کو نکال دیا کرتا ہے۔ خود ۱۹۱۹ء میں اعتدال پسندوں کو گاندھی جی کے مقابلہ میں نکلنا پڑا۔

ریویو

شربت روح افزا — اس سال کی طرح اس مرتبہ بھی ہمدرد دواخانہ دہلی نے دفتر محشر خیال میں اپنے مشہور شربت روح افزا کی ایک بوتل ریویو کیلئے بھیجی ہے اگرچہ سلسلہ ریویو بھی تمام سا ہو گیا ہے تاہم ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ شربت روح افزا واقعی اس قابل ہے کہ اس کی تعریف کی جائے۔ گرمی کے موسم میں اس کا ایک گلاس واقعی روح افزا ثابت ہوتا ہے اور یہ ہمارا کافی پرانا تجربہ ہے۔ ایک بوتل کی قیمت ایک روپیہ چار آنہ ہے۔ منگانے کا پتہ:۔ ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی

ریاستی دُنیا

گوالیار

گوالیار میں ہر لحاظ کے چند حالات اس درجہ شرمناک پیش آئے ہیں اُن پر پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کا خاموش رہنا انتہائی افسوسناک ہے۔

اخبارات نے مہاراجہ گوالیار پر حسب ذیل الزامات لگائے ہیں

(۱) بمبئی کے ایک سینما میں ایک پارسی دوشیزہ پر مجرمانہ دست اندازی۔

(۲) نسیم اور سردار اختر وغیرہ ایکٹریس کو ہزار ہا روپیہ کے تحائف اور عشق بازی کی پینگیں۔

(۳) گوالیار کے گرلز کالج کی لڑکیوں کو ناجائز طریقہ سے بلانا۔

(۴) مسلمانوں کو اُن تمام حقوق سے محروم کرنا جو سابق مہاراجہ اور سینیر مہارانی کے عہد میں حاصل تھے۔

(۵) کروڑہا روپے کی فضول خرچی اور عیاشی۔

ہم ان پانچوں الزاموں میں سے کسی ایک کی بھی ذمہ داری لینے کے لئے تیار نہیں لیکن پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اس نے ان الزامات کی تحقیقات کی یا نہیں۔ اگر یہ الزامات سچے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مہاراجہ بہادر کی مزاج پرسی نہ کی جائے۔ اور ان کو یورپ کا ٹکٹ دلا کر اُن کے مظالم سے اور اُن کی فضول خرچیوں سے غریب رعایا کو نجات دلائی جائے۔ اور اگر یہ الزامات غلط ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان اخبارات کے خلاف مقدمات قائم نہ کئے جائیں جنہوں نے یہ الزامات مہاراجہ گوالیار پر لگائے ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ نہ مہاراجہ گوالیار اسے پسند کریں گے کہ اُن کے خلاف ان الزامات کی تحقیقات کی جائے اور نہ حکومت ہند اس کے لئے تیار ہوگی کیونکہ وہ مذکورہ الزامات کی حقیقت سے خوب واقف ہے۔ لہذا کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ مہاراجہ کو غلط مشیروں کے ہاتھوں سے بچا کر اُن کے اختیارات کم نہ کئے جائیں اور ذمہ دار حاکمیت کی طرف پہلا قدم اٹھا کر نمائندہ اسمبلی کو وہ تمام اختیارات دیے جائیں جو پبلک مطالبات کو پورا کرتے ہوں۔

ریاستوں کے باشندے اپنی ریاستوں کے حالات لکھیں۔ مدیر

حیدرآباد دکن

جب سے مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر کا اعلان آریہ سماج کے مفسدانہ پروپیگنڈہ کی تردید میں شائع ہوا ہے۔ اور اس کی تائید حیدرآباد کے تعلیم یافتہ ہندوؤں نے جلسے اور اعلان شائع کرکے کی ہے۔ اس وقت سے مہاسبھا کی فرقہ وارانہ دوکان کے پھیکے پکوان سے دنیا واقف ہوگئی ہے اور آریہ سماجی ایجی ٹیشن پر ایسی کاری ضرب لگی ہے کہ جس سے اس کا پنپنا مشکل ہوگیا ہے۔

نہ معلوم نہیں سری شنکر آچاریہ جگت گرو نے حیدرآباد میں ان تمام الزامات کی تحقیقات کی جو نظام گورنمنٹ کے خلاف آریہ سماجی حلقوں نے لگائے ہیں اگر یہ مکمل رپورٹ تو ہمارے سامنے جگت گرو شنکر مہاراج کی نہیں ہے مگر تاہم جو کچھ بھی اس وقت تک اطلاعات حاصل ہوئی ہیں اُن سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جو الزامات مہاسبھا نے لگائے ہیں وہ نوے فی صدی جھوٹے اور دس فی صدی غلط فہمی پھیلانے والے ہیں۔

اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ جو قیدی حیدرآباد کی جیلوں میں جاتے ہیں وہ ان الزامات کے خلاف پلٹتے ہیں تو اُن میں سے پچاس فی صدی معافیاں مانگ کر اور آریہ سماج کی پول کھول کر جیل خانوں سے باہر آجاتے ہیں۔ ہمیں تعجب ہے کہ کانگریس نے اس نہایت فرقہ وارانہ تحریک کے خلاف یک طرفہ ڈگری کیونکر دیدی جب کہ اس نے نہ خود ان الزامات کی تحقیقات کی۔ اور نہ اس تحریک کو اس نے شروع کیا۔ ایسی حالت میں ہمارے خیال میں مسز سروجنی نائیڈو مولانا ابوالکلام آزاد۔ پنڈت جواہر لال نہرو کا ایک ڈیپوٹیشن حیدرآباد جا کر اگر ان الزامات کی تحقیقات کرے تو یہ ملک کی کانگریس کی ہندو مسلم اتحاد کی ایک بہت بڑی خدمت ہوگی جس کی وجہ سے ہندو مسلمانوں کے تعلقات غیر خوشگوار ہوگئے ہیں۔ ورنہ ہم یہ خیال کریں گے کہ اس میں بھی کانگریس کی بھی سازش ہے۔

نیز ایسی حالت میں جب کہ نظام گورنمنٹ خود اصلاحات کا مسودہ مرتب کر رہی ہے۔ اس بے معنی شورش اور جھوٹے الزامات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس لئے کانگریس کو جب تک وہ خود تحقیقات نہ کرے انفرادی یا اجتماعی اشارتاً یا کنایتاً کسی طریقہ سے اس مفسدانہ تحریک کی ہمت افزائی نہیں کرنی چاہیے جو ملک کے امن اور ہندو مسلمانوں کے تعلقات کو ایک عرصے سے خراب کر رہی ہے۔

اگر آپ کاروباری انسان ہیں

یا آپ کوئی کاروبار کر چکے ہیں

یا کاروباری اشخاص سے آپ کے ذاتی تعلقات ہیں

تو آپ میری ان پریشانیوں کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں جو رسالہ محشر خیال کو جاری کر کے صرف علمی و ادبی خدمت کے سلسلے میں میں نے اپنے سر لے رکھی ہیں اور جنہوں نے میری زندگی کو انتہادرجہ کا تلخ کر دیا ہے اور

اگر آپ کاروباری انسان نہیں ہیں

یا آپ نے اپنی زندگی میں کوئی کاروبار نہیں کیا ہے

یا کاروباری حلقہ سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے

تو میرا فرض ہے کہ میں آپ کو آج اپنی ان پریشانیوں کو بتلادوں جو آپ کے رسالہ محشر خیال کے سلسلہ میں جو محض آپ کی تفریح طبع اور علمی و ادبی خدمت کے لئے جاری کیا گیا ہے۔ میں برداشت کر رہا ہوں۔

محشر خیال چار سال سے جاری ہے

پہلا سال چونکہ کاروباری نقطۂ نظر سے ابتدائی اور سرمایہ لگانے کا سال تھا۔ اس لئے میں نے اپنی محنت کی کمائی کا کافی روپیہ اس پر صرف کیا اور محشر خیال کو ان رسائل کی صف میں کھڑا کر دیا جو حقیقی طور پر علم و ادب کی خدمت کر رہے ہیں اور جن کی علمی و ادبی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے خیال یہ تھا کہ محشر خیال کی یک سالہ گرانقدر خدمات ملک سے خراج تحسین وصول کریں گی اور ملک اس کی خدمات کی قدر کر کے اس کی خریداری اور مالی اعانت میں پوری فراخدلی سے کام لے گا۔ لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا علم و ادب کے شیدائیوں نے توجہ ضرور کی اور اشاعت سینکڑوں سے متجاوز ہو کر ہزاروں تک پہنچ گئی۔ لیکن ہزار دو ہزار کی اشاعت ایک ایسے رسالہ کو کیوں کر زندہ رکھ سکتی تھی جس کی لاگت کسی حالت میں تین روپے سالانہ یا چار آنہ فی پرچہ سے کم نہ تھی۔ بایں ہمہ میں نے دامن صبر و قرار کو نہیں چھوڑا اور ہمت نہیں ہاری دوسرے سال ہی رسالہ کو بہتر سے بہتر بنانے میں اپنی خون پسینہ کی کمائی خرچ کی اور خوب خرچ کی۔ دوسرے سال کی مالی حالت اگرچہ حسب اندازہ نہ تھی لیکن مایوس کن بھی نہ تھی اس لئے امید و بیم کے درمیان میں برابر محنت اور دولت سے کام لیتا رہا نتیجہ سال کی ابتدائی سہ ماہی حوصلہ افزا ثابت ہوئی اور محشر خیال پانچ ہزار کی تعداد میں شائع ہونے لگا۔

رفتار اشاعت نے فریب میں مبتلا کر دیا

محشر خیال کی رفتار اشاعت نے میری ہمتوں کو بلند کر دیا۔ اور میں نے کاروباری نقطۂ نظر سے یہ رائے قائم کر لی کہ اگر اشاعت کی رفتار اسی تیزی سے جاری رہی تو ایک سال کے اندر یقیناً محشر خیال دس پندرہ ہزار کی تعداد میں چھپنے لگے گا اور اس وقت رسالہ سے نہیں تو نزدیکی کتب کے منافع سے رسالہ کے مصارف آسانی سے پورے ہو جایا کریں گے یہ صورت دیکھ کر میں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور اشاعت بڑھانے کے خیال سے محشر خیال کے ضخیم نمبر نکالنا شروع کئے جن پر کافی زر نقد اپنی محنت کی کمائی کا اس پر صرف کیا۔ میری یہ کوشش خراج تحسین و آفرین وصول کرنے میں یقیناً کامیاب رہی لیکن رسالہ کی اشاعت کو پندرہ ہزار تو کجا دس ہزار تک بھی نہ پہنچا سکی۔

آخر میری ہمت ٹوٹ گئی

اور میرے عزائم جکنا چور ہو گئے۔ چوتھے سال کا جو پروگرام میں نے بنایا تھا۔ اس کو ملتوی کرنا پڑا اس لئے کہ جو گرانقدر رقم میں نے ملازمت اور دوسرے کاروباری سلسلہ میں برسوں کی محنت کے بعد جمع کی تھی اس

کا آخری پیسہ تک خرچ ہو چکا تھا۔ اور میں تہیدست و مفلس تھا۔ افلاس کی حالت میں نہ تو دماغ کام دیتا ہے اور نہ کاروبار اچھی طرح ہوتا ہے میں نے خریداران و سرپرستانِ محشر خیال سے متعدد اپیلیں کیں اور بار بار اپنی مالی کمزوریوں کا رونا رو دیا۔ لیکن چند بزرگوں کے سوا کسی نے خاص طور پر توجہ نہ کی انہیں چند بزرگوں کی اعانت و مساعدت نے پھر میرے حوصلوں میں قوت پیدا کی اور میں محشر خیال کو پھر ایک مرتبہ بلند سطح پر لیجانے کی کوششوں میں مشغول ہوگیا۔ اور گزشتہ فروری و مارچ کا مشترکہ نمبر

سالنامہ ۱۹۳۹ء

کی صورت میں نکالا جس نے ملک کے اندر کافی شہرت حاصل کی اور خریدارانِ محشر خیال نے میری محنتوں اور کوششوں کی معقول الفاظ میں داد دی لیکن جو درخواست میں نے بہم رسانی خریداران اور توسیع اشاعت کے سلسلہ میں پیش کی تھی اس پر زیادہ توجہ نہیں کی گئی اور اشاعت اس رفتار سے آگے نہ بڑھی جس کی توقع تھی اس مایوس کن حالت نے اگرچہ دل و دماغ میں یہ خیالات پیدا کئے کہ آئندہ نمبروں کا سلسلہ منقطع کر دیا جائے کہ ان پر کافی رقم خرچ ہوتی ہے اور خریداری و کتب فروشی کی آمدنی بھی اس کی کفالت نہیں کر سکتی لیکن بدقسمتی سے سالنامہ میں "افسانہ نمبر" کا اعلان کیا جا چکا تھا اور اعلان کی خلاف ورزی مناسب نہ تھی اس لئے جس طرح ممکن ہوا دوست احباب سے قرض لے کر

شاندار افسانہ نمبر

نکالا گیا اور اس پر کافی رقم خرچ کی گئی۔ میں نے محشر خیال کے اجراء سے آج تک کبھی آپ سے شکایت نہیں کی اور نہ تفصیل سے کبھی اپنی مالی کمزوریوں کا رونا رویا اس لئے کہ میں آپ کے جذبات کو ابھار کر آپ سے ناجائز فائدہ اٹھانا پسند نہیں کرتا تھا اور نہ آئندہ اس روش کو پسندیدہ سمجھوں گا لیکن اب جب کہ پانی سر سے اونچا ہوگیا ہے۔ اور محشر خیال کی حیات و ممات کا مسئلہ پیش ہے۔ میں نے اپنی حالت سے آپ کو واقعہ کے طور پر آگاہ کر دینا ضروری خیال کیا تاکہ آپ کو خدانخواستہ محشر خیال کو کسی قسم کا ضرر پہنچ جانے پر افسوس نہ ہو اور آپ شکایت نہ کریں۔ میں نے کئی بار مختصر الفاظ میں آپ کو توجہ دلائی کہ آپ محشر خیال کے حلقۂ اشاعت کو بڑھایئے اور ایک ایک دو دو خریدار دیکر محشر خیال کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دیجئے اور ساتھ ہی خریداری کتب سے اس قرضہ کو ادا کرانے کی کوشش فرمایئے۔ جو محشر خیال کی بدولت دیو کی طرح مجھ پر مسلط ہے اور جس نے میری زندگی کو تلخ کر دیا ہے لیکن خدا جانے کیا بات ہے کہ میری یہ درخواست قابل پذیرائی نہیں سمجھی جاتی محشر خیال یقیناً آپ کو پسند ہے۔ لیکن میری درخواست یا تو پسندیدہ نہیں سمجھی جاتی یا اثر سے خالی ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں آپ ہی بتائیے کہ میں آپ کو محشر خیال کی اعانت پر متوجہ کرنے کا کونسا طریقہ اختیار کروں اگر آپ محشر خیال میں کسی خاص عنوان کے ماتحت مضامین کے خواستگار ہیں یا رسالہ میں کسی خاص پسندیدہ روش کے طالب ہیں تو آپ مجھکو مطلع فرمایئے کہ میں اس کا انتظام کروں اور اس کے بعد آپ رسالہ کی اعانت پر برضا و رغبت توجہ فرما سکیں۔

محشر خیال میرا ذریعہ معاش نہیں ہے

اس موقع پر مجھے یہ بھی بتا دینا چاہئے کہ محشر خیال میرا ذریعہ معاش نہیں ہے میرا ذریعہ معاش ایک دوسرا کاروباری سلسلہ ہے جس کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ محشر خیال ہر ماہ کھا جاتا ہے اور میں انتہائی جزورسی کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔

محشر خیال کی آمدنی محشر خیال پر صرف کی جاتی ہے

اس وقت تک میں نے محشر خیال کی آمدنی میں سے ایک پیسہ بھی اپنی ذات یا اپنے اہل و عیال پر خرچ نہیں کیا ہے۔ ایک معقول رقم جو میں نے اندوختہ کی تھی سب کی سب محشر خیال پر خرچ کر چکا ہوں اور اب بھی اپنی ذاتی آمدنی میں سے برابر اس پر خرچ کر رہا ہوں۔ اگر آپ نے تھوڑی سی تکلیف گوارا کی۔ ایثار سے کام لیا اور حلقۂ اشاعت کو بڑھا کر محشر خیال کو اس قابل کر دیا کہ وہ اپنی اور فروختگی کتب کی آمدنی سے اپنے مصارف کو پورا کرے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ قرضہ ادا کر دینے کے بعد میں آئندہ بھی محشر خیال کی آمدنی سے فائدہ نہ اٹھاؤں گا۔ اور جس قدر روپیہ آئے گا سب کا سب محشر خیال کو بہتر سے بہتر بنانے پر خرچ کرتا رہوں گا۔

مئی کا پرچہ افسانہ نمبر کی شکل میں پانے کے بعد

اگر آپ نے میری اس طویل عرضداشت پر توجہ کی اور کم از کم دو دو خریدار فراہم کر دئے تو میں آپ کے کانوں تک یہ خوشخبری پہنچاؤں گا کہ

دو ماہ بعد محشر خیال کا ترکی نمبر نکالا جائے گا

جو اردو زبان میں "ترکانِ آلِ عثمان" کی ایک ایسی مستند تاریخ ہوگی جس سے بہتر و جامع کتاب اردو میں آج تک نہ لکھی گئی ہوگی اس کے لئے براہ راست ترکی سے مواد حاصل کیا جائے گا اور اس میں ابتداء

ــے اس وقت تک کے حالات تفصیل سے لکھے جائیں گے خصوصاً تا ترک غازی کمال پاشا کے حالات اور ان کی تحریک و اصلاحات کی جامع تاریخ۔ اس کام پر کافی روپیہ خرچ ہوگا مواد فراہم کرنے اور تاریخ کے مستند اہل قلم کی خدمات حاصل کرنے میں آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کس قدر روپیہ صرف آئے گا اگر آپ ترکی تہذیب کے مطالعہ کا شوق رکھتے ہیں اور ترکان آل عثمان خصوصاً اتاترک غازی کمال پاشا مرحوم کے حالات پڑھنا چاہتے ہیں تو

محشر خیال کی اعانت کا کام

شروع کر دیجئے۔ خریدار پیدا کر کے ان کا زر چندہ منی آرڈر سے بھجوایئے اور خود بھی محشر خیال وغیرہ کی مطبوعات خرید کیجئے اور دوست احباب میں تحریک کر کے ان کے آرڈر بھجوایئے۔

خاص رعایت

ا۔ نئے خریداروں کو اگر وہ فروری ۱۹۳۹ء سے خریداری شروع کرینگے تو سالنامہ اور افسانہ نمبر بھی خریداری میں دیئے جائیں گے۔ اپریل کا پرچہ بھی دیا جائے گا۔

۲۔ اگر خریداری افسانہ نمبر سے شروع کی جائے گی تو مئی سے حساب شروع ہوگا۔ کیونکہ افسانہ نمبر ماہ مئی کا پرچہ ہے۔

۳۔ پانچ روپے کی کتابوں کی خریداری پر ایک سال کے لئے محشر خیال مفت جاری کیا جائے گا۔ اور جو اصحاب پہلے سے خریدار ہوں گے ان کی میعاد خریداری بڑھا دی جائے گی۔

۴۔ پانچ خریدار فراہم کر کے دیئے جائیں گے تو ایک روپیہ کی کتابیں مفت نذر کی جائیں گی۔

۵۔ دو خریدار دیجئے اور دو روپے کی کتابیں خریدنے پر کتاب چاند سورج کی چوری مفت دی جائے گی صرف محصول ڈاک وغیرہ آپ کے ذمہ ہوگا جس کا خرچ صرف پانچ آنے ہوگا۔

خادم۔ **محمد عبدالحق فاروقی مالک رسالہ محشر خیال دہلی**

ہر شخص کو انعام ملے گا

پہلا انعام	دوسرا انعام
دس روپیہ کی کتابیں	رسالہ محشر خیال ایک سال کے لئے
تیسرا انعام	**چوتھا انعام**
کتاب کس باو چھپا نہ قیمتی بارہ آنے	ہر شخص کو کتاب بیدہ تجربے قیمتی ۸ مفت

یوں تو آپ نے بہت سے معمے حل کئے ہوں گے اور ان پر انعام بھی حاصل کیا ہوگا لیکن آج ہمارے اس معمہ کو بھی حل فرمایئے۔ صرف پبلک کی اور اپنی دلچسپی کے لئے ہم نے یہ معمہ جاری کیا ہے۔ ہمارا معمہ حق کمال ہے کہ ہم ہر شخص کو انعام دیتے ہیں خواہ اس کا معمہ غلط ہی کیوں نہ ہو فرض کیجئے کہ ہمارے معمہ میں ایک ہزار آدمی شریک ہوئے تو تین انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیکر باقی تمام معمہ میں شریک ہونے والوں کو ایک کتاب ہر شخص کو تجربے قیمتی آٹھ آنے مفت بھیجی جاویگی دماغ پر زور ڈالئے یہ بہترین علمی مشغلہ ہے اور حل کرنے کے بعد پانچ آنے کے ٹکٹ اور حل ہمکو بھیج دیجئے کیا عجب ہے کہ آپکے ہی نام پہلا انعام نکل آئے۔ اگر خدانخواستہ آپکا معمہ غلط بھی ہوا تو بھی آٹھ آنے قیمت کی ایک کتاب مفت بذریعہ ویلیو پی ایبل صرف محصول ڈاک لگا کر بھیج دی جاوے گی۔

معمہ حل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہمارے دیئے ہوئے معمہ کے خالی نشان ــــ کو پر کیجئے اور مکمل الفاظ جس کا مطلب سامنے لکھا ہے بنا لیجئے۔ مثلاً خانہ نمبر ایک میں ــــ کے نشانوں پر "ح" "ر" "ی" لگانے سے محشر خیال لفظ بن گیا جو ایک ہندوستان کے مشہور رسالہ کا نام ہے۔

معمہ یہ ہے

نمبر	نامکمل الفاظ	مکمل لفظ	اشارہ
۱	م ــ ش ــ خ ــ ال	محشر خیال	ہندوستان کے ایک مشہور رسالہ کا نام
۲	ــ ز ــ و ــ		ہر شخص چاہتا ہے
۳	ــ ے ــ پ ــ ر		ایک ریاست
۴	م ــ ہ ــ ل ــ		یورپ کا بیٹا ہے
۵	گ ــ ا ــ		اسکا نام مذہب میں برا ہے
۶	ــ ر ــ ا ــ ی		ہر شخص نہیں دے سکتا

شرائط ۱۔ ہر حل شدہ معمہ کے ہمراہ پانچ آنے کے ٹکٹ سادہ کاغذ پر آنے ضروری ہیں۔ ورنہ شرکت نہ ہو گی۔

۲۔ اگر کوئی صاحب دو حل بھیجنا چاہیں تو نو آنے کے ٹکٹ ارسال کریں۔ تین حل بھیجنے والوں کو صرف بارہ آنے کے ٹکٹ بھیجنے چاہئیں۔

۳۔ تمام حل ۳۰ جون ۱۹۳۹ء تک آ جانے ضروری ہیں۔

۴۔ ایک سے زائد صحیح حل آنے پر فیصلہ قرعہ اندازی سے ہوگا۔

۵۔ منیجر رسالہ محشر خیال کا فیصلہ آخری اور قانونی ہوگا۔

۶۔ تمام خطوط منیجر صاحب رسالہ محشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی کے نام آنے چاہئیں۔

نوٹ:۔ ادارہ محشر خیال اور ان کے عزیز اس مقابلہ میں شرکت نہیں کر سکتے۔

جواب طلب امور کے لئے ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجنا چاہیئے

خط و کتابت کا پتہ:۔ بنام منیجر رسالہ محشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی

شیطان کا فریب

(از جناب ذاکر انصاری صاحب عمری)

(۱)

نبی اسرائیل میں برصیصا راہب نے عبادت میں جو شہرت اور ریاضت میں جو کمال پیدا کیا اس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ لوگ کہتے ہیں "جوانی بڑی دیوانی ہوتی ہے" جذبۂ شباب بیں طاغوطی اثر ہوتا ہے کہ زبردست سے زبردست متقی زاہد و ریاض کا دل بھی ڈانواڈول ہو جاتا ہے، لیکن کمال ہے برصیصا کا کہ اس نے اس دور کو بھی اتنی آسانی سے طے کر لیا، اس کمال زہد و تقوی کے ساتھ ستر سال گزر گئے کہ کسی کو انگشت نمائی کا موقع ہاتھ نہ آیا، معمورۂ خاکی سے ملاء اعلیٰ تک تحسین و توصیف ہی کے نعرے بلند ہوتے تھے۔ برصیصا کی شہرت نے ایک جویائے حق کے جذبہ ملاقات کو ہیجان پذیر کر دیا کہ وہ بغیر زاد راہ کے دشوار گزار منزلوں کو طے کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اس جذبۂ حق سے سرشار فرد کے اوصاف کا اجمالی ذکر غالباً بے محل نہ ہوگا، اس کی عمر لوے سال سے کسی طرح کم نہ ہوگی، سر اور ڈاڑھی کے بال برف کی طرح سفید تھے، مگر شکل نورانی ہے، اعضا تمام ڈھیلے ہو چکے ہیں لیکن پھر بھی اپنی تیز رفتاری سے وہ اچھے اچھے نوجوانوں کو شرما رہا ہے، وسط سر کے بال منڈے ہوئے ہیں جو ترک زینت پر صاف دلالت کرتے ہیں، ہاتھ میں ایک لمبا اور موٹا عصا، سر پر ملگجا بڑا عمامہ جس کا شملہ کمر سے بھی ایک ہاتھ نیچے لٹک رہا ہے، ڈاڑھی ڈیڑھ بالشت سے بھی دو انگل زیادہ ہے، بدن میں ستر جوڑ پیوند کی ایک ڈھیلی عبا ہے، جس سے ہر ایک دیکھنے والا اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس کی عبا کی طرح اس کا دل بھی خشیت الہی سے پارہ پارہ ہوگا، داہنے ہاتھ میں بڑے بڑے دانوں کی ایک تسبیح ہے جس پر اس کی انگلیاں اسی طرح تیزی کے ساتھ گھوم رہی ہیں جیسے ایک کہنہ مشق استاد کی پیانو پر،

اس ہیئت کذائی کے ساتھ یہ نورانی شکل برصیصا کے گرجے کے قریب پہونچی، اس کا دل زور زور سے اچھلنے لگا، شرف باریابی حاصل کرنے کے لئے بے چین تھی آواز دی مگر جواب ندارد، بے چینی کے عالم میں مکرر آواز دی۔ مگر بے سود، اس ناکامی نے معلوم نہیں اس کے دل میں کیا خیال ڈال دیا کہ وہ عبادت میں مشغول ہو گئی

اصل میں جب اس نے آواز دی، اس وقت برصیصا عبادت میں مشغول تھا، فارغ ہونے کے بعد اجنبی آواز دینے والے کو اس کی متجسس آنکھیں تلاش کرنے لگیں دیکھا تو باہر ایک نورانی شکل مصروف عبادت ہے برصیصا کو ندامت ہوئی۔ اور اس نئے آنے والے کے حالات دریافت کرنے کے لئے وہ بے چینی سے انتظار کرنے لگا، اجنبی جب عبادت سے فارغ ہوا تو برصیصا آگے بڑھا اور اس کے مدعا کو دریافت کیا، معلوم نہیں اس نے کیا جواب دیا کہ برصیصا وہاں سے اٹھا اور پھر اپنی عبادت میں مشغول ہو گیا اور پھر چالیس روز تک اس نے لوٹ کر نہیں دیکھا، کوئی کمزور دل انسان ہوتا تو برصیصا کی اس خود غرضی پر لات مار کے چلا جاتا، لیکن اس اجنبی کی کمال عقیدتمندی نے اس کے پیر کو وہیں گاڑ دیا۔ اور ٹس سے مس نہ ہونے دیا۔ برصیصا مصروف عبادت ہوا تو یہ بھی ذکر الہی میں مشغول ہوا، چالیس روز کے بعد برصیصا نے جب اپنے مہمان کو دیکھا کہ وہ ابھی ہمہ تن مصروف عبادت ہے، تو اس میں پھر استفسار کی لہر پیدا ہوئی اور اس نے سوال کیا

برصیصا:- اے معمر نورانی شکل بول تیرا مقصد کیا ہے ؟

اجنبی:- (قدمبوس ہوکر) بس صرف اتنا کہ گنہگار کو بھی ایک گوشہ میں عبادت گزاری کے لئے جگہ دیدی جائے۔

برصیصا - آؤ شوق سے جہاں چاہو اپنی جگہ متعین کر سکتے ہو۔

اس کے بعد دونوں حق کے متوالے اپنے اپنے کام میں مشغول ہو گئے مگر مرید مرشد سے بھی ایک درجہ آگے بڑھ گیا، کیونکہ برصیصا اپنی عادت کے موافق دس روز کے بعد اپنی نماز ختم کر دیتا اور روزہ بھی دس ہی روز کے بعد افطار کرتا، مگر اجنبی نے دس کے بجائے چالیس دن کا نصاب رکھا بلکہ کبھی کبھی اسی دن تک بھی طول دیا، برصیصا کے حق میں یہ پراسرار شخصیت معمہ بن گئی، وہ تو محو حیرت ہو گیا، اور اسی پر کیا موقوف ہے، ہر شخص کے نزدیک یہ حیرت و استعجاب کا باعث ہے، کہ اجنبی جس کے سامنے برصیصا طفل مکتب سے زیادہ نہیں، کیوں اس کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا ہے واقعی یہ ایک راز ہے جس کو ہم بعد میں چل کر کھولیں گے ۔

بہرکیف اس عبادت گزاری اور شب بیداری میں اجنبی نے ایک سال گزار دیا۔ ایک روز معلوم نہیں اس کے دل میں کیا خیال آیا کہ وہ برصیصا سے کہنے لگا۔

اجنبی:۔ میں نے آپ کی عبادت و ریاضت کی بہت شہرت سنی تھی لیکن واقعہ بالکل برعکس نکلا، تمام بابا آپ میری عبادت سے متحیر ہیں مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری عبادت میرے مرشد اور ظل سبحانی کے مقابلے میں عشر عشیر بھی نہیں، آپ سے ایک غائبانہ عقیدت تھی، جس کی بنا پر میں قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا، مجھے ایک سال ہو گیا اب میں مرشد کی خدمت اقدس میں جانا چاہتا ہوں، اب میرے لئے ایک گھڑی بلکہ ایک ایک لمحہ شاق معلوم ہوتا ہے، میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ کسی قسم کی" یہ میرے روکنے کے لئے نہ کریں،

ہاں! میں آپ کا مشفق ناصح ہونے کی حیثیت سے ایک ہدیہ دینا چاہتا ہوں، امید ہے کہ آپ اس کو شرف قبولیت سے نوازیں گے۔

اجنبی کی گفتگو سے برصیصا کا دل دبک سے ہو گیا، تھوڑی دیر کے لئے اس پر بے حسی کی کیفیت طاری ہو گئی، آخر سنبھلا، اپنے مہمان کی مہمان نوازی کے متعلق تو لب نہ ہلا سکتا تھا کیونکہ اجنبی نے پہلے ہی اس کی سخت ممانعت کر دی تھی۔ ہاں اس کا پورا دھیان اس مقدس تحفہ کی طرف تھا جس کا اجنبی نے دوران تقریر میں تذکرہ کیا تھا، اس لئے برصیصا نے حسرت و الم بھرے لہجے میں کہا،

برصیصا۔ اے مقدس باپ آپ مری غائبانہ عقیدت پر معلوم نہیں کتنی دشوار گذار منزلوں کو طے کر کے آئے ہیں، لیکن اب معاملہ برعکس ہو چکا ہے مجھے آپ سے حقیقی محبت ہو چکی ہے، آپ کی روانگی کے خیال نے میرے دل پر بجلی گرا دی، افسوس میں اس کے متعلق آپ سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ آپ نے ممانعت کر دی، میں آپ کے ہر ہر لفظ کا احترام کرتا ہوں، ہاں آپ نے ایک ہدیہ دینے کا وعدہ کیا ہے، میں بے چین ہوں، جلد فرمایئے۔

اجنبی...... وہ ہدیہ میرے مرشد کا سکھایا ہوا عمل ہے جس سے آسیب زدہ فوراً اچھا ہو جائے گا اور زبردست سے زبردست شیطان لعین چند لمحہ میں جل کر خاکستر ہو جائے گا،

برصیصا ــــ اے مقدس باپ" آپ کیا کہہ رہے ہیں کیا آپ میرے فریضہ عبادت میں کمی کرنا چاہتے ہیں۔

اجنبی...... نہیں بیٹا! ہمارے مرشد نے یہ کہا ہے کہ جب تک کوئی راہب آسیب زدہ اور مجنونوں کی خدمت نہ کرے گا، وہ کامل نہیں ہو سکتا۔

برصیصا...... اے مقدس باپ! اگر ایسی بات ہے تو جلد بتایئے، افسوس میری زندگی کا بیشتر حصہ بیکار گزرا، مجھے بھی ساتھ لے چلئے اور اپنے مرشد کے حلقہ میں شامل کیجئے۔

اجنبی...... نہیں بیٹا! تم کو جانے کی کوئی ضرورت نہیں بس اسی جگہ رہو عبادت بھی کرو اور یہ عمل بھی کیا کرو زمانہ ماضیہ کا خیال نہ کرو، اس کی تلافی صرف ایک عمل سے ہو جائے گی۔

یہ مختصر بات چیت ہو کر اجنبی نے برصیصا کو وہ عمل سکھایا اور اپنی راہ لی جب تک برصیصا کی نظر کے سامنے سے وہ نورانی شکل غائب نہ ہوئی، اس کی آنکھیں برابر ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہیں اور جب وہ نورانی شکل اس کی آنکھ سے اوجھل ہو گئی تو برصیصا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا یہ اس کی زندگی کا پہلا موقعہ تھا کہ خشیت ربانی کے عوض اس کی آنکھوں نے محبت انسانی میں آنسو بہائے،

آیئے ذرا اجنبی کی کچھ دور تک متابعت کریں۔ ممکن ہے کچھ حالات کا انکشاف ہو، اجنبی دشوار گزار بیابانوں اور دل ہلا دینے والے ریگستانوں کو طے کرتا ہوا کوہ ایلے سینا کی طرف روانہ ہوا جوں جوں قریب ہوتا جاتا تھا مسرت کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں ہوتے جاتے تھے۔ آخر کار وہ ایلی سینا کے قریب پہنچا۔ اور جلد جلد اس کی چوٹی پر چڑھنے لگا۔ جاتے جاتے ایک عالیشان عمارت کے پاس پہونچا اور بغیر آواز کے اندر داخل ہو گیا محل کے پُر پیچ راستوں سے غلام گردش میں ہوتا ہوا ایک وسیع ہال میں پہونچا جہاں خوشنما مخملی فرش بچھا ہوا تھا اور تخت زمردیں پر یاقوتی تاج پہنے ہوئے ایک معمر انسان بیٹھا ہوا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ کوئی بادشاہ ہے، جس وقت اجنبی وہاں داخل ہوا تو بہت سی دیو ہیکل صورتیں اس معمر شخص کے گرد جمگھٹ باندھے ہوئے دست بستہ کھڑی تھیں اور وہ معمر بادشاہ انہیں سخت و سست الفاظ میں کچھ کہہ رہا تھا۔ اس وقت اس کی صورت جلالی معلوم ہوتی تھی اور اس کی آنکھیں سرخ انگاروں کی مانند تھیں۔ لیکن جس وقت اجنبی پہونچا تو اس کا غصہ خوشی میں تبدیل ہو گیا، اجنبی نے داخل ہوتے ہی کہا۔ "مبارکباد" معمر انسان اپنے تخت زمردیں سے اٹھا اور اس کو سینے سے لگا لیا۔ اس کے بعد دونوں میں کچھ سرگوشی ہوئی جس کا علم بجز ان کے کسی تیسرے کو نہیں، اجنبی اس کے بعد پھر الٹے پاؤں واپس ہو گیا اس سے زیادہ ہمیں اور کچھ معلوم نہیں، اس راز کا انکشاف مستقبل ہی کرے گا۔

(۲)

اب یہاں سے پھر پلاٹ بدلتا ہے آئے ذرا مقدس راہب برصیصا کی طرف متوجہ ہوں دیکھیں اس کی زندگی کس طرح بسر ہوتی ہے۔

اجنبی جس روز سے برصیصا کو دفع آسیب کا عمل سکھا کر واپس گیا، اس دن سے روزانہ ایک نہ ایک آسیب زدہ اس کے پاس آنا شروع

ہوا تھوڑے عرصہ میں برصیصا نے اپنی اس نئی زندگی میں بھی کمال شہرت حاصل کر لی، رفتہ رفتہ اس کی شہرت کی خبر بادشاہ بنی اسرائیل کے دربار میں پہونچی، ان دنوں اسرائیلیوں کا سابق بادشاہ انتقال کر چکا تھا اس کے تین لڑکے اور ایک لڑکی تھی دستور کے مطابق تو انہیں لڑکوں میں سے کسی ایک کو سلطنت کا وارث ہوتا تھا۔ لیکن معلوم نہیں کیا بات تھی کہ ان کا چچا تخت پر بیٹھا۔ خیر ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں اصل مقصد یہ دکھانا ہے کہ بادشاہ کے انتقال کے بعد اس کی جوان لڑکی کی صحت روز بروز ابتر ہو تی گئی۔ ہر چند علاج کیا گیا۔ مگر افاقہ کی صورت نہ ہوئی۔ چونکہ ان دنوں آسیب کا چرچا زیادہ تھا اس لئے ایک زبردست جھاڑ پھونک کرنے والے عامل کی خدمات حاصل کی گئیں اور انہوں نے کچھ چھومنتر کے بعد بتایا کہ اس لڑکی پر بہت ہی سرکش شیطان ہے کسی صورت سے قابو میں نہیں آتا۔

یہ سنکر سب لوگ پریشان ہوگئے اور رائے ومشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ بجز مقدس برصیصا کے یہ خبیث شیطان دفع نہیں ہو سکتا آخر کار وہ تینوں بھائی اس لڑکی کو لے کر برصیصا کے گرجے کی طرف روانہ ہوئے۔ جس وقت وہ گرجا کے دروازے پر پہونچے تو ان کا دل زور زور سے اچھلنے لگا۔ حیران تھے کہ یہ مقدس راہب ہماری درخواست کیسے قبول کرے گا ڈرتے ڈرتے آواز دی مگر جواب نہ ملا۔ آخر کار انہوں نے اپنی بہن کو گرجا کے ایک گوشے میں رکھ دیا اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے "اے مقدس باپ ہماری بہن پر ایک خبیث شیطان سوار ہے جو بہت دق کر رہا ہے۔ ہم اسے آپ کے پاس امانت رکھ کر جاتے ہیں، امید ہے کہ آپ اس کی حالت پر رحم کھائیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب ان لوگوں نے آواز دی تو برصیصا عبادت میں مشغول تھا اس لئے جواب نہ دیا، اور خصوصاً آنے والوں کی زبانی جب اسے معلوم ہوا کہ ایک عورت اس کے گرجے میں ہے۔ ہاں وہ عورت جس کے متعلق کرسوس ٹوم نے کہا ہے '........... تو اس کے بدن میں سنسنی پھیل گئی اور تھر تھر کانپنے لگا، اس نے آنکھیں بند کر لیں اور پھر اپنی عبادت میں مصروف ہوگیا، لیکن جس وقت خشوع و خضوع کے ساتھ اپنی عبادت میں مصروف تھا تو اس کو اپنے پیر کے پاس سر سراہٹ معلوم ہوئی، آنکھ کھول کر دیکھا تو وہی لڑکی سامنے پڑی تھی برصیصا نے جب سے رہبانیت کی زندگی اختیار کی آج پہلی مرتبہ اس نے صنف نازک کو دیکھا اور ایسی حالت میں دیکھا جب کہ اس کا کوئی جسم کا حصہ ستر کش لباس نہ تھا، ہر ہر عضو میں خود غرضی اور مغروریت کا وصف نمایاں طور پر موجود تھا، گو وہ مریض تھی مگر اس کے عنابی رخساروں پر

تازگی بحال تھی، بال بکھرے ہوئے تھے، اس کی آنکھیں ایک دم کھلی تھیں اور ان سے نوجوانی کی امیدوں کے شعلے برس رہے تھے اس کے سرخ ہونٹوں پر ایک لطیف شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

بعض عضو میں ایک عجیب قسم کی حرکت نمودار تھی مختصر یہ کہ برصیصا جس طرح اپنے کمال میں وحید عصر تھا اسی طرح یہ اپنے جمال میں نقید المثیر تھی، اس کو دیکھا اور ایسی نگاہ سے دیکھا جس میں جذبات کی برقی رو کی آمیزش تھی، برصیصا چند سکنڈ کے لئے محو حیرت ہوگیا، لیکن اس کے لئے غیر ممکن تھا کہ تاب مقاومت لاسکے اس کی قوت فکریہ نے جواب دیدیا اور ناپاک خیالات کا طوفان اس کے پاک دل میں امنڈ آیا معاً کوئی غیبی آواز اس کے زہد پر ملامت کرتی ہوئی معلوم ہوئی۔ آخر رد عمل شروع ہوا اس نے وہی کیا جو ایک بشری طاقت ایسے موقع پر کرنے کے لئے مجبور ہوتی ہے، بے اختیار اس کا فرادا پر منہ کے بل گر پڑا، قوت جاذبہ سرگرم عمل ہوگئی اور برصیصا کے پورے جسم میں ایک طلسمی حرکت شروع ہوگئی اور عین اس وقت جب کہ برصیصا نے ستر سالہ عبادت کے نچوڑ کا آخری قطرہ دوشیزہ سفتہ میں امانتاً رکھا، ایک شیطانی قہقہہ کی آواز فضا کو چیرتی ہوئی اس کے کان میں آئی اور چند سکنڈ کے بعد پھر فنا ہوگئی، برصیصا نے وحشت زدہ ہرن کی طرح اپنی بے نور آنکھوں کو برقی رفتار کے ساتھ ہر سمت دوڑایا لیکن فضائے محیط بالکل ساکن اور خاموش تھی، اس نے دل میں کہا۔ واہمہ کی غلطی ہے، اور پھر مصروف کار ہوگیا اور اس وقت تک رہا جب تک کہ اس کے جذبات اور قوی نے اس کا ساتھ دیا۔

برصیصا کا نیا میدان عمل کس قدر صالح اور بابرکت تھا کہ اس کی محنت اکارت نہ گئی، لیکن تعجب ہے کہ برصیصا کو جب تین ماہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس کی امانت پھول پھل لانے والی ہے تو اس کے جسم کا آدھا خون خشک ہوگیا، چہرہ زرد پڑ گیا اور آنکھیں بے نور ہوگئیں۔

ایک روز خیالات کے بحر ناپیدا کنار میں غوطے لگا رہا تھا کہ ایک خوفناک چیخ نے اسے ہوشیار کر دیا، جلدی سے گھبرا کر اٹھا اور مجنونانہ انداز میں باہر دوڑ گیا۔ دیکھا تو ایک سر شخص نظر آیا جو اپنے دونوں ہاتھوں سے منہ کو چھپاتے ہوئے بھاگا جا رہا ہے، برصیصا نے دوڑ کر اسے روکا لیکن وہ نہ رکا اور گلوگیر آواز میں یہ کہتا ہوا بھاگنے لگا کہ اف..........

برصیصا راہب...... کے گرجا........ میں............ ....

عو.......... رت۔

برصیصا اس کے قدموں پر گر پڑا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اس نے پورا قصہ سنایا اور یہ بھی ذکر کیا کہ کس طرح کسی غیبی آواز نے اسے آمادہ کار کیا۔

اجنبی کو جب معلوم ہوا کہ برصیصا ابلیس لعین کے دام تزویر میں اسیر ہوگیا تو اس کو سخت ملال ہوا اس نے برصیصا سے کہا کہ یہ انسان نہیں بلکہ شیطان ہے، تیرے عمل سوء کا کفارہ یہی ہے کہ اس کا رشتۂ حیات ابھی منقطع کردے، برصیصا یہ سنکر لرزہ براندام ہوگیا اس نے کہا، حضور یہ بادشاہ بنی اسرائیل کی بیٹی ہے۔

اجنبی......... اس کو قتل کرکے ایسی تاریک جگہ میں پیوند زمین کردے کہ کسی کو سرح تک خبر نہ ہو،

برصیصا......... اس کے وارث اگر طلب کریں گے تو میں کیا جواب دوں گا۔

اجنبی......... صاف جواب دیدینا کہ اس کا شیطان خبیث تھا وہ کہیں لے کر چلا گیا۔

برصیصا اس تجویز کو سنکر خوش ہوگیا، بھیرے شیر کی طرح جھپٹا اور کسی پراسرار طریقہ سے چند سکنڈ میں اس کے ماحول کو تاریک کردیا۔ وہ چاند سی صورت ایک کمہلائی ہوئی کلی کی طرح بے رونق ہوگئی۔

رات میں گھڑیال نے ٹھیک جب بارہ بجائے تو برصیصا نے سرد نعش کو اپنی پیٹھ پر لادا اس وقت اس کا جسم بید کی طرح تھر تھر کانپتا تھا اجنبی نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اور دونوں نے میدان کا رخ کیا، گو کہ وقت ہو کا عالم تھا فضا میں بجز سکون وخاموشی کے کچھ نہ تھا تاہم یہ دونوں پر احتیاط طریقہ سے قدم بڑھاتے ہوئے تیزی سے جارہے تھے کچھ راستہ طے کرنے کے بعد ایک گنجان جھاڑی ملی۔ اجنبی نے کہا، لاش کو یہیں ٹیک دو اور جلد قبر کھود دو اتنا کہہ کر اجنبی کسی گہری سوچ میں پڑگیا برصیصا اپنے کام میں ہمہ تن مصروف جب قبر تیار ہوچکی تو اس نے اجنبی کو آواز دی وہ چونک کر اٹھا اور دونوں نے ملکر اس نعش کو قبر میں بے دردی کے ساتھ ڈھکیلا اور مٹی پھینکنے لگے، برصیصا نے اپنی طرف کمال احتیاط کے ساتھ قبر کو پر کیا تاکہ کوئی چیز نظر نہ آئے مگر اجنبی نے معلوم نہیں کچھ اپنے کام میں تساہل کیا یا کیا وجہ تھی کہ مٹی تو اس نے بھردی لیکن مقتول نعش کا خون آلود کپڑے کا کچھ حصہ باہر ہی رہ گیا، لیکن تاریکی اس بلا کی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا تھا اس لئے برصیصا کو نظر نہ آیا اس کو اپنی ذات سے زیادہ اپنے خیرخواہ اجنبی کی احتیاط پر وثوق تھا، یہ کام اتنی سرعت کے ساتھ ہوا کہ ایک گھنٹہ بھی بمشکل گذرا ہوگا۔ کیونکہ جب برصیصا گرجا میں پہونچا تو ایک بجنے میں بھی پانچ منٹ باقی تھے۔ جب وہ گرجا میں پہونچا تو اس کو کچھ اطمینان ہوا اور اس نے اجنبی سے سلسلہ کلام شروع کرنا چاہا، لیکن جب اس نے پیچھے مڑکر دیکھا تو اس کے منہ سے ایک چیخ نکل پڑی کیونکہ اجنبی اس کے ہمراہ نہیں تھا۔

اس واردات قتل کے دو ہی روز بعد لڑکی کے بھائی برصیصا کے گرجا میں اپنی بہن کی خیریت دریافت کرنے پہونچے، کمال ہے برصیصا کا۔ اس کے چہرہ پر کسی قسم کا تغیر نہ ہوا اس نے کمال اطمینان کے ساتھ کہہ دیا۔ اس کا شیطان بہت خبیث تھا کہیں لے کر بھاگ گیا، یہ جملہ سنتے ہی ان کے چہرہ کا رنگ فق ہوگیا۔ روتے پیٹتے گھر واپس آگئے، برصیصا اپنی کامیابی پر بغلیں بجانے لگا ہفتہ عشرہ تک خاندان شاہی ماتم کدہ رنج والم بنا ہوا تھا، ایک روز چھوٹے بھائی نے منجھلے بھائی سے کہا ـــــ بھائی ـــــ معلوم نہیں کیا بات ہے تین روز سے میرے خواب میں ایک نورانی شکل آکر کہتی ہے کہ برصیصا نے تمہاری بہن کو قتل کردیا ہے، اتنا سننا ہی تھا کہ وہ اچھل پڑا اور کہنے لگا قسم ہے مقدس باپ کی میرے خواب میں بھی تین روز تک ایک نورانی شکل نے یہی کہا مگر میں نے سمجھا کہ شیطانی وسوسہ ہے اس لئے تم لوگوں سے نہیں کہا۔ چلو بڑے بھائی سے اس کا تذکرہ کریں، چنانچہ جب وہ دونوں بڑے بھائی کے پاس پہونچے اور جب اس سے تذکرہ کیا تو وہ مجنونانہ انداز میں ناچنے لگا اور کہا، قسم ہے یسوع مسیح کی مجھے بھی تین روز تک اسی نورانی شکل نے اس سرکی باتیں کہیں جس کا تم نے ابھی تذکرہ کیا ہے۔ ضرور دال میں کچھ کالا ہے چلو چلو ابھی برصیصا شیطان کے پاس اس کی تحقیق کریں، اس کے بعد یہ تینوں اپنے سینے میں انتقامی جذبات کا سیلاب لے کر برصیصا کے گرجا میں پہونچے اور زور سے کنڈی کھٹ کھٹائی، برصیصا گھبرا کر آیا۔ اور ان تینوں کو دیکھ کر ٹھٹک کر رہ گیا اور آنے والے خطرات کا بے چینی سے انتظار کرنے لگا، ان میں سے بڑے نے کہا۔ اے برصیصا آج تک ہم تجھے فرشتہ سمجھتے تھے۔ لیکن اب معلوم ہوگیا کہ تو شیطان ہے اور تو نے ہماری بہن کو قتل کرکے ہم سے جھوٹ کہا، برصیصا یہ سنکر دنگ ہوگیا، لیکن اس نے نہایت ہی صفائی سے اپنی پریشانی کو چھپایا اور کہنے لگا افسوس تم نے شیطانی وسوسہ میں پڑکر مجھ پر صریح تہمت لگائی، برصیصا نے اس جملہ کو اس طرح سے کہا کہ ان کو اس کی بریت پر کامل یقین ہوگیا اپنی کوتاہ اندیشی پر ان کو ندامت ہوئی اور برصیصا سے معافی مانگ کر لوٹ آئے لیکن رات میں پھر وہی نورانی شکل تینوں کے پاس آئی اور کہا برصیصا نے تمہارے سامنے غلط بیانی سے کام لیا، اس نے ضرور قتل کیا ہے، تمہاری بہن کی لاش فلاں مقام پر ایک گنجان جھاڑی میں مدفون ہے جاؤ وہاں دیکھو نعش کا کچھ کپڑا باہر ہی نکلا ہوا ہے، تینوں بھائی اس خواب سے حیران ہوگئے اور جلدی سے اس مقام پر پہونچے جہاں کا پتہ اس نورانی شکل نے دیا تھا، ابھی چند قدم کے فاصلے ہی پر تھے کہ چھوٹے بھائی کو خون آلود کپڑے کا ٹکڑا نظر آیا اور ایک چیخ مار کر دوڑا اور بے ہوش ہوکر گر پڑا، تینوں باہم مل کر پھوٹ پھوٹ کر روئے اور جب ان کی حالت سنبھلی تو قبر کھود کر نعش کو نکالا اور اٹھا کر گھر لائے، گھر پہونچ کر لاش رکھدی اور سب سے پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ چند

مضبوط نوجوانوں کو ساتھ لے کر برصیصا کے گرجے کی طرف پہونچے، دروازہ پر پہونچتے ہی بڑے بھائی نے اتنے زور سے دروازہ پر لات ماری کہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا، اس وقت اس کے غصہ کی حالت انتہائی درجہ تک پہونچ چکی تھی منہ سے کف نکل رہے تھے آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ تھیں اس نے نوجوانوں کو حکم دیا، مردود کی مشکیں کس لو اور گھسیٹ کر باہر لے چلو، حکم کی دیر تھی کہ نوجوان جھپٹ پڑے اور جلد جلد مشکیں کس کر برصیصا کو بے دردی کے ساتھ کھینچ کر باہر نکال لائے ہاں اس برصیصا کو جس کی شخصیت فرشتہ کے درجہ تک پہونچ چکی تھی اس طرح بے دردی سے زدوکوب کیا گیا کہ شیطان کے ساتھ بھی کوئی ایسا سلوک نہ کرے گا۔ برصیصا کو گھسیٹتے ہوئے دربار شاہی میں حاضر کیا گیا، یہ خبر برق رفتار کے ساتھ شہر کے چپہ چپہ میں پہونچ گئی اور جوق جوق لوگ تماشا دیکھنے کے لئے آنے لگے، برصیصا کا جب مقدمہ پیش ہوا تو اس نے خود اعتراف کیا کہ یہ سب اسی کا کام ہے، چنانچہ جج نے کھڑے ہوکر حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے مختصر لفظوں میں کہا۔

بنی اسرائیل کے اس شہرہ آفاق راہب پر تین جرم عائد ہوتے ہیں، ناجائز تعلق، قتل، اور جھوٹ اس لئے قانون کا فیصلہ ہے کہ اس کو برسر عام پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے تاکہ بدباطن لوگ اس سے عبرت حاصل کریں، فیصلہ سنتے ہی لوگ دہک سے ہوگئے. فیصلہ ہی کے دن برصیصا کو شام کے چار بجے ایک وسیع میدان میں پھانسی دینے کے لئے حاضر کیا گیا، آج اس میدان میں اس قدر خلق اللہ جمع ہوئی کہ اب تک کسی تقریب کے موقعہ پر بھی نہیں جمع ہوئی ہوگی، جدھر دیکھئے خلق اللہ کا سیلاب امنڈتا ہوا معلوم ہو رہا تھا، مرد، عورت بوڑھے جوان اور بچے سبھی حاضر ہونے تھے بلکہ وہ ضعیف العمر مرد اور عورتیں جن کے قویٰ نے جواب دیدیا تھا۔ ان کو بھی گاڑیوں میں بھر بھر کر لایا گیا تھا، حاضرین میں سب کی نظریں برصیصا پر لگی ہوئی تھیں اور وہ شرم کے مارے پانی پانی تھا ایک ایک لمحہ اس کے لئے ایک سال کے برابر تھا، اگر اس کو قابو ہوتا تو وقت سے پہلے ہی خودکشی کر کے لوگوں کے طعن و تشنیع سننے سے بچ جاتا۔ مگر مجبور تھا، پھانسی کے تختہ پر لٹکانے کے بعد کچھ دیر بعد جلاد کو حکم ہوا اب صرف پانچ منٹ باقی ہیں ہوشیار ہو جاؤ

اس آواز کے ساتھ معاً ایک اجنبی ضعیف العمر صفوں کو چیرتا ہوا برصیصا کے قریب پہونچا اور کھڑا ہوگیا، حاضرین حیران ہوگئے اور برصیصا کی بجائے سب کی نظریں اسی پر پڑنے لگیں، اور سب لوگ اس کے متعلق عجیب و غریب چہ میگوئیاں کرنے لگے، اجنبی نے قریب پہونچ کر برصیصا کو آواز دی برصیصا نے ڈرتے ڈرتے نظر اٹھائی اور چند سکنڈ تک غور سے دیکھتا رہا اس کے بعد معلوم نہیں اجنبی نے اس کے کان میں کیا کہا کہ برصیصا کے خشک لب پر ایک لطیف تبسم کی علامت نمودار ہوئی، اور چند سکنڈ تک آنکھیں بند کرلیں۔ اب صرف ایک سکنڈ باقی تھا. جلاد کو حکم ہوا اور اس نے فوراً ہی برصیصا کی نظروں میں دنیا کو تاریک کردیا۔ اجنبی نے ایک زور کا قہقہہ لگایا اور غائب ہوگیا۔

(۳)

انکشاف راز

کوہ الی سینا پر جس سلطنت کا ذکر ہوا ہے۔ اس کے متعلق لوگوں کا بیان ہے کہ وہ شیطانوں کی عملداری ہے، عدۃ اللعین ان کا سردار ہے۔ اس لئے جب برصیصا کے زہد و ریاضت کی خبر سنی تو اپنے کارکنوں کو بھیجا۔ لیکن کسی کو کامیابی نہ ہوئی، ایک روز اس نے حسرت و الم کے لہجہ میں کہا "کیا برصیصا ہمارے قابو سے ایک دم باہر ہے" ان الفاظ کے سنتے ہی مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ مگر تھوڑے وقفہ کے بعد ایک شخص جس کو سفید پوش کہا جاتا تھا آگے بڑھا اور کہا، حضور زندہ باد، میں اس کام کو انجام دینے کے لئے تیار ہوں۔ سردار کی باچھیں کھل گئیں اور بخوشی اس کو روانہ کیا۔

ہمارے ناظرین کو غالباً سمجھنے میں تردد نہ ہوگا کہ برصیصا کا مہمان بھی اجنبی تھا، برصیصا جس وقت عبادت سے فارغ ہوکر آیا اور اجنبی سے استفسار حالات کیا، تو اس نے اشتراک عمل کی خواہش کی جس سے برصیصا کے جذبہ خودداری میں ٹھیس لگی، سفید پوش کو خطرہ ہوا اور جھٹ اس نے دوسری تدبیر سے برصیصا کے گرجے میں سکونت کی اجازت لے لی، عبادت میں طول دینے سے اجنبی کا مقصد صرف برصیصا کو قائل کرنا تھا چنانچہ جب اس کو کامیابی ہوئی تو ایک سال کی مزید مدت ختم کرکے واپسی کا ارادہ کیا، اور چلتے وقت برصیصا کو وہ عمل سکھا گیا جس کو اس نے اپنے لئے آلہ بنا رکھا تھا، ان تمام امور سے فراغت کے بعد وہ سیدھے اپنے سردار کی خدمت میں پہونچا اور کہا۔ میری تجویز کے دو پہلو میں سے ایک میں خوش اسلوبی کے ساتھ کامیابی ہوئی۔ مجھے امید ہے کہ دوسرے میں بھی مجھے ایسی ہی کامیابی ہوگی، اتنا کہہ کر وہ پھر روانہ ہوا۔ غالباً ناظرین کو سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔ کہ برصیصا کے پاس ہر روز آسیب زدہ کا آنا یہ محض سفید پوش کی سعی پیہم کا نتیجہ تھا۔ جب برصیصا کی اس زندگی میں شہرت ہوچکی تو سفید پوش نے بادشاہ بنی اسرائیل کی لڑکی پر تسلط جمایا اور جس وقت ارکین سلطنت کی رائے سے شہرہ آفاق عامل کی خدمات حاصل کی گئیں تو بھی سفید پوش حاضر ہوا اور اس نے ان کو برصیصا کے پاس بھیجنے کی ترغیب دی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا۔ اگر پادری صاحب متوجہ نہ ہوں تو گرجا میں چھوڑ کر چلے آنا، ناظرین اب باآسانی تمام کڑیوں کو ملا سکتے ہیں۔

برصیصا کے تختہ پھانسی پر لٹکنے کے بعد ضعیف العمر اجنبی بھی سفید پوش تھا۔ اس نے قریب پہونچ کر برصیصا سے اپنی معرفت کچھ سوال کیا جس کا جواب اس نے نفی میں دیا اور پھر جب اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہی تمہارا مشفق ناصح ہے تو برصیصا کے مردہ جذبات میں مسرت کی لہر دوڑ گئی، اس نے رحم و کرم کی درخواست کی، جس کے جواب میں سفید پوش نے درشت لہجہ میں برصیصا کی سابق خودداری کی مذمت کی۔

اور اس کے بعد کہا کہ اگر اب بھی میرے نام پر سجدہ کرے تو میں بدنامی اس کے سر سے دور کر سکتا ہوں۔ برصیصا نے اظہار مایوسی کیا جس کی تدبیر سفید پوش نے یہ بتائی کہ آنکھ کے اشارہ سے کرے اس کی آواز پر اس نے لبیک کہا، چشم زدن میں برصیصا کی نظروں میں دنیا تاریک ہوگئی سفید پوش نے خوشی سے شیطانی قہقہہ لگایا اور کفر کفر کی آواز نیم مردہ برصیصا کے کان میں پہنچ گئی۔

مرد شادی کیوں کرتے ہیں؟

مرد شادی کرتا ہے۔

دل کی امنگیں نکالنے کے لئے!

جذبۂ رحم سے متاثر ہوکر۔ لڑکی کو اس کی والدہ کے مظالم سے نجات دلانے کے لئے اپنی جائداد کے وارث کی خاطر نافرمانبردار ملازمہ سے تنگ آکر۔

کنوارپن کی تکان کو دور کرنے کے لئے۔

بیوقوفی کی وجہ سے۔

دلچسپی کے خیال سے۔

جوانی کی وجہ سے۔ بے کاری کے سبب۔ بدصورتی کے کارن۔ کیونکہ بدصورت آدمی صرف شادی کی زنجیروں سے ہی عورت کو جکڑے رکھ سکتا ہے۔

ضرورت کے خیال سے۔

احسان کرنے کے لئے۔ کیونکہ عورت ذات کمزور ہوتی ہے۔

جذبات سے مغلوب ہوکر۔

کسی دیوانی مقدمے کو بنانے کے لئے

شکر گزاری کے طور پر۔ لیکن اس میں احسان کا بدلہ اس سے زیادہ دینا پڑتا ہے۔

نیکی کے خیال سے۔ ابھی تک یہ خیال بھی موجود ہے۔

کسی وصیت کے نتیجہ میں جس کی رو سے جب کسی لڑکی کو کافی جائداد ملنے کی امید ہو۔

رواج کی خاطر۔ کیونکہ بڑے ایسا ہی کرتے آئے ہیں۔

بڑھاپے میں خدمت کروانے کے لئے۔

گناہ سے بچنے کی خاطر۔

اس لئے کہ ایک اور ایک گیارہ ہوتے ہیں۔

مرد کی فطرت کے تقاضا کو پورا کرنے کے لئے کہ وہ صنف مخالف سے رغبت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ شادی کرنے کے بعد وہ عورت کی تمام رعنائیوں کا بلا شرکت غیرے مالک ہوگا زندگی کی دھوپ چھاؤں میں ایک انیس ہمدرد حاصل کرنے کی خاطر۔

(ترجمہ)

دفتر محشر خیال سے

شاندار ہفتہ وار اخبار کا اجرا

ہندوستان کی سیاست پر بے لاگ رائے زنی کرنے ریاستوں اور حکومتوں کے خفیہ رازوں کا انکشاف کرنے کے لئے دفتر محشر خیال سے ایک ہفتہ وار اخبار کا اجرار کیا جا رہا ہے جس کا نام "محشر خیال ویکلی" ہوگا۔

ماہوار محشر خیال بدستور جاری رہے گا۔ اور ہفتہ وار اخبار کا ادارہ اور اسٹاف علیحدہ ہوگا۔ انتظامات شروع کر دئے گئے ہیں۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آزادی کی کوشش میں غلط اور صحیح طریقہ کار کا موازنہ کریں ان فرقوں اور غدار رہنماؤں کی سیاہ چادر ہٹا کر ان کو اصلی روپ میں دیکھنا چاہیں تو اس آزاد خیال اور بے لاگ اخبار کی خریداری منظور فرمایئے۔ ولایتی اور ہندوستانی تازہ ترین خبروں کی اشاعت کا معقول انتظام کیا گیا ہے۔

غیر زبانوں کے کارآمد اور مفید تراجم کے لئے قابل ترین ادارہ کا انتخاب عمل میں لایا جا رہا ہے۔

محشر خیال ویکلی ظاہری و باطنی خوبیوں کے اعتبار سے اپنی نوعیت کا بالکل واحد پرچہ ہوگا۔

اجرار کی درخواست گورنمنٹ کے پاس بھیجی جا چکی ہے منظوری آتے ہی کام شروع کر دیا جائے گا۔ اگر آپ اس شاندار اور بے نظیر پرچہ کا مکمل فائل رکھنا چاہتے ہیں تو آج ہی خریداری کی درخواست بھیجدیجئے سالانہ چندہ تین روپے ہے۔

رعایت جو حضرات پیشگی یعنی آج ہی سے خریداری منظور فرمالیں گے ان کو دو روپے بذریعہ منی آرڈر بھیجدینے چاہئیں۔ پرچہ شائع ہوتے ہی ان کے نام جاری کر دیا جائے گا۔ ہمیں امید ہے کہ محشر خیال ویکلی جون میں نکل آئے گا۔ یہ تفریح اور معلومات کا ایک ایسا مخزن ہوگا جس کے مطالعہ کے بعد آپ روزانہ اخبارات سے بے نیاز ہو جائینگے۔

درخواست خریداری اور ترسیل زر کا پتہ

مینیجر رسالہ محشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی

دیوانہ کی صدا

(از جناب سید لیاب احمد صاحب ہاشمی بنگلوری)

دنیا مجھ پر کیوں ہنستی ہے؟ ــــ محبت میری فطرت تھی ۔ میں نے محبت کی ــــ دنیا والے احمق ۔ اور ۔ نرے احمق ہیں جو ہنستے ہیں میں نے محبت کی ، مرنے کے لئے نہیں ــــ تباہ و برباد ہونے کے لئے نہیں ــــ خودکشی کے لئے نہیں ــــ بلکہ ــــ زندہ رہنے ۔ اور ــــ سکون کی آغوش میں زندہ رہنے کے لئے؟

" دنیا نے " مخالفت کی ــــ میری آرزو پوری ہونے کی ــــ وہ آرزو ــــ جو میری پاک آرزو تھی ــــ جس کا ۔ میں تنہا مستحق تھا ، پوری نہ ہوئی ــــ پوری نہ ہوئی ــــ نہ ہوئی ــــ ہاں پوری نہ ہوئی ۔ دنیا والوں کے نزدیک ' میرے نزدیک نہیں ــ میں کامیاب محبت تھا ۔ اور ــــ کامیاب آرزو ہوں ، دنیا ہنستی ہے ــــ دیوانی ہے؟

" میں نے " اپنے ضمیر کی آواز " دنیا والوں کی طرح دبانا نہیں چاہا ــــ بلکہ ــــ چند لفظوں میں اور بہت پاک لفظوں میں ، پیش کیا ، جس کا خیر مقدم ۔ ہنسی کے ساتھ کیا گیا ــــ ہنسی کے ساتھ ــــ ہاں ــــ برائی کی ہنسی کے ساتھ " مجھے اس کی پرواہ نہیں " میں ضمیر کی آواز کو دبانا نہ صرف گناہ ــــ بلکہ ــــ گناہ عظیم سمجھتا ہوں؟

" دل کی تنہا آرزو تھی ــــ اور ــــ وہ بھی " مقدس " جس کا اظہار کیا ۔ دنیا نے ٹھکرایا ــــ ٹھکرایا ــــ اور ــــ مذاق اڑایا ــــ اپنی گندہ ہنسی کے ساتھ ۔ آہ ۔ او نا عاقبت اندیش ہستیو ۔ او نفس پرستی کے کتو ، محبت ، کی قدر کرو ۔ محبت ، کرنا سیکھو ۔ محبت ۔ کیا ہے ، سنو ، اور غور سے سنو؟

" محبت " پاکی کا دوسرا نام ہے " محبت " تخیلات انسانی کا آئینہ ہے ۔ جس میں بھلائی ۔ برائی کی نہ مٹنے والی تصویریں ہمیشہ نظر آتی ہیں " محبت روح کی کسوٹی ہے " محبت " تاریکی کا چراغ ہے " محبت " راز حقیقت ہے ۔ محبت " ایک دہکتی ہوئی آگ کی چنگاری ہے ، جس کی جگہ ــــ دل ۔ اور ــــ دل ہی میں رکھی جاتی ہے " کیوں " ڈرتے کیوں ہو ــــ بیوقوفو ــــ ڈرو نہیں ــــ سمجھو ــــ دیوانہ کی دیوانگی کو " دل میں رکھی جاتی ہے ۔ جلنے ۔ یا ۔ جلانے کے لئے نہیں بلکہ کثافت ، نفسانیت ، خودغرضی اور ہیبت دور کرنے کے لئے ، مردہ روح کو صدائے ــــ تم ــــ سنانے کے لئے؟

" محبت " سورج کی شعاعوں سے تیز ۔ چاند کی روشنی سے زیادہ " سہانی " قوس قزح کی رنگینیوں سے بہت " رنگین " رات کے مدہوش کن نغموں سے ہزار درجہ " پر سکون " کلیوں کی مسکراہٹ ، ساون کی ہلکی ہلکی پھوار سے کہیں زیادہ " دل آویز " ، تم ہنستے ہو ۔ محبت کو بدنام کرنے والو ہنستے ہو ــــ رو گے؟

" محبت " کو تلاش کرنا چاہتے ہو ــــ تو ــــ آؤ کاشانہ محبت مجھ سے پوچھو ۔ عقل کے اندھو ، محبت کا نمود مؤذن کی اذان میں نہیں " محبت " کا اثر برہمن کی گھنٹیوں میں نہیں ، " محبت " کا اخلاق واعظ کی تقریر میں نہیں " محبت کی صداقت زاہد کی جبیں میں نہیں "

" محبت کی آواز اس جلے پکھیرو سے سیکھو جس کا ہر سانس پی کی یاد میں گزرتا ہے " محبت " کی صداقت منزل پر چلنے والے اس سانڈسے پوچھو ــــ جو ۔ چلنا چاہتا ہے ۔ گر ــــ گرتا ہے ــــ اور سنبھلتا ہے ــــ سہتا ہے ۔ اور ــــ تڑپ کر اٹھتا ہے ــــ اٹھتا ہے ــــ اور ــــ چلنے لگتا ہے ۔

" محبت " دیوانہ کے اس گریبان میں پوشیدہ ہے جس کو چاک کرکے وہ رو دیتا ہے ــــ روتا ہے ــــ نہیں وہ ہنستا ہے ــــ اور ــــ بہت کھل کھلا کر ہنستا ہے ــــ لیکن ــــ تمہاری طرح نہیں ہنستا ــــ وہ ــــ محبت کی ہنسی ہنستا ہے ــــ اور ــــ تم ــــ نفر ...... ت ......

" محبت " جسم سے نہیں ہوتی " محبت " روح سے ہوتی ہے ــــ جسمانی تعلقات کا نام محبت نہیں ہے ــــ بلکہ ــــ روحانی تعلق کا نام " محبت " ہے ــــ تم جلتے ہو ــــ پاگل ہو ــــ ہاں ــــ نرے پاگل ــــ ملو خوب ہنسو ۔ اس کا ملال نہیں کرتا " لیکن " میری ــــ سنلو ــــ

ایک بت کا توڑ دینا بہت آسان ۔ مگر کسی کے دل پر فتح پانا انتہائے مشکل " میں " تم کو چیلنج دیتا ہوں کہ اگر بہادر ہو ــــ اور بہادری کا دعویٰ رکھتے ہو ــــ تو ۔ کسی کے دل میں میری پاک محبت کے بجائے نفرت ــــ پیدا کر دکھاؤ ــــ ورنہ ــــ اس ندامت کی ہنسی سے کیا حاصل ــــ جاؤ ــــ دور ہو جاؤ ــــ دیوانہ سے ہنسنا سیکھو "

میں بھی ایک میاں ہوں

(از جناب مرزا عظیم بیگ چغتائی بی۔اے۔ایل ایل بی)

(۱)

چھٹی کا دن تھا اور ہم نے سوچا کہ لاؤ نہ سہی اپنے ماڈرن کالج ہی ہو آئیں۔ چنانچہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ خاں صاحب اندر ہیں۔ میں بیٹھا ہی ہوں کہ اندر سے "دھوں دھاں" آوازیں آئیں اور ساتھ ہی خاں صاحب کے جنگی نعرہ کی بھی آواز آئی۔ او ہوا میں نے دل میں کہا۔ یہ ماہر نسائیات یعنی پرنسپل ماڈرن کالج آج شاید خود اندر "لیفٹ رائٹ" کر رہا ہے۔ میں نے غور سے کان لگائے تو خاں صاحب کی جنگی آواز ایک فاتحانہ انداز سے گھر میں گونج رہی تھی۔ کچھ الفاظ سمجھ میں نہ آتے تھے۔ ایک دم سے مجھے ایک جنگی پھریری سی آئی۔ خاں صاحب کی جنگی آواز...... بس مجھے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے شیر گرج رہا ہے۔ ایک پھریری سی آئی۔ ہوں نا آخر میں بھی بہادر۔

خاں صاحب مسکراتے ہوئے ایک انداز فاتحانہ سے گھر میں سے نکلے۔ جیسے ایک فاتح جنرل خونچکاں تلوار لئے ایک دلربا مگر جنگی انداز سے آتا ہے۔

"کیا ہوا؟" میں نے خاں صاحب سے پوچھا۔

"بس کچھ نہ پوچھو" خاں صاحب نے ایک تبسم کے ساتھ کہا۔ بس تم نہ ہوئے جو...... خدا اگر تم دیکھتے تو......"

میں نے بے تاب ہو کر تفصیل جنگ پوچھی۔ کچھ بات نہ تھی۔ پان میں چونا زیادہ ہو گیا تھا کچھ بات جو بڑی تو خاں صاحب نے دوڑ کر ایک دم سے گھڑے پھوڑ دئے۔ نتیجہ یہ کہ بیوی نے دوڑ کر پیر پکڑ لئے اور معافی مانگی۔ میں نے جو خاں صاحب سے پوچھا کہ بھئی یہ ہماری سمجھ میں نہ آیا کہ گھڑے کیوں پھوڑے۔ تو خاں صاحب بولے کہ:-

"تمہیں لاکھ روپے کی بات بتاتا ہوں...... بلکہ دو باتیں" خاں صاحب نے ہاتھ کی دو انگلیاں میری آنکھوں کے سامنے نچاتے ہوئے کہا "...... بلکہ دو باتیں...... غصہ میں آکر بہانہ تلاش کرکے گھڑے پھوڑ دو یا دوسرے برتن توڑ دو...... زور سے چلا کر...... پھر دیکھو خدا کی قدرت"

"کیا ہوگا؟" میں نے متعجب ہو کر پوچھا۔

"بس تجربہ شرط ہے" خاں صاحب نے کہا "گھر والی کے ہوش زائل ہو جاتے ہیں۔ گھبرا جاتی ہے۔ بوکھلا جاتی ہے۔ اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی ذرا غل مچا دو"

خاں صاحب مجھے دیکھ کر ایسے مسکرا رہے تھے جیسے انہوں نے مجھے کوئی کیمیا کا نسخہ بتایا ہے۔ میں نے خاں صاحب سے غل کے بارہ میں پوچھا کہ غل کس قسم کا ہو تو خاں صاحب بولے "اجی الم غلم جو منہ میں آئے...... بس"

میں نے اس بات پر غور کیا۔ کچھ میرے دل نے گواہی نہ دی۔ اور مشکوک نظروں سے میں نے خاں صاحب سے پوچھا کہ "ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ بھلا گھڑے یا برتن پھوڑنے سے کیا ہوتا ہے۔ کیا کوئی ٹوٹکا ہے؟ کوئی جادو ہے؟"

خانصاحب نے کچھ بگڑ کر کہا "میاں بڑے بڑے لوگوں کا تجربہ ہے ہاں ٹوٹکا ہی سہی۔ کچھ سہی۔ ہم بھی کہتے ہیں نا۔ کبھی دوسروں کی بھی مان لیا کرتے ہیں۔ اجی گھڑا پھوٹتے ہی گھر والی کے ہوش خطا ہو جاتے ہیں۔ یہ کچھ قدرتی امر ہے۔ بس وہ سمجھتی ہے کہ قیامت آگئی۔ ہاتھ پیر پھول جاتے ہیں"

میں اب بھلا خاں صاحب سے کیا پوچھتا۔ یہی سمجھا کہ ہو نہ ہو یہ بات خاں صاحب کو سینہ بہ سینہ پہنچی ہے۔ علوم سینہ سے متعلق ہے۔ تمام علوم سینہ تقریباً ایسے ہی ہیں کہ رد و قدح کی گنجائش نہیں رکھتے۔ بحث اور منطق سے پاک ہوتے ہیں۔ چنانچہ اب میں دوسری بات پوچھنے کی فکر میں ہوا۔ اور میں نے خاں صاحب سے کہا:-

"اور دوسری بات؟"

ہاں دوسری بات بھی اچھی طرح سن لو۔ اگر یہ چاہو کہ ایک دم سے گھر والی پر چھا جاؤ۔ وہ ٹرا رہی ہو یا ٹرانے والی ہو۔ یا پھر وہ کوئی بات شروع کرنے والی ہو اور تم اسے چپ کرنا چاہو وہیں کا وہیں اس کو روک دینا چاہتے ہو کہ اسے وہیں سانپ سونگھ جائے تو ترکیب مجھ سے پوچھو"

یہ کہہ کر خاں صاحب نے عجیب فخریہ انداز سے سر کو جنبش دی

میں نے خاں صاحب سے کہا:۔

"تو اب تڑپاتے کیوں ہیں آپ۔ بتائیے نا آخر۔"

خاں صاحب بولے: "جب تم چاہو کہ گھر والی ٹرٹر نہ کرے یا دیکھو کہ وہ کچھ نیا شوشہ چھیڑنے والی ہے۔ مختصر یہ کہ جب تم چاہو کہ وہ چپ ہو جائے۔ چپ رہے تو بس بجائے زبردست "خاموش باش" کہنے کے تمہیں چاہیئے کہ لیٹے ہو تو زور سے کروٹ لو۔ یا تڑپ کر اٹھ بیٹھو۔ بیٹھے ہو تو اچھل کر پہلو بدلو۔ اور اس کی بات پر ذرا سر آگے بڑھا کر اس طرح کہ ہو (گردن لمبی کر کے) کیا فرمایا؟.... کیا کہا؟...... بس اتنا کہنا تمہارا غضب ہو گا۔ ذرا ہن کر اس طرح کہنا کہ ذرا رعب بھی پڑے۔ ہاں اور یہ اس طرح بن کر کہنا چاہیئے کہ جیسے تم نے نہیں سنا جو کچھ وہ کہتی تھی۔ اور اگر کہیں سن پاؤ گے تو بس غضب ہی ہو جائے گا۔"

میں نہ معلوم کن امور کا متوقع تھا۔ نہ معلوم کیا کیے ہوئے جتنا کچھ پژمردہ ہو کر میں نے کہا: "بس! اور جو وہ نہ چپ ہو تو کیا کروں۔ بلکہ یہ سمجھ کر کہ میں نے نہیں سنا اور بھی زور سے مجھے سنائے تو کیا کروں گا؟"

خانصاحب نے میری بات سن کر پہلے تو اپنے چہرے پر زلزلہ کے آثار پیدا کئے۔ پھر اپنے ہونٹوں سے مثلث بنانے کی قریب قریب کامیاب کوشش کرنے کے بعد ہی فوراً سخت خفا ہو کر کہا: "تو تم پھر جا کر کنویں میں جا کر گر پڑو...... (بگڑ کر) ہاں نہیں تو..... ارے میاں کر کیا؟...... بگڑ کر کھیل کھیل ہو جاؤ اور گرج کر کہو "ذرا پھر تو کہنا........ ذرا کہنا تو سہی" (گردن کو جھٹکا دیکر)

میں نے خاں صاحب کو دیکھا۔ مجھے اپنے ایک سکول ماسٹر یاد آگئے۔ ان سے کوئی بات دریافت کرو تو بڑے خفا ہوتے تھے مگر بتا ضرور دیتے تھے۔ لڑکے ان سے پوچھتے تھے اور جن پر وہ بگڑتے تھے انہی سے خوش رہتے تھے۔ خاں صاحب کی بھی یہی عادت تھی۔ میں نے کہا کہ صاحب ہنر کی فطرت کیوں کا کیا ڈر۔ لاؤ پوچھ بھی لو۔ چنانچہ میں نے کہا:۔

"اور جو وہ پھر کہہ دے؟"

بس میرا یہ کہنا تھا کہ گویا تودہ بارود میں آگ لگ گئی۔ اچھل کر خاں صاحب نے کہا کہ "پھر جو وہ کہہ دے تو اسے مار ڈالو تلوار سونت کر ایسی بیوی کے دو کر دو........ اماں تم آدمی ہو کہ پتیا خر۔ لاحول ولا قوۃ ...... ہونہہ...... بھلا مجال ہے جو کہہ دے اور اگر واقعی کہہ دے تو پھر کوئی چارہ نہیں سوائے اس کے کہ سونت کے تلوار اور بڑے جوش میں" کر خاں صاحب نے اپنے داہنے ہاتھ کو تلوار تصور کر کے بائیں ہاتھ کا میان بنایا اور بڑے جوش و خروش سے داہنا ہاتھ تلوار کی طرح میری گردن کو خیالی طور پر گھر والی تصور کرتے ہوئے زور سے چلا کر کہا کہ "دو ٹکڑے کر دو۔"

داہنے ہاتھ کی مصنوعی تلوار کا وار حقہ پر کھا تھا اس میں ایسا لگا کہ حقہ دھڑ سے گرا اور چلم دو گئی اور خاں صاحب پینترہ بدل کر چیا نہ پڑے "ارے ...... لاحول ولا قوۃ!"

میں نے اور انہوں نے حقہ سیدھا کیا۔ دو چار باتیں میں نے ضروری ان سے اور پوچھیں اور میں سہلاتا گھر پہنچا۔ دیکھا تو خانم برآمدہ میں کھڑی ہے۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے وہ ایک بے حقیقت ہستی ہے اور منٹوں میں سیدھی ہو جائے گی۔ گھڑوں کی طرف از خود میری نظر اٹھ گئی۔ میں نے سہلا کر کچھ دل میں کہا کہ خانم نے بڑی نرمی سے پوچھا کہ کھانا لایا جائے یا نہیں؟

(۳)

کھانے کے بعد میں لیٹ رہا۔ کچھ سوچ رہا تھا یعنی فنون جنگ جو سیکھ کر آیا تھا ان کی مشق کر رہا تھا۔ انگلی گھما گھما کر خیالی سین قائم کر رہا تھا کہ جب یہ ہو گا تو ہم یہ کریں گے۔ وہ یہ کہے گی تو ہم یہ جواب دینگے یوں کھڑا اپیدا کریں گے۔ یوں تڑپ کر اٹھیں گے یوں ایکٹنگ کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ غرض میں اسی طرح انگلیاں جھٹک رہا تھا کہ خانم نے مجھے دیکھا اور بولی:۔

"یہ انگلیاں کیوں نچائی جا رہی ہیں؟"

میں تڑپ کر شیر کی طرح (جنگ کی نیت سے) اٹھا اور عجب نہیں کہ زبر پڑا ہوتا اگر وہ بالکل ہی قریب نہ آگئی ہوتی اور اس کا چہرہ ضرورت سے زیادہ شاداب اور مشتدر نہ ہوتا اور نہ وہ ضرورت سے زیادہ محبت سے مجھے نہ دیکھ رہی ہوتی۔ اور فوراً ہی کندھوں پر میرے دونوں ہاتھ رکھکر محبت میں اس نے ہلا نہ ڈالا ہوتا۔

"یہ انگلیاں کیوں نچائی جا رہی ہیں؟" اس نے پھر بڑے مزے سے ہنستے ہوئے پوچھا: "دہمیوں کی طرح سے............ شیخ چلی کی طرح دل ہی دل میں باتیں کرنا کس سے سیکھا ہے؟"

اس کے تھوڑی دیر بعد میں سگریٹ لینے گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ڈاکیہ چلا آرہا ہے۔ اس نے مجھے سلام کیا اور میں نے جواب دیا۔ وہ حماقت کا سوال بھی کیا جو عموماً لوگ ڈاکیوں سے کرتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ کچھ نہیں۔ یہ کہتا چلا گیا۔ مجھے کچھ شک سا ہوا اور میں نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ احمد اور وہ باتیں کرتے آڑ میں ہوگئے میں نے اور جھک کر دیکھا ڈاکیہ تنہا کھڑا تھا اور احمد غائب۔ شاید اندر گیا

یہ کیوں؟ اب میں جلدی سے کمرہ کی دوسری طرف کھڑکی کے پاس آیا اور جھانک کر میں نے نظر دوڑائی۔

او ہو! میں نے دل میں سوچا۔ یہ ڈاکیہ! مخالف پارٹی کا ممبر ہے احمد خانم سے کچھ باتیں کر رہا تھا۔ سامنے ہی کھڑا تھا۔ میں جلدی کمرہ سے نکل کر باہر کی طرف آیا۔ میں نے دیکھا کہ ڈاکیہ دور پہنچا احمد کھڑا ہے۔ انگلی سے میں نے اشارہ کیا۔

میں کمرے میں کرسی پر بیٹھا تھا اور احمد میرے سامنے کھڑا تھا۔

"کیوں بے احمد" سے میں نے کہا۔ "یہ کیا ہو رہا تھا؟" سچ سچ بتا ناورنہ"...... میں نے گھونسہ دکھایا۔

کچھ نہیں" اس نے لاپرواہی سے کہا۔

"مارتے مارتے بھُرتہ کر دوں گا" لفظ بھُرتہ پر میں نے زور دیتے ہوئے کہا" جانتے ہو میرے غصہ کو بھی"

دراصل میرے غصّے کو وہ خوب جانتا تھا اور بولا صاحب کہئے گا تو نہیں"

"ابے ہم کیوں کہنے لگے"

وہ بولا" صاحب مار ڈالیں گی جو کہہ دیا آپ نے"

ہم تجھے بچائیں گے" سینہ پر ہاتھ رکھ کر لفظ ہم پر میں نے زور دیا" ہم کیسے موجود ہیں"

جب میں نے اسے اطمینان دلا دیا تو اس نے معاملہ کہہ دیا۔ ڈاکیہ اخبار کا وی۔ پی لایا تھا۔ وہ واپس کر دیا گیا ہے۔ بلکہ پتہ کی چٹ پر لکھ دیا ہے پنسل سے کہ" ایڈیٹر صاحب اب کی تو خیر مگر اب جو آپ نے وی۔ پی بھیجا تو اچھا نہ ہوگا" یہ بھی معلوم ہوا کہ ڈاکیہ کو ۸ر ماہوار باضابطہ تنخواہ ملتی ہے اور تاکید ہے کہ ڈاک بارہ بجے سے پہلے جو تم نے پہنچائی یعنی میرے کچہری جانے سے پہلے تو بس تمہاری تنخواہ بند۔

ذرا غور کیجئے گا۔ اس ملعون ڈاکیہ کی نالائقی پر۔ مجھ سے کہتا ہے کبھی کہ حلقہ بدل گیا ہے۔ اور کبھی کہتا ہے کہ ٹانگ میں درد ہے آہستہ آہستہ چلتا ہوں ڈاک پہلے نہیں دے سکتا۔ آج پتہ چلا اس کی بدمعاشی کا" رہ تو جا" میں نے دل میں کہا" تجھے بھی خانم کے ساتھ ساتھ ٹھیک نہ کیا ہو تو میرا ذمہ" اب میں نے سوچا کہ اخبار والا کیا کہتا ہوگا دل میں۔ کل ہی تو میں نے تقاضے کا خط لکھا ہے کہ اب تک وی۔ پی نہیں آیا اور آج یہ معاملہ! میں نے دل میں ایک گھونسہ تانا غصہ میں۔ بات غصہ کی ہی تھی۔ ذرا غور فرمایئے گا کہ اخبار والا ایجنٹ ہفتہ کے ہفتہ ٹائمس دے جاتا ہے۔ ہندوستان ٹائمس مانگو تو کبھی کچھ کہتا ہے کبھی کچھ۔ کبھی کہتا ہے کہ اخبار بند ہو گیا۔ کبھی کہتا ہے ایجنسی بند کر دی۔ کبھی جو اس کی بغل میں دیکھ لوں اور پوچھوں یہ کیا تو کہتا ہے کہ دوسرے کے ہیں اور نہیں دے سکتا" چنانچہ میں نے احمد سے پوچھا:۔

"اور یہ اخبار والا اخبار کیوں نہیں دیتا ہے، یہ کیا معاملہ ہے؟" کرید کر میں نے پوچھا:۔

احمد نے کہا کہ" صاحب بتا تو دوں مگر جو کہیں پتہ چل گیا تو میری موت آ جائے گی"

"کیوں مرا جاتا ہے بے" میں نے کہا" تجھے کاہے کا ڈر ہے۔ دم کیوں نکلا جاتا ہے بے تیرا"

گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر اس نے مری ہوئی آواز میں کہا" کان پکڑ کر اٹھک بیٹھک کرائی جائے گی۔ میرے گھٹنہ میں درد ہو رہا ہے۔ اس دفعہ کن پکڑی ہوئی تو آپ ہنسا کئے بیٹھے"

کچھ ڈرانے دھمکانے پر احمد نے بتلا دیا۔ ایجنٹ نے چھ مہینے تک روزانہ اخبار دیا تھا۔ اس کے دام ابھی تک ملے نہیں، مجھ سے جب کبھی اس نے کہا میں نے کہہ دیا" ہم نہیں جانتے اندر سے مانگو۔ مت بکواس کرو احمد سے کہو" یہ اس کا نتیجہ ہے۔ قصہ مختصر اس سے کہہ دیا گیا کہ اس شرط پر دام دئے جاتے ہیں کہ آئندہ حشر تک سوائے ہفتہ وار تصویر والے ٹائمس کے دوسرا اخبار مت دینا۔ اگر تم نے دیا تو تمہاری خیر نہیں۔ مطلب یہ کہ تمہارے دام مارے جائیں گے۔ چنانچہ دس بلکہ روپے اس کا ہمیشہ قرض رکھا جاتا ہے۔ بطور ضمانت تاکہ اگر ایجنٹ ذرا کان ہلائے تو وہ ضبط۔ تنگ آ کر وی۔ پی منگایا تو اس کا یہ حشر ہوا۔

اب میں نے طے کر لیا کہ ذرا اس شوہر پشت بیوی کو لگے ہاتھوں ٹھیک کر دوں آج۔ زبردست بھروسے اور ایک اعتماد کے ساتھ میں اس جنرل کی طرح اٹھا جو ایک دلوق کے ساتھ میدان جنگ سدھارتا ہے۔

جلدی جلدی میں نے گھرکے چھوڑنے کی خیالی طور پر مشق کی اور خود ہی اپنی آئندہ کامیابی پر مسکرایا۔ اپنے چرمرخ اور دکشائی نما چہرہ کو کچھ غضبیل بنایا۔ کچھ پچکے ہوئے گالوں میں ہوا بھری اور دل میں برہم ہو کر میں کہا کہ" بخدا! ٹھیک کر دوں گا" ایک جذبے کے ماتحت میری زبان سے بلند آواز میں نکلا!

(۳)

میں نے خانصاحب کی ہدایت کے مطابق تیور چڑھائے غضبیل صورت بنائی اور اندر داخل ہوا۔ خانم اپنے پلنگ پر پڑی ہوئی اونگھ

رہی تھی کہ میں پیر کو پٹخ کر کمرہ میں بیتحاشہ زور سے جو میں نے پیر زمین پر ایک فاتحانہ انداز میں مارا ہے تو وہ چونک پڑی اور زور سے بولی :-

" ہونہہ "

" ہونہہ کیا " ؟ میں نے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے کہا " کوئی ہم تمہارے دبیل بستے ہیں "

مسکراتے ہوئے اس نے کہا " اور نہیں کیا "

میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے اپنی پیاری بیوی سے بے حد محبت ہے عشق حقیقی ہے۔ یہی وجہ ہے دراصل جو اس کے عیوب بھی دور کرنا چاہتا ہوں مثلاً سرکشی وغیرہ۔ مگر کس انداز سے مسکراتے ہوئے اس نے کہا ہے " اور نہیں کیا " اور کس طرح کروٹ لے کر آنکھیں بند کئے ہوئے مجھے دیکھا ہے کہ میری آگ پر جیسے پانی پڑ گیا بہتیرا سنبھالا میں نے اپنے کو مگر ڈھیلا سا پڑ گیا۔ مگر ساتھ ہی میں نے اپنی کمزوری کو محسوس کیا اور یہ معلوم کر لیا کہ یہ تمہید جنگ تو فتح و محبت اور " جورو بازی " کی نذر ہوئی جا رہی ہے ایک جوش کے ماتحت میں نے اپنے جذبہ اور غصہ کو ابھارنے کی کوشش کی بغیر مسکرائے ہوئے پلنگ پر بیٹھ گیا لیکن یہ محسوس کرتے ہوئے کہ میرے چہرے سے غیظ و غضب کے آثار معدوم ہو گئے ہیں۔ مجبوراً لیٹ گیا۔ یہ سوچ کر کہ ذرا غصہ آ جائے۔

لیٹتے لیٹتے میری تمام جنگی حرارت عود کر آئی۔ جتنا کچھ لہجہ ممکن تھا میں نے درشت کر کے کہا :-

" ہم روزانہ اخبار بھی منگائیں گے "

خانم نے کوئی توجہ اس بات کی طرف نہ کی تو مجھے اور برا معلوم ہوا۔ اور میں نے ذرا زور دیکر کہا :-

" ایک روزانہ اخبار بھی آئے گا سنتی ہو کچھ "

" ایک چھوڑ دو منگاؤ " خانم نے نہایت ہی لاپرواہی سے کہا " دوسی دفعہ کہہ چکی ڈرائس کے معمے حل کرو انعام جیتو اور منگاؤ اخبار پہ اخبار "

" یہ کوئی قاعدہ نہیں ہے۔ ہم سے معمے حل نہیں ہوتے " میں نے کڑک کر کہا :-

دنیا کا یہی قاعدہ ہے " خانم نے کہا " معمے حل ہوتے ہیں اور اخبار آتے ہیں "

" بالکل غلط " میں نے کہا " مت فضول باتیں کرو کہیں کا یہ قاعدہ نہیں "

" خود ولایت میں یہی ہوتا ہے۔ سب شریف آدمی یہ ہی کرتے ہیں "

" بکتی ہو " میں نے کہا " کہیں یہ قاعدہ نہیں، ولایت میں یہ حماقت نہیں ہوتی "

" تم ایسے تھوڑی قائل ہو گے " یہ کہہ کر تیزی میں وہ ننگے پیر ہی اٹھکر گئی اور ایک خط میرے اوپر پیچ پیچ دے مارا یہ خط برخوردار سعادت آثار میاں جسیم طولہم کا تھا جو آج کل ولایت میں انجنیری نہیں پڑھ رہے ہیں۔ بلکہ شاید اپنی بھابی دلہن کی طرف سے سوشل ایجنٹ ورنہ خاص نمائندہ بن کر وہاں کی معاشرت کی اسٹڈی کر رہے ہیں یہ نالائق بھائی وہاں سے اپنی دلہن بھابی کو خط کیا لکھتا ہے۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ ٹھیکہ لے لیا ہے۔ اس نے وہاں سے نئے نئے شگوفے چھوڑنے کا خس منحوس خاندان میں وہ وہاں رہتا ہے کچھ وہاں کا حال لکھا تھا اس میں اسی سلسلہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ گھر کا کما ؤ مگر احمق شوہر اخبارات کے معمے حل کر کر کے دوسرے اخبارات خریدتا ہے میں نے خط غور سے پڑھا اور اس مسخرے انگریز کے دماغ کے بارے میں بھی میں نے سوچا کہ ضرور کوئی زائد پرزہ یا معمہ حل کرنے کی کمائی لگی ہو گی اس کے سر میں تو اس نے یہ کیونکر تصور کر لیا گیا کہ ایک قاعدے کے ماتحت وہ یہ سب کچھ کر رہا ہے اور یہ قاعدہ خود ہماری ہی ذات گرامی پر نفاذ پذیر ہونے کو رہ گیا ہے۔ چنانچہ خط پڑھ کر میں نے کہا :-

" جسیم تو آتو ہے اول نمبر کا "

" جب ہی تو ولایت گیا ہے " خانم نے مجھ سے طنزیہ لہجہ میں کہا " آپ نہ چلے گئے "

مجھے اب محسوس ہوا کہ میں تو بحث کر رہا ہوں اور چاہتے ہے مجھے اس وقت لڑنا۔ لہذا میں نے جھک کر کہا :-

ہمارا وی۔ پی۔ اخبار کا کس نے واپس کیا ؟ "

خانم نے غور سے میرے چہرہ کو دیکھا اور دیکھ کر بولی :-

" تمہیں کیسے معلوم ؟ کس نے کہا تم سے ؟ کیسا وی۔ پی ؟ "

میں نے کہا " ہم سب جانتے ہیں۔ ہم سے ڈاکیہ نے کہا یہ تمہید کیا اخبار تھا واپس کرنے کا ؟ "

گھر کے ذمہ دار ہم ہیں کہ تم ؟ " خانم نے اس طرح کہا جیسے وہ خود شوہر ہے اور میں اس کی قرنا بردار بیوی۔ معاً مجھے خیال آیا کہ موقعہ مجھے کہنا چاہئے اب۔ بیوی کی ٹرٹر کو ہمیں روکنا چاہئے۔ اور میں نے ذرا محبت سے " کیا فرمایا " ؟ کہہ کر تڑپا جو ہوں تو کھٹاک۔ سے لگا سر میرا پلنگ کے کٹہرے میں۔ مگر میں غصہ میں اور بھی جھنجھلایا اور میں نے کہا " کیا فرمایا ؟ " یہ سوچکر کہ اب میں نے اس کے حواس

زائل کئے۔

میری اس تڑیا تڑپی سے بجائے ڈرنے کے میں نے دیکھا کہ وہ تو ہنس رہی تھی۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا:-

میں نے یہ فرمایا" ہنسی کو بے طرح روکتے بھی ہوئے اور ہنستے بھی ہوئے اس نے کہا" میں نے یہ فرمایا کہ گھر کی میں ذمہ دار ہوں یا تم؟"

اب میں نے ایک اور چل کھایا۔ آنکھیں نکالنے کے لئے کچھ زور دیا۔ اپنے چہرہ کو خطرناک بنانے کی کوشش کی۔ تیور چڑھائے نہیں بلکہ بلند کئے۔ ذرا زور سے چلا کر میں نے خاں صاحب کی تمام ہدایات کی پابندی کرتے ہوئے سر کو جھٹکا دیتے ہوئے کہا" پھر تو کہنا .... ذرا کہنا تو سہی۔ کیا فرمایا؟" یہ کہہ کر میں اس کے طلسمی نتائج کا متوقع ہوا کہ اب اس کا غرور سرنگوں ہوتا ہے۔

مگر اس نے سارے چہرہ کو مسرور اور متبسم کر کے بلند آواز سے کہا:-

"اجی قبلہ میں نے یہ فرمایا کہ ذمہ دار گھر کے آپ نہیں ہیں.... میں ہوں......... آج یہ کیا ہو گیا۔ کیا کان سن ہو گئے تمہارے"

میرے کانوں نے جو کچھ سُنا وہ قابل یقین نہ تھا۔ میں اب یہ کیا معاملہ! یہ بیوی تو سخت شوریدہ پشت ہے۔ اب سوائے اس کے کیا چارہ کہ خود کشی میں کر لوں یا تلوار دے دوں کہ اس کے حوالہ کر دوں۔ مگر ہاں ابھی تو وہ گھوڑے! ایکدم سے میری طبیعت میں ہیجان آ گیا۔ غصہ میں مغلوب ہو کر اب میں اٹھا .... (اب ہمارے نام کے ......)

غصے بھی یعنی الفاظ عربی، ہندی، فارسی، اردو اور انگریزی کے یاد تھے بیک وقت زبان پر لا کر میں نے شور مچایا اور سیدھا چلا گھڑوں کی طرف۔ لپک کر ایک گھڑا اٹھا کر پھوڑ مارا۔ دوسرے کی گردن پکڑ کر جو اٹھایا تو گردن ہاتھ کی ہاتھ میں رہ گئی اور گھٹنے پر گر کر وہ پھوٹ گیا ہاتھ میں گھڑے کا گلا میرے اور پانی میں تر اور!

کمرہ کی طرف سے آواز آئی:-

"ایک ہماری طرف سے بھی....... ایک اور پھوڑنا....... دیکھئے کیا ہو وہ بھی پھوڑ دو........"

میں کچھ سناٹے میں آ گیا۔ اس گستاخ شوریدہ پشت اور سرکش بیوی کو میں نے دیکھا کہ اس کا پُرفسوں چہرہ ایک مسرت اور شادمانی کے نور سے چمک رہا ہے۔ خوشدلی اور خوش مذاقی اس کے چہرہ پر گھڑے پھوڑتے ہی تحریر ہو کر رہ گئی۔ یا میرے اللہ یہ الٹا اثر!

ہوش زائل ہونے کے بجائے یہ بات مضمون ہوا کہ بقول چچا سعدی ؒ

روغن بادام خشکی میکند!

شرارت اور تبسم کی بجلیاں روشن اور پُرنور چہرہ پر کوند رہی ہیں کہ محبت کا دیوتا اپنا ترکش خالی کر رہا ہے۔

اس کے بعد میں نے کیا کیا میری درخواست صیغہ راز ہی میں رہنے دیجئے۔ مگر نسخہ فیل ہو گیا۔

(۴)

شام کو خاں صاحب ملے۔ کہنے لگے"ہاں وہ گھڑے وڑے؟"

اس کے جواب میں خاں صاحب کو میں نے غور سے دیکھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ چڑی کا بادشاہ زیادہ خوبصورت ہوتا ہے یا پان کا بادشاہ۔

خاں صاحب نے اپنی ڈاڑھی کا بائیں طرف والا پیچ ذرا اوپر کو کرتے ہوئے کہا:-

"ہاں ہم بھی کچھ پوچھتے ہیں نا اور تم ہو کہ بولتے نہیں۔"

میں نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا" پھوڑے تھے" یہ کہہ کر ساری رام کہانی سنائی۔ خاں صاحب نے مارے غصہ کے داہنے ہاتھ کی مٹھی سے پہلے تو بار بار بائیں ہتھیلی کو اس طرح کوٹا کہ ڈاڑھی کا پیچ بھی درست کرتے جاتے تھے اور ہتھیلی بھی کوٹتے جاتے تھے۔ سینکڑوں گالیاں میری نکالیں۔ خانم کو گالیاں میرے منہ پر دیں۔ براہ راست نہیں بلکہ اس طرح کہ دنیا بھر کی سرکش اور اپنی بیویوں کو گالیاں دیں۔ حالانکہ خود خانم ہی کی سرکشی دیر عادت تھی۔ اس کے بعد خود اپنا سرکش بیوی کا شوہر نہ ہونے پر اظہار تاسف کیا۔ بلکہ ایک سرکش بیوی کے اب مل جانے کی تمنا کا زور دھیرے دل سے اظہار کیا۔ پھر جب میں نے عذر کئے تو کڑک کر کچھ سنجیدگی سے اپنی ڈاڑھی کا پیچ اونچا کرتے ہوئے بولے:-

"ہیچ صیقل نکو نخواہد کرد آہنے را کہ بدگہر باشد

(للفظ آہنے پر زور اور انگلی سے میری طرف اشارہ) اور پھر کچھ منہ چڑا کر۔ کچھ دانت نکال کر جیسے گڑ گڑا کر بولے:"میاں ترکیب بتائی تھی تمہیں کوئی تیور نواب دے نہیں دیئے تھے۔"

اب پتہ چلا مجھے کہ بات خاں صاحب نے سچ کہی۔ اور ان کی ترکیب بالکل ٹھیک تھی۔

خیر دیکھا جائے گا۔

فریبِ آرزو

ایکٹریس کی زندگی کا دلچسپ افسانہ

(از جناب حضرت ایم۔ اسلم)

اک روز میں نے اپنا درد چھپا کر کہا تھا
رہتا ہے آسماں پہ جب سے غبار ہر شب

کبھی میں ایک مشہور سینما اسٹار تھی۔ اور پھر پبلک کی بڑی منظور نظر ایک دنیا تھی کہ میری متوالی تھی۔ اور چاہنے والوں اور قدردانوں کی تو کچھ پوچھئے ہی نہیں۔ قسمت نے یہ اچھا مجھے آرام سے کبھی گھر بیٹھنا نصیب ہوا ہو۔ کاس خانہ سے جب فرصت ملتی تو حسن کے پرستار جان کے لاگو بن جاتے۔ کوئی کھانے پر بلا رہا ہے۔ کوئی چائے پر مدعو کر رہا ہے، کوئی گانے کی دعوت دے رہا ہے۔ تحائف پر تحائف چلے آتے ہیں۔ پیغام لانے والوں کا تانتا سا بندھا ہوا ہے۔ ایک کا موٹر آتا دوسرے کا جاتا۔

شام کا وقت عموماً سمندر کے کنارے گزرتا۔ یہاں میں کئی روز سے ایک نوجوان کو دیکھتی تھی۔ مجھے دیکھنے کا اس کا انداز کچھ ایسا تھا کہ خواہ مخواہ میرے دل میں کچھ الجھن سی پیدا ہونے لگتی۔ لیکن اس وقت کوئی نہ کوئی میرے ساتھ ضرور ہوتا ورنہ شاید میں خود ہی اس سے ملنے کی کوئی راہ نکالتی۔ لیکن وہ جو کسی نے کہا ہے کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ میرا دل بھی خود بخود اس کی طرف کھینچا جا رہا تھا۔ آپ جانتے! مجھ سی عورت اور پھر حجاب! گو یہ ایک بالکل بے معنی بات تھی تاہم اس نوجوان سے راہ و رسم پیدا کرنے کی مجھے جرأت نہ ہوئی۔

ایک روز اتفاق سے میں ایک دکان پر کچھ کپڑا خریدنے گئی قسمت دیکھئے کہ وہی نوجوان وہاں بھی موجود تھا۔ اسے دیکھ کر میرا دل خود بخود دھڑکنے لگا۔ اور وہ آج بھی اپنے اسی مخصوص انداز سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کی مسحور کرنے والی نگاہوں کے سامنے میری آنکھیں خود بخود جھکی جاتی تھیں۔

خیر! میں نے کچھ کپڑا خریدا لیکن دکاندار نے جب بل پیش کیا تو میرے پاس قیمت کم نکلی۔ میں ابھی دکاندار سے کچھ کہنے بھی نہ پائی تھی کہ اس نوجوان نے کپڑے کی قیمت ادا کر دی یہ تھی ہماری پہلی ملاقات

اس کے بعد ہم ہفتہ میں دو تین بار ایک ہوٹل میں ملا کرتے۔ مجھے اس نوجوان کی باتوں میں بہت لطف آتا۔ تصنع۔ ریاکاری یا چالاکی اس کے ہاں بالکل مفقود تھی۔ میں خوب سمجھتی تھی کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔ لیکن اس کی گفتگو پر ایک وقار تھا۔ اس کی بات سے اس کی شرافت کا پتہ چلتا تھا۔ یہ سب کچھ تو تھا لیکن جانے کیا وجہ تھی کہ مجھے بھی اس سے بے تکلف ہو کر بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔

ایک روز ہم دونوں ہوٹل میں بیٹھے تھے۔ میں سیدھی عکاس خانہ سے آئی تھی۔ اور میرا "میک اپ" بھی جوں کا توں تھا۔ باتوں باتوں میں ہنس کر کہا "آج تک آپ نے اپنا نام تو بتلایا ہی نہیں؟"

"آپ نے پوچھنے کی تکلیف ہی کب گوارا فرمائی" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"سچ ہمدوں" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں سچ" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پوچھنے کو تو کئی بار جی چاہا لیکن جرأت نہ پڑی" میں نے ذرا سر ہلا کر کہا۔

"دنیا مجھے اعجاز کہتے ہیں" "اور دولت خانہ؟" میں نے پوچھا

"جہاں سر چھپانے کو جگہ مل جائے" اعجاز نے مسکرا کر کہا۔

"سمجھ گئی" میں نے بھی اپنے اسی مخصوص انداز سے سر ہلا کر جواب دیا جسے دیکھ کر میرے قدردان جھوم جھوم جایا کرتے تھے۔ "اور شغل؟" میں نے پوچھا

"شغل" اعجاز نے ہنس کر کہا "آج کل بت پرستی ہے"

"بت پرستی" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"آپ صنم پرستی سمجھئے!" یہ کہتے ہوئے اعجاز نے پھر اپنے اسی مسحور کن انداز سے میری طرف دیکھا۔ خدا کی قسم! اعجاز کچھ اس وقت مجھے اتنا پیارا معلوم ہو رہا تھا کہ جی چاہتا تھا کہ اٹھا کر اسے سینے سے لگا لوں۔ لیکن خیر!

"پوچھ چکیں آپ!" اس نے پوچھا۔ "جی ہاں!" "ہو گئی تسلی آپ کی" "جی ہاں" "اب کچھ میں بھی پوچھ سکتا ہوں؟" اعجاز نے مسکرا کر کہا۔

"شوق سے" میں نے جواب دیا۔ "آپ کا نام نامی؟"

میں نے مسکراتے ہوئے اعجاز کی طرف دیکھا اور کہا "خوب!"

"واقعی آپ خوب ہی ہیں" وہ کہنے لگا، "بلکہ بہت خوب"
"شغل؟" اس نے پھر پوچھا — "ٹھہریئے!" میں نے کہا "میں تو آپ کو بہت بھولا بھالا سمجھتی تھی لیکن آپ تو ایک ہی کائیاں نکلے" "وہ کیسے؟"
"آپ سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بن رہے ہیں"
"میں سمجھا نہیں" اعجاز نے جواب دیا۔ "جی ہاں" "واللہ!"
"تو کیا آپ کو میرا نام بھی معلوم نہیں، مجھ سے تو ارشاد ہوا کہ سچ کہو لیکن آپ؟"
"معلوم ہوتا تو پوچھتا کیوں؟" اعجاز کہنے لگا "اور اب نام بتلا کر یہ اعتراض کیوں کر بیٹھے" "نام" میں نے کہا "کب بتلایا میں نے"
"کیوں؟" اس نے ذرا سنجیدگی سے پوچھا "ابھی تو آپ نے خوب اپنا نام بتلایا اور اب مکرنے بھی لگیں" میں نے ذرا سر ہلا کر کہا۔
"بہت بہتر!" سنئے! میرا نام کچھ بھی سہی لیکن آپ ایسے بھولے بھالے مجھے بدر کہہ کر یاد فرماتے ہیں۔ رہا میرا شغل تو وہ ذرا تشریح طلب ہے۔ ایک وقت دل نوازی، ایک وقت جاں ستانی اور فرصت کے اوقات میں زر پرستی۔ سمجھ گئے نا آپ؟"
"سمجھ گیا!" اعجاز نے جواب دیا "لیکن آپ ایک چیز بھول گئے" "وہ کیا؟" "محبت!"
"محبت" میں نے ہنس کر کہا "میں تو اس رفیق سے آج تک آشنا ہی نہیں ہوئی"
یہ سن کر اعجاز نے سر جھکا لیا "ایک بات پوچھوں" اعجاز نے کہا۔
"ارشاد!" "سچ سچ کہیئے گا" "سچ"
آپ میرے اس میک اپ کو پسند کرتے ہیں یا مجھے؟" "محض آپ کو!"
"یہ میک اپ آپ کو پسند نہیں" میں نے ہنس کر کہا "ایک دنیا میری اس آرائش اور زیبائش ہی پر تو مرتی ہے"
"میک اپ" اعجاز بولا "لیکن میں اس دنیا سے الگ ہوں"
"خوب!" میں نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا "آپ کس دنیا میں رہتے ہیں؟"
"جہاں تصنع، بناوٹ اور ہوس کا گذر نہیں"
"کیا میں یہ پوچھ سکتی ہوں" میں نے کہا "آپ مجھ سے یہ راہ و رسم کیوں بڑھا رہے ہیں؟"
"مجھے آپ سے محبت ہے" اعجاز نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔
"محبت! مجھ سے!" میں نے سر ہلا کر پوچھا "سچ کہہ رہے ہیں آپ!"
آپ سے نہیں" اعجاز نے ذرا سنجیدگی سے کہا "اللہ ہرگز نہیں۔ مجھے محبت ہے تو بدر سے ہے۔ ایکٹرس سے نہیں" یہ سن کر میں نے سر جھکا لیا۔
آپ جانیئے! کہ میری عمر میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ میں نے ایک نوجوان کے منہ سے یہ الفاظ سنے تھے اور میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ اعجاز اس وقت نہ تصنع سے کام لے رہا ہے اور نہ زمانہ سازی کر رہا ہے بلکہ جو کچھ اس کے دل میں ہے وہی کہہ رہا ہے۔ میں اس وقت تک محض اس نوجوان سے اس لئے ملتی کہ میری نگاہوں کو وہ بھلا لگتا تھا۔ اور میں آپ کو یہ بھی بتلائے دیتی ہوں کہ میرا وقت جتنا اس کے پاس گزرتا اس میں ایک طرح سے میرا

مالی نقصان بھی تھا۔ کیونکہ میں تو اپنے ملنے والوں سے ایک منٹ کے دام وصول کیا کرتی تھی۔ میری حقیقت تو نیلام کی دوکان میں چینی کی ایک خوبصورت پتلی کی سی تھی۔ جو سب سے زیادہ بولی دے وہی اٹھا کر لیجائے۔ لیکن آج اعجاز کے صرف چند ایک الفاظ نے مجھے بندۂ بے دام بنا دیا تھا۔
میرے پیشے کی عورتیں ایک مدت تک تو فلک ہفتم کی سیر کرتی ہیں اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتیں۔ لیکن ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ جب انہیں ہر کس و ناکس کی طرف خود جھکنا پڑتا ہے۔ میری عمر تیس کے قریب تھی گو پردۂ سیمیں پر میک اپ کی بدولت دیکھنے والوں کو میں بیس بائیس سال کے لگ بھگ ہی نظر آتی۔ میں جانتی تھی کہ میرے زوال کا زمانہ قریب آ رہا ہے۔ اور وہ حرص و ہوس کے پتلے جو آج میری شمع حسن کے پروانے بنے پھرتے ہیں کسی دن میری طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے لیکن اعجاز مجھے وہ شخص نظر آ رہا تھا جس کی بدولت میری عاقبت بھی سدھر جائے۔
پہلے ہم ہفتے میں دو تین بار ملا کرتے تھے۔ اب میں بلا ناغہ اس سے ملتی اور میرے دیرینہ کرم فرماؤں اور قدر دانوں کو مجھ سے ملنے کی حسرت ہی رہتی۔ میں سچ کہتی ہوں کہ مجھے بڑی آرزو تھی کہ مجھے وہ اپنے سینے سے لگائے، مجھے پیار کرے۔ اختلاط و محبت کرے۔ لیکن نہیں وہ ان سے بہت بالا تھا۔ بہت ہوا تو وہ کسی وقت میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتا۔ میں نے آج تک اس کی زبان سے یہ کبھی نہیں سنا کہ وہ مجھ پر مر جا رہا ہے۔ عشاق کی وہ رسمی ہائے ہو، وہ بے قراری کا اظہار اور وہ بناوٹ کی محبت، اس کے ہاں یہ باتیں بالکل مفقود تھیں۔ وہ مجھے "بیوی" بنانا چاہتا تھا۔ بس یہی اس کی تمنا تھی اور یہی آرزو۔
ایک روز ہم دونوں ہوٹل میں بیٹھے چائے پی رہے تھے وہ مجھ سے کہنے لگا۔
"بدر! کیا تم اس زندگی کو پسند کرتی ہو؟"
"پہلے کیا کرتی تھی" میں نے کہا "لیکن اب نہیں"
"تمہیں اپنے دوستوں کے چھوڑنے کا کبھی افسوس تو نہ ہوگا" اس نے پھر پوچھا
"دوست!" میں نے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ آپ دوستی کا مفہوم ہی نہیں سمجھے ہم پیشہ زنوں کا کوئی دوست نہیں ہوتا۔ آپ جانئے! جہاں پیسے کا سوال ہو۔ جہاں ملنے والوں کی جیب پر نظر ہو۔ جہاں یہ خیال ہو کہ جو کچھ بھی ہو اور جیسے بھی ہو اس سے وصول کر لیا جائے۔ وہاں دوستی اور محبت کیا معنی؟"
"لیکن ضروریات بھی تو ہوتی ہیں" اعجاز نے کہا۔ "ہاں ہوتی تو ہیں" میں نے کہا "میرے پیشے کی عورت کو اگر کسی شخص سے سچی محبت ہو تو وہ اس پر اس قسم کا بار ہرگز نہیں ڈالتی۔ وہ اپنی ضروریات اور طریق سے پوری کر لیتی ہے"
"لیکن جب وہ ایک کی ہو کر رہے؟" اعجاز نے پوچھا "پھر ضروریات کا سوال ہی کیا!" میں نے کہا "جب پہلے مالک وہ بنے پڑے گی اسے خود ہی فکر بھی ہوگا"
"اچھا! تو پھر تم نے میرے متعلق کیا فیصلہ کیا؟" اعجاز نے پوچھا۔
"آپ جانتے کیا ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"تم میری شریک زندگی بن جاؤ" اعجاز نے جواب دیا۔

"میرے لئے تو یہ کچھ مشکل نہیں" میں نے کہا "لیکن آپ نے کبھی غور بھی کیا۔ کیا آپ کا میرا نباہ ہو سکے گا؟"

"امید تو ہے" اعجاز نے کہا "لیکن پہلے تم بھی کچھ اقرار کرو"

"اقرار!" میں نے سہلا کر کہا "اپنے دل سے پوچھئے"

یہ میں نے محض اسے چڑانے کو کہہ دیا۔ ورنہ جس قدر اعتبار سے اعجاز کام لے رہا تھا وہی اس کی شرافت اور سچی محبت کی دلیل تھی۔ "معاف کرو" وہ بولا "آپ کے منہ سے یہ رسمی باتیں کچھ زیب نہیں دیتیں" میں نے کہا "دیکھ آپ کو میرے حالات تو معلوم ہوں گے" "حالات؟" اعجاز نے پوچھا "کیسے حالات؟"

"میری زندگی کی سرگذشت میرے گناہوں کی داستان میری بیماری——"

"بس!" اعجاز نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور کہنے لگا۔

"تمہیں مجھ سے کچھ بھی محبت ہے یا تمہیں میری ذرہ برابر بھی پرواہ ہے تو آئندہ اپنی گزشتہ زندگی کے متعلق مجھ سے کچھ مت کہنا"

"کیوں!" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"وہ کچھ بھی سہی" اعجاز بولا "لیکن تم وعدہ کرو"

"جیسے آپ کی مرضی۔ لیکن سنئے!" میں نے کہا "میں کمپنی سے معاہدہ تو آج توڑنے کے لئے تیار ہوں مگر میرے پاس تاوان ادا کرنے کے لئے روپیہ نہیں"

"کس قدر روپیہ چاہئے" اعجاز نے پوچھا۔ "پانچ ہزار"

"کسی کا کچھ اور لینا دینا تو نہیں؟" "بالکل نہیں"

اعجاز نے جیب سے ہزار ہزار کے پانچ نوٹ نکال کر میرے سامنے رکھ دئے

"آپ مجھ سے شادی کریں گے؟" میں نے پوچھا۔

"ارادہ تو یہی ہے!" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اور مجھے پردے میں رہنا ہوگا" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"تمہاری مرضی پر ہے" "بہت اچھا کل آپ کو قطعی جواب دوں گی"

"تو اب مجھے اجازت ہے؟" اعجاز نے پوچھا۔

اعجاز کو چونکہ معلوم تھا کہ مجھے امیروں سے کبھی ملنا ہوتا ہے اس لئے وہ ہمیشہ خود ہی جانے کی اجازت مانگا کرتا تھا اور خدا کی قسم اس نوجوان کی یہی تو باتیں تھیں جو خود بخود مجھے اس کی طرف کھینچے لئے جاتی تھیں۔

"ابھی نہیں" میں نے کہا "آیئے نا ذرا باغ کی سیر کر آئیں"

ہم دونوں سوار ہو کر باغ پہنچے اور مولسری کے درختوں کے نیچے ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔ سامنے سے کہیں کچھ فاصلے پر دو شخص آپس میں باتیں کرتے ہوئے ہماری طرف آ رہے تھے اعجاز انہیں دیکھتے ہی ایک درخت کی اوٹ میں ہو گیا۔

"کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرے والد آ رہے ہیں" اس نے ذرا جھینپتے ہوئے جواب دیا۔

"کون؟ وہ لمبی مونچھوں والے یا دوسرے داڑھی مونچھ منڈے" میں نے پوچھا۔

"سفید مونچھوں والے" اس نے جواب دیا۔

یہ الفاظ سنتے ہی آپ جانئے کہ مجھ پر بجلی گری۔ یہ سفید مونچھوں والا شخص تو میرا پرانا مہربان مفرط العمر پرانا پرستار تھا۔ ہم دونوں باغ سے ہٹ کر دوسری طرف نکل گئے۔

"تو اچھا کل مجھے قطعی جواب ملیگا نا" اعجاز نے پوچھا۔

"قطعی!" میں نے کہا "لیجئے اب اجازت دیجئے۔ میں تو بھول ہی گئی اس وقت تو مجھے ڈائرکٹر کے پاس پہنچنا تھا۔

ڈائرکٹر کے پاس جانے کا تو محض ایک بہانہ تھا۔ اعجاز سے رخصت ہو کر میں سیدھی اپنے مکان پر آئی۔ آپ جانئے میں اس وقت انگاروں پر لوٹ رہی تھی کلیجہ بیٹھا بیٹھا جاتا تھا۔ دل چاہتا تھا کہ زہر کھا کر اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالوں۔ لیکن جانئے یہ کمبخت آنسو کہاں چلے گئے تھے۔

پانچ ہزار کے نوٹ سامنے میز پر رکھے تھے۔ آپ جانئے! میری قماش کی عورت کے لئے اس سے زیادہ اور کیا للچا دینے کی چیز ہو سکتی تھی۔ پانچ ہزار روپیہ ہر روز نہیں ملا کرتا......

لیکن نہیں! میں اس شخص کو نہ تو دھوکا دے سکتی تھی جس نے مجھے دل سے جان سے اور شاید ایمان سے چاہا تھا۔ اور نہ اس کا روپیہ رکھ سکتی تھی۔ اس غریب کے لئے یہ صدمہ کیا کچھ کم ہوگا کہ میں اس کی نہیں ہو سکتی۔

قسمت! ہاں قسمت! گو میں آج تک یہ نہیں سمجھ سکی کہ جب میں نے گناہوں سے تائب ہونے کی ٹھان لی تھی تو قسمت نے بنا بنایا کھیل کیوں بگاڑ دیا۔ کچھ بھی سہی کوئی باور کرے یا نہ کرے لیکن مجھے اعجاز سے عشق تھا۔ محبت تھی اور آج اس وقت اس محبت کا تقاضہ یہی تھا کہ میں اس سے بالکل الگ ہو جاؤں۔

جس شخص کے باپ سے میرے ناجائز تعلقات تھے میں اس کی ہو کر کیسے رہ سکتی تھی۔ شاید میرا یہ ایثار ہی میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔

رات تو جیسے کٹی سو کٹی۔ صبح ہوتے ہی میں نے ڈائرکٹر کی معرفت اعجاز کے روپیہ واپس بھیجدئے اور نوٹوں کے ساتھ صرف اس قدر "اعجاز! شرافت کا تقاضہ یہی ہے کہ تم مجھے بھول جاؤ" ایک کاغذ پر لکھ کر بھیج دیا۔

ساتھ ہی اعجاز کی نظروں سے دور رہنے کے لئے ڈائرکٹر کی اجازت سے ایک دوسرے مقام پر چلی گئی۔

عورتیں زیادہ مکّار ہوتی ہیں

(از اے۔ آر۔ ناصح)

محشر خیال میں "عورتیں زیادہ مکار ہوتی ہیں یا مرد" کے موضوع پر جو بحث چھڑی ہے۔ میں نے غور سے اس کو پڑھا اور حقیقت پر غور کیا میرے خیال میں موضوع پر جو مضامین اس وقت تک شائع ہو چکے ہیں افراط و تفریط سے خالی نہیں ہیں۔ مرد کہتے ہیں "عورتیں زیادہ مکار ہوتی ہیں" اور عورتیں بتاتی ہیں کہ "مرد زیادہ مکار ہوتے ہیں" لیکن جو دلائل فریقین نے پیش کئے ہیں وہ اس قدر مضبوط اور ٹھوس نہیں کہ ان کی تردید نہ ہو سکے۔

حقیقت کیا ہے؟ اس کا فیصلہ بادی النظر میں مشکل ہے مواقع کے لحاظ سے مرد بھی مکاری کرتے ہیں اور عورتیں بھی اور ان میں سے ہر ایک اپنے مکر و فریب سے غیر معمولی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ بعض موقع پر مرد کی مکاری اتنی اہم اور شاندار ہوتی ہے کہ عورت مکاری کی اس منزل تک کبھی نہیں پہونچ سکتی۔ سیاسی مکاریاں عیاریاں اور چالاکیاں اس کا واضح ثبوت ہیں اور بعض موقع پر عورت کی مکاری اتنی دلفریب یا ہولناک ہوتی ہے کہ عقل و دانش کا پتلا مرد اس کی سطح تک کو معلوم نہیں کر سکتا۔

یہ تو ان مکاریوں اور عیاریوں کا ذکر ہے جو دنیا کے اہم امور اور زندگی کے خاص شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ رہے تمدنی اور معاشرتی امور یا خانہ داری کے معاملات ان پر غور کرنے سے البتہ وہ حقیقت سامنے آتی ہے جس سے نہ کوئی فہیم عورت انکار کر سکتی ہے۔ اور نہ کوئی انصاف پسند مرد اس کی تردید کر سکتا ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم ان حقائق کو پیش کریں جن سے عورت کی فطری کمزوریوں کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ بحیثیت ایک مرد کے ہم نے مسئلہ پر روشنی ڈالنے میں عصبیت سے کام نہیں لیا ہے اور نہ ہم اس امر کو انصاف پرستی جانتے ہیں کہ مردوں کے تفوق کو خواہ مخواہ نمایاں کر کے عورت کی کمزوریوں کو ظاہر کیا جائے یا اس کے محاسن کو نظر انداز کر کے عیوب پر بحث کی جائے۔

جہاں تک عورت کی فطرت کا تعلق ہے اور جس حد تک اس کی فطرت میاں بیوی کے تعلقات میں نمایاں ہوتی ہے اس کو دیکھتے ہوئے غالباً یہ فیصلہ آسانی کے ساتھ کیا جا سکے گا کہ زن و شوہر کے تعلقات اور پھر جنسی حریفانہ معاملات میں عورت کی مکاریاں مرد سے بدرجہا زیادہ ہوتی ہیں۔

عورت جب کبھی ہم جنس کی حریف بن جاتی ہے۔ تو اس کی مکاریوں کے جوہر کھلتے ہیں۔ مخالف کو نیچا دکھانے۔ ذلیل کرنے۔ اور مخلتف صورتوں سے اس کی زندگی کو تلخ کر دینے کے لئے وہ جو تدبیریں اختراع کرتی اور جس خوبصورت شکل میں ان چیزوں کو وہ پیش کرتی ہے۔ مرد کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتیں۔

مرد جب کبھی بیوی کو ڈراتا۔ دھمکاتا۔ یا اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرتا ہے اس وقت بھی عورت کی مکاریاں وہ کام کرتی ہیں جو کسی چالاک مرد کی سیاست نہیں کر سکتی۔ فرض کیجئے خانہ داری کے معاملات میں عورت کی بے پروائی سے کوئی خرابی رونما ہوئی یا عورت نے مرد کی خواہش کے خلاف اپنی فطری ضد سے کوئی ایسا کام کیا جس سے مرد کے جذبات یا عزت کو کوئی صدمہ پہنچا۔ ایسی حالتوں میں اس وقت تک کہ مرد مجبور ہو کر بیوی سے صلح نہ کرے یا مرد کی ناراضی و کشیدگی خود بخود رفع نہ ہو جائے۔ عورت برابر ان عیاریوں سے کام لیتی رہتی ہے جو حقیقت میں تو مکاریاں ہوتی ہیں۔ لیکن ایسی خوبصورت شکل و صورت میں کہ مرد کسی طرح بھی ان کی حقیقت کو معلوم نہیں کر سکتا۔ مثلاً جس روز میاں بیوی کے درمیان کوئی تلخی پیدا ہوئی یا مرد جا نثر دیا ڈانٹا ہے تو عورت اسی روز یا کچھ وقفہ دیکر اپنے آپ کو کسی مصنوعی خطرناک مرض میں مبتلا کر لیتی ہے یا کوئی ایسا حادثہ وقوع میں لے آتی ہے جس سے گھر بھر پریشان ہو جاتا ہے۔ اور مرد اس ناگہانی بلا یا فرضی بیماری کی شدت اور اذیت کے اظہار سے اس قدر سراسیمہ ہو جاتا ہے کہ کشیدگی و ناراضی کو یکسر فراموش کر دیتا ہے اور بیوی کو صحت و سکون کی حالت میں دیکھنے کے لئے اپنے آرام و سکون ہی کو نہیں روپیہ کو بھی ضائع کر دیتا ہے۔

مشہور ہے کہ "عورت کا انتقام بے پناہ ہوتا ہے" یہ مقولہ غالباً کافی تجربہ کے بعد کہا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عورت انتقام میں

دیوانی ہو جاتی ہے۔ انتقام کا جذبہ خفیف ہو یا قوی عورت پوری شدت سے انتقام لیتی ہے اور جب تک اس کے انتقام کی آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے بالکل نہیں بجھ جاتے اس وقت تک وہ چین سے نہیں بیٹھتی۔

عورت کی مکاریوں کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں اور بیسیوں قصے وضع کئے یا شائع کئے جا سکتے ہیں لیکن ان مثالوں اور قصوں کی تردید بھی ممکن ہے۔ اور اسی نوع کی مخالف مثالیں اور قصے بھی وضع کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن جس چیز کی تردید ممکن نہیں ہے وہ روزانہ کے خانگی معاملات ہیں۔ بہت کم گھروں میں خدا کی ایسی نیک بندیاں ہونگی جن کی پاکیزہ خواہشات۔ صالح فطرت اور پاک جذبہ گھر بھر کے لئے سعادت و سکون کا موجب ہوگا۔ اور جن میں خدا نے خوش گزران خوش معاملگی۔ اور خوش طبعی کی پاکیزہ سیرت رکھی ہوگی اور وہ غم و الم اور بدمزگی سے طبعی نفرت رکھتی ہوں گی ورنہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ عورت مرد کی معمولی کمزوری یا ادنے فروگزاشت کو بعض وقت اتنا اہم سمجھ لیتی ہے کہ اس کے مقابلہ ہر جائز و ناجائز تدبیر کو اختیار کر لیتی ہے اور شوہر پر اس طرح دباؤ ڈالتی ہے گویا شوہر اس کا زر خرید غلام ہے۔ بعض اوقات مرد اس قدر سادہ لوح ہوتا ہے کہ عورت کے دباؤ میں آجاتا ہے اور اپنی جائز خواہشات اور غیر ممنوع آزادی کو بھی بیوی کی خواہش پر قربان کر دیتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرد کو اس کی جائز آزادی سے محروم کر دینے کی کوشش عورت اور مرد دونوں کے لئے خطرناک اور ضرر رساں ثابت ہوتی ہے۔

فرض کیجئے مرد بیوی سے محبت بھی کرتا ہے اور اس کی جائز خواہشات کا احترام بھی اور اسی کے ساتھ اپنی جائز آزادی سے بھی فائدہ اٹھاتا ہے اور وقت کا کچھ حصہ مثلاً دماغی اور جسمانی کاروبار کے تکان کو دور کرنے کے لئے اپنے بے تکلف دوستوں میں بھی خرچ کرتا ہے۔ اور بعض اوقات اس بے تکلف اور غیر مضر صحبت میں وقت کا کچھ زیادہ حصہ بھی خرچ ہو جاتا ہے جو بیوی کو ناگوار گزرتا ہے اول وہ ایک دو مرتبہ احتساب کے طور پر مرد کو اس سے منع کرتی ہے۔ لیکن مرد بے تکلف دوستوں کے تکدر اور پھر زن مریدی کے الزام سے بچنے کے لئے اس کی زیادہ پروا نہیں کرتا اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عورت اخلاقی ذریعے سے ان شبہات کو دور کرنے کے بجائے شبہات کو ترقی دیتی ہے۔ اور ترقی پر دلائل اور بعض غلط قرائن سے اپنے قائم کئے ہوئے خیالات کو نشو و نما دیتی رہتی ہے۔ اندرونی طور پر اس کی کشیدگی بڑھتی رہتی ہے اور مرد کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا مختصر یہ کہ عورت نے جو خیال قائم کیا تھا وہ نشو و نما

پاکر ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد شبہات یقین کی شکل میں بدل جاتے ہیں اور عورت انتقام پر آمادہ ہو جاتی ہے اور اتنا سخت انتقام لیتی ہے کہ خوشحالی کی زندگی یکسر بدحالی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ مسرت و راحت کدہ ماتم کدہ بن جاتا ہے۔ اور روزانہ کی لڑائیاں خانگی سعادت کا خاتمہ کر دیتی ہیں۔

کون ہے جو گھروں کے ان واقعات سے انکار کر سکتا ہے۔ اور کون ہے جس کو اس کا تجربہ نہیں ہے۔ کیا اس قسم کے واقعات عورت کی مکار فطرت کا مظاہرہ نہیں کرتے اور کیا عورت کی بدطینتی کا اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت ہو سکتا ہے۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض اوقات عورت کی بعض حرکتوں سے مرد میں بھی اس قسم کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور اس کے نتائج خطرناک نکلتے ہیں۔ لیکن اگر عورت اپنی ضدی طبیعت اور عیاری و مکاری کے خیالات کو یکسر دل و دماغ سے محو کر دے اور شوہر کو اپنا اور صرف اپنا بنانا چاہے تو اس کے لئے یہ بات کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ گھر کی مسرت و خوشحالی تمام و کمال عورت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اگر عورت اپنی فطرت کی کجی پر قابو حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہے۔ عیاری و مکاری کے جذبات کو دل و دماغ میں جگہ نہ دے اور گھر کی سعادت کو اپنی بے جا و ناروا خواہشات پر مقدم رکھے تو یقیناً گھر کے اندر کشیدگی کی بھیانک شکل کبھی نظر نہ آئے اور مرد خواہ کتنا ہی بدمزاج بدطینت اور بداخلاق کیوں نہ ہو۔ بیوی کی مخالفت کی جرات بہت کم اس میں پیدا ہو۔

عام مشاہدات کی بنا پر غالباً یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسی فیصدی گھروں میں عورت کی بدمزاجی۔ عیاری۔ اور مکاری موجب فساد و کشیدگی ہوتی ہے۔ اور جن خوشحال گھروں کو تباہی و بربادی یا ابتری و خونریزی کا شکار ہونا پڑا ہے۔ وہ عموماً عورتوں کے ہاتھوں شکار ہونا پڑا ہے۔

مرد زیادہ مکّار ہوتے ہیں

(از محترمہ رضیہ بیگم صاحبہ)

کلنے کو کانا کہنا نہ تو کوئی خوبی کی بات ہے اور نہ کوئی عیب اس لئے کہ قدرت نے یہ عیب اگر کسی انسان میں پیدا کیا ہے تو اس سے چڑھنا اور حقیقت سے انکار کرنا کوئی خوبی نہیں ہے۔ لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ کانا کانا کہنے سے اس قدر برافروختہ ہوتا ہے گویا اس کو کسی سخت قسم کی کوئی گالی دیدی گئی۔

یہی حال مردوں کا ہے۔ مردوں کی عیّاریاں۔ مکاریاں اور روباہ بازیاں اس قدر عام ہیں کہ ان پر بحث کرنا ہی بیکار ہے۔ مختصر خیال میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی گئی تو بعض مرد اس قدر برافروختہ ہوئے کہ دنیا بھر کی برائیاں۔ جہان بھر کے عیوب اور کائنات ارضی کے تمام اتہامات عورتوں پر تھوپ دئے اور ایک لمحہ بھر کے لئے اپنی یگانۂ روزگار شخصیت کی مکاریوں پر غور نہیں کیا۔

مردوں کی عیاریوں۔ مکاریوں کے مناظر و شواہد کی تلاش ہے تو آپ جیلخانوں۔ پولیس دفتر کی کوٹھڑیوں۔ اضلاع کی کچہریوں اور قصبات کی آنریری عدالتوں وغیرہ میں تشریف لے جائیے جہاں آپ کو ۹۹ فی صدی مردوں کی کیاریوں۔ چالاکیوں۔ مکاریوں اور جملہ قسم کے عیوب نت نئے رنگ میں نظر آئیں گے۔ بہت سے مرد ہونگے جن کو اس علت میں جیل خانہ کی محفوظ بارگیں عطا ہوئی ہوں گی کہ انہوں نے دوسروں کی منکوحہ عورتوں کو بہکا کر خراب کیا ہوگا۔ یا اغوا کے مرتکب ہوکر کہیں بیچ ڈالا ہوگا۔ بہت سے ایسے ہوں گے جن کی مکاری نے بیگناہوں کی عزت و آبرو برباد کی ہوگی۔ بہت سے وہ ہوں گے جنہوں نے بدنیتی کے ساتھ کسی مہاجن سے قانونی شکل وصورت میں روپیہ قرض لیا ہوگا۔ لیکن اس کو ادا کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی ہوگی اور اگر اتفاقاً رقم کے عوض قید خانہ میں اطمینان سے مہاجن سے نفقہ اور کپڑا وصول کرکے مدت معینہ کے ایام کو بسر کر رہے ہوں گے۔ پھر ایک تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہوگی جنہوں نے چلتی ریل میں یا ریل کے مسافر خانہ میں یا کسی ہوٹل و مسافر خانہ میں کسی مسافر کو دھوکہ دے کر اس کا مال اڑا دیا ہوگا یا سونا دکھا کر پیتل بیچ ڈالا ہوگا یا طبیب حاذق کی شکل میں مسافر کو مہلک مرض میں مبتلا بتا کر اس سے رقم اینٹھلی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

پولیس کی کوٹھڑیوں یا حوالات میں بھی اسی قسم کے مرد ملیں گے جنہوں نے عیاری و مکاری سے کام لے کر کسی کا مال چھینا ہوگا۔ ڈرا دھمکا کر کام نکالنے کے لئے کسی کا سر پھاڑا یا کسی کو زدوکوب کیا ہوگا کسی بچہ کو بہلا پھسلا کر اس کا زیور اتار لیا ہوگا۔ کسی ایسی عورت سے جس کا شوہر مالدار ہو عیاشی کی علت میں مبتلا کرکے شوہر کو قتل کرا دیا ہوگا۔ اور سازش میں ماخوذ ہوکر خود بھی حوالات میں تشریف لائے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔

اضلاع کی کچہریاں تو مردوں کی مکاریوں کی صحیح تصویر آئینے کا آئینہ ہیں۔ مدعی کا وکیل مدعا علیہ کے گواہوں پر یا مدعا علیہ کا وکیل مدعی کے شاہدوں پر اپنے خیال میں اپنے دعوے کو ثابت کرنے یا مدعی کے دعوے کو کمزور بنانے کے لئے بہترین قسم کی جرح کر رہا ہوگا۔ لیکن عیار و مکار مرد اس کی جرح سے اپنے فریق کو اس طرح بچا رہے ہوں گے کہ کسی طرح اس پر کوئی الزام نہ آجائے اور اپنی مکاریوں۔ اور طوفانِ کذب و دروغ کو اس طرح پیش کر رہے ہوں گے کہ عدالت ان کو صادق البیان اور سچا انسان ماننے پر مجبور ہو جائے۔

بہت سے مدعی کچہریوں میں ایسے ملیں گے جن کا دعوے سراسر مکر و فریب پر مبنی ہوگا۔ بہت سے مدعا علیہ ایسے ہوں گے جو مذہب مقدس کی مقدس کتاب ہاتھ میں لے کر اصلیت و حقیقت سے اس طرح بگڑ جائیں گے، کہ دعوے کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتا۔ بہت سے پیشہ ور شاہد اور شناخت کنندہ ہوں گے جو عدالت کو کھلا ہوا دھوکہ دیں گے اور چند ٹکوں کے عوض صداقت و دیانت کو فروخت کر آئیں گے۔

آنریری عدالتوں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے، یہاں ابتدا سے انتہا تک یعنی عدالت کے حاکم سے لے کر چپراسی اور ذاتی خدمتگار تک مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو بیوقوف بناتے۔ اور مکر و فریب سے کام لے کر اپنے حلوے مانڈے کا انتظام کرنے میں ید طولیٰ رکھتا ہے ہر مدعی کو بتایا جائے گا کہ مدعا علیہ نے ایسا وکیل کیا ہے۔ یا عدالت میں اپنی سفارش لایا ہے۔ جو یقیناً تمہارے معاملہ کو کمزور بنا دے گی مدعا علیہ

سے کہا جاتا ہے۔ کہ عدالت کو مدعی اور اس کے شاہدوں پر کامل اعتماد ہے اور اس کا دعویٰ قابل پذیرائی سمجھ لیا گیا ہے۔ غرض ابتدا سے انتہا تک مکاریوں کے نئے نئے مناظر نظر آئیں گے اور ہر شخص اپنے مقابل یا متعلق عدالت کو دھوکہ دینے۔ اور اپنا کام نکالنے کی کوشش کرتا ہوا دکھائی دے گا۔

یہ وہ حقائق ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان حقائق پر نظر ڈالو۔ اور پھر دیکھو کہ جیلخانوں۔ پولیس حوالات۔ کچہریوں اور آنریری عدالتوں میں مردوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ یا عورتوں کی ہمارے خیال میں ان مناظر سے آسانی کے ساتھ یہ فیصلہ کیا جا سکے گا کہ جرائم اور ممنوعہ امور کے ارتکابات یا مکاری و عیاری کے واقعات عام طور پر مردوں سے وقوع و ظہور میں آتے ہیں اور عورتیں شاذ و نادر ہی ان مقامات میں دکھائی دیتی ہیں۔ اور ہم بلا خوف تردید یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان مقامات میں اگر ایک دو فی صدی عورتیں نظر بھی آتی ہے تو اس کے معاملہ یا سازش میں ضرور کسی مرد کی شرکت یا اشارہ ہوتا ہے عورت کبھی کسی خطرناک امر یا عزت و آبرو کے معاملہ میں اس وقت تک ہاتھ نہیں ڈالتی جب تک کہ کسی مرد کی طرف سے اس کو جرات نہ دلائی جائے۔

مختصر یہ کہ عیاری و مکاری کے واقعات میں عام طور پر مردوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور جرائم و ممنوعہ امور کے ارتکابات کی نظر میں بھی انہیں کی تعداد جیلخانوں وغیرہ میں زیادہ نظر آتی ہے تو یہ فیصلہ کرنا کچھ بھی دشوار نہیں ہے کہ مرد عورت سے زیادہ اور بہت زیادہ مکار ہوتا ہے۔

بات میں بات نکل آتی ہے۔ ان باتوں پر غور کرنے سے ایک اور بات یہ بھی نکلتی ہے کہ جیسے مردوں کی مکاریاں عورتوں سے زیادہ ہوتی ہیں۔ اور مرد بہت زیادہ مکار ہوتا ہے تو اس کی مکاریاں بھی عورتوں کی مکاریوں سے زیادہ خطرناک اور عوام کے لئے ضرر رساں ہوتی ہیں۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہے ایک مرد صرف ایک بچہ کو راہ سے ہٹا دینے کے سبب لاکھوں روپیہ کی جائداد کو ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل کر دیتا ہے ایک مرد کے دل میں اس کی بیوی کی طرف سے یہ شبہ پیدا کرتے کہ وہ بدچلن اور آوارہ ہے۔ عورت کو شوہر کی حمایت سے علیحدہ کر دیتا ہے جس سے عورت کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ اور لطف یہ کہ آخر وقت تک اس کو سکھ نصیب نہیں ہوتا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس کی آوارگی کی شہرت خاندان میں اس کو ذلیل و رسوا بنا دیتی ہے

اور کوئی شریف عورت اس کو اپنے پاس بٹھانے کی روادار نہیں ہوتی۔

ایک شخص نے ساری عمر محنت و مشقت کرکے کچھ روپیہ جمع کیا ہے اپنی اور اپنے بچوں کی زندگی سہارنے کے لئے وہ اس روپیہ سے کوئی کار و بار کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ایک خواہ مخواہ دشمن مرد کی شرارت و مکاری اس کی دولت کو برباد کرا دیتی ہے۔ یعنی یا تو وہ روپیہ چوری چلا جاتا ہے یا کاروبار کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔ اور وہ اور اس کے بچے نانِ شبینہ کو محتاج بن جاتے ہیں۔

کوئی تو دولت رئیس جائداد خریدنا چاہتا ہے ایک بغلی گھونسہ مرد مشیر صالح اور ہمدرد بن کر اس کام میں اس کو مدد دیتے ہیں۔ فروخت کنندہ جائداد سے معقول کمیشن لے کر کے غریب خریدار کو لٹوا دیتے ہیں۔

کہاں تک مردوں کی مکاریوں کا ذکر کیا جائے زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی مکاریوں کے جلوے نظر آتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ کوئی مرد کسی مرد کی طرف سے مطمئن نہیں ہے۔ اور ہر وقت اس خطرہ میں مبتلا رہتا ہے کہ کہیں کسی حاسد بدکار کی مکاری اس کو اپنا شکار نہ بنائے۔

مرد زیادہ مکّار ہوتے ہیں

یا

عورتیں زیادہ مکّار ہوتی ہیں

اردو ادب میں محشر خیال کی ایک انوکھی جدت

جادو نگار مسٹر محمد رحیم چمن دہلوی اور محترمہ رضیہ سلطانہ بیگم کا مشترکہ مضمون

مسٹر چمن:- لیجئے دفتر محشر خیال سے یہ چٹھی آپ کے نام آئی ہے۔ جس میں "مرد زیادہ مکار ہوتے ہیں یا عورتیں زیادہ مکار ہوتی ہیں؟" کے عنوان پر آپ سے مضمون لکھنے کی درخواست کی گئی ہے۔

بیگم صاحبہ- ناسازیٔ طبیعت کی بنا پر اور گوناگوں مصروفیت کے سبب میں شاید اس ماہ کوئی مضمون نہ لکھ سکوں۔

مسٹر چمن:- ایسی صورت میں کہ کائنات میں اس جرم کا ارتکاب سب سے پہلے عورت ہی کی طرف سے ہوا۔ مجھے خود یقین تھا۔ کہ اس عنوان پر کوئی انصاف پسند خاتون قلم اٹھانا پسند نہ کرے گی۔

بیگم صاحبہ:- میرے مضمون نہ لکھنے کا سبب آپ نے غلط سمجھا اور آپ کا یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کہ اس جرم کی پہلی مرتکب عورت ہے۔ میں مستند شہادتوں سے ثابت کر سکتی ہوں۔ کہ پہلا مجرم مرد تھا۔

مسٹر چمن:- کیا آپ جانتی ہیں؟ کہ یہ اشرف المخلوقات جسے انسان کہتے ہیں۔ جنت جیسی آرام دہ اور پُر آسائش جگہ سے نکال کر دنیا جیسی تکلیف دہ اور پُر معصیت جگہ کیوں بھیجا گیا۔ اس لئے کہ حضرت آدم سے حوا نے گندم کے دانے کھانے کے لئے اصرار کیا اور یہ وہ چیز تھی جس کے پاس جانے سے بھی منع کیا گیا تھا۔ محض حوا کے شدید اصرار کے سبب بھولے بھالے آدم نے گندم کے دانے کھالئے۔ اور انسان ہمیشہ کے لئے جنت سے نکال دیا گیا۔ بتائیے یہ حوا کون تھیں۔ کیا عورت نہ تھیں۔ محض عورت کے اس قصور کے سبب انسان بے چارہ مصیبتیں اٹھانے کے لئے اس دنیا میں آتا ہے۔ اور عمر بھر صدہا تکلیفیں اٹھا کر چلا جاتا ہے۔ عورت کے مجرم ہونے کا یہ ایک ایسا بیّن ثبوت ہے۔ کہ ہر عورت کا سر خود بخود شرم سے جھک جانا چاہئے۔

بیگم صاحبہ:- عورت اس معاملہ میں بالکل معصوم ہے شیطان نے جس طرح بھولی بھالی عورت کو سبق پڑھایا اس نے اسی طرح آدم علیہ السلام کے گوش گزار کر دیا۔ مکاری کا پہلا مجرم تو قابیل ہے۔ جس نے محض خوبصورت اقلیما کو حاصل کرنے کے لئے اپنے سگے بھائی کو قتل کر دیا یہ دنیا میں پہلا خون ہے اور اس بات کی یادگار ہے۔ کہ اس جرم کے ارتکاب کا سہرا مردوں کے سر ہے۔

مسٹر چمن:- جس طرح آپ حوا کا گناہ شیطان کے سر منڈھ چکی ہیں اسی طرح اس قتل کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ قابیل نے جو کچھ کیا وہ سب شیطان ہی سے سیکھا تھا۔ اور اس کے علاوہ لاتعداد واقعات اور بھی ایسے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ جرم عورت ہی کی فطرت میں داخل ہے۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ کا پیچھے سے پھٹا ہوا کرتہ اس دلیل کا ایک اور ناقابل تردید ثبوت ہے چنانچہ آپ ہی بتائیے کہ زلیخا نے عزیز مصر سے جو کچھ من گھڑت افسانہ کہا وہ مکاری نہیں تو اور کیا تھا۔

بیگم صاحبہ:- حوا نے آدم علیہ السلام سے جو کچھ کہا۔ اس کے متعلق تو آپ کو بھی یقین ہوگا کہ شیطان کے فریب میں مبتلا ہونے کے سبب وہ سب ان کے اپنے خیال میں صحیح تھا۔ اس لئے اسے غلط فہمی تو کہا جا سکتا ہے۔ لیکن مکاری کسی طرح بھی نہیں۔ اس کے برعکس قابیل نے جو کچھ کیا جان بوجھ کر کیا۔ اور اس کا یہ جرم محض اس کے مرد ہونے کے سبب آپ کی نظر میں اگر جرم نہیں ہے تو میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں۔ کہ آپ

انصاف کا خون کر رہے ہیں۔ حضرت یوسف کا ذکر چھیڑ کر آپ نے مجھے اُن کے بھائیوں کی مکاری یاد دلا دی۔ یہ وہ بھائی تھے۔ جن پر حضرت یعقوب نے اعتبار کیا تھا اور اپنے نور عین یوسف کو ان کے سپرد کیا تھا۔ لیکن انہوں نے اپنی فطرت سے مجبور ہو کر یوسف کے ساتھ مکاری اور دغا بازی کی۔ اور انہیں ایک اندھے کنوئیں میں گرا دیا۔ یہ مکاری اور شمگری کا ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے۔ جس سے انکار کی جرأت خود مردوں سے بھی ناممکن ہے۔ اور اس کے مجرم آپ جانتے ہیں سب مرد تھے۔

مسٹر چمن:۔ آپ نے میرے لگائے ہوئے الزام کا صحیح جواب دینے کی بجائے یوسف کے بھائیوں کی غداری تو بیان کر ڈالی لیکن زلیخا کے بیان کو حق بجانب ٹھیرانے کے لئے آپ کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں۔ آپ یقیناً ٹال گئیں۔ کہ.........

بیگم صاحبہ:۔ یوسف نے زلیخا کے بیانات کو جب غلط ثابت کرنا چاہا تو خدا نے جبرئیل کی معرفت یوسف کو پیغام بھیجا تھا۔ کہ زلیخا کی پردہ دری مجھے منظور نہیں۔ تاریخ کے اس حوالے کے بعد۔ مجھے اس مسئلہ پر کچھ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ بلکہ میں آپ سے درخواست کروں گی کہ قابل احترام بزرگوں کے واقعات پر بحث کرنے سے گریز کیا جائے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ ہم اپنے اپنے طبقہ کی وکالت کے جوش میں کہیں حد سے تجاوز نہ کر جائیں۔ علاوہ بریں بھی اس عنوان پر کہ مرد زیادہ مکار ہیں یا عورتیں بحث کرنا لاحاصل ہے۔ کیونکہ لاتعداد واقعات سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ عورتیں معصوم ہیں اور بے گناہ ہیں۔ اور اس کے برعکس مردوں میں البتہ عادت بدرجہ اتم موجود ہے۔

مسٹر چمن:۔ قابل احترام بزرگوں کے متعلق آپ کا مشورہ بیشک قابل قبول ہے کیونکہ اس میں شک نہیں کہ آج کل کے مولوی صاحبان عیسائی پادریوں کی طرح صرف اپنے آپ ہی کو مذہب کا ٹھیکہ دار سمجھتے ہیں اور عوام کا مذہبی معاملات پر لب کشائی کرنا ان کے لئے خیال میں ان کے اقتدار کے خاتمہ کا پیش خیمہ ہے۔ اس لئے مجھے خود ڈر تھا۔ کہ کہیں کفر کا فتویٰ نہ لگ جائے۔ جو ہندوستانی مولویوں کے ہاں ٹکے سیر سے بھی سستا بکتا ہے۔

علاوہ ازیں عورتوں کے مکر و فریب کا مجھے ایک اور مشہور واقعہ یاد آیا۔ طبقہ نسواں میں آپ کو جو تاریخ پر عبور حاصل ہے اس کی روشنی میں مجھے یقین ہے۔ کہ آپ عورتوں کی اس کمزوری کا خود اعتراف کریں گی۔

لق و دق جنگل کے اندر بے سر و سامانی کی حالت میں پیدا ہونے والی مہر النساء کے حالات سے جو بعد میں نور جہاں بیگم کے پرشکوہ نام سے تاریخ میں چمکی آپ بخوبی واقف ہوں گی۔ یہ وہ لڑکی ہے جسے پیاد وپا سفر کی مشکلات اور مفلسی کے سبب والدین نے جنگل میں چھوڑ دیا تھا لیکن جب شہنشاہ جہانگیر نے التفات کریمانہ سے اپنا تاج اس کے سر پر رکھ دیا تو آپ کو معلوم ہے کہ عورتوں کی اسی فطری مجبوری نے اس سے کیا کیا کرایا؟

بیگم صاحبہ:۔ ہندوستان کی اس شہرہ آفاق ملکہ کے متعلق میں نہیں سمجھ سکتی۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں جو اپنی لیاقت و دانائی سے پیچیدہ سے پیچیدہ معاملات کو اس قدر آسانی سے حل کر کے رکھ دیتی ہے۔ کہ بڑے بڑے مدبر اور صائب الرائے انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔ اور جس کے ہزارہا احسان سلطنت مغلیہ پر ایسے ہوئے جن پر آج بھی تاریخ داں اُسے سراہتے ہیں۔

مسٹر چمن:۔ آپ سننا چاہتی ہیں کہ اقتدار حاصل کرنے کے بعد اُس نے کیا کیا۔ اندھے بانٹے ریوڑیاں اپنے ہی اپنوں کو دے سلطنت میں اور فرمانروائی میں جہانگیر کی مشیر خاص بننے کے بعد اس کے حکم سے اس کے باپ مرزا غیاث کو وزارت عظمیٰ کا عہدہ عطا کیا گیا اس کی والدہ عصمت النساء بزرگ محلات تسلیم کی گئی۔ اس کے بھائی کو آصف الدولہ کا خطاب دے کر وزیر بنا دیا گیا۔ اور پھر اُس کا کونسا عزیز تھا جسے بڑے بڑے عہدوں پر فائز نہیں کیا گیا۔ بیٹی بادشاہ تھیں۔ باپ وزیراعظم دونوں سیاہ سفید کے مالک تھے۔ جو چاہتے سو کرتے تھے۔ چنانچہ اسی نور جہاں نے جس کی تعریف میں آپ رطب اللسان ہیں۔ شاہجہان صاحب قران کے خلاف سازشیں کیں۔ وہ شاہجہان جس کا بنایا ہوا دہلی کا پرشکوہ لال قلعہ اور دہلی کی خوبصورت جامع مسجد اور دنیا کی بے مثال عمارت تاج محل آج بھی مسلمانوں کی عظمت کی پاسبان۔ اس سازش کا مقصد یہ تھا کہ شاہجہان کی بجائے تاج شاہی کا حقدار شہریار بلوشاہ ہو جو نور جہاں کی اس لڑکی کا شوہر تھا جو شیر افگن کے تعلق سے تھی۔

علاوہ ازیں ایک موقع پر جب کہ جہانگیر کابل جا رہا تھا۔ دریائے جہلم کے کنارے اپنے بھائی آصف جاہ سے مل کر اس دغا شعار بیگم نے اپنے ولداده شوہر پر حملہ کیا۔ اور اگر سردار مہابت خاں اس وقت اس حملہ کو نہ روکتا۔ تو ممکن ہے کہ تاریخ مغلیہ موجودہ شکل سے مختلف ہوتی۔

بیگم صاحبہ:۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ہمارے کسی گورے آقا کی لکھی ہوئی تاریخ سے غلط فہمی ہوئی۔ اور آج ہمارے اس غلام آباد ہندوستان میں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ ہم علم و بصیرت کی دنیا میں خود کسی چیز کے مالک نہیں ہیں اور ہر واقعہ کو اپنے سفید فام رہنماؤں کی عینک سے دیکھنے کے عادی ہیں۔

نورجہاں کو آپ نے طنز سے وفاشعار کہا۔ لیکن درحقیقت وہ وفاشعار اور نکتہ رس تھی۔ مہابت خاں کے مظالم جب حد انتہا سے بڑھ گئے تو نورجہاں نے اسے جواب دہی اور حساب فہمی کے لئے دربار میں طلب کیا۔ مہابت خاں نہایت چالاک اور جہاندیدہ شخص تھا فوراً کھٹک گیا کہ اب خیر نہیں۔ پانچ ہزار راجپوتوں کو لے کر چلا اور دریائے جہلم کے کنارے اس وقت پہنچا۔ جب کہ آصف جاہ اور نورجہاں مع لشکر کے دوسرے پار جا چکے تھے اور جہانگیر چند خواجہ سراؤں کے ساتھ ابھی اسی پار تھا۔

غدار مہابت خاں موقع پاتے ہی شاہی کیمپ پر ٹوٹ پڑا اور محاصرہ کر لیا۔ شور و غل کی آواز سنکر جہانگیر باہر آیا۔ تو یہ نمک حرام بولا۔ کہ حضور کی پناہ میں آیا ہوں۔ میرا قصور معاف کیا جائے تین بار بادشاہ پر تصدق ہوا اور پھر دھوکہ سے اپنے خیمہ میں لے جاکر اسے نظر بند کر دیا۔ نورجہاں نے بادشاہ کی گرفتاری کی خبر سنی تو بے چین ہو گئی اور فوراً حملہ بول دیا۔ یہ وہی حملہ ہے۔ جس کے متعلق آپ نے ابھی بتایا۔ کہ خود جہانگیر پر حملہ کیا گیا۔ انگریز مورخوں نے غلط بیانی سے دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے اور یہی چال اس وقت مہابت خاں نے جہانگیر سے چلی کہ نورجہاں اپنے اور اپنے عزیزوں کے اقتدار کے لئے آپ کے زوال کی خواہاں ہے۔ مہابت خاں کے برانگیختہ کرنے سے جہانگیر نے نورجہاں کے لئے قتل کا حکم صادر کر دیا۔

یہ ہیں جہانگیر ہیں۔ جن کے عدل کے افسانہ سناتے سناتے مورخوں کے گلے سوکھ گئے۔ لیکن میں انصاف کے نام پر آپ سے پوچھتی ہوں کہ یہی انصاف ہے۔ مجرم کا بیان سننے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور مجرم بھی وہ جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ میں نے ایک پیالہ شراب اور نصف سیر گوشت پر سلطنت نورجہاں کے ہاتھ بیچ دی ہے۔

لیکن اس وقت نورجہاں کی دانائی اور فراست کام آئی قتل کے حکم نامہ کی پشت پر اس نے لکھ بھیجا۔ کہ قتل ہونے سے مجھے انکار نہیں۔ لیکن آخری مرتبہ حضور کے دیدار سے مشرف ہونے کی آرزو مند ہوں۔ اس تحریر کو دیکھ کر جہانگیر اس قدر متاثر ہوا۔ کہ مہابت خاں کی چالاکیاں کام نہ آئیں اور نورجہاں کو ہاتھوں میں سونے کی ہتھکڑیاں ڈال کر سامنے لایا گیا۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور بال پریشان اس شان سے یہ مجرم بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ جہانگیر بے چین ہو گیا۔ اور کہا مہابت خاں میں اپنا حکم واپس لیتا ہوں۔

گو یہ ظالمانہ حکم واپس لے لیا گیا۔ اور نورجہاں قتل نہ ہوئی لیکن مردوں کی پیشانی پر یہ داغ ہمیشہ کے لئے لگ گیا۔ کہ وہ جس کے ہاتھ سلطنت کا فروخت ہونا بیان کرتے پھرتے ہیں۔ ان ہی کو ایک لمحہ میں قتل کا حکم بھی سنا دیتے ہیں۔

شاہ جہاں صاحب قران کی عظمت سے مجھے خود انکار نہیں لیکن ان کی تخت نشینی کی مخالفت میں ہیں۔ نورجہاں کو الزام نہیں دے سکتی۔ یہ سیاسی توڑ جوڑ ہیں۔ اور عزیز و اقارب ہمیشہ ان پر قربان کئے گئے ہیں۔ یہ تاج و تخت ہی تھا۔ کہ آخر میں ان ہی شاہجہاں کو خود ان کے اپنے لڑکے نے نظر بند کر دیا۔ پھر نورجہاں کا قصور تو اس کے آگے کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتا۔

رہ گیا یہ اعتراض کہ اس ملکہ نے بڑے بڑے عہدوں پر اپنے عزیزوں کو فائز کر دیا تھا۔ سو یہ بعینہ وہی اعتراض ہے۔ جو حضرت عثمان غنی رضؓ پر کیا گیا۔ اور اس کے متعلق میرا جواب وہی ہے جو حضرت عثمان غنی رضؓ نے اپنے معترضین کو دیا۔

غرض آپ کبھی یہ ثابت نہیں کر سکتے۔ کہ عورت میں اس بیماری کے جراثیم زیادہ ہیں بلکہ اس کے برعکس میں اچھی طرح ثابت کر سکتی ہوں۔ کہ مرد اس خطرناک بیماری میں بری طرح مبتلا ہے۔" اگر ایڈیٹر محشر خیال نے اجازت دی تو کسی آئندہ نمبر میں۔ میں بالوضاحت ثابت کروں گی۔ کہ عورتوں کے متعلق یہ الزام غلط ہے۔ اور مردوں کے لئے یہ ہمیشہ طرہ امتیاز رہا ہے —— چنانچہ نورجہاں کے ساتھ بھی اسی ظلم کو روا رکھا گیا۔ اور آج بھی وہ اس ظلم کا شکار ہے۔ آپ نے شاید لاہور میں ہندوستان کی اس سب سے بڑی ملکہ کا مزار دیکھا ہوگا۔ مقبرہ کی بربادی اور کس مپرسی دیکھ کر جگر پارہ پارہ ہوتا ہے۔ قبر کا تعویذ تک سلامت نہیں۔ چرواہے اس میں پناہ لیتے ہیں۔ اور چمگادڑیں اسمیں بسیرا کرتی ہیں۔ کیا یہ حالات ایسے نہیں جن پر آپ کی پسندیدہ یونینسٹ گورنمنٹ کو شرم سے اپنی گردن جھکا لینی چاہیئے۔

یادِ بے اختیار

(از محترمہ نبی مسز سید مہدی حسین لکھنوی)

اے شمع سمجھ لینا حد سوز محبت کی
دب جل کے لپٹ جائے پروانے سے پروانہ

آجا...... اِن چاندنی راتوں میں مجھ سے جدا نہ ہو...... دیکھتا نہیں بہار پورے شباب پر آئی ہے غنچے مسکرا مسکرا کر کھل رہے ہیں۔ سبزہ لہلہا رہا ہے...... بادِ سحری کے نازک جھونکے مستانہ وار چل رہے ہیں...... چاند نیلگوں فلک پر جلوہ افروز ہے......

آجا...... ان برسات کی پُرکیف راتوں میں مجھ سے نہ روٹھ...... مجھے اب تک ترے گرم بوسے یاد ہیں —— وہ حسین راتیں جہاں ہم تم نے محبت کے شیریں لمحات گزارے تھے...... آہ وہ دھڑکتے ہوئے دلوں کی آواز باغ میں گونج رہی تھی وہ کانپتے ہوئے ...... مگر —— مضبوط ہاتھ آگے بڑھے۔ اور مجھے اپنی گرفت میں جکڑ لیا...... میرے پیر ڈگمگائے...... دل دھڑکنے لگا...... سانس رک گئی مگر...... آنکھیں نشۂ محبت سے بند ہوگئیں...... دنیا کے غم آنکھوں سے اوجھل ہوگئے...... میری نگاہوں میں دنیا قہقہہ لگا رہی تھی —— ذرہ ذرہ خوشی میں راگ الاپ رہا تھا۔ فضا مست تھی اور...... میں مدہوش —— ایک کیف تھا!...... ایک "قلبی سکون"!

مگر...... پپیہا کی درد بھری آواز نے مجھے چونکا دیا...... پی کہاں؟ پی کہاں؟ میں نے دیکھا...... تیری بڑی بڑی نشیلی آنکھوں میں دو موٹے موٹے قطرے تیر رہے تھے...... تیرے ہاتھوں کی مضبوط گرفت ڈھیلی ہوگئی۔ اور خوبصورت چہرہ کملا گیا...... مجھے یاد آگیا...... ہاں مجھے یاد آگیا...... کہ اب تجھ سے میں ہمیشہ...... ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے کو ہوں —— میرے دل کی دھڑکن کسی قدر تیز ہوگئی۔ آنسو مچل مچل کر تیرے دامن میں جذب ہوگئے...... صبح کا حسین ستارہ جھلملا رہا تھا —— پرند اپنے حقیقی معبود کی یاد میں محو ہوگئے...... اور میں تجھ سے چمٹ کر بے اختیار رو دی —— قافلہ جانے کو طیار کھڑا تھا۔ اونٹ زور زور سے چیخ رہے تھے —— میں نے ایک حسرت بھری نگاہ تجھ پر ڈالی —— آہ مجھے فراموش نہ کرنا۔ اب میں جا رہی ہوں قافلہ تیار کھڑا ہے" میں نے بھرائی ہوئی آواز سے کہا یکایک تری گرفت آخری بار پھر مضبوط ہوگئی۔ تیرا خوبصورت چہرہ میرے چہرے کے بالکل مقابل تھا۔ اور میرے...... گرم گرم آنسو تیرے ہونٹوں میں جذب ہوگئے —— سیاہ گھٹا گھنگور چھائی ہوئی تھی ہوا کے خاموش جھونکے نازک پھولوں سے چہل کر رہے تھے...... میں آہ میں بدنصیب تجھ سے جدا ہوگئی —— گھنے درختوں میں سے تیری پُر درد اور —— دل سوز آواز آئی...... آہ...... دل بے چین ہوگیا تو گا رہا تھا:" الوداع اے قافلے والوں مجھے تم چھوڑ دو" میری قسمت میں لکھی ہیں دشت کی ویرانیاں اف...... تم نظروں سے اوجھل ہوگئے مدت گزر گئی۔ میرے بھولنے والے ایک بار پھر ان پُرکیف راتوں میں آجا۔ تاکہ میرے دل کی مرجھائی ہوئی کلی ایکبار پھر شگفتہ ہوجائے (۱۹/۲)

بدحواسی

(محترمہ انور سلطانہ ماہرخ)

ساون کا مہینہ بھی خوشگوار موسم کے لحاظ سے کتنا کچھ جاذب نظر ہوتا ہے اس کا اندازہ ہر اُس صوبے کے باشندوں کو ہوگا جن کے صوبوں میں بارش کثرت سے ہوتی ہے۔ ان دنوں سیر و تفریح کے لئے جس قدر جی چاہتا ہے وہ ہم ہی خوب جانتے ہیں۔ مگر کیا کریں اپنے رواجوں کو جنہوں نے پردے کی ایک ایسی زنجیر پیر میں ڈال رکھی ہے جس سے نجات زندگی بھر نہیں۔ پھر ہم رواجوں کو کیا برائی دیں۔ قصور تو سارا ہماری فطرت کا ہے کہ ہم اپنے آپ کو ہنسی خوشی اس زنجیر میں جکڑ لیتے ہیں اور پھر خوش رہتے ہیں کہ ہم نے اپنے ایک اہم فرض کو ادا کر دیا جو ہم پر ہمارے خدا رسول اور ہماری فطرت نے عائد کر دیا تھا کہ "اپنے کو نامحرموں کی نظر سے چھپاؤ" خیر یہ تو ایک تمہید تھی اسے آپ خود ستائی نہ سمجھ لیجئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اسی گزشتہ ساون میں ایک صبح مطلع ابر آلود ہوا خنک اور ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ ہم نے اپنے دل میں سوچا "آج کیا اچھا موسم ہے کہیں سیر کو ہی ہو آئیں" یہ سوچتے ہی ہم نے اپنی بہن "منور جعفر" کو جھنجھوڑ ڈالا اور کہا "منور آج تاج محل چلیں تو کیسا رہے؟" وہاں وہی مقولہ تھا، نیکی اور پوچھ پوچھ چنانچہ اس نے کہا "بہت اچھا رہے"..........

اور اب جو پروگرام مرتب کرتے ہیں تو یہ سوچ کر جانا آنا سیر و تفریح سب خاک میں مل جاتی ہے کہ یہ ساون کا مہینہ ہے۔ آگرے کے آدمی ان دنوں گھر میں بیٹھ رہنا کفر سمجھتے ہیں اور اُن کی کیفیت بالکل ان برساتی کیڑوں کی سی ہے جو دو بوندیں پڑیں اور اپنے اپنے سوراخوں سے نکل پڑے۔ لہذا آگرے کی جسقدر بھی تاریخی یادگاریں ہیں۔ ہر جگہ یہ معلوم ہوتا ہے گویا کوئی بڑا بھاری میلہ ہو رہا ہے یا کسی آل انڈیا لیڈر کی تقریر ہے۔ آگرے کی پبلک گروہ در گروہ سیر گاہوں کی طرف دوڑنے لگتی ہے۔ مہذب طبقوں کو چھوڑ دیجئے یہ لوفر لوگ ہفتوں وہیں ڈیرے ڈالے رہتے ہیں۔ پھر ایسے میں کس شریف پردہ دار عورت کی کیا ہمت ہے جو ادہر کا رخ بھی کرے۔ یہ نہیں کہ خدانخواستہ وہاں جانا کچھ ڈر کا باعث ہوتا ہے بلکہ وجہ یہ کہ دل ہی کس کا قبول کرے شور و غل۔ گانا بجانا۔ کھیل کود۔ شریف اور بدمعاش ہر قسم کے لوگوں کا مجمع بے پردگی کے خوف سے نہ گھوم سکے نہ پھر سکے برقعے میں دم گھٹتا ہے ایسی سیر سے تو گھر میں بیٹھنا لاکھ درجہ اچھا۔ یہی سوچ کر اس روز ہم کہیں نہ جاسکے۔ اور قدرت کو ہماری اس حالت پر رحم آگیا۔

کوئی نو بجے صبح کا وقت تھا کہ میرے نام ایک دستی خط آیا۔ کھولا اور پڑھ کر تو خوشی کی حد نہ تھی۔ یہ خط میری ایک سہیلی صفیہ بانو کا تھا اس نے لکھا تھا:۔

پیاری بہن!

میں آج ہی صبح آٹھ بجے آگرے پہنچی ہوں۔ الہ آباد سے دہلی جا رہی تھی۔ راستے میں ٹونڈلہ جنکشن پر خیال آیا کہ یہاں سے آگرہ ذرا ہی سی دور تو ہے کیوں نہ میں ایک روز کے لئے آگرہ ٹھہر جاؤں۔ شہید ثالث کی زیارت بھی ہو جائیگی اور اپنی سہیلیوں سے بھی مل لوں گی۔ میرا قیام مزار شہید ثالث پر ہے۔ تم اول تو آج دوپہر کا کھانا بھیجدینا دوسرے تم معہ منور سلمہا۔ اور شمیم و رضیہ کے دو بجے مزار پر پہنچ جانا میں نے مجلس بھی کرلی ہے۔ دیر نہ ہو۔ میں منتظر رہونگی والدہ صاحبہ کی خدمت میں عرض ہے کہ ضرور میری چاروں سہیلیوں کو لے کر آئیں۔ زیادہ شوق دید۔ فقط

تمہاری صفیہ"

صفیہ میری ایک بے تکلف سہیلی ہے۔ وطن تو اس کا دہلی ہے مگر شادی ہونے کے بعد اب اس کا مستقل قیام الہ آباد میں ہے۔ لہذا وہ اپنے والدین کے یہاں دہلی جاتے ہوئے آگرے ٹھیر گئی تھی شمیم فاطمہ۔ اور رضیہ خاتون۔ میری اور صفیہ کی سہیلیاں ہیں۔ شمیم نویں کلاس میں اور رضیہ میٹرک میں پڑھ رہی ہیں۔ اور منور۔ وہ میری ماموں زاد بہن ہے۔ لہذا ہم چاروں سہیلیوں کو ہماری والدہ صاحبہ کی معیت میں صفیہ نے بلایا تھا۔

شہید ثالث کے متعلق مجھے زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ سنی مذہب والے سمجھتے ہیں کہ وہ ملا شوستری ہیں۔ جن کو مذہبی مناظرے کے لئے ملکہ نورجہاں نے ایران سے بلایا تھا۔ اور جہانگیر نے نہ معلوم بحث میں ہار جانے یا کوئی اور گستاخانہ کلمات نکالنے کے جرم میں اُن کی زبان کھنچوا ڈالی تھی۔ والعلم عالم یہ روایت شنید ہے۔ مگر ہاں شیعہ مذہب کے پیرو اُن کے بے حد معتقد ہیں۔ مزار کی زیارت کے لئے دور دراز کا سفر طے کرکے آتے ہیں۔ اور اس کو کار ثواب سمجھتے ہیں مزار پہلے شکستہ حالت میں تھا اب وہ ایک پُرفضا جگہ بنادی گئی ہے۔ اور مزار کے احاطے میں مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے بہت عمدہ آرام دہ کمرے دالان بھی شیعہ قوم کے کثیر عطیوں سے بنائے گئے ہیں۔ شہید ثالث کی آرامگاہ ایک

چبوترے پر چڑھنے کے بعد مربع کمرے کے وسط میں ہے۔ اور چبوترے کے چاروں طرف درخت ایسی ترتیب سے لگے ہیں کہ ایک چھوٹا سا گلزار بن گیا ہے۔ سال میں بارہوں مہینے مسافر خانوں میں مسافر ٹھہرے ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہے مگر اب تک یہ جگہ صرف زیارت گاہ ہی ہے۔ تفریح گاہ نہیں بنی ہے۔ اور اسی لئے پُرسکون ہے۔۔۔۔۔!

ہم ٹھیک دو بجے مزار پر پہنچ گئے۔ وہ ایک مجاور چبوترے کی سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور پھر جب ہم پھاٹک کے اندر داخل ہوئے تو وہ حسبِ قاعدہ باہر چلے گئے (وہاں کا دستور ہے کہ جب مستورات آجاتی ہیں تو دروازہ بند کر دیا جاتا ہے۔ اور پھر کوئی مرد کم از کم مزار کے چبوترے تک نہیں آسکتا۔ مکمل پردہ ہوتا ہے) شمیم نے کہا۔

ان میں جس کمروں میں نہ معلوم صفیہ کونسے کمرے میں ٹھہری ہوگی کیسے تلاش کریں؟" رضیہ بولی۔ "چلو ہر ایک کمرے میں دیکھ آئیں کہیں نہ کہیں مل ہی جائینگی" میں نے کہا "عقل ماری گئی ہے تمہاری۔ فرض کرو ان کمروں میں صفیہ کے علاوہ اور بھی مسافر ٹھہرے ہوئے ہوں۔ تم جو بے دھڑک کسی کے گھر میں داخل ہو جاؤ گی تو وہ تمہیں مارے بغیر چھوڑ بھی دیگا؟" رضیہ جل کر کہنے لگی کہ "مجھے کوئی کیسے مار سکتا ہے کمبخت، اور میں اسے زندہ بھی چھوڑ دوں گی؟" میں نے جواب دیا "بہت بہادری نہ جتاؤ۔ یہ میدانِ کارزار نہیں ہے۔ تہذیب کے خلاف ہے کہ تم بغیر اجازت کسی کے مکان میں گھستی پھرو۔" ہم سب ہنسنے لگے۔ پھر شمیم نے کہا "تو آخر صفیہ ملیں گی کس طرح؟" منور نے جواب دیا "مزار پر چل کر بیٹھو۔ اپنے آپ وہ مزار پر آجائیں گی۔ ہم تو انہی دروں سے چل کر آگئے۔ اور وہ اتنے قریب بھی ہماری تلاش میں نہیں آسکتیں۔" منور، شمیم اور رضیہ تینوں مزار کے جنوبی طرف درختوں کے جھنڈ میں گھس گئیں اور والدہ صاحبہ بھی ایک طرف مہندی کے گھنے درختوں کے قریب بیٹھ گئیں۔ اور میں اپنے دانست میں ان لوگوں سے چھپنے کی غرض سے چبوترے کی سیڑھیوں پر جیسے ہی چڑھنا چاہتی تھی کہ سامنے سے ایک بوڑھی مجاور عورت نے سلام کیا۔ ایسے موقعوں پر سلام کبھی بے معنی نہیں ہوتے۔ لہٰذا میں نے بڑھیا کے سلام کا مطلب سمجھتے ہوئے پرس میں سے ایک اکنی نکال کر اس کو دی اور کہا "کچھ معلوم ہے الہ آباد سے آج صبح جو بی بی آئی ہیں وہ اس وقت کہاں ہیں؟" بڑھیا نے اکنی لے کر دوبارہ دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر سلام کرتے ہوئے جواب دیا "وہ سامنے والے کمرے میں ٹھہری ہیں اور کوئی ساڑھے گیارہ بجے گھومنے کے لئے گئی ہیں۔ دو بجے تک واپس آنے کو کہہ گئی ہیں۔" "اچھا تو ہم مزار پر ان کا انتظار کرتے ہیں وہ آئیں تو ادھر بھیج دینا" یہ کہتے ہی میں نے سیڑھی پر قدم رکھا۔ وہ بولی "بہت اچھا بیگم صاحب خدا آپ کا اقبال بلند کرے" اور پھر بہت ہی گھبرا کر کہنے لگی "جوتے پہنکر نہ چڑھیئے۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"ادب کی جگہ ہے" وہ کہنے لگی "سب یہیں پر جوتے اتار کر جاتے ہیں۔"

"سب دیوانے ہیں"۔ میں نے لاپرواہی سے کہا۔ "درگاہ تک پہنچنے میں اتنا فاصلہ ہے۔ ابھی سے جوتے اتارنے کی کیا ضرورت ہے؟" وہ بولی۔ "آقا اندھا کر دیتے ہیں۔" تضیع اوقات سے گھبراتے ہوئے میں نے کہا۔ "جب ہم اندھے ہو جائیں گے تو پھر معافی مانگنے آویں گے۔ ابھی دیکھیں تو کہ اندھے ہو کر کیا لطف آتا ہے۔" یہ کہتے ہی میں بعجلت سیڑھیاں طے کر کے درگاہ پہنچ گئی۔ دروازے کے پاس جوتے اور برقعہ اتار کر میں اندر کمرے

تم گئے دل کی کائنات گئی

(از جناب سید عبدالوحید صاحب فداؔ)

دل گیا مایۂ حیات گئی — تم گئے دل کی کائنات گئی
جب سے قید تعینات گئی — ہم سے پابندئ حیات گئی
طے ہوئی منزلِ حیات و ممات — کائنات آئی کائنات گئی
شام سے دن تو ساتھ چھوڑ گیا — ساتھ کس کے ہماری رات گئی
دن پھر آئے سیاہ بختوں کے — ہاں بتوں کی خدائی رات گئی
آگے توبہ کے چلدئے عصیاں — پیچھے پیچھے میری نجات گئی
ہٹ گئی زلف روئے روشن سے — عید آئی شب برات گئی
برہمی خیر ہم تو سہہ لیں گے — آپ کی وضع التفات گئی
چھا گئے آپ ہر دو عالم پر — اب امید تجلیات گئی
حسرتیں لیکے دل ہوا رخصت — ساتھ دولہا کے شب برات گئی

سامنے آکے پھر فداؔ سے حجاب
کہئے محفل میں کس کی بات گئی

میں داخل ہوئی ۔کمرے کے وسط میں مزار اور چاروں طرف بہت معقول جگہ خالی پڑی ہے اور سب طرف سفید بستر بچھا تھا ۔ایک طرف سبز رکھا تھا ۔اور لوبان واگر کی خوشبو سے کمرہ مہک رہا تھا ۔جس وقت میں نے کمرے کے اندر قدم رکھا ایک ضعیف العمر بی بی سفید دوپٹے میں سر سے پیر تک لپٹی ہوئی سنبر کی ٹیک سے بیٹھی تھیں ۔مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور ایک اچٹتی ہوئی سی نظر مجھ پر ڈال کر آگے بڑھیں ۔یہ حملہ بالکل اچانک اور غیر متوقع تھا کیونکہ میں نے ان کو خوب اچھی طرح دیکھا اور ذھن پر زور بھی دیا ۔مگر مطلق یاد نہ آیا کہ میں نے ان کو اس سے پہلے بھی کہیں دیکھا تھا یا نہیں ۔بہر حال یہ تو میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ میرے لئے بالکل اجنبی تھیں ۔جنکو میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا ۔مگر تعجب خیز بات یہ ہے کہ وہ مجھ سے صرف واقف ہی نہیں ۔بلکہ میری منتظر بھی تھیں ۔انہوں نے بے انتہا محبت سے گلے سے لگایا اور کہا "تم نے بہت دیر کردی آنے میں ۔میں ایک بجے سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں"۔ دل میں تو آیا کہدوں کہ آپ کو میرے انتظار کی کیا پڑی تھی ۔میرا آپ کا واسطہ کیا؟ مگر اب مجھ پر یہ راز کھل گیا تھا کہ بڑی بی دراصل میرے انتظار میں نہیں تھیں وہ بدنصیبی سے غلط فہمی میں مبتلا تھیں ۔میری سمجھ میں اب یہ بات اچھی طرح آگئی تھی کہ ان کی کوئی بیٹی یا بہو میری ہم شکل ہونگیں اور یہ انہیں کے دھوکے میں مجھ سے اتنی بے تکلف ہیں اب میں نے سوچنا شروع کیا کہ وہ کون ہوں گی ان کی بہو ہوں گی یا بیٹی ۔مجھے کس طریقے سے ان سے گفتگو کرنی چاہیئے ۔دل نے کہا وہ محترمہ ضرور ان کی بہو ہوں گی ۔ اگر بیٹی ہوتی تو ہرگز اپنی ماں کو اتنی دیر تک کاہش انتظار میں مبتلا نہ رکھتی ۔ ہندوستانی بہوئیں ہی اپنی ساس اور سسرال والوں سے ایسے ہی بھاگتی ہیں جیسے لاحول سے شیطان۔

مجھے بڑھی بی کی اس بدحواسی پر ہنسی بھی آرہی تھی اور ترس بھی ۔اور رہ رہ کر دل میں خیال آرہا تھا کہ لاکھ وہ میری ہم شکل بھی ہوں مگر کیا لباس وضع قطع ۔قد قامت ۔کسی بات میں بھی فرق نہ ہوگا ۔؟ اب میں نے تہیہ کر لیا کہ اپنے اس غائبانہ رشتے کو نباہ دوں اور یہ پارٹ خوب اچھی طرح ادا کروں میں سنبھل کر ان کے بالکل قریب سر جھکا کر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے ۔یہ راز ۔راز رہتا ہے یا منکشف ہو کر میرے اور ان کے دونوں کے لئے باعث ندامت بنتا ہے۔

اب بڑی بی نے سلسلۂ کلام شروع کیا ۔"اتنی دیر کیوں ہوئی؟"

میں نے بہت دھیمی آواز میں جواب دیا "کیا کروں جلدی کرتے کرتے بھی یہ وقت ہو گیا" انہوں نے ہمدردی سے کہا "ہاں بھئی بچوں کا ساتھ ہے گھر کا کام بھی ہے کہاں چھٹی ملتی ہوگی"۔

ہم نے کہا "جی ہاں یہی تو آفت ہے"

وہ ۔"بچے تو اچھے ہیں ۔؟ غضب خدا کا ایک کو بھی ساتھ لے کر نہ آئیں میرا نگوڑا جی بچوں کے دیکھنے کو ترس رہا تھا"

میں نے "کھیل کود میں مشغول تھے اسی لئے چھوڑ آئی ۔ان کو لاتی تو اور دیر ہوتی"

وہ ۔"اور گود کی لڑکی کو بھی لیکر نہ آئیں"۔ اب تو ہم بڑے چکرائے کہ کیا جواب دیں ۔بڑے سوچ کے بعد ہم نے بات کو ٹالنے کے لئے کہدیا ۔"وہ روتی بہت ہے"

وہ بولیں "دادی کے پاس ہوگی؟"

ہم نے کہا "جی ہاں"

وہ "نجمہ کی کہیں شادی ٹھیری؟"

ہم "ابھی تو کہیں نہیں ٹھیری"

وہ "میں کہتی ہوں بانو میں کیا برائی ہے"

ہم "کیا معلوم ۔اور سچ تو یہ ہے کہ جہاں قسمت میں لکھا ہوگا۔

بیانِ محسن

کیوں تذکرہ ہے میرے گریباں کے تار کا
کیا آگیا قریب زمانہ بہار کا

ناوک لگا لگا کے دلِ دردمند پر
لیتے ہیں جائزہ میرے صبر و قرار کا

مدت ہوئی چمن سے تعلق نہیں رہا
کیا پوچھتے ہو حال غریب الدیار کا

دامن میں پھول آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے
نکلے ہیں عزم کر کے کسی کے مزار کا

نکلے وہ بہر فاتحہ محسن برہنہ سر
اللہ رے احترام ہمارے مزار کا

(محسن اعظم گڈھی)

دہمیا ہوگی۔" یہی جواب ہم نے مناسب سمجھا۔

وہ۔" باقر کے ساتھ میں کردیں تو اچھی بات ہے۔ گھر کا لڑکا ہے دیکھا بھالا۔ اس میں عیب تو کچھ نہیں ہے۔ بس یہی کہہ لو کہ تنخواہ کم ہے۔"

اس پر ہم نے چپ رہنا بہتر سمجھا۔

اتنی باتیں تو ہوئیں مگر اب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہوسکا کہ ان مخدومہ سے ہمارا کیا رشتہ ہے۔ انہوں نے ایک پوٹلی کھول کر پانوں کی ڈبیہ نکالی پھر ایک پان نکال کر بغیر پوچھے گچھے ایک چٹکی بھر تمبا کو خوشبودار ڈالدی اور صرف یہ کافی نہ ہوا بلکہ بلا تکلف ایک چٹکی بھر پیپرمنٹ بھی ٹھونس کر پان ہماری طرف بڑھا دیا۔ غدر کی گنجائش کہاں تھی۔ مجبوراً پان زہر مار کرنا پڑا۔ اب جو پیپرمنٹ نے سلوک کیا اس کا ذکر نہ پوچھئے اور تمباکو کے چکر نے دماغ کے پرانچے اڑا دئے۔ ابھی اس آفت سے نجات نہ ملی تھی کہ دوسری آفت نازل ہوئی باہر سے رضیہ کی آواز آرہی تھی وہ کہہ رہی تھی "دیکھا نالائق انور کو نہ معلوم کہاں چھپی ہے۔ بھئی ہم تو ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے۔"

پھر منور سلطانہ کی آواز سنائی دی "کہیں اندر عزا پر نہ ہوں چلئے دیکھیں تو" اب تو ہمارا بیچ کا سانس نیچے اور اوپر کا اوپر رہ گیا دفعتاً نسیم کا سر دروازے سے نکلا اور ہماری جیسے روح قبض ہوگئی۔ شکر ہے اس نے مجھ سے کچھ نہ کہا بلکہ باہر ہی کو لوٹتے ہوئے کہا "رضیہ جلدی آؤ گرفتار کرلیا۔ اب ہمیں بھی ایک ترکیب سوجھی فوراً کھڑے ہوگئے اور بغیر کچھ کہے کمرے سے باہر نکل گئے۔ بڑی بی بھی بڑی ہی باتونی تھیں یا یوں سمجھئے زیادہ باتیں کرنے کے سلسلے میں مجھ جیسی باتونی کی بھی استاد فوراً بولیں "اے سلوٹر یا بیگم کہاں چلیں؟" اب ہمیں اپنا نام معلوم ہوا ہم نے گھبراہٹ میں کہا "تھوکنے۔ تمباکو زیادہ ہوگئی تھی۔"

باہر نکل کر میں نے دیکھا کہ تینوں مجھے پکڑنے کو آرہی ہیں۔ رضیہ نے ٹھٹک گئی اور پوچھا "ارے یہ آنکھیں کیسے سرخ ہیں کیا شہید ثالثہ سے کچھ فریاد کررہی تھیں؟

ہم نے کہا "نہیں بہن روئے تو نہیں تھے نہ ہی ہم کسی پیر شہید کے قائل ہیں۔ بڑھیا نے زہر سے زیادہ تیز پیپرمنٹ اور تمباکو کھلا دیا۔ تمام سینے حلق آنکھوں اور منہ میں آگ لگ رہی ہے۔"

والدہ صاحبہ نے ذرا تیز ہوکر پوچھا "ہائیں کس نے پان کھلا دیا مجھے بتاؤ؟"

اور اس پر جو میں نے یہ قصہ سنایا تو مارے ہنسی کے سب لوٹ پوٹ تھے۔ میں نے پھر منت کہا "للہ تم لوگ بالکل اجنبی بنے رہنا۔ میرا نام لے کر نہ پکارنا۔ ورنہ سب بھید کھل جائے گا اور فراٹٹ بڑھیا نہ معلوم مجھ سے کیا برتاؤ کرے گی۔ صفیہ آجائیں تو ان کو بھی یہ داستان سنا کر ذرا تاکید کردینا کہ راز افشاں نہ کریں یہ کہہ کر ایک دروازے سے میں اور دوسرے دروازے سے یہ چاروں داخل ہوئیں۔ میں بڑھیا کے قریب بیٹھ گئی بڑی بی نے پوچھا کیا تمباکو زیادہ ہوگئی تھی۔؟"

ہم "جی ہاں۔ زیادہ تو کچھ ایسی نہ تھی مگر تیز بہت تھی۔"

وہ "دوسرا پان دوں؟"

ہم "جی نہیں۔ ابھی وہی منہ میں ہے۔"

وہ "اور ہاں سنو تمہاری دیورانی کے کیا ہوا؟"

ہم "کچھ نہیں۔"

وہ "ابھی تک کچھ نہیں ہوا میں نے تو ڈیڑھ مہینہ ہوا جب ہی سنا تھا کہ صبح شام میں بال بچہ ہونے والا ہے۔" دراصل میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ "کیا ہوا" سے ان کا کیا مطلب ہے۔ اسی لئے میں نے کہہ دیا "کچھ نہیں" جب سمجھ میں آیا تو سفید جھوٹ بولنا پڑا۔ لہذا میں نے کہا۔ "میں سمجھی تھی کہ آپ بیماری کو پوچھ رہی ہیں۔ جی ہاں ویسے تو لڑکا ہوچکا ہے۔"

وہ "چلو مبارک ہو۔ یوں تو اچھی طرح ہیں وہ؟"

ہم "اب تو اچھی ہیں پہلے بیمار تھیں۔"

وہ "اور تم بھی تو بہت دبلی ہوگئی ہو۔ پہچانی نہیں جاتیں یہ کیا بات ہے؟"

ہم۔ "کوئی بات تو نہیں اپنے آپ دبلی ہوگئی ہوں"! اب رضیہ کو جو سامنے بیٹھی ہماری باتیں سنکر ہنس رہی تھی ایک نئی شرارت سوجھی چنانچہ آگے آگے رضیہ اور اس کے پیچھے شمیم اور منور ہمارے بالکل قریب آبیٹھیں۔ اور رضیہ نے بڑی بی کو مودبانہ سلام کیا۔ بڑی۔ بی نے اس کی طرف متوجہ ہوکر سلام کا جواب دیا۔ اور رضیہ نے پوچھا "آپ یہیں سے تشریف لائی ہیں یا باہر سے آئی ہوئی ہیں؟" شکر ہے بڑھیا نے میرا پیچھا چھوڑ دیا اور رضیہ سے مخاطب ہوکر بولیں "میں جھانسی سے کل رات کو آئی ہوں؟"

"اور یہ آپ کی کون لگتی ہیں؟" رضیہ نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

وہ "یہ میری بہن کی لڑکی یعنی بھانجی ہیں"

رضیہ "یہ بھی آپ کے ساتھ ہی آئی ہیں؟"

وہ "نہیں، میں تو اکیلی اپنے پوتے کے ساتھ آئی ہوں۔ پچھلے برس چلّہ باندھ گئی تھی کہ لڑکا پاس ہوجائے وہ بی۔ اے میں اس برس ہوگیا ہے تو اس کی نذر چڑھانے آئی ہوں۔ (میری طرف اشارہ کرکے) یہ میری بھانجی آگرے میں ہی بیاہی ہے۔ اور ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ مجھ سے ملنے آئی ہے۔

رضیہ "تو آپ اپنی بھانجی کے یہاں کیوں نہ ٹھیریں"؟

وہ "ہمارے یہاں بیٹی کے گھر جانا معیوب سمجھتے ہیں۔ اور جب آقا کے قدموں میں رہنے کو جگہ مل جائے تو کسی کے گھر جانے کی کیا ضرورت ہے" شریر رضیہ نے اب مجھے پریشان کرنے کو اجنبی انداز میں پوچھا "تو آپ آگرے میں کس جگہ رہتی ہیں؟" میرا جی جل کر خاک ہوگیا۔ دیکھو نالائق کس طرح راز افشاں کر رہی ہے۔ یہ سوچ کر میں نے ترش روئی سے جواب دیا "آپ کو اس سے کیا مطلب! ہم کہیں بھی رہتے ہوں آپ کو پوچھنے کا کیا حق"

"بہن برا ماننے کی بات نہیں ہے" شمیم بولی "ایک دوسرے سے پتہ پوچھ ہی لیا کرتے ہیں"

ٹھیک اس وقت صفیہ آگئیں۔ شمیم۔ رضیہ اور منور تینوں کھڑی ہوکر صفیہ سے ملیں۔ مگر ہماری بے لبی دیکھئے ایک پیاری سہیلی سامنے کھڑی ہے مگر اس سے بغلگیر نہیں ہوسکتے۔ ہم بخود بیٹھے ہیں۔ صفیہ اُن سے ملکر سیدھی میری طرف دوڑیں۔ قریب تھا کہ وہ مجھ سے لپٹ جاتیں۔ مگر بروقت منور نے اُن کو پیچھے سے پکڑ لیا "اور پہلے ایک بات سن لیجئے" کہتی ہوئی تینوں کمرے سے صفیہ کو باہر لے گئیں۔ مجھے اس وقت بڑھیا پر اس قدر غصہ آرہا تھا جس کو بیان نہیں کرسکتی باہر لے جاکر انہوں نے صفیہ کو یہ قصہ سنا دیا ہوگا۔ اس لئے چاروں کے قہقہے میرے دل کو تڑپا رہے تھے میرا پیمانہ صبر لبریز ہوکر چھلکنے والا تھا۔ آخر میں یہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی "لیجئے اب اجازت ہے میں گھر جارہی ہوں"۔ انہوں نے پھر بھونکنا شروع کردیا "ابھی وقت کیا ہوا ہے دو بجے تو تم آئی ہو ابھی ڈھائی بجا ہے۔ کچھ دیر تو اور ٹھیرو" بڑی بی کے کہتے ہوئے جملے سے کہ "گود کی لڑکی کو بھی لیکر نہ آئیں"۔ میں نے جائز فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "بچی رو رہی ہوگی۔ دو گھنٹے سے جدا ہے"۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے فوراً اجازت دیدیں گی مگر انہوں نے کہا "ذرا ٹھیرو"۔ دو تین جیبیں ٹٹول کر انہوں نے ایک بٹوا برآمد کیا۔ اور اس میں سے کچھ روپے نکال کر گننے لگیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ اب بڑے پھنسے انہوں نے پانچ روپے گن کر میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "جلدی میں خالی ہاتھ چلی آئی بچوں کے لئے کچھ نہ لاسکی۔ اس کی مٹھائی منگواکر بچوں کو کھلا دینا" میں نے بلا کسی عذر کے روپے لے کر شکرئے کے طور پر آداب کیا اور باہر نکل گئی۔ سب سے پہلا کام تو اپنی عزیز سہیلی سے ملنا تھا۔ اس کے بعد میں نے پانچ روپے ملنے کا حال بتایا۔ جس کو سنکر رضیہ بول اٹھی "خدا نے غیب سے یہ روپے ہمیں دیدئے ہیں بس آج رات کو ہم پانچوں سنیما دیکھیں گے"

خیر مقدم

آج کی شب۔ میکے میں آخری شب ہے۔ کل اسی وقت میں بالکل ایک نئے ماحول میں ہوں گی۔ نہ میرا مکان ہوگا نہ میری سہیلیاں نہ میرے پاس والدین ہوں گے نہ اعزا و اقارب میرے گرد و پیش وہ لوگ ہوں گے جن کی صورتیں کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی——!! آج کی شب وہ آخری شب ہے کہ جس میں کسی مرد کا تصور بھی ناقابل معاف گناہ ہے۔ لیکن کل میں ایک مرد کے آغوش شوق میں ہوں گی۔ شرم و حیا کی وہ آہنی زنجیریں جن میں جکڑے رہنا ہی آج تک میرے لئے موجب فخر ہے۔ کل تار عنکبوت کی طرح ٹوٹ جائیں گی۔ آج حجاب ہے۔ کل بے حجابی ہوگی——!!

(ایک دوشیزہ)

"بہت اچھی تجویز ہے" شمیم نے کہا۔
"کس شمار سے پانچ ملنوں کے پیسے ملے ہیں" منور بولی۔
کیسی کنگال لڑکیاں ہیں" میں کہنے لگی" واہ میری خالہ کا پیسہ اس بے دردی سے برباد کیا جائے اور میں دیکھوں اور چپ رہوں" صفیہ نے تشریح کی "بہن تمہیں تو تمہاری خالہ نے دیئے نہیں ہیں بچوں کے لئے مٹھائی کو دیئے ہیں یہاں کسی ایک کے بھی بچہ نہیں ہے۔ پھر کس کو کھلاؤ گی"

میں نے عرض کیا "بہن مذاق کو تو چھوڑو۔ جلدی سے کاغذ پنسل دو تو میں یہ بوجھ اتار دوں۔ کاغذ پنسل طلب کرنے کی وجہ یہ تھی کہ میرا پرس وہیں کمرے میں رہ گیا تھا۔ میں نے صفیہ کے پرس میں سے نوٹ بک نکال کر ایک کاغذ پر لکھا "مخدومہ آپ کو دھوکہ ہوا۔ میں آپ کی ثریا بیگم نہیں ہوں اور اس لئے یہ روپے لینے کی بھی مستحق نہیں۔ شکریے کے ساتھ یہ رقم واپس کرتی ہوں مجھے افسوس ہے کہ ایک ذرا سی دیر کی دلچسپی کے لئے میں نے آپ کو مغالطہ دیا۔ فقط"

اس کارروائی کے بعد میں پھر اپنی عزیز خالہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا "سواری آگئی ہے۔ اور میں جا رہی ہوں" انہوں نے رخصت کرنے کے لئے پھر گلے سے لگاتے ہوئے کہا "اپنی ساس کو میرا سلام اور دلہن کو دعا کہنا۔ بچوں کو پیار کرنا"

"بہت اچھا" میں نے کہا "اور ایک پان تو کھلا دیجئے" یہ رومال میں بندھی ہوئی ہالوں کی ڈبیہ میں نے ان کے ہاتھ سے لے لی۔ مقصد تو رومال میں پرچہ اور روپے باندھنا تھا نہ پان کھانا۔ اپنا کام کرکے ڈبیہ ان کے ہاتھ میں واپس دی اور ایک آخری مودبانہ سلام کرکے اور اپنا پرس اٹھا کر میں جلدی۔ اب میرا ان سے چھپنا نہایت ضروری تھا۔ اگرچہ بارش اب موسلا دھار پڑ رہی تھی مگر ہم پانچوں دو چھلانگیں مار کر وہاں پہنچ گئے جس کمرے میں صفیہ ٹھہری ہوئی تھیں۔

پھر جو ہنسی کھولی ہے تو شام کے چھ بجے تک ہم ہنستے ہی رہے اور خوش و خرم گھر واپس آئے۔ صفیہ نے مجلس کرنی تھی۔ مگر ایک تو بڑھیا کے خوف سے ہم کو روپوش رہنا تھا۔ دوسرے ماتم کرنا بھی ہم بُرا سمجھتے ہیں اور وہ تو اب اس لئے ہمارا ہی مذہبی احترام کرکے صفیہ نے مجلس نہیں کی۔ اور ورنہ خیر جو کچھ ہوا وہ ہوا مگر اس بے مہ پیر کے افسانے کے لئے بے سر اپلاٹ خوب ہمیں مل گیا۔ اور یہی وہ "یہ حواسی" ہے جس کا ذکر اب تک ہمارے لئے موجب دلبستگی ہوتا ہے۔ فقط

نئی روشنی کی بیویاں

کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے مغربی دنیا کے نظر فروز وسامعہ نواز شہر پیرس میں مغربی دل مگر مشرقی دماغ رکھنے والے ایک مستقل شوہر قسم کے انسان نے مہذب دنیا میں وہ اپنی "بخیل شوہریت" کا رنگ جمایا کہ مغرب کی "فیاض دل اور سیر چشم" نازک اندام بیویوں کی بھری محفل میں کھلبلی پڑ گئی۔

اس حسین خبر کی تفصیل یہ ہے کہ فرانس کے ایک صاحب بہادر اپنے منصبی فرائض کی انجام دہی کے سلسلہ میں اکثر اپنے مکان سے غیر حاضر رہا کرتے تھے ان کی میم صاحبہ ان کی عدم موجودگی میں اپنے شوہر کی یاد کی "سختیاں" نرم کرنے اور اپنی بے چین محبت کو پر سکون بنانے کے لئے تھیٹر چلی جایا کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ "صاحب" اپنے وعدہ کے دن سے کچھ پہلے واپس آگئے وقت بھی ناوقت تھا۔ رات کے گیارہ بجے مکان پہنچے دیکھا کہ میم صاحبہ "خانہ بخدمتی گزاشت" اپنی تمام دل فریبی اور رعنائیوں کے ساتھ غائب ہیں ملازم سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ لیڈی صاحبہ آج کسی نئے سبق کے دہرانے مصروف نہیں بلکہ وہ تو اس "غیب و شہود" کی عادی ہیں اور فلاں مشہور تھیٹر میں فلاں صاحب کی باہوں میں۔ باہیں ڈالے اور رکند ہے پر اوسے سر رکھے تماشہ دیکھنے میں مصروف رہتی ہیں۔

صاحب بہادر نے جب یہ دل سوز حکایت شب ستم توان کے مغرب پرست دل کے انتخاب پر مشرق پسند دماغ نے غلبہ پا لیا۔ اور بھرا ہوا ریوالور ہاتھ میں لئے سیدھے اسی تھیٹر پہنچے۔ جوش غضب میں یہ بھی خیال نہ رہا کہ تھیٹر ہال میں پہنچنے کے لئے کسی پاس یا ٹکٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ گیٹ پر لوکھلائے ہوئے صاحب بہادر کو روکا گیا تو سیدھے منیجر کے پاس پہنچے اور اپنی ایک زبان سے اسے ہزار صلواتیں سنا کر صاف صاف کہہ دیا کہ میں اپنی بیوی کے ہاتھوں اپنی آبرو بچانے اور اپنے رقیب کو ہلاک کرنے آیا ہوں۔

منیجر پکا یورپین تھا۔ اس نے اپنے سیاسی دماغ کو کام میں لاکر صاحب بہادر کو تشفی دی کہ تماشہ ختم ہوجائے تو آپ اپنی بیوی اور اپنی بیوی کے دوست دونوں کو گولی مار دیں۔ لیکن اس طرح سینما ہال پر چڑھ آنے میں کمپنی کی رسوائی ہے۔ آپ گیٹ پر منتظر رہئے۔ اب تماشہ ختم ہونے ہے۔

اس دوستانہ حکمت عملی سے اس نے صاحب بہادر کو اس پر آمادہ کرلیا کہ وہ گیٹ پر ریوالور لئے بیٹھے رہیں اور اپنے دشمن ناموس کے ساتھ اپنی محافظ ناموس بیوی کی ہمدوشی اور ہم آغوشی کا منظر دیکھ کر دونوں کا شکار کھیلیں۔

اس طرف سے فرصت پاکر منیجر سیدھا ہال میں پہنچا اور اسٹیج پر جاکر بلند آواز سے کہا۔

کسی صاحب کی بیوی اپنے آشنا کے ساتھ تماشا دیکھنے چلی آئی ہیں وہ صاحب ریوالور لئے گیٹ پر منتظر کھڑے ہیں جن لیڈی صاحبہ نے یہ حرکت کی ہے۔ وہ براہ کرم یہاں آجائیں تاکہ چور دروازہ سے انہیں باہر پہنچا دیا جائے۔

ہال میں نرم و نازک کوچوں پر بیٹھنے والیوں میں اضطراب پیدا ہوا اور جتنی حسین عورتیں تماشہ گھر میں بیٹھی رات کی رنگین خلوتوں میں اپنے پہلو نشین آشناؤں کے ساتھ "داد صحبت" دے رہی تھیں وہ سب خوبصورت "تتلیوں کا جھرمٹ اور جمگھٹ" بناکر اسٹیج کی سمت جھپٹیں اور نازک جسموں اور حسین لباسوں کا یہ دریائے رواں چور دروازے سے بیرونی دنیا کی سمت بہہ گیا۔

منیجر اس "انکشاف" سے حیران نہیں ہوا کہ راتوں کو تماشہ دیکھنے والی حسین و جوان لیڈیوں کی بڑی تعداد ایسی ہی "شوہر کی صحبت" سے بھاگی ہوئی آشنا پسند خواتین پر مشتمل ہوتی ہے جو مشق دفا کرنے اور "تازہ ادا" سیکھنے کے لئے حسین راتوں سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔

خاتونِ مشرق

دامنِ گیتی پہ جب لرزاں ہوئی موجِ حیات
صفحۂ ہستی پہ ابھرے جب نقوشِ کائنات
جاگ اٹھی خوابِ عدم سے جب بہارِ زندگی
جب ہوئے ذرات میں رخشاں شرارِ زندگی
کرۂ خاکی پہ جب روشن ہوئے شمس و قمر
دستِ قدرت نے کئے تخلیق جب شام و سحر
گلشنِ ہستی کو جب سونپی گئیں رنگینیاں
کی گئیں تقسیم جب اس باغ کی گل چینیاں
جوششِ تخلیق پر، مخفی فطرتِ ربانیت
دستِ قدرت نے سجایا گلشنِ انسانیت

چشمِ فطرت نے پھر آخر اس کا نظارہ کیا
راز جو مستور تھا اس پر سے پردہ اٹھ گیا
گلشنِ ہستی کے پھولوں میں مہک آئی نہ تھی
باغ تو اچھا تھا لیکن اس میں رعنائی نہ تھی
کیا کمی تھی گلشنِ ہستی کی اس تعمیر میں؟
جاذبیت کیوں نہیں پیدا ہوئی تصویر میں

فطرتِ تخلیق کو آخر پھر آیا کچھ خیال
حسنِ نسوانی سے اسمیں بھر دیا رنگِ جمال
صنفِ نازک گلشنِ عالم کی زینت بن گئی
ابنِ آدم کے لئے درسِ محبت بن گئی
پھر دکھایا خالقِ ہستی نے اک دلکش کمال
دیدیا خاتونِ مشرق کو سراپائے جمال
کھینچتا ہے حسنِ صورت جس کا دامانِ نظر
حُسنِ سیرت ہے نمایاں صفحۂ تاریخ پر

جلوۂ خاتونِ مشرق کیا؟ سراپا نور ہے
اس کی ہستی سے ہمارا ایشیا معمور ہے

عبد اللہ فاروقی

ایک دلچسپ تاریخی افسانہ:-

محبوبۂ اسپین

(از صاحبزادہ میر محمد عامر عباس ساقی العباسی۔ بی۔ اے۔ راوحن پور)

اسپین میں ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہلال احمر ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے آباد تھا۔ جو خلافت اسلامیہ کے سرحدی علاقہ میں شامل تھا۔ تاجدار اسپین خلیفہ مستنصر باللہ کے عہد حکومت میں اس جگہ ایک غریب تاجر مسمی البرٹ سکونت گزیں تھا۔ اس شہر کے اکثر و بیشتر باشندے مفلوک الحال شمار کئے جاتے تھے اسی بنا پر البرٹ کا روزگار اور تجارت بھی ماندتھی۔ اور یہ بیچارہ نہایت غربت کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اسی عسرت و افلاس کی حالت میں اس کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام جولیا رکھا گیا۔

جس وقت یہ لڑکی پیدا ہوئی تو البرٹ کے پاس اتنا بھی سکہ نہ تھا کہ وہ اپنی بیوی کی زچہ گیری کا انتظام و انصرام حسب دلخواہ کر سکتا تاہم جس طرح بھی ہو سکا اس نے تمام اخراجات اپنی حیثیت سے زیادہ برداشت کئے اور جولیا کی پرورش ہونے لگی۔

جوان ہو کر جولیا اندلس میں حسین ترین لڑکیوں میں شمار ہونے لگی اس کے ماں باپ اور اہل شہر جس وقت اس کو دیکھتے تو فرط خوشی سے پھولے نہ سماتے۔ اہل شہر کے لڑکے اور لڑکیاں ایک مخصوص جگہ پر کھیلنے کی غرض سے جمع ہوتے اور اس امر کا اصرار کرتے کہ جولیا بھی ان کے ساتھ کھیل میں حصہ لے چنانچہ وہ بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاتی اور کبھی گھر کے کام کاج کی وجہ سے عذر پیش کر دیتی غریب تاجر کافی جد وجہد کے باوجود فراغت کا سامان مہیا نہ ہونے کے سبب افسردہ اور مغموم رہتا تھا۔ لیکن ماہ پارہ جولیا کو دیکھ کر اس کا سب رنج و غم فرو ہو جاتا تھا۔ جولیا اپنی عمر کی جتنی منزلیں طے کرتی جاتی تھی اس کا حسن روز افزوں ترقی پذیر ہوتا جاتا تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ متانت اور سنجیدگی میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔

بے چارہ البرٹ شب روز تفکرات میں مبتلا رہتا اس کو سب سے زیادہ جولیا کی شادی کا خیال دامنگیر تھا۔ چنانچہ عیسائی رسم و رواج کے مطابق اس کے لئے شوہر کی تلاش ہونے لگی۔ حالانکہ اب تک متعدد اشخاص نے اپنی قسمت آزمائی کر لی تھی۔ مگر البرٹ نے سب کو بوجہ ان کی غربت انکاری جواب دیدیا تھا کیونکہ اس کی خواہش تھی کہ جولیا کی آئندہ زندگی چین و آرام سے بسر ہو۔ آخرکار ایک موقع البرٹ کو مناسب معلوم ہوا۔ اس نے اپنی بیوی کے مشورہ کے بعد خفیہ طور پر تحریک بھی شروع کر دی۔ مگر شادی بیاہ کے معاملات کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ کتنا ہی پوشیدہ رکھا جائے لیکن ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ جولیا کو بھی سب حالات معلوم ہو گئے۔ اس کے دل میں غیر معمولی جذبہ کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔

ہرچند کہ نسوانی شرم و حیا غالب تھی۔ تاہم اس کو خدا معلوم کس طاقت نے دلیرانہ طور پر والدین سے دو چار ہونے پر آمادہ کر دیا۔ بہار کا آخری زمانہ تھا۔ شہر ہلال احمر کے باغات کا چپہ چپہ سبزہ زار سے چمنستان بنا ہوا تھا۔ ماہتاب کی نورانی چاندنی سے تمام کائنات بقعۂ نور بن رہی تھی جولیا کا باپ البرٹ اور ماں میری اپنے چھوٹے سے مکان کے صحن میں بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ کہ یکایک جولیا نہایت ادب کے ساتھ سر جھکائے ہوئے ان کے پاس آکر چوکی پر بیٹھ گئی، والدین نے ایک پرمعنی نگاہ جولیا پر ڈالی اور کہا۔

بیٹیا تم اس وقت یہاں کیسے چلی آئیں۔ جاؤ اپنے کمرے میں آرام کرو"

جولیا نہایت سنجیدگی اور استقلال سے بولی کہ میں نے آپ کو ایسی فکر و پریشانی کی حالت میں کبھی نہیں دیکھا۔ مگر چند دن سے آپ ہر وقت کسی فکر میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ غالباً آپ کو میری بدنصیب ہستی نے دریائے تفکر میں ڈال دیا ہے۔ کیا میرا خیال درست ہے؟ یوں تو میرا اس قسم کے معاملات میں دخل انداز ہونا سخت بے جا ہوگا۔ مگر میں آپ سے دست بستہ عرض کرتی ہوں کہ آپ میرے واسطے شوہر کی ہرگز جستجو نہ فرمائیں۔ ہر در شہوار اور گوہر یکتا ہر ایک کے واسطے زیب گلو نہیں ہو سکتا جس صناع ازل نے مجھ کو یہ بے مثل حسن وجمال ودیعت فرمایا ہے۔ وہی میرا مستقبل زندگی کا کوئی دائمی شریک بھی ضرور پیدا کر دے گا۔ آپ مجھے اس بات پر رضا کر دینے دیں۔

اس گفتگو کے وقت جولیا کے چہرہ پر ایک خاص قسم کا جذبہ و جلال مترشح تھا۔ البرٹ اور میری میں اتنی تاب نہیں تھی جو آنکھ

اٹھا کر دیکھتے۔ انہوں نے اس کے خلاف ایک بات بھی نہیں کہی۔ البتہ اس گفتگو کے بعد البرٹ نے اپنی نور نظر دختر کی شادی کے تذکرے کو کچھ عرصہ کے واسطے بالکل فراموش کر دیا۔

(۲)

جولیا اپنے شباب کی سولہویں بہار میں سے گزر رہی ہے۔ چہرہ پر شگفتگی کے آثار پائے جاتے ہیں زمانہ کی رفتار کے مطابق اس کا حسن لاثانی بھی دن بدن ترقی کر رہا ہے۔ نہ صرف ہلال احمر میں اس کے حسن کا چرچا تھا۔ بلکہ تمام سرزمین اسپین میں ہر خاص و عام کی زبان پر تذکرہ تھا۔ سوئے اتفاق انہیں ایام میں ایک پادری روما سے آکر شہر ہلال احمر میں ٹھہرا اور حسن اتفاق سے البرٹ کے مکان پر فروکش ہوا البرٹ کے خاندان نے اپنے مذہبی پیشوا اور مہمان کی حسب حیثیت خاطر و مدارات کی۔ ایک دن بعد فراغت طعام البرٹ نے پادری کے ساتھ یوں گفتگو شروع کی۔

"اے خلیفہ مسیح۔ میری ایک جوان عمر و جوان سال لڑکی ہے۔ اس کے واسطے آپ دعا کریں کہ وہ خوش نصیب ہو اور اس کا مستقبل روشن بنے۔"

پادری نے جواب دیا "وہ خادمہ مریم کہاں ہے۔ ذرا بلاؤ۔"

البرٹ نے جواب دیا وہ سامنے والے کمرہ میں موجود ہو گی۔

پادری:۔ پردہ کی کیا ضرورت ہے تم لوگ چونکہ مسلمانوں کے زیر حکومت ہو اس واسطے ان کی رسوم پر چلتے ہو۔ لڑکیوں کو پردہ میں بند کرنے کی کوئی معقول وجہ اس کے سوا نہیں ہو سکتی۔ اور ہم جیسے زاہد اور پرہیزگار لوگوں سے پردہ کرنا سراسر نادانی ہے۔"

البرٹ نے کہا۔ اے بابا میں نے اس کو نہیں چھپایا ہے۔ بلکہ وہ خود ایک شرمیلی اور باحیا لڑکی ہے۔ بلکہ وہ آزاد طبیعت اور خود مختار شخصیت ہے اور میری منشا کے خلاف اپنی شادی کرنے تک سے انکار کرتی ہے۔ یہ باتیں سنکر پادری بابا اس کو دیکھنے کے اور بھی مشتاق ہوئے اور بے صبری کے عالم میں خود ہی آواز دی۔ "اے بیٹی۔ تو ہماری دلاری اور عقیدت مندوں میں شامل ہے پھر پردہ کی کیا ضرورت ہے۔ تو نور اول آسمان کے چاند کی مانند پردہ سے باہر نکل آ۔ تاکہ میری آنکھیں تیرے جمال بے مثال کو دیکھ کر روشن اور منور ہو جائیں۔"

البرٹ نے بھی پادری کے ہاں میں ہاں ملائی۔ اور کہا بیٹی یہ اپنے بزرگ ہیں۔ ماں باپ کا درجہ رکھتے ہیں۔ تو ان کے قدموں کو چوم کر ثواب حاصل کر۔ یہ سنکر ماہ پارہ جولیا ایک خاص شرمیلی ادا کے ساتھ آہستہ آہستہ کمرہ سے باہر نکلی اور پادری بابا کو آداب بجا لا کر ایک سمت گوشہ میں کھڑی ہو گئی۔ پادری نے دعائیں دیں اور بولے کہ لے جان من تیرا حیرت افزا حسن و جمال۔ تیرے پاکیزہ خیالات۔ تیری خوش نصیبی کا پتہ دیتے ہیں۔" یہ کہہ کر پادری پر ایک روحانی جذبہ طاری ہو گیا اور وہ آیات انجیل کا ورد کرنے لگے۔ جولیا قدرتی طور پر مذہبی امور کی دلدادہ اور نیک سرشت لڑکی تھی۔ پادری کا احترام کرنے لگی اور ان سے بہت جلد مانوس ہو گئی اور نہایت عاجزی اور انکساری سے پادری کے چند روزہ قیام میں ان کی خدمت کی۔ پادری صاحب ایک ماہ تک البرٹ کے مہمان رہے اس عرصہ میں انہوں نے جولیا کو اپنی بیٹی کی طرح علم موسیقی اور اخلاق کی تعلیم میں ماہر کامل بنا دیا۔ ان باتوں نے اس پری پیکر کو اور چار چاند لگا دئے اب وہ صرف حسن ہی کی نہیں بلکہ آداب و اخلاق کی بھی ملکہ تھی۔

(۳)

ایک ماہ کے بعد پادری بابا کافی نذرانہ وغیرہ لے کر ہلال احمر سے رخصت ہوئے اور وہاں سے سیدھے اپنے مستقر شہر روم کی راہ لی۔ وہاں ان کے دوست و احباب مل کر بے انتہا خوش ہوئے۔ پادری صاحب نے اپنے ہم جلیسوں سے اپنی سیاحت کے تفصیلی حالات بیان کئے۔ چنانچہ جب ہلال احمر میں قیام کا ذکر آیا تھا تو جولیا کا تذکرہ بڑے شد و مد کے ساتھ سنایا۔ اور شاہی گرجا کے پاسبانوں سے بھی اس احوال کو خاص دلچسپی سے بیان کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر روم کے اکثر زندہ دل لوگ جولیا کے

عہد دوشیزگی کی یاد

(ایک دوشیزہ کے قلم سے)

الوداع اے عہد دوشیزگی! الوداع۔!! دوشیزگی کی آخری شب اب تو زندگی میں کبھی واپس نہ آئے گی۔!! آ میں تجھے آخری مرتبہ اپنے کلیجہ سے لگا لوں۔

میری پیاری سہیلو! اب میں تمہاری صورت دیکھنے کو ترس جاؤں گی۔ لیکن تمہاری یاد میرے دل میں برابر رہے گی الوداع۔!! میں اپنی اشکبار نگاہوں سے تم کو رخصت کرتی ہوں!

مشتاق دیدین گئے۔ رفتہ رفتہ یہ تذکرہ دربارشاہی تک پہونچا اور سلطنت روم کے عیش پرور اور حسن پرست شہنشاہ پیٹر جوزف نے خاص توجہ کا اظہار فرمایا اور بارگاہ شاہی سے حکم صادر ہوا کہ پادری مذکور فوراً ایوان سلطانیہ میں حاضر ہوں۔" پادری نے بادشاہ کی خدمت میں پہنچکر بالتفصیل جولیا کے حسن و اوصاف کی تعریف کرکے بادشاہ کے شوق میں، مزید اضافہ کردیا بادشاہ مذکور اس زمانہ کے ذی مرتبت، اور عیش پرست بادشاہوں میں سے تھا۔ لہو و لعب کے ساتھ قصرِ شاہی میں، سینکڑوں ماہ پیکر، رشک قمر، پری تمثال حسن کی پتلیاں، موجود تھیں۔ جو اس صیاد حسن کے دام بلا میں پہنچکر ہمیشہ کے واسطے اپنے عزیز واقارب سے بچھڑ گئی تھیں۔ لیکن اس بوالہوس کو اس پر بھی صبر نہ تھا اور ہمیشہ نو خیز معشوقوں کی تلاش میں رہتا جولیا ایسی حسینہ اور جمیلہ کا ذکر اور پادری کی شیریں بیانی۔ جوزف لے دلفریب سرگزشت سنکر دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام لیا اور منھ میں پانی بھر آیا اور کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ اب مجھ میں ایک لفظ سننے کی تاب و طاقت نہیں ہے۔ اے میرے بہی خواہ مصاحبین۔ خاموش ہو —— بولو کیوں خاموش ہو؟ کچھ کرو۔ میرے دل کا چین...... دیکھو جولیا سلطنت اسلامی کی رعایا ہے۔ جس طرح ممکن ہو میرے پاس پہونچادو۔ اُف وہ کونسا دن ہوگا جب جولیا میری آغوش محبت میں آئے گی اور وہ کب میرے ساتھ داد عیش دے گی —— جاؤ کچھ تدبیر کرو (مصاحبین کھڑے ہوکر سرنگوں ہوجاتے ہیں) پادری:۔ "آقا اس خدمت کو میں اچھی طرح انجام دے سکتا ہوں۔ اے ملک رفعت بادشاہ۔ آپ فکر نہ کریں سب کام حسب منشا مالک پورے ہوجائیں گے۔"

شاہ جوزف:۔ (جوش میں) او نابکار خاموش ہو۔ یہ تیری ہی فتنہ پردازی ہے۔ میرا دل بے تاب ہورہا ہے۔ اور تو کہتا ہے کہ فکر نہ کریں ابھی جا اور اس دشمن راحت کو یہاں پہنچا۔ ورنہ تیری اور تیرے خاندان

محبت

شہید محبت نہ کافر نہ غازی
محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی!
وہ کچھ اور شے ہے محبت نہیں ہے
سکھاتی ہے جو غزنوی کو ایازی!
یہ جوہر اگر کارفرما نہیں ہے
تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی!
نہ محتاجِ سلطان نہ مرعوبِ سلطان
محبت ہے آزادی و بے نیازی!
مرا فقر بہتر ہے اسکندری سے
یہ آدم گری ہے وہ آئینہ سازی!

علامہ اقبال رح

کی خیر نہیں۔

پادری:۔ "عالی جاہ کے دشمن بلا وجہ فکرمند ہوکر مزاج مبارک کو مکدر کررہے ہیں۔ میں آج ہی تدبیر سوچ کر روانہ ہوتا ہوں۔"

بادشاہ:۔ (ایک بیش قیمت مرصع ہار۔ اور اشرفیوں کی تھیلیاں دیتا ہے) لو یہ لے جاکر اس معشوقہ کے والدین کو دیدو اور ان کو راضی کرو۔ ہمارے غیض و غضب سے ڈراؤ۔ کیا سنتا ہے؟

پادری:۔ آقا سب کچھ سن رہا ہوں۔ آپ فرمائیے۔

بادشاہ:۔ جاتے ہی یہ ہار ہماری طرف سے جولیا کی گردن میں ڈالدینا اور ہمارا پیام محبت سنا دینا۔ اور کسی بہانہ سے اس کو حدود روم میں لانے کی کوشش کرنا۔ مگر خبردار —— خلیفہ اسپین کو اس بات کی خبر نہ ہونے پائے۔ ورنہ نیا فتنہ جاگے گا۔

(۴)

شب کے پرسکون اندھیرے میں، البرٹ اور اس کے بیوی بچے مکان میں آرام کی نیند سورہے تھے کہ یکایک کسی نے دروازہ پر دستک دی البرٹ اٹھا اور دروازہ کھولا دیکھا تو جولیا کے استاد پادری باہر کھڑے ہیں اندر داخل ہوکر پادری نے البرٹ کو کسی سوال کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ بلکہ ایک گوشہ میں لے جاکر اسے کہا کہ دیکھو البرٹ میں تم کو اپنا بھائی سمجھتا ہوں۔ اور خصوصاً جولیا سے جو محبت اور پیار ہے۔ اس کا اندازہ ہی لگانا مشکل ہے۔ میں ہر صورت میں تمہارے آرام اور فائدہ کا خواہاں ہوں اور میں آج تمہارے دائمی رانج واخلاص کو خوشی اور امارت سے بدلنے کے لئے آیا ہوں۔ خداوند کریم اور اس کے پیارے بیٹے مسیح نے تم پر مہربانی کی۔ انہوں نے مجھکو تمہارا ذریعہ نجات بناکر بھیجا ہے۔ میں تم سے جولیا کو مانگتا ہوں۔ اس کی قسمت کا ستارہ آج اوج پر پہنچ گیا ہے۔ اب وہ ایک خود مختار بادشاہ بیگم بنکر سلطنت روم پر حکومت کرے گی۔ یہ کہتے ہوئے پادری نے البرٹ کے

سامنے اشرفیوں کی تھیلیاں کھولدیں اور بیش قیمت مرصع ہار اس کے ہاتھ میں دیدیا۔

البرٹ نے اتنی کثیر رقم کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ اس وقت اس کی مسرت اور خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پادری نے اپنا پھندا ٹھیک پڑتا دیکھکر لفظ بلفظ مکمل ماجرا کہہ سنایا۔ جس کو البرٹ نے بسروچشم منظور کرلیا اور کہا کہ آپ اطمینان رکھیں۔ صبح کو جولیا آپ کے ہمراہ ہوگی۔

شب تاریک اپنا سفر پورا کرچکی ہے اور آفتاب عالم تاب مشرق سے طلوع ہوکر کائنات عالم کو منور کرتا جا رہا ہے۔ رگوہر شب چراغ جولیا خواب راحت سے بیدار ہوئی۔ علی الصباح جب اس کی نگاہ پادری پر پڑی تو اس کی مسرت سے پیشانی چمکنے لگی اور برق پاش موتیوں جیسے دانت لب ہائے لعلین کے درمیان بے ساختہ کھل گئے۔ لیکن جب اس کو اپنی ماں کی زبانی ان حضرت کی تشریف آوری کا حال معلوم ہوا تو خزاں رسیدہ پھول کی مانند کملا گئی۔ اس ساری خوشی خاک میں مل گئی۔ پادری بابا تو یہ پیغام مسرت سنا رہے تھے۔ مگر جولیا آتش غضب سے جل رہی تھی۔ بابا پادری نے اس خاموشی کو ــــ شرم۔ حجاب محمول پر رضامندی جان کر بڑے پیار و تپاک سے وہ مرصع ہار جولیا کے گلے میں ڈالدیا۔ لیکن اب جولیا وہ پہلی جولیا نہ تھی۔ اس نے فوراً ہار کو اتار کر دور پھینکدیا اور غضبناک ہوکر بولی۔ بابا آپ میرے بزرگ اور مربی ضرور ہیں مگر میں آپ کی اس بات پر ہرگز رضامند نہیں ہوسکتی۔ میری عقل میں نہیں آتا کہ کلیسا کے مقدس پادری کو اس ہار سے کیا نسبت۔ افسوس ہے کہ آپ ایسے پاک و مقدس لوگ اور یہ کرتوت۔ سمجھو پادری بابا۔ تم غفلت کا شکار بن رہے ہو۔ مذہبی پیشوا بن کر دین روح مسیحی کو بدنام کررہے ہو۔ کیا تمہارا یہ جرم قابل معافی مانا جاسکتا ہے۔ تم سے بادشاہ پیٹر جوزف اپنی قوت اور دولت کے ناجائز دباؤ سے وہ کام لے رہا ہے جو وہ اپنے شیطان صفت ندیموں سے لیا کرتا

فقر

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری!
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہانگیری
اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری
اک فقر سے مٹی میں خاصیت اکسیری
اک فقر ہے شبیری اس فقر میں ہے میری
میراث مسلمانی سرمایہ شبیری

علامہ اقبال رح

تھا .... شرم کرو پادری بابا شرم .... تم اعلان کرتے ہو کہ دین مسیحی میں ایک عورت سے زیادہ بیوی رکھنا گناہ کبیرہ ہے۔ اور تمہارا بادشاہ سینکڑوں بے زبان لڑکیوں کی عصمت دری کرتا ہے ان کو داشتہ بناکر محل میں قید کیا جاتا ہے۔ اور تم لوگ خاموش ہو۔ اور مجھے بھی اسی زندان بلا میں داخل کرکے حریص بادشاہ کا شکار بنانے کے واسطے آئے ہو۔ جاؤ دور ہو جاؤ۔"

جولیا کا جوش و خروش دیکھکر اور یہ تقریر سنکر پادری کا چہرہ زرد پڑگیا۔ اور رنگ فق ہوگیا۔ اور شرمندہ ہوکر ایک طرف جا بیٹھے اور البرٹ کو شیشے میں اتارنے کی کوشش میں لگ گئے اور اس سے کہا کہ یہ لڑکی دیوانی ہوگئی ہے۔ فرط خوشی میں اس کا دماغ ماؤف ہوگیا ہے۔ پیٹر جوزف ایسا شیول اور رفیع الشان ..... بادشاہ اس کے لئے بے قرار ہے اس کے واسطے تم اور زیادہ کیا چاہتے ہو۔ پھر جولیا سے مخاطب ہوتے کہ بیٹی یہ وقت بار بار ہاتھ نہیں آتا تم سوچو اور غور کرو میں تمہاری بہتری کے واسطے روم سے یہاں تک آیا ہوں اور تم کو روم کی ملکہ دیکھنا چاہتا ہوں

جولیا۔ پادری بابا آپ میرے شفیق استاد ہیں۔ میں آپ کا ہر حکم ماننے کو تیار ہوں۔ مگر اس معاملہ میں مہربانی سے آپ ہرگز کوشش نہ کیجئے۔ میں صاف صاف کہے دیتی ہوں کہ یہ بار قیامت تک میرے گلے تک نہیں آسکتا ہے دولت روم کی کوئی چیز درکار نہیں۔ زندگی میں کیا معنی مرنے کے بعد بھی میری خاک حیاتی اور ظالم بادشاہ جوزف کے دربار تک نہ پہنچ سکے گی۔ (والدین کی جانب مخاطب ہوکر) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ بادشاہ روم کیسا بے دین اور آوارہ و بدنفس انسان ہے۔ وہ کسی لڑکی کو جو اس کے محل میں ایک مرتبہ داخل ہوجائے تمام عمر باہر نہیں جانے دیتا اور ہمیشہ کے لئے وہ عورتیں اپنے عزیزوں سے چھوٹ جاتی ہیں۔ اگر آپ مجھ سے بیٹی کی جگہ سمجھیں اور یہ سنہری سی اشرفیوں کا ڈھیر مجھ سے زیادہ پیارا ہے تو میں دست بستہ عرض کرتی ہوں کہ مجھے میری قسمت پر چھوڑدو۔ میں اس گھر سے چلی جاؤں گی۔ محنت مزدوری سے اپنا گذر کرلوں گی مگر شاہ

جوزف کی قید میں رہنا منظور نہیں ہے۔

(۵)

پادری نے جہاں تک ہوسکا جولیا کے ماں باپ کو راہ راست پر آنے کی تلقین کی اور انھوں نے جولیا کو سمجھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ مگر وہ رضامند نہ ہوئی۔

آہ! افسوس۔ تنگدستی اور مفلسی کیا چیز ہے وہ والدین جو اسپر دل وجان فدا کیا کرتے تھے۔ آج مال اور منال کی طمع سے اس کو زبردستی ایک عیاش بادشاہ کی قید میں دینے کو تیار ہیں۔ جب جولیا کسی طور راضی نہ ہوئی تو البرٹ مارے غصہ کے کانپ اٹھا پادری سے کہا کہ اس کو آپ زبردستی لے جائیے۔ دیکھوں یہ کیسے نہ جائے گی۔ یہ سنتے ہی یکدم جولیا کا چہرہ شدت غصہ سے سرخ ہو گیا۔ آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلنے لگے اس حالت غضب میں اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل رہے تھے۔

میں اور جوزف کا محل، قطعی ناممکن۔ وہ میرے سایہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ کس کی مجال ہے جو مجھے ہاتھ بھی لگا سکے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ ——میں خلیفۂ وقت سے فریاد کروں گی۔ اس کی امداد مانگوں گی شاہ روم کی کیا مجال —— ہاں مجھ پر وحدہٗ لاشریک کا سایہ ہے۔ جو اپنے مظلوم بندوں سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوتا۔ ہاں وہی میرا محافظ ہے۔ میں سنتی ہوں وہ غیبی فرشتہ میری مدد کو تیار ہے مجھے اب کسی کا خوف نہیں ہے۔ میرا مالک حقیقی میرے ساتھ ہے..... اے پروردگار عالم میں تیری ادنیٰ اور ذلیل لونڈی ہوں" یہ کہتے کہتے اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اور وہ اب فرش پر بے ہوش پڑی تھی ساری فضا ساکت تھی۔

البرٹ اور اس کی بیوی نے آپس میں تبادلہ خیالات کیا کہ اگر اس واقعہ کی خبر محافظ علاقہ کے ذریعہ خلیفہ کے دربار تک پہنچی تو مصیبت کا سامنا ہوگا۔ اس لئے اس معاملہ کو رفع دفع کر کے پادری بابا کو رخصت کر دینا مناسب ہے۔

ایک طویل سکوت اور خاموشی کے بعد جب جولیا کو ہوش آیا تو اس کی ماں اپنی عزیز بیٹی سے لپٹ گئی اور اس کو اطمینان دلایا کہ اس معاملہ میں اب تیری مرضی کے خلاف ایک لفظ بھی نہ کہیں گے۔ لیکن خدا کے لئے اتنا ضرور بتا کہ تو شادی سے کیوں انکار کرتی ہے۔ اس نے نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا کہ جس وقت آپ نے پہلی دفعہ میری شادی کا ارادہ کیا تھا اور معلوم ہونے پر میں نے اس ارادہ سے آپ کو باز رکھا تھا۔ اس بات سے کچھ یوم پیشتر صبح صادق کے سہانے وقت میں جب کہ چکور کے شور اور کوئل کی کوکو سے صحرائے ہلال احمر گونج رہا تھا میں نے عالم خواب میں ایک ہاتف غیبی کو دیکھا جو میرے سرہانے کھڑا ہوا یہ کہہ رہا تھا کہ اے جولیا بشارت ہو تجھے کہ تو درگاہ خداوندی میں مقبول ہوئی اور خوش ہو کہ تو بعد محنت اور مشقت اٹھائے دولت اسلام سے مالا مال ہو گئی جلد ہی تیرا رنج خوشی سے بدل جائے گا۔"

بس آپ لوگ اپنے خیال خام سے باز آئیے۔ اور شاہ روم کے مال وزر پر فریفتہ ہو کر میری اور اپنی عاقبت خراب نہ کیجئے اطمینان کے ساتھ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ پردۂ غیب سے کیا سامان پیدا کرتا ہے۔"

البرٹ اور مریم نے اپنی پیاری بیٹی کو گلے سے لگا لیا۔ اور اپنی زیادتی کی معافی مانگی۔ مع ہار اور اشرفیاں پادری کو دے کر کہا کہ پاپا ہمیں معاف کریں۔ جولیا تم سے راضی نہیں ہوسکتی۔ یہ جواب پا کر پادری ناکام و نامراد روم کو واپس روانہ ہوا۔

(۶)

شہنشاہ پیٹر جوزف اپنے دارالحکومت میں سراپا شوق و اضطراب بنا ہوا پادری کا منتظر تھا، اس کو ایک ایک دن ایک ایک سال کے برابر معلوم ہوتا تھا سو وہ رات دن جولیا کا خواب دیکھتا اور اسی کے تصور میں وقت گزارتا۔ اس کو یقین کامل تھا کہ اب کوئی دم میں پادری صاحب جولیا کو ساتھ لے کر حاضر دربار ہوں گے لیکن افسوس! اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا اس کی ساری خیال آرائیاں خاک میں مل گئیں اس کی خوشیاں غموں سے بدل گئیں جب پادری تنہا اور نامراد واپس آیا اس سے تمام حالات اور خصوصاً بشارت اسلام کا ذکر سنکر اس کے سینہ میں تعصب کی آگ بھڑک اٹھی اور گرج کر بولا " یہ سب اس نابکار کی مکاریاں ہیں وہ ضرور کسی بدمعاش مسلمان کے جال میں پھنس گئی ہے۔ اچھا کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ وقت آگیا ہے۔ دیکھو کیسی بشارت بتاتا ہوں۔ دیکھنا ہے کہ کس طرح مسلمان بن کر کسی نابکار کے قبضۂ اقتدار میں جاتی ہے۔ میں ہلال احمر ہی نہیں بلکہ تخت خلافت کو الٹ کر نیست و نابود کر دوں گا۔

کوئی ہے؟ نقیب ایوان میں، حاضر ہوتے ہیں۔ ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ وزیر سلطنت اور سپہ سالار لشکر حاضر ہوں۔ خدام آداب شاہی بجا لا کر باہر چلے جاتے ہیں اور بادشاہ خاموش ہو جاتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد جہاندیدہ وزیر جان لوئس اور سپہ سالار لارنس بادشاہ کے حضور میں جھکتے ہیں اور باادب اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔

بادشاہ جوزف:- وزیر اعظم بتلاؤ کہ سلطنت اسلامیہ اندلس کا سرحدی علاقہ اپنے یہاں سے کتنے دن کی مسافت کا فاصلہ رکھتا ہے۔

وزیر:- جہاں پناہ۔ اٹھائیس دن صرف ہوتے ہیں۔ حکومت کا درجہ بلند رہے۔ خیر ہے کیا ضرورت پیش آئی ہے۔

بادشاہ:۔ تم کو معلوم ہے کہ خود بدولت نے کیمیائے دولت کے پادری فلپ کو ہلال احمر اس واسطے بھیجا تھا کہ وہ محل معلی کی مزید زینت کے واسطے وہاں کے ایک مسیحی البرٹ کی دختر ناکتخدا کو، جو کہ سرو سے زیادہ خوبصورت جسم صبح کے تروتازہ گلاب سے زیادہ دلکش شفق کی بوقلمونی سے بہتر رنگین۔ اور حقیقت میں انسانی جسد میں حور ہے۔ خود بدولت کے حضور میں پیش کرے۔ لیکن وہ ناکام واپس آگیا ہے۔

وزیر:۔ جہاں پناہ کا اقبال دائم رہے۔ حکم ہو تو خلافت اسلامیہ سے درخواست کی جائے کہ وہ تعلقات شاہی کی بناء پر اس عیسائی خاندان کو ہمارے سپرد کردیں اس وقت سب کام حسب فرمان شاہی پورے ہوجائیں گے۔

بادشاہ:۔ افسوس ہے۔ وزیر باتدبیر۔ تم کیا باتیں کرتے ہو۔ کیا خلیفہ مستنصر باللہ کو تم نادان خیال کرتے ہو۔ وہ کیا نہیں جانتا کہ اپنے علاقہ سے کسی آدمی کو حکومت غیر کے سپرد کرنا کیا معنی رکھتا ہے سوچ کر بات کرو۔ میرے عزیز سپہ سالار۔ تم آج سے لشکر کی تیاری شروع کردو۔ پرسوں ہم کوچ کردیں گے اور منزلوں کو تاراج کرتے ہوئے دس بارہ دن میں علاقہ اسلامیہ میں داخل ہوکر شہر ہلال احمر پر حملہ آور ہوکے اس ماہ پارہ لڑکی اور اس کے عزیزوں کو گرفتار کرکے فوراً مراجعت وطن کریں گے۔ میری تجویز کو تم نے غور سے سنا ——؟

سپہ سالار لارنس:۔ جہاں پناہ کا حکم سر آنکھوں پر پرسوں لشکر زیر فرمان تیار ملے گا۔ مالک کی تجویز مناسب اور سہل ہے۔

وزیر:۔ سپہ سالار یہ سچ ہے کہ حکومت اور وطن کی تم نے بڑی خدمت کی ہے۔ مگر لشکر اسلام سے ابھی واسطہ نہیں پڑا ہے۔ میرے خیال میں ایسی بے جا پیش قدمی ممکن ہے کہ روم کی بربادی کا باعث بنے۔ اس لئے میں بادشاہ کے حضور میں عرض کرتا ہوں کہ اس ارادہ کو کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کردیا جائے۔

جوزف:۔ وزیر اعظم ذرا ہمت سے کام لو۔ رومن لوگوں کی تلوار کے سامنے دنیا کی بہادرانہ اور شہ زور قوم گریک (اہل یونان) کے سرکشوں نے سر غلامی خم نہیں کئے تھے بلکہ ہم کو خداوندان کر سجدۂ طاعت بجالاتے تھے۔ اور تم مٹھی بھر مسلمانوں سے خائف ہوتے ہو۔ حالانکہ اس وقت متعدد عظیم الشان مسیحی حکومتیں موجود ہیں۔

وزیر:۔ عالم پناہ۔ کا فرمان لفظ بلفظ حقیقت ہے۔ مگر اس زمانہ میں اہل اسلام کے سامنے روئے زمین پر دوسری طاقت موجود نہیں ہے۔ دیکھئے خلافت بغداد کے سامنے قسطنطنیہ کا شہنشاہ دم بخود ہے۔ ہر سال خلیفہ اسلام کی خدمت میں قیمتی تحائف نذر کرتا ہے اور یہ حکومت فرانس کو دیکھئے اسپین کی اسلامی سلطنت سے دوستی کرنا اپنی سلامتی جانتے ہیں۔ جب کہ زمانہ کی یہ حالت ہے۔ جہاں پناہ اسلامی حکومت سے برسرپیکار ہونا چاہتے ہیں۔ میں اپنے تجربات کی بنا پر آقا کے ہم خیال نہ ہونے کی معافی مانگتا ہوں۔"

بادشاہ یہ تقریر سنکر برافروختہ ہوجاتا ہے اور سپہ سالار کو حکم دیکر کہ ہم خود اس مہم میں شریک ہوں گے محل میں چلا جاتا ہے۔

(۶)

قلعۂ روم کے سامنے والے میدان میں رومی لشکر زرق برق پوشاکیں زرہ بکتر اور چمکتے ہوئے آہنی خود سے آراستہ پرے جمائے کھڑا ہے۔ سواروں کے صبا رفتار گھوڑوں کی ہنہناہٹ سے میدان گونج رہا ہے۔ لشکر کے تمام عساکر پابہ رکاب ہیں۔ بگل کی آواز کانوں میں آرہی ہے۔ قلعہ سے شاہی دستہ آہستہ آہستہ باہر نکل رہا ہے۔ سب سے آگے بادشاہ جوزف فوجی لباس زیب تن کئے ایک خاص بہادرانہ انداز سے گھوڑے پر جا رہا ہے اور پیچھے تمام اہل لشکر آرہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں تمام میدان خالی ہوگیا۔ کیونکہ رومی لشکر نے ولایت اندلس کی جانب کوچ کردیا ؎

چلا ہے او دل راحت طلب کیا شادماں ہوکر
زمیں کوئے جاناں رنج دے گی آسماں ہوکر

دریائے ڈنوب کا پانی عاشقوں کے پرِدردوں کی طرح نہایت زور و شور کے ساتھ موجیں مارتا ہوا چلا جارہا ہے۔ لہریں باہم ایک دوسرے سے لپٹی ہوئی کسی معشوق کی زلف پیچاں کی طرح بل کھاتی ہوئی آپس میں اس طرح مل جاتی ہیں۔ جیسے کوئی عاشق نامراد اپنے مدت کے بچھڑے ہوئے محبوب کو دیکھ کر بے تابانہ ہم بغل ہوجاتا ہے ساحل آب پر ہر چہار سو لگا ہوا سبزہ کسی سرد مہر کے سبزۂ رخسار کی یاد دلاکر آنکھوں میں تروتازگی بخش رہا تھا۔

بادشاہ جوزف والئ روم کی عظیم الشان فوج بڑھتے بڑھتے ساحل تک پہنچ گئی۔ افسران فوج بار بار، راستہ میں واقع ہونے والے سرسبز میدان کی طرف اشارہ کرکے پڑاؤ کے خواہاں ہوتے ہیں۔ مگر شاہ جوزف اہل لشکر کو چند گھنٹوں سے زیادہ آرام کی اجازت ہی نہیں دیتا اور حکم ہوتا ہے۔ آگے بڑھو۔ چلے چلو۔ اس کے سوا دوسرا لفظ زبان پر نہیں آتا۔ آخر لب دریا پہنچکر فوج رک جاتی ہے۔ بادشاہ اپنی فوج کو کچھ عرصہ آرام دے کر دریا کے عبور کرنے کا حکم دیتا ہے۔ سلطنت اسلامیہ کا علاقہ شروع ہوگیا ہے، حملہ آوروں کے دلوں پر ایک خاص رعب طاری ہے مگر حکم شاہی بجالا رہے ہیں۔ کچھ دیر میں کل فوج مع افسران

لشکر ندی کے دوسرے کنارے پہنچ جاتی ہے۔ سامنے چند میل کے فاصلہ پر شہر ہلال احمر نظر آرہا ہے۔ عساکر شاہی نے کچھ فاصلہ طے کرکے پھر تھوڑا سا آرام لیا۔ اور آزمودہ کار افسران نے فوج کی ترتیب و تفریق کی۔ اور تمام لشکر نے شاہ عالی پناہ کے زیر تحت شہر ہلال احمر پر حملہ کی غرض سے رخ کردیا۔

شاہ جوزف مع لشکر روم سے ہلال احمر تک ایک ماہ کی راہ چودہ دن میں طے کرکے دریائے نیس کے داہنے ساحل پر آچکا ہے۔

(۸)

اہل شہر اس وقت سے جب کہ غریب البرٹ کی لڑکی کے واسطے پادری بادشاہ روم کا پیغام لایا تھا اور اس نے اس بات کو نامنظور کرکے پادری کو ناشاد و ناکام واپس کردیا تھا۔ شاہ موصوف کی طرف سے کھٹکے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے شاہ روم کی فوج کے دریائے زینوب تک آجانے کی خبر سنی تو اسی وقت وہ البرٹ اور اس کی خدا پرست مہ جبین بیٹی جولیا کی حمایت پر تیار ہوگئے۔ باہمی مشورہ کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ شہر کے کل آدمی عیسائی اور مسلمان آبادی چھوڑ کر جنگل میں کسی محفوظ نامعلوم جگہ چلے جائیں۔ اور اس واقعہ کی خبر دارالسلطنت غرناطہ بھیجدی جائے۔ چنانچہ فوراً یہ کارروائی عمل میں لائی گئی اور اہالی شہر اپنا ضروری سامان ساتھ لے کر مکانات مقفل کرکے روانہ ہوگئے۔ اور کچھ خلافت کے محافظین شہر کی نگرانی کے لئے باقی رہ گئے۔

رومی فوج شہر میں آپہونچی۔ جوں جوں شہر میں داخل ہوتی کسی انسان کا نام و نشان تک نہ پاتی۔ بستی پر ایک خوفناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ خالی گھروں سے ایک قسم کی وحشت برس رہی تھی شہر کے محافظ سپاہیوں سے فوج کی مڈبھیڑ ہوئی اور وہ سب تھوڑی دیر میں ختم کردے گئے۔ اور جو اکادکا آدمی نظر پڑا اس کو قتل کرکے مکانات لوٹ لئے گئے۔ اور لشکر نامراد ہوکر واپسی کے ارادے سے دریائے نیس کے کنارہ خیمہ زن ہوگیا۔

ہلال احمر خلیفہ مستنصر باللہ پایۂ تخت تاجدار بنی امیہ کی حدود مملکت میں شامل تھا اور اس علاقہ کا عامل دگورنر اپنے صدر مقام باجیرہ میں رہتا تھا۔ اس نے جس وقت شاہ روم کی بے جا دست اندازی قتل و غارت کا حال سنا تو اپنی پوری جمعیتہ لے کر اثنائے راہ میں شاہ جوزف کے سر پر آندھی کی طرح آپہنچا میدان کارزار گرم ہوا۔ بہادران اسلام اور دلیران روم نے شجاعت کے خوب جوہر دکھائے۔ آخری وقت میں قریب تھا کہ عون بن مالک گورنر باجیرہ کی فوج بوجہ قلت پسپا ہوجائے۔ کیونکہ تعداد میں لشکر روم سے کم رہی۔ لیکن عین وقت پر دارالخلافہ سے ایک تازہ دم لشکر بسرکردگی اسد بن جرار آپہنچا۔ اس وقت لشکر اسلام نے دو جانب سے دشمن پر بڑا سخت حملہ کیا۔ جس سے رومی لشکر کی ترتیب ٹوٹ گئی اور شاہ جوزف کی فوج نے چھ ہزار سے زیادہ مقتولین اور سامان حرب و ضرب میدان جنگ میں چھوڑ کر جانب روم راہ فرار اختیار کی۔

عون بن مالک نے غنیم کا تعاقب کیا اور لشکر خلافت کی کامرانی کا مفصل حال خلیفہ کی پیش گاہ میں بھیجا۔ خلافت مآب شاہ روم کی بدعہدی اور کینہ پروری سے واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے فوراً تمام عمال کو احکام روانہ کئے کہ اپنی اپنی فوجیں اور نشان لیکر جلد از جلد مستقر میں حاضر ہوں۔ تین چار دن کے بعد ایک لشکر عظیم اہل روم کے تعاقب میں روانہ کیا گیا۔ اس فوج ظفر موج کا سپہ سالار ولیعہد خلافت شاہزادہ ابوجعفر کو مقرر کیا گیا تھا اور شاہزادہ کو ہدایت کی گئی کہ جہاں تک ممکن ہو۔ جوزف کو اثنائے راہ میں اسیر بنانے کی کوشش کرے۔ اور جب تک ایوان خلافت سے واپسی کے لئے فرمان صادر نہ ہو۔ ہرگز واپس نہ لوٹے۔

لشکر اسلام نے مقام صحرائے زنوب پر اہل روم کو جالیا۔ مقابلہ ہوا عیسائی پسپا ہوکر پھر فرار ہوئے۔ اور سرحد خلافت کے باہر ایک قلعہ میں جاکر شجاعت کے خوب جوہر دکھائے۔ اس جنگ نے بہت طول کھینچا عساکر خلافت کو بہت نقصان اٹھانے پڑے۔ کیونکہ دشمن قلعہ گزیں تھا۔ اور لشکر اسلام میدان میں خیمہ زن۔ فریقین کی ہزارہا جانیں تلف ہوئیں۔ لیکن بغیر حکم خلیفہ محاصرہ نہیں اٹھا سکتے تھے اس لئے برابر جنگ جاری رہی۔ رومی سپاہ کو پے در پے ہزیمت اٹھانی پڑتی تھی۔ اور لشکر اسلام رومی علاقہ میں دور تک پہنچ چکا تھا۔

(۹)

دوران محاصرہ میں ایک دن شام کے وقت شاہزادہ ابوجعفر اپنے گھوڑے پر سوار قلعہ کی چاروں سمت محاذ جنگ کا ملاحظہ کرتے ہوئے گزر رہا تھا۔ ناگاہ اس کی نظر ایک جھروکہ پر پڑی جہاں ایک نہایت خوبصورت اور حسین شاہزادی کھڑی ہوئی باہر کی سمت دیکھ رہی تھی۔ ہمارا نوعمر اور جوان شاہزادہ نے گھوڑے کو روکا اور اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔ شاہزادی نے ایک خاص فاتحانہ اور تحکمانہ انداز سے شاہزادہ کی طرف نظر پھیری۔ دونوں کی نظریں ملیں اور تیر ایک دوسرے کے پار ہوگیا۔ یہ محویت کا عالم تھوڑی دیر رہا اور

شاہزادی ایک غمزہ دکھا کر روپوش ہو گئی۔ شاہزادہ خیمہ گاہ میں واپس ہوا۔ اور جنگ ملتوی کرنے کا حکم واعلان جاری کر دیا گیا۔ پرچہ نویسوں نے اس واقعہ کی اطلاع خلیفہ کو لکھ بھیجی۔ معلوم کرایا گیا تو پتہ چلا کہ وہ شاہزادی رومیوں کے مشہور جنرل لارنس کی دختر ہے۔ ہمارے اسلامی جنرل نے بلا پس وپیش شاہ روم کو پیغام بھیجا کہ وہ محاصرہ کو ختم کر دیگا اگر بادشاہ اپنے سپہ سالار کی بیٹی اس کے عقد میں دیدے اور اس طرح دو بادشاہوں کا نقیص بھی دور ہو جائے گا۔ مگر شاہ جوزف نے شاہزادہ کو ان شرطوں پر راضی کرنا چاہا کہ لشکر اسلام اس جگہ سے واپس اسپین جائے۔ جوزف سے کسی قسم کا تاوان وجرمانہ طلب نہ کیا جائے اور جولیا کو شاہ روم کے حوالہ کر دیا جائے۔ تب سپہ سالار لارنس کی دختر شاہزادہ کے عقد میں منسلک ہو سکتی ہے۔ توقع تھی کہ کچھ رد و بدل کے بعد یہ معاملہ طے ہو جاتا کہ دارالخلافہ غرناطہ سے ایک ضروری حکم صادر ہوا کہ شاہزادہ فوج کی کمان جنرل احمد مسعودی کو سپرد کر کے خدمت خلیفہ میں جلد سے جلد حاضر ہونے کی کوشش کرے۔ اس خبر سے شاہزادہ سخت غمگین وافسردہ ہوا اور معاملہ کی نزاکت اور اپنی غلطی کا احساس کیا۔ اور غرناطہ جانے کی بجائے بادشاہ فرانس کے پاس چلا گیا تاکہ اس سے سفارش کرا کے اپنے باپ سے معافی چاہے۔

بادشاہ فرانس نے اس لڑائی کے بعد بادشاہ جوزف سے اصرار کر کے سپہ سالار لارنس کی مہ جبین بیٹی روبین کی شادی شاہزادہ ابوجعفر کے ساتھ کرا دی۔ اور ایک سفارشی وفد کے ساتھ دولہا دولہن کو خلیفہ کی خدمت میں غرناطہ بھیج دیا اور وہ طالب ومطلوب، عیش وطرب کی زندگی میں سرشار ہو گئے۔

شاہزادہ ابوجعفر کے علیحدہ ہونے پر احمد مسعودی نے دوبارہ قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اگرچہ شاہ روم کی فوجی طاقت بھی کم نہ تھی۔ مگر افسران لشکر اسلامیہ نے اپنی سیاست سے دشمن کی رسد بند کر دی جس سے ایک آفت عظیم برپا ہو گئی بالآخر زرین کے معرکہ میں جنرل احمد کے حسن انتظام اور افواج کی ترتیب سے دشمن کے ساتھ زبردست مقابلہ ہوا۔ رومی لشکر کی کمک ایک لاکھ نفوس تک بیان کی گئی ہے اور لشکر اسلام کی تعداد چالیس ہزار سے زیادہ نہ تھی دارالخلافہ سے اسلامی لشکر آتی جلد زرین تک آنا ناممکن تھا۔ الغرض اس معرکہ میں قسمت کی کامیابی اور ناکامی کا مسئلہ نہاں تھا۔ شاہ جوزف نے خفیہ طریقہ سے تمام عیسائی شاہان یورپ سے امداد کی درخواست کی لیکن کسی کو اہل اسلام کے سامنے شمشیر زنی کی جرأت نہ ہوئی اور رومیوں کو نامرادی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس سے شاہ روم کے حوصلے پست ہو گئے اور وزیر اعظم لوئیس کی نصیحت کانوں میں گونجنے لگی۔ بالآخر مجبور ہو کر شاہ جوزف نے صلح کی درخواست احمد مسعودی کے پاس بھیجی جو کہ حکم سلطانی کے حصول کے لئے خلیفہ کے حضور میں بھیج دی گئی اس صلحنامہ کے زیر اثر شاہ روم نے اپنی خواہر کوشک شاہزادی مرسینہ کا نکاح خلیفہ مستنصر باللہ کے ساتھ کر دیا۔ اور دو جلیل القدر عیسائی اور مسلمان بادشاہوں میں رشتہ اتحاد قائم ہو کر صلح ہو گئی۔

لشکر اسلام مظفر ومنصور غرناطہ واپس آ گیا۔ جشن صلح منعقد ہوا ہر سو خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ چونکہ خلیفہ کو بادشاہ پیٹر جوزف والی روم کی شورش کے ساتھ جولیا کے حالات بھی مفصل معلوم ہو چکے تھے انہوں نے ایک پاکیزہ پوشاک اور بیش قیمت زیورات جولیا کے واسطے بھیجے اور اس کو مع والدین دربار خلافت میں طلب کیا گیا۔ جولیا۔ البرٹ اور روبیری خلیفہ کے سامنے پیش ہوئے۔ اس وقت جولیا کا حسن قیامت خیز اپنے رخ سے چاند وسورج کو شرما رہا تھا۔ شاہانہ پوشاک بیش قیمت زیورات وجواہرات نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ خلیفہ نے اس کے حسن وجمال صورت وسیرت کو بے مثل پا کر نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھا اور اپنے دوسرے فرزند دلبند شاہزادہ مقتدر کی زوجیت کے واسطے منسوب فرمایا۔ اور جولیا کو اپنی خالہ کی دختری میں دیا۔ خلیفہ کی ضعیفہ خالہ نے اپنی حقیقی بیٹی کی طرح جولیا کی شادی کا بندوبست کیا۔ اور اس کو شاہزادہ مقتدر کے ساتھ بڑے کر وفر سے بیاہ دیا۔ خلیفہ نے البرٹ کو امید سے زیادہ مال وزر بخش کر منصب عطا فرمایا۔ شاہزادہ ابوجعفر اپنی پیاری محبوبہ روبین کے وصال سے شادکام ہوا۔ خلیفہ اسپین نے گوہر بےبہا شاہزادی مرسینہ پائی اور ہمارے اس افسانہ کی ہیروئن جولیا شاہزادہ مقتدر کے محل کا گوہر شب چراغ کہلائی۔ اور تا ابد دنیا میں، اپنی داستان چھوڑ گئی۔

پُجاری

(از محترمہ بیگم شفیق احمد صاحب سلطانپوری)

وہ دنیا والوں کی نظروں میں ایک پجاری کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ دیہات کے باہر ہرے بھرے کھیتوں کے اوپر ایک ٹیلہ پر ایک بوسیدہ مندر میں رہتا تھا۔ لوگ اُسے دیوتا سمجھتے تھے۔ منگل کے دن اس کو پھلوں اور مٹھائیوں کی بھینٹ کرتے تھے۔ وہ تھا کون اور کہاں سے آکر بس گیا ہے۔ کیوں اس نے دنیا سے منہ موڑ لیا۔ اس کے دریافت کرنے کی دیہاتیوں نے کبھی ضرورت نہ سمجھی ـــ وہ بے چارے سیدھے دیہاتی جن کو صرف اپنے ہل بیل سے تعلق اور جس کو وہ اپنی دنیا سمجھتے ہیں۔ کبھی اس راز کو حل کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ کھیتوں کو جاتے وقت پجاری کے پاس آتے اور اس سے اشیر باد لے کر اپنے کھیتوں کو چلے جاتے۔ فصل میں منافع ہوا تو کچھ پجاری کی نذر بھی کر دیتے تھے تاکہ ان کا پجاری جس کو وہ اپنا دیوتا سمجھتے تھے خوش رہے۔ جب دن بھر کے تھکے ماندے دیہاتی۔ پجاری کی دھونی پر شام کو پہنچ آتے تو اپنے دیوتا (پجاری) سے اپنی گرہستی کی بات چیت کرتے تھے ـــ کوئی کہتا پجاری مہاراج موری تیاری (ماں) بہت دکھی (بیمار) ہے کوئی اپائے بتلائے۔ کوئی جھٹ سے بیچ میں بول اٹھتا مہاراج میری لڑکی اب سیانی (جوان) ہو گئی ہے بیاہ (شادی) کی فکر ہے ـــ مور جورو (میری بیوی) جب میں جات ہوں روزے (روز) موسے اگرے (اس کے) بیاہ کے لئے جلدی کرت ہے۔ تہیں (آپ ہی) مہاراج بتاؤ پار سال مہاجن کشن لال سے سو روپیہ اُدھار لیا تھا۔ روز تقاضہ کرت ہے۔ ابتک جھگڑے (ادا) کوئی طرح نہیں بنت ہے (کسی طرح نہیں) پہلے اُدھار بیباق کری (پورا کردوں) یا لڑکی کا بیاہ کروں۔ عجیب آفت ہے۔ بھگوان ہی کرپا کریں تو بیڑا پار ہو سکتا ہے۔ اور تو کوئی اپائے نہیں ہے۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے سب اپنے دکھڑے سناتے تھے۔ سب کے کہہ چکنے کے بعد اسکا جواب جو سب کے لئے کافی ہوتا تھا سب کا دل خوش کر دیتا تھا ـــ وہ کہتا بھائی گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اُسی دیالو ایشور سے آس لگائے رہو۔ وہ سب کی مدد کرتا ہے۔ تمہاری بھی ضرورتوں کو پورا کرے گا ـــ دنیا کی مصیبتوں سے نراش (نا امید) نہ ہونا چاہئے۔ غریب امیر سب کی دعاؤں کو وہ سنتا ہے اور سب کے اڑے وقت میں کام آتا ہے۔ اُس کے اوپر بھروسہ رکھو میری بھی پرمیشور سے دعا ہے۔ اور بھگوان چاہے گا تو ضرور قبول ہو جاوے گی اور تمہارے دکھ درد دور ہو جائیں گے۔ پھر جلدی سے کہتا اچھا۔ اچھا اب جاؤ تم اپنی راہ دھرو۔ تمہارے بال بچے تمہارے آنے کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ یہ کہہ کر وہ خود بھی اٹھ جاتا اور ان کو اپنے مندر سے دور تک پہونچا کر لوٹ آتا تھا ـــ یہ اس کا روزانہ کا دستور تھا۔ تھوڑا بہت روکھا سوکھا کھا کر اپنی بوسیدہ سونے کی کوٹھری میں چلا جاتا تھا یہاں پر ایک طرف لوٹا ایک طرف کچھ بوسیدہ کپڑے اور ایک طرف ایک قدِ آدم تصویر جو اُس کے ایک بوسیدہ انگوچھے جس میں ہزاروں چھید تھے۔ ڈھکی رہتی تھی۔ جس کے روزن دانوں میں سے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی عورت کی تصویر ہے۔ تصویر پر بھی کتنے ہی داغ دھبے پڑے ہوئے تھے مگر اس کی اصلی چیز یعنی شکل صورت ابھی تک ویسی ہی تھی جیسی آج سے بارہ سال پہلے۔ تصویر کو دیکھتے وہ اُس کی نقاب کو اٹھا کر پھینک دیتا اور اس طرح اس سے گفتگو کرنے لگتا جیسے سچ مچ وہ زندہ ہو۔

"یاد ہے کملا تمہیں وہ دن جب میں نے چوری سے تمہاری کوئیں پر پانی بھرتے ہوئے تصویر کھینچ لی تھی۔ جب تمہیں معلوم ہوا تمہارے ہاتھ سے تمہارا گگرا گر کر تمکو ہمیشہ کے لئے داغ دے گیا"

پجاری جو کہ ان لوگوں کی نظروں میں پجاری مہاراج تھا وہ اس گاؤں سے بہت دور راج نگر جو کہ اب اجڑ گیا وہاں کے بڑے زمیندار کا لڑکا تھا۔ جو کہ ریٹائرڈ گورنمنٹ آفیسر تھے انہوں نے راج نگر کی تمام زمینداری خرید لی تھی ـــ وہ بڑے نیک اور خدا پرست آدمی تھے تمام تیرتھ گاہوں کے درشن کر آئے تھے اس لئے دیہاتی خواہ مرد ہو یا عورت سب ہی ان کی عزت کرتے تھے اور ان کی دل و جان سے خدمت کرنے پر کمربستہ رہتے تھے۔ وہ زیادہ بڈھے نہ تھے مگر بڑے عبادت گذار زمینداروں میں سے تھے صبح ہوا کہ دیہاتی لڑکیاں آتیں اور اپنے زمیندار کے پیر چھوتیں اور اُن سے اشیر باد لے کر اپنے گھروں کو واپس ہو جاتیں ـــ وہ سب کو ایک نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کو گاؤں کو لیتے ہوئے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا مگر اُن کی رعایا اُن سے ایسی مانوس ہو گئی تھی گویا اُن کے باپ دادا کے زمانے سے یہ زمینداری پشت در پشت چلی آتی ہے۔ جب وہ آئے تھے

نوجوان کا لڑکا جو کہ اُن کی ٹمٹماتی ہوئی حیات کا سہارا تھا۔ بی۔ اے میں پڑھتا تھا۔ وہ باپ کے گاؤں میں آنا نہ چاہتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ شہر کی دلچسپیاں گاؤں میں اس کو کہاں نصیب ہوں گی۔ وہ سینما تھیٹر اور سرکس وہاں کس طرح دیکھ سکے گا اس کو دوستوں کی صحبت کہاں حاصل ہوگی۔ مگر اب کی بڑے دن کی چھٹیوں پر پتا کے بار بار کے تقاضوں اور شکار کے لالچ نے اس کو گاؤں میں آنے پر مجبور کر دیا۔ باپ نے آنے کے لئے اچھی بیل گاڑی کا انتظام کیا کیونکہ دیہات سے اسٹیشن تیرہ میل پر تھا راستہ بہت ہی خراب اور دشوار گزار تھا۔ گاؤں کے نکڑ پر بڈھا مع اپنی رعایا کے لڑکے کے استقبال کے لئے موجود تھا دیہاتی نوجوان لڑکیاں اس کی شوخیاں اور شہری ٹھاٹ باٹ دیکھنے کے لئے ایک جمگھٹ میں منتظر تھیں۔ اتنے میں بیلوں کے گھنگروؤں کی آواز لوگوں کے کانوں میں آنی شروع ہوئی۔ باپ کا چہرا خوشی سے تمتما اٹھا کیونکہ وہ خلاف امید گاؤں میں آرہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی آپہونچی۔ مگر خالی تھی۔ باپ نے گھبرا کر پوچھا ارے کشنو کہاں ہے۔ ؟ کیا نہیں آیا؟ گاڑی بان نے جواب دیا" نہیں۔ مالک وہ قریب ہی ہرن کا شکار کرنے کے لئے اتر گئے ہیں۔ پیدل آنے کو کہا ہے۔ مجھکو واپس چلے جانے کو حکم دیدیا۔ باپ نے گاڑی بان سے پوچھا" ارے کچھ گاؤں دیکھ کر خوش بھی ہے۔ وہ بولا ہاں سرکار بہت رہیں شکار بہت ہے۔ ابھی تے چھٹیاں بڑے مزے میں کٹ جائیں گی۔ ایک دیہاتی کی طرف مخاطب ہوتے۔ کہا" وہ پہلا گاؤں کہاں آتا تھا وہ تو میں نے شکار ہی کا لالچ دے کر بلایا ہے۔ شکار پر تو جان دیتا ہے۔ کچھ دیر بعد کشنو مع ایک ہرن کے جو کہ ایک نوکر کا وبال جان تھا۔ آپہونچا۔ باپ نے خوشی سے گلے لگا لیا اور فرط مسرت میں آنکھوں سے دو آنسو ٹپک پڑے اور زور دار آواز میں بولے" بیٹا کشنو کچھ اپنا گاؤں بھی پسند آیا"۔ "اب بتاؤ تمہارا شہر اچھا ہے یا ہمارا دیہات۔ وہ کہتا تو اس کے خلاف چاہتا تھا مگر عورتوں کے جمگھٹ میں اس نے دو چمکتی ہوئی آنکھیں دیکھیں اور گھونگھٹ کی آڑ میں ایک آفتاب و مہتاب کو شرما دینے والا مکھڑا دیکھ کر وہ فوراً سنبھلکر بولا" پتاجی یہ دیہات بہت اچھا ہے۔ دراصل قدرتی حسن دیہات ہی میں پایا جاتا ہے"۔ اسی طرح کی دلچسپ باتیں اور بحث مباحثہ باپ بیٹوں میں بہت دیر تک ہوتے رہے۔ کشنو چاہتا تھا کہ جب تک اس قدرت کے خوبصورت کھلونے سے دل بستگی کرتا رہے۔ خوش قسمتی ہے۔ تھوڑی دیر توقف کرنے کے بعد کشنو کے پتا بولے" چلو بیٹا تم بہت تھک گئے ہوگے کچھ جل پان کر لو" کشنو اس موہنی صورت اور قدرت کی نقاشی کے بہترین نمونے کو دیکھنے میں ایسا مشغول تھا کہ

اُس نے اپنے باپ کے جملہ کو بالکل نہیں سنا۔ باپ نے پھر ذرا زور دار لہجہ میں کہا" بیٹا معلوم ہوتا ہے کہ تم کو دیہات بہت ہی پسند آیا میں تو سمجھتا تھا کہ تم آتے ہی اپنے قصہ کہانیوں کی کتابوں کو لے کر بیٹھ جاؤ گے اور اس طرح اپنی چھٹی گذار دو گے۔ چلو ناشتہ کر لو پھر اس دیہات میں جو تمہارے جیسے بڑے شہر کی ایک ادنیٰ گلی کے مانند ہے خوب گھوم لینا" باپ کے اس جملہ کو سنکر کشنو چونک پڑا اور باپ کے ساتھ گھر کی طرف روانہ ہوا۔ گھر کی ایک مختصر سی عمارت کو دیکھ کر اس کا بہت جی خوش ہوا مگر اس کو بار بار وہ موہنی صورت یاد آجاتی تھی جو اس نے راستہ میں دیکھی تھی۔ اس کی شکل آنکھوں میں پھر رہی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی صورت بار بار دیکھے۔ کسی سے اس کو یہاں پر بلوا لے۔ اس کی صورت کی پوجا کرتا رہے۔ مگر شرم اس کے ارادہ کا مانع ہو کر اُس کو ایسا کرنے سے روک رہی تھی۔ ایک دفعہ فرط جوش میں تو اس نے اپنے نوکر کو بھی بلا لیا مگر اُدھر سے اُس کے پتاجی ٹہلتے ہوئے آئے کہنے لگے" میں نے تمہارے شکار کا انتظام کر دیا ہے خوب جی بھر کر شکار کھیلو" نوکر سے بولا" جاؤ میری بندوق اور ہینڈ بیگ اٹھا لاؤ" نوکر نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور بندوق اور بیگ لا کر حاضر کیا۔ دو کارتوس جیب میں ڈال کر دیہات میں چڑیوں کے شکار کے لئے چلدیا ادھر اُدھر گھومنے کے بعد ایک میل کے بڑ کے پاس پہونچا جس سے کچھ دور کے فاصلہ پر ایک پکا کنواں تھا۔ جس پر بھولی بھالی نوجوان لڑکیاں بھر بھر گگرے گھروں کے لئے پانی لے جا رہی تھیں۔ بندوق کی آواز سنکر وہ دوڑتی ہوئی بڑ کے پاس پہونچی۔ کشنو اپنے شکار کو اکٹھا کر رہا تھا۔ بھولی بھولی گنوریں آپس میں کانا پھوسی کرنے لگیں" ارے جیسے ہمارے زمیندار صاحب نیک ویسے ہی ان کا لڑکا بڑا ظالم ہے۔ چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی جان لیتا ہے" کشنو۔ لڑکیوں کے جھنڈ کی طرف صید زخم خوردہ کی طرح دیکھنے لگا۔ اُس نے دیکھا کہ وہی لڑکی جس کو اس نے راستہ میں دیکھا تھا یہاں پر بھی موجود ہے۔ اس کو اس کی سکھیاں اپنے بیچ میں لئے ہوئے تھیں۔ کشنو اس کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ ایک دفعہ دوشیزہ کی نظروں میں کشنو زخمی ہو گیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس کے جذبات میں تلاطم آگیا اور اس کا دل اس میں ڈگمگاتی ہوئی نیا کی طرح ہانپنے لگا۔ وہ شرما کر اپنا گگرا سنبھال کر گھر کی طرف روانہ ہو گئی کشنو جب تک وہ نظر آتی رہی برابر دیکھتا رہا ۔۔۔ آج اس کو معلوم ہوا کہ اس کا دل ایک دیہاتی حسن پر فدا ہو گیا تھا۔ جس کا اس کو خواب میں بھی خیال نہ تھا۔ وہ نہ جانتا تھا کہ دیہات میں بھی حسن خداداد کی دولت موجود ہوتی ہے ۔۔۔ نہ معلوم کیا کیا وہ اس کے متعلق اور کب تک سوچتا رہا یہاں تک

کہ سورج نے نقاب ڈالدی اور چاروں طرف اندھیرا چھانے لگا۔ کشنو مانند اس شکاری کے اوبھا جو خود شکار کرنے آیا مگر خود شکار ہو جائے۔

گھر کے راستے میں اس نے اس کو پھر دیکھا جس کو وہ دل جان سے چاہتا تھا۔ اس کے سر پر گوبر کی ٹوکری تھی۔ وہ شاید اُپلے پاتنے جارہی تھی۔ کشنو نے چاہا کہ وہ دوڑ کر اس کے ہاتھ سے لے لیا چھین لے اور گندی چیز جس کی اس کو بو سونگھنا بھی گوارا نہیں۔ اٹھا کر پھینک دے۔ وہ قریب تھا کہ جا کر اس کو پکڑ لے کہ ادھر کے کھیتوں میں سے چند دیہاتی اپنی فصلیں کاٹ کر بیلوں پر لادے ہوئے آرہے تھے۔ ایک آدمی جس کے سر پر پیال کا گٹھا تھا اس لڑکی کو جو کہ اُپلے پاتنے میں ہمہ تن مشغول تھی آواز دی "اری مٹی کملو چلو شام ہوگئی ہے۔ چلو چلو اٹھو یہ اتنے بہت ہیں۔ اتنی رات گئے باہر نہ رہا کرو۔ اب بیٹا تم سیانی ہوگئی ہو" وہ ساڑی سنبھالکر باپ کے پیچھے پیچھے چلدی۔ قریب ہی کشنو کھڑا ہوا یہ سب تماشہ دیکھ رہا تھا آج اس کو معلوم ہوا کہ اس کا نام کملا ہے۔ مگر وہاں کنویں پر تو اس کو لڑکیاں رانی ــــ رانی ــــ کہہ کر پکارتی تھیں۔ یہ کیا بھید ہے۔ اتنے میں وہ لوگ آپہونچے اور سب نے جھک کر سلام کیا اس نے سب سے خیریت پوچھی سب کے ہاتھ جوڑ کر کہا "آپ کی کرپا ہے" وہ سب کے آگے چلدیا وہ لوگ پیچھے پیچھے اس کی تعریف کے راگ الاپتے ہوئے چوپال تک پہونچ گئے۔ وہ اندر چلا گیا سب لوگ چوپال پر بیٹھ کر حقہ پینے لگے۔ اندر سے ان کے زمیندار نکلے سب کے سب کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے سب کو اپنے ہاتھ سے بٹھادیا خود بھی اُن میں مل کر ہنسی مذاق کرنے لگے۔ کسان بولے مہاراج آپ کا لڑکا تو بڑا ہی اچھا ہے۔ سبھاؤ تو بہت ہی سندر ہے ہم لوگ مہاراج کیا کہہ کر پکاریں۔ دیہاتی بڑھا بولا "ارے راجہ بابو کہا کرو" سب لوگ ہنس پڑے زمیندار صاحب کو بھی بڈھے کا رکھا ہوا نام پسند آگیا۔ وہ ہنسنے لگے۔ جب زیادہ رات ہوگئی تو سب لوگ اپنے اپنے جھونپڑوں کو چلے گئے۔ آہستہ آہستہ لوگوں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ ان کا راجہ دیہاتی کملو سے پریم کرتا ہے۔ وہ لوگ بہت خوش تھے۔ اب اُن کے برادری والوں کی قسمت جاگ اٹھے گی۔ چھپے چوری وہ خوب خوشیاں منانے لگے۔ دوسرے روز جب کنویں پر سب سکھیاں جمع ہوگئیں اور رانی کملا نہ آئی تھی تو ان کو بڑی فکر و اشتیاق ہورہی تھی۔ سب کی زبان پر راجہ بابو کے پریم کا چرچا تھا ــــ وہ کہنے لگیں "وہ دیکھو رانی آرہی ہے۔ وہ اٹھلاتی ہوئی کنویں کے پاس آپہونچی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج وہ اپنی سکھیوں سے ناراض ہے۔ وہ اپنا پانی بھر کر روانہ ہونے لگی کہ سب نے مل کر اس کو پکڑ کر بٹھالیا اور اس طرح طعنہ بازی کرنے لگیں "ارے ہماری رانی ابھی سے ناراض رہو اگر تمہیں ناراض ہو جاؤ گی تو ہماری بھلا گانوں میں کیسے گذر ہوگی۔ تم ہم کو رانی ہونے پر دیش نکالا دیدو گی"

اس کی پیشانی پر شرم سے چند قطرے پسینے کے اُبھر آئے جس کو اس نے جلدی سے پونچھ لیا۔ اس نے نیچی نظر کر کے اپنی ساڑی کی شکنوں کو دور کرتے ہوئے کہا "دیکھو جی اگر تم لوگ آج سے پھر مجھے "رانی" کہہ کر پکارو گی تو تم سے بولنا چھوڑ دوں گی۔ پھر کبھی تمہارے ساتھ کنویں پہ پانی بھرنے نہ آؤں گی۔ نہ تمہارے ساتھ سرسوں کے کھیتوں میں گھاس چھیلنے جاؤں گی پھر کبھی تو تمہارے ساتھ ملہار نہ گاؤں گی۔ سمجھیں۔ ایک نو عمر سکھی کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولی "دیکھ ری تو بڑی چنچل ہوتی جارہی ہے۔ یاد ہے نہ اس دن کی بات ....ــــ بلاؤں ابھی۔ پھر تو بھاگتے نہ بنے گی ــــ دوسری سکھیوں نے بات کاٹتے ہوئے پوچھا "کس دن کی بات ہے۔ ؟ کیا بات؟ آخر راز و نیاز کی باتیں ہمیں بھی تو معلوم ہوں" وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اُس نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر چپ کر دیا۔ ایک طرف ہاتھ کا اشارہ کیا۔ اس نے جو منہ اٹھا کر دیکھا تو کشنو پیل کی آڑ سے جھانک رہا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھی اور روانہ ہوگئی۔ سکھیوں نے ایک قہقہہ مارا اور خوشی سے نعرہ لگاتی ہوئی چلائیں "ارے رانی۔ رانی۔ رانی۔ دیکھ تجھے راجہ بابو بلا رہے ہیں۔ بے چاری شرماگئی اور اپنے گھر جا کر سکھیوں کی باتوں پر غور کرنے لگی۔ بہت غور و خوض کرنے کے بعد وہ مطلب کی تہ کو پہونچنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس کی شادی گانوں کے زمیندار کے لڑکے سے کر دی جائے گی۔ نہیں۔ نہیں۔ میں کبھی بابا اور اماں کی اس بات کو ماننے پر تیار نہ ہوں گی۔ میرا تو بھیکم ہے۔ وہی مجھ سے پریم کرتا ہے۔ وہ بڑا اچھا ہے۔ بڑی سُریلی بانسری بجاتا ہے۔ اچھا میں ابھی اسی کے پاس جاتی ہوں۔ وہ دوڑتی ہوئی جنگل پہونچی جہاں سے گائے بیل ادھر ادھر چارہ کی تلاش میں گھوم رہے تھے۔ وہ چاروں طرف گوالے (بھیکم) کو ڈھونڈھ رہی تھی وہ ایک دھوتی پہنے ہوئے پیڑ پر بیٹھا بانسری بجا رہا تھا جب اس نے اپنی کملو کو آتا دیکھا بانسری بند کر دی۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے جب وہ تنگ آگئی تو اسی پیڑ کے نیچے بیٹھ گئی جس پر بھیکم گوالا بیٹھا تھا۔ وہ ڈالوں ڈالوں پر کودتا ہوا نیچے آیا اور کملو کی آنکھیں بند کرلیں۔ اُس نے جلدی سے ہاتھوں کو ہٹا کر دیکھا تو اس کا بھیکم تھا۔ اُس نے ہانپتے ہوتے کہا "سنو بھیکم آج میں تم سے ایک بڑی ہی ضروری بات کہنے آئی ہوں وہ یہ کہ مجھ سے یہاں کے راجہ بابو ...... بھیکم نے بات کو دھراتے ہوئے کہا ہاں۔ ہاں کیا راجہ بابو تم سے پریم کرتے ہیں۔ کوئی حرج نہیں ارے اب تو رانی ہوگئی۔ وہ کھڑا ہوگیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا "مہارانی جب سچ مچ ایشور کی کرپا اور دکھیوں کی دعا سے آپ رانی ہو جائیں تو اپنے ...... گوالا کو مت بھول جایئے گا۔ مجھ کو تب آپ راج گوالا کی پدوی دیجئے گا۔ میں سرکاری گئویں چراؤں گا۔ آہا یہ تو بڑی آنند کی بات ہے رانی تم نے مجھے آج بڑی اچھی خوشخبری سنائی میں آج بہت خوش ہوں۔ مگر تم

کیوں دکھی ہو۔ کملو نے روتے ہوئے کہا: دیکھو بھیشم اپنے اُس قول و قرار کو مت بھولو جب پہلے ہم نے تم نے دریا کے کنارے پیمانِ وفا باندھا تھا اور کہا تھا۔ کہ ہم دونوں جب بڑے ہو جائیں گے تو بیاہ کریں گے۔ آج تم ہی اپنے وعدہ سے پھرے جاتے ہو۔ جانتے ہو بیوفائی کی کیا سزا ہے..... دیکھو مجھے "رانی" نہ کہا کرو۔ میں تمہاری "کملو" ہوں۔ کملو: بھیشم آج سے پھر تو رانی نہ کہوگے اور ایک اور وعدہ کرو۔ بھیشم نے جو اس وقت بڑی گہری سوچ میں پڑا ہوا تھا ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولا "کیا؟" اس نے کچھ کان میں کہا جس کو سنکر بھیشم کا منہ سرخ ہوگیا۔ ڈر سے پسینہ آنے لگا۔ یہ دیکھ کر کملو رونے لگی۔ آخر جب وہ نہ مانی تو بھیشم راضی ہوگیا۔ کشنو نے اپنے پتاجی سے اپنے دل کا حال کہہ سنایا باپ نے پہلے تو بیٹے کو سمجھایا مگر جب وہ نہ مانا تو بولا "اچھا میں چودھری سے صلاح لے لوں۔ چودھری تھوڑی دیر کے بعد آ پہونچا۔ چودھری نے جب یہ سنا تو بہت خوش ہوا اور فوراً راضی ہوگیا۔

کملو کے باپ کے پاس گیا اور اس کو خوشخبری سنائی وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے کملو سے کہا۔ وہ بے چاری عورت تھی کیا بولتی —— خاموش رہی —— دوسرے دن شہر میں شادی کی دھوم دھام ہو رہی تھی گھر گھر خوشیاں منائیں جا رہی تھیں —— کملو کو آج دولہن بنایا گیا تھا۔ وہ بہت رو رہی تھی —— مگر جب گھر کی بڑی بوڑھیوں نے اس کو روکا تو خاموش ہوگئی —— شب عروسی کا کمرہ خوب سجایا گیا تھا۔ —— کملو کو نو بجے اس کی سکھیوں نے کمرہ میں بٹھا دیا کشنو اپنے دوستوں کے ساتھ ناچ رنگ میں مشغول تھا۔ دس بجے ایک آدمی گاڑھے کی چادر لپیٹے کمرے میں آیا —— گیارہ بجے کشنو نے کہا" اچھا بھئی اب ہم چلتے ہیں۔ دوستوں نے کہا"۔ ابھی نہیں ایک گھنٹہ بعد۔

کشنو بولا! اچھا میں ذرا ایک کام کرتا آؤں۔ آپ لوگ بیٹھیے ابھی آتا ہوں۔ اس نے کواڑوں کو کھول کر جھانکا۔ جو منظر اس نے دیکھا اس سے اس کا خون کھولنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ اس کی زوجہ ایک دوسرے مرد سے بغلگیر ہے۔ مرد کی صورت اس نے روشنی میں پہچان لی —— یہ وہی بھیشم گوالا تھا" اس کو دیکھ کر اس نے دانتوں تلے انگلی دبائی۔ غصہ میں اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ مگر پستول نہ ملا۔ بلکہ قریب ہی میز پر پستول بھرا ہوا رکھا تھا .... اس نے نشانہ لے کر دو فائر کئے۔ فائر کی آواز سنکر لوگ ادہر کو بھاگے —— لوگوں کو آتا دیکھ کر اس نے چاہا کہ خود کو بھی گولی مارے۔ مگر جب تیسرا فائر کیا تو وہ جا کر اس کے باپ کے لگا۔ وہ دوڑ کر اپنے کمرے میں بھاگا —— اور ایک ٹنگی ہوئی تصویر کو جلدی اتار کر نیچے کود گیا —— جنگل کی طرف بھاگ کر غائب ہوگیا —— ایک مندر میں پناہ لی۔ اب وہاں پر ایک پجاری کے نام سے مشہور ہوگیا ہے۔

کسی آستانے کے قابل نہیں

(از جناب صاحبزادہ محمد اعجاز الدین خاں ساحر ٹونکی)

ہمیں یاد آنے کے قابل نہیں عدو تو بھلانے کے قابل نہیں
مٹاؤ مجھے شوق سے تم مگر تمنا مٹانے کے قابل نہیں
جو محفوظ برقِ جہاں سے رہے (گرہ) وہ شاخ آشیانے کے قابل نہیں
بہت ناتوانی کا ممنون ہوں کہیں آنے جانے کے قابل نہیں
تیرے غم سے فرصت ملے بھی مجھے ابھی میں زمانے کے قابل نہیں
یہ دنیا یہ مکار دنیا نہ پوچھ یہ دل سے لگانے کے قابل نہیں
کہانی مری سُنکے رو کر کہا یہ بپتا سنانے کے قابل نہیں
مجھے کیوں کہیں چین ملتا نہیں میں کیا چین پانے کے قابل نہیں؟
حوادث کے تیر اس پہ لگتے رہے یہ دل کب نشانے کے قابل نہیں
بجز تیرے میری جبینِ نیاز (گرہ) کسی آستانے کے قابل نہیں

چھپائے سے ساحر چھپا عشق کب؟
یہ ظالم چھپانے کے قابل نہیں

اطلاع شکایت کرتے وقت اپنے نمبر خریداری کا لکھنا ضروری ہے۔ ورنہ تعمیل ارشاد نہ ہوگی۔ منیجر

معیار تغزل

(از نجیب الامراء احترام الملک جناب صاحبزادہ محمد عبد الشکور خاں صاحب بہادر منصور جنگ آف ٹونک)

اضطرابِ شوق میں اتنی فراوانی نہ تھی　　سچ تو یہ ہے آپ کو تسکین فرمانی نہ تھی

عشق نے ناکام رکھا ہر تمنا میں مجھے　　اور کوئی ایسی نہ تھی جو میری امکانی نہ تھی

جو نہیں اب میرے انکے درمیاں اے بوالہوس!　　وہ محبت تھی، محبت کی پشیمانی نہ تھی

جلوہ زارِ حسن ہیں اللہ رے میری تابِ دید　　کونسا جلوہ تھا جس جلوے کو حیرانی نہ تھی

زندگانی کی حفاظت اس طرح کی موت نے　　میری جانب سے بھی خود ایسی نگہبانی نہ تھی

اب کہاں کا فرنگاہِ ناز کی بے باکیاں　　اے نگاہِ شوق! اُن کو بات سمجھانی نہ تھی

اف وہ حسنِ روز افزوں، وہ زمانہ، وہ غرور　　جب تری تصویر بھی ظالم تری ثانی نہ تھی

زندگی نے ساتھ چھوڑا تو پریشانی ہوئی　　زندگی جب زندگی تھی، کچھ پریشانی نہ تھی

آپ وعدے پر نہ آتے یہ مجھے منظور تھا　　آپ کو وعدے پہ دشمن کی قسم کھانی نہ تھی

مجھ پہ یوں پڑتی رہیں دنیا کی ساری مشکلیں　　جیسے میرے واسطے دنیا میں آسانی نہ تھی

حکم کی تعمیل تھی منظور ورنہ اے شکور
کچھ طبیعت مائلِ ذوقِ غزل خوانی نہ تھی

مشہور مؤرخ مولانا عبد الحلیم شررؔ کے نو دلچسپ ناول

دربارِ حرام پور] "شررؔ لکھنوی" کے اس مشہور ناول میں حسن و عشق کی تلاطم خیزیوں کے ساتھ نواب حرام پور کے خفیہ حالات دربار شب کی اصلی حقیقت اور عیاشی کا اصلی مرقع دکھایا گیا ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نواب حرام پور کو آہ لقا چھیا جو۔ چندا جان۔ حسن آرا کی وجہ سے کیسی ذلتیں ہوئیں پڑھنے کی چیز ہے، اس ناول کے دو حصے ہیں (عہ/) صفحات اصلی قیمت ۔ ا/ اور رعایتی پانچ آنے

فلورا فلورنڈا] حسن کا ڈاکو راہب کے بھیس میں ربیت المقدس کا ایک تاریخی واقعہ ایک نفس پرست راہب کا حیا سوز واقعہ کلیسائے مغرب کے اندرونی حالات نیم برہنہ کنواریوں کے اندرونی گندے واقعات اس میں دسنح میں تاریخ اسلام کی شاندار فتوحات بھی ہیں قیمت اصلی ایک روپیہ آٹھ آنہ رعایتی دس آنے (۱۰/)

فردوس بریں] حسن بن صباح کی مشہور و معروف جنت کا حال اس باطنی فرقہ کے موجد نے بنائی تھی۔ اس کی کہانی بہت ہی دلچسپ ہے۔ اس کا اندازہ پڑھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے، مولانا شرر کا بے حد مقبول تاریخی ناول ہے اس کی قیمت ایک روپیہ ہے۔ ہمارے ہاں سے چھ آنے میں یہ کتاب ملتی ہے۔

منصور موہنا] مولانا شرر کا بے حد مقبول ناول تاریخ ہند کا سچا واقعہ ہے۔ سلطان محمود غزنوی۔ اور راجہ جے پال والی اجمیر و میواڑ کی لڑائی کے حالات میں اور اس کے ساتھ حسن و عشق کی کرشمہ سازیاں بھی ہیں منصور سلطان کا سپہ سالار ہے اور موہنا راجہ مذکور کی حسین ترین دوشیزہ بڑا دلچسپ ناول ہے، قیمت آٹھ آنے (۸/)

ملک العزیز ورجنا نیا ایڈیشن] حروب صلیبیہ اور اس سے قبل کی اسلام اور صلیب کی معرکہ آرائی شوکت اسلامی کے شاندار مناظر اسلامی فتوحات کے ولولہ خیز حالات عیسائیوں کی درندگی سپاہ اسلام کے جوش انگیز صبرآزما حالات اس کتاب میں ہیں اور اس کے ساتھ ہی حسن و عشق بھی کارفرما ہے۔ اصلی قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ/) ہے اب ہمارے ہاں سے صرف بارہ آنے میں منگایئے۔

حسن انجلینا] مولانا کا بہت ہی مشہور ناول جس میں ترکوں اور روسیوں کی لڑائی کے سچے تاریخی واقعات درج ہیں، ترکوں کا اہل ایران سے پورا اتفاق اور اہل اسلام کا جوش سلامی سے ترکی کی امداد کو آنا اور روسیوں کو متواتر شکستیں دے کر عظیم الشان فتوحات حاصل کر کے اسلامی جوش اور ہمدردی دکھانا۔ آخر میں شیعہ سنیوں کا مذہبی فساد۔ قیمت ایک روپیہ چار آنہ (عہ/) رعایتی صرف آٹھ آنے (۸/)

شہیدِ وفا] مولانا عبد الحلیم شرر کا تاریخی مشہور ناول۔ اندلس کی دلچسپ تاریخ، غرناطہ پر شکوہ حالات، مولوی حکومت کی شوکت، عیسائیوں سے معرکہ آرائی اور اس کے ساتھ ہی حسن و عشق کی کھینچا تانی بہت ہی دل افروز ناول ہے۔ نیند حرام ہو جاتی ہے۔ اصلی قیمت چودہ آنے (۱۴/) لیکن اب چھ آنے (۶/) میں ملتی ہے۔

میوۂ تلخ] نیند حرام کرنے والا ناول یہ اس کا عنوان ہے۔ خاص لکھنؤ کا ایک بہت ہی دل دوز واقعہ ہے۔ اور مولانا نے جس قدر دلچسپ انداز میں اس کو لکھا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے۔ ان کے درد انگیز ناولوں میں یہ سب سے زیادہ صفحات کی کتاب ہے۔ اصلی قیمت دس آنے ہے، رعایتی چار آنے (۴/)

حسن بن صباح] مولانا شرر کا مشہور ناول شیخ الجبال باطنی فرقہ کے دل ہلا دینے والے کارنامے بانی مذہب باطنیہ اور اس کی سلطنت اور سطوت کی دلچسپ تاریخ۔ جو صاحب ناول فردوس بریں ملاحظہ کر چکے ہوں وہ اس کو ضرور پڑھیں۔ یہ عجیب و غریب فرقہ کے حالات سے پُر ہے۔ قیمت صرف تین آنے (۳/)

ایک روپے سے کم کا وی پی منگانے میں محصول کا خرچ زیادہ ہے اس لئے ایک روپے سے کم کا وی۔ پی نہ منگایئے!!

یہ تمام کتابیں ملنے کا پتا ہے: **منیجر رسالہ محشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی**

سرکار خفا ہیں

اک دوست ہیں میرے بڑے ذی فہم و خرد مند
سب سے بڑے آفس کے اسسٹنٹ خداوند

تعطیل تھی کل اُن سے جو ملنے کو گیا میں
کم ہوتا ہے ملنا تو بہت دیر رہا میں

آتے رہی اول تو سلامی پہ سلامی
ہوتی رہی تا دیر غلامی کی غلامی

کچھ اہلِ غرض ایسے تحائف ہوئے حاضر
پڑھتے ہوئے کچھ دل میں وظائف ہوئے حاضر

کرسی پہ لٹک کر کبھی گودوں میں مچل کر
نذرانے لئے بچوں نے گھر میں سے نکل کر

پھیر دی، ہر اک قسم کی جب ہو چکی نازل
فرصت ہوئی مشکل سے ذرا دیر کو حاصل

اک بات ہوئی خاص ملاقات میں ان کی
بسمل کا جو ذکر آیا کسی بات میں ان کی

دریافت کیا اُس کے لئے میں نے یہ اُن سے
ہر چند کہ بدلے ہوئے تیور تھے کچھ اُن کے

اب آپ کے ہاں آپ کا بسمل نہیں ہوتا
محفل میں وہ اب گرمیٔ محفل نہیں ہوتا

وہ ہمدمِ دیرینہ و ہمراز کہاں ہے
وہ شاعرِ آزاد، وہ جانباز کہاں ہے

پہلے تو یہ حالت تھی کہ غمخوار تھے دونوں
ہمرنگ و ہم آہنگ و ہم یار تھے دونوں

آپ اُس کے مکاں پر، نہ وہ اب آپ کے گھر پر
ہوتا ہے کبھی چائے پہ ملنا نہ ڈنر پر

کیا بات ہے آپس میں وہ اب ربط نہیں ہے
اب آپ کہیں اور ہیں وہ اور کہیں ہے

اب اُس پہ وہ یارانہ مراسم نہیں ہوتے
اب اُس پہ محبت کے مظالم نہیں ہوتے

اوّل تو محبت کا بڑھانا نہیں اچھا
بڑھ جائے تو پھر اس کا گھٹانا نہیں اچھا

اس بات کا احساس اِدھر ہے نہ اُدھر ہے
اُس وضع کا اب پاس اِدھر ہے نہ اُدھر ہے

سنتے رہے وہ بادلِ ناخواستہ سب کچھ
پھر سُن کے مری باتوں کو اکتا گئے جب کچھ

کہنے لگے: "اک راز ہے یہ ترکِ محبت
اوّل تو محبت کی نہیں کوئی حقیقت

کچھ میل ملاقات نہ کچھ ربط نہ کچھ ضبط
اِن باتوں کو ہم لوگ سمجھتے ہیں نرا خبط

وہ دوستی کیا اُس سے محبت تھی دوامی
وہ دوستی دراصل سیاست تھی مقامی

ملنے کی ضرورت نہ اِدھر ہے نہ اُدھر ہے
اور دل میں کدورت نہ اِدھر ہے نہ اُدھر ہے

وہ ہم سے نہ ہم اُس سے ہی زنہار خفا ہیں
بھئی اصل میں اس شخص سے سرکار خفا ہیں

وہ دوستی اچھی نہ وہ مذہب نہ وہ انسان
سروس کے لئے جس سے ہو اندیشۂ نقصان

ہر چند نہ تھی رنجشِ باہم سے مجھے منظور
کچھ آہی گیا حضرتِ بسمل سے یہ مذکور

بشنید و بگفت "ایں ہمہ نذرِ مے و ساغر
جنبید و بگفت" ایں ہمہ بر ریشِ قلندر

بسمل سعیدی ٹانکی

دکھیا ماں کی آپ بیتی

مارچ کی اُس وجد آفرین شام کو میں مدت العمر نہ بھولوں گا۔ جس میں ننھے "منظور" کی تقریب ختنہ پر دور و نزدیک کے مہمان مدعو تھے۔ بھابی صاحبہ نے اپنے پہلوٹھی کے بچے کی اس مبارک تقریب پر مکان کو دلہن بنا رکھا تھا ہر طرف مسرت و انبساط کا دور دورہ تھا۔ کسی ضرورت سے مجھے بھابی صاحبہ کے خاص کمرے میں جانے کا اتفاق ہوا۔ دیکھا کہ بھابی کے سامنے ... کرسی پر ان کی ایک ہم عمر خاتون بیٹھی رو رہی ہے۔ اور بھابی اپنے آنچل سے اُن کے آنسو خشک کر رہی ہیں۔ مگر آنسو ان کی آنکھوں سے ہی رواں تھے۔ میں اس تقریب سعید پر...... صاحب خانہ اور ایک معزز مہمان کو یوں گریاں و نالاں دیکھ کر بہت متعجب ہوا۔ ارادہ ہوا کہ لوٹ چلوں۔ مگر بھابی صاحبہ کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ اور روتے روتے بولیں "کیوں! کیسے آئے تھے؟" ..... "یونہی"! میرا جواب تھا۔ اُن کے پاس بیٹھی ہوئی خاتون نے جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے۔ اور اوڑھنی کے دامن سے پردہ کر لیا۔ خود مجھے بھی یوں بے محابا چلے آنا بہت برا معلوم ہوا...... مگر بھابی صاحبہ نے اصرار سے مجھے اندر بلا لیا۔ اور تعارف کراتے ہوئے کہنے لگیں "یہ میرے چھوٹے اور چہیتے دیور ہیں۔" "اور آپ" اُس خاتون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولیں "میری لاڈلی اور پیاری سہیلی قریشیہ خاتون...... عرف عام میں بیگم حمید کے نام سے مشہور ہیں!" میں نے آداب کہا.... "تو اب گھونگٹ ہٹا دو" یہ کہتے ہی بھابی نے اُن کی اوڑھنی کھینچ کر سر سے اتار دی۔

اس کے بعد یہ بیگم بارہا آئیں۔ اب مجھ سے پردہ نہ کرتی تھیں آخری مرتبہ بھابی صاحبہ کے علالت کے زمانے میں آئیں۔ اُس وقت یکایک مجھے "محترمی مدیر محشر خیال" کی اُس فرمائش کا خیال آگیا جس میں انہوں نے مجھ سے کہا تھا۔ "کہ کسی تعلیم یافتہ خاتون سے مضمون لکھوا کر روانہ کر دوں" میں نے بھابی صاحبہ کے سامنے ہی اس کا ذکر چھیڑ دیا۔ جس کی انہوں نے پر زور سفارش کی۔ اور محترمہ موصوفہ نے بڑی فراخدلی سے مضمون دینے کا وعدہ کر لیا۔ کون جانتا تھا کہ اس یادگار ملاقات کے محض چند ہی مہینے بعد کیا کچھ ظہور پذیر ہونے والا ہے...... آخر ایک دن وہ بھی آیا..... کہ میرے ناز اٹھانے والی بھابی محض چند روز کی علالت کے بعد دار الخلد سدھاریں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.....

میں نے مرحومہ کی وصیت کے مطابق بیگم حمید کو اس حادثہ سے آگاہ کیا۔ کامل دو ماہ کے بعد دسمبر میں اُن کا ایک طویل خط موصول ہوا.... آہ...... انہوں نے کن الفاظ میں مرنے والی کا نوحۂ غم لکھا تھا۔ جس کے پڑھنے سے گھر میں نئے سرے سے صف ماتم بچھ گئی...... اس کے ساتھ ساتھ ایفائے عہد کے خیال سے محترمہ نے مضمون کے بدلے اپنی داستان حیات ارسال کر دی..... جس کو میں بعض غیر ضروری امور کے حذف کرنے کے بعد ناظرین محشر خیال کی دلچسپی کے لئے من و عن درج کرتا ہوں۔

اے کاش میں خاتون موصوفہ کی ان مصیبتوں سے واقف ہوتا جن کا انہوں نے اپنی آپ بیتی میں ذکر کیا۔ تو شاید میں مضمون کے لئے ہرگز اصرار نہ کرتا..... ان صفحات سے ناظرین کرام سوسائٹی کے رواج و دستور کے ہاتھوں ایک مجبور و معذور خاتون کے دلی تاثرات اور اس کے مصائب و آلام سے بخوبی واقف ہو سکیں گے...... اور شاید ان حقائق کی روشنی میں ہماری سوسائٹی اصلاح کی طرف قدم اٹھا سکے۔

صابر نور محلی

ابا جان مرحوم کو خدائے پاک کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے نہایت ہی شفیق اور مہربان باپ تھے۔ اماں جان تو مجھے تین ہی مہینے کا چھوڑ کر جنت میں جا بسی تھیں۔ انہوں نے جس محبت اور شفقت سے میری پرورش کی۔ اور جتنی تکلیفیں انہیں میری وجہ سے جھیلنی پڑیں.... وہ ناقابل بیان ہیں۔ کیونکہ ایک بن ماں کی بچی کی پرورش کوئی معمولی کام تھوڑا ہی تھا۔ پھر میری پیدائش سے قبل ہی اماں جان کی صحت بہت حد تک گر چکی تھی۔ اور میں ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ پیدا ہوئی جس کی غور و پرداخت کا اہم فرض قدرت نے میرے آزاد و خوش والد کے سپرد کر دیا تھا...... آفرین ہے اُن کی ہمت اور جوانمردی کہ اپنی تفریح و سیر کا خون کر کے میری ہی ناز برداری میں لگ گئے....... شکار کا انہیں حد درجہ شوق تھا جس کے بغیر سنتی ہوں۔ کہ انہیں ایک پل بھی گھر میں ٹکنا نہ ملتا تھا دن ہفتے اسی کے فراق میں سرگرداں رہتے...... مگر حیرت تھی کہ انہوں نے اس شغل کو اس طرح ترک کر دیا تھا جیسے کہ کبھی انہوں نے شکار ہی نہ کھیلا۔ خیر دن گزرتے گئے۔

خود تو ابا جان تعلیم یافتہ نہ تھے۔ مگر تعلیم کے بہت دلدادہ تھے۔ اس لئے جب میری عمر چھ برس کچھ مہینے کی ہوئی۔ تو مجھے لڑکیوں کے مکتب میں پڑھنے بٹھا دیا۔ جہاں پر اردو عربی کی درسی کتابوں کے علاوہ سینے پرونے کا کام سکھایا جاتا تھا۔ میں شروع سے ہی ذہین تھی۔ اس لئے جلد ہی سینے پرونے اور پڑھنے لکھنے میں کافی دسترس حاصل کر لی۔ اور پکانے ریندھنے کا کام میں اپنی دایہ سے گھر پر سیکھتی تھی۔۔۔۔۔۔۔ اب دینی کتابیں یکے بعد دیگرے میرے مطالعے میں آئیں تو میری آنکھیں کھل گئیں۔ اور میں بڑے شوق سے اُن کا مطالعہ کرتی اور مسائل کو سمجھنے کی کوشش کرتی ۔۔۔۔۔۔ ابا جان پرانے خیال کے آدمی تھے۔ اس لئے تہذیب مغرب اور انگریزی تعلیم کے سخت خلاف تھے ورنہ میرا تو ارادہ تھا کہ مشن گرل اسکول میں داخل ہو جاؤں۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔ مگر یہ ان کی سرپرستی میں غیر ممکن تھا۔

میرا پندرھواں سال شروع تھا جب کہ اعظم پور کے رئیس عبدالوحید کے اکلوتے لڑکے سے میری نسبت طے ہوئی۔ میرے خسر نہایت مہذب اور روشن خیال بزرگ تھے تہذیب نو کے دلدادہ ہونے کے باوجود صوم و صلوٰۃ کے بڑے پابند تھے اپنی نیک نفسی اور غربا پروری کی وجہ سے علاقے بھر میں کافی اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ میری طرح اُن کے یہاں بھی ایک ہی لڑکا تھا۔ جو بی اے پاس کر چکا تھا۔ اور اب کچہری میں آفس سپرنٹنڈنٹ تھا۔ باپ کی طرح وہ بھی روشن خیال اور مغربی تہذیب کا والہ و شیدا تھا۔۔۔۔۔ بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ۔۔۔۔۔ کیونکہ تہذیب نو کے زہریلے جراثیم اُن کے رگ و پے میں میری طرح سرایت کر چکے تھے۔۔۔۔۔۔۔ غیر نسبت کے کچھ ہی عرصہ بعد میری شادی ہو گئی۔ بدقسمتی سے مہر مادری سے تو میں شروع سے ہی محروم تھی۔۔۔ یہاں ساس کی شفقت و عنایت سے بھی محروم و مایوس ہی رہنا پڑا۔ اور سسرال میں قدم رکھتے ہی تمام گھر کی دیکھ بھال میرے سپرد ہو گئی۔

شادی کا جوڑا ابھی میلا نہ ہوا تھا۔ کہ آفات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔۔۔۔۔ ایک دن ابا جان کے یکایک بیمار پڑنے کی خبر وحشت اثر پہنچی ان کو عرصے سے کھانسی کا عارضہ تھا جس کی وہ لاکھوں دوائیں کر چکے تھے مگر کچھ عرصہ دبنے کے بعد مرض پھر ابھر آتا تھا۔۔۔۔۔۔ میں اطلاع ملتے ہی اپنے خسر کے ہمراہ جا پہنچی۔ حتیٰ الامکان دوا دارو کی۔ مگر حملہ بہت سخت تھا۔ اور کوئی دوا کارگر نہ ہوئی۔ میری آمد کے چوتھے دن چل بسے اور مجھے آفات و بلیات کا شکار ہونے کے لئے تنہا چھوڑ گئے۔۔۔۔۔۔۔۔

میری زندگی کا یہ پہلا منحوس دن تھا۔ میں روتے روتے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔۔۔۔ تن بدن کی کچھ سدھ نہ تھی۔ نئی نئی شادی۔۔۔۔۔ نیا گھر اور ایسے وقت میں اُن کا ساتھ چھوڑ جانا ایک صبر آزما صدمہ تھا اُن کی شفقتیں اور مہربانیاں مجھے خون کے آنسو رلا رہی تھیں۔۔۔۔۔ محلے کی بڑی بوڑھیاں مجھے تسلی دیتی تھیں۔ مگر میرے سینے میں اک آگ سی لگی ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔ کاش اُس وقت میں یہ سمجھ سکتی۔ کہ یہ تو اُن مصیبتوں کی پہلی کڑی ہے۔ جو مستقبل قریب میں مجھ پر پڑنے والی ہیں۔

چچا جان (میرے خسر) نے حتی الامکان میری ڈھارس بندھوائی۔ اور میں نے مجبور ہو کر قدرت کے سامنے سر نیاز جھکا دیا۔ اور روتی دھوتی میکے سے رخصت ہو کر سسرال واپس آگئی اور زمین کا بندوبست چچا نے خود ہی کر دیا۔

ادھر "حمید صاحب" کا میری شادی کے چھ سات مہینے بعد تک مجھ سے اچھا سلوک رہا۔ مگر پھر بھی بعض باتیں مجھے کھٹک سی جاتی تھیں۔ اور میں پریشانی کے عالم میں اُن کا منہ تکتی رہ جاتی۔۔۔۔۔۔۔ اور کچھ ہی عرصہ بعد مجھ پر یہ واضح ہو گیا۔ کہ انہوں نے اپنے والد کے مجبور کرنے کی وجہ سے مجھ سے شادی کی تھی۔ ورنہ وہ دلی طور پر اس کے سخت خلاف تھے۔ میری شادی پر اُن کی نارضامندی ان وجوہات پر مبنی تھی۔ کہ میں انگریزی سے بالکل بے بہرہ ہوں۔ اور میری تربیت طرز قدیم پر ہوئی ہے۔۔۔۔۔ وہ ایک ایسی

روشنی

رات کی ہزاروں چمکدار آنکھیں ہیں۔ لیکن دن کی ایک ——

پھر بھی روشن دنیا تاریک ہو جاتی ہے۔

جب کہ سورج غروب ہوتا ہے

اسی طرح دماغ کی ہزاروں آنکھیں ہیں

اور دل کی ایک ——

پھر بھی چراغ حیات گل ہو جاتا ہے۔ جب کہ محبت اختتام پر پہنچتی ہے۔

(ولیم بورڈمین)　　مترجمہ:۔ عبدالجلیل دہلوی

بیوی کے خواہشمند تھے۔ جو اپنے آپ کو طرز جدید کے سامانِ آرائش سے آراستہ کر سکے۔ جس کا پہناوا، اپٹوڈیٹ ہو اور فیشن ایبل ہو۔ مگر میری ذات اُن کے خیالات اور توقعات کے بالکل خلاف تھی۔...... اور اُن کے احساسات کی ضد۔ اُن کے والد صاحب کہتے تھے۔ کہ کیا ہوا!...... اگر لڑکی انگریزی پڑھی ہوئی نہیں!...... اُس کا تعلق ایک شریف اور عزت دار گھرانے سے ہے مذہبی تعلیم اور خانگی امور سے اچھی طرح واقف ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے خوبصورت اور سلیقہ شعار بھی ہے...... بس ایک اچھے گھرانے کی لڑکی کو شادی کے لئے پرکھنے کی اس سے زیادہ ضرورت نہیں!"

حمید صاحب کو ماننا پڑا۔ اور شادی ہو گئی۔

بڑی مشکل سے وہ رات کے چند گھنٹے گھر میں گزارتے۔ اور صبح کے ناشتے سے جو غائب ہوتے تو شام کے ناشتے یا پھر رات کے کھانے پر اُن کی شکل دکھائی دیتی۔ وہ ماں کی آرزوؤں کا ایک ہی فرزند تھا۔ بڈھا باپ جو بھی چونچلے کرتا۔ کم تھا۔ یوں حمید صاحب بھی ہر طرح اپنے والد کے فرمانبردار تھے۔ مگر شادی کے معاملے میں دونوں متفق نہ ہو سکے میں نے خدمتگزاری اور تابعداری سے انہیں اپنانے کے لئے اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں۔ مگر نتیجہ بالکل برعکس نکلا۔ اور انہوں نے اپنی غیر حاضری کو ایک معمول بنا لیا جس میں ترمیم کی قطعاً گنجائش نہ تھی۔

شادی کے تقریباً ایک سال بعد ننھا احسان پیدا ہوا۔ اس کی پیدائش پر جتنی خوشی چچا جان کو ہوئی۔ وہ بیان سے باہر ہے۔ انہوں نے دھوم دھام سے اُس کی چھٹی کی رسم ادا کی۔ گرد و نواح کے نادار و مفلس لوگوں کو خیرات بانٹی۔ مگر بدقسمتی سے احسان کے ابا اس تقریب سعید کے دن بھی غیر حاضر تھے۔ میں تو اُن کی عدم موجودگی اور غیر حاضری کی خوگر سی ہو گئی تھی۔ مگر جب چچا جان کو معلوم ہوا۔ تو بہت جز بجز ہوئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ "جو شخص ایسے خوشی کے موقع پر بھی اپنی فرصت کے چند گھنٹے نہیں نکال سکتا اس سے بھلا اور کیا امید کی جا سکتی ہے۔

میں نے بھی اُس دن اُن کی غیر حاضری کو بہت بری طرح محسوس کیا...... یہ سچ ہے کہ اُن کی اس بے رخی اور بے توجہی سے میں بھی دل برداشتہ ہو چکی تھی...... مگر پاپی من اُن کے دیکھے بغیر...... بات کئے بنا مانتا ہی نہ تھا۔ اُن کے اس طرح غائب رہنے کی وجہ سے مجھے کتنی ذہنی اور روحانی تکلیف ہوتی تھی۔ میں بیان نہیں کر سکتی۔ خدا جانتا ہے کہ ایک ہندوستانی...... اور پھر مسلمان عورت کے لئے خدا رسول کے بعد جو کچھ بھی ہے۔ وہ شوہر ہے۔ جب شوہر گھر سے غائب رہ کر گلی کوچوں کی خاک چھانے۔ اور محض اس وجہ سے بیوی سے کنارہ کش ہو جائے کہ وہ مغربی تہذیب...... اور انگریزی تعلیم سے بے بہرہ ہے۔ تو آپ ہی بتائیے اس وقت میرے دل میں...... دماغ میں کیا حشر برپا ہوتا ہوگا۔ اور اس میں اور اضافہ اس صورت میں ہو جاتا۔ جب کہ میں رات رات بھر اُن کے انتظار میں صبح کر دیتی۔ وہ نہ آج آتے ہیں نہ کل...... جب آئے تو منہ پھلائے ہوئے...... غصے میں تلملاتے ہوئے۔ میری طرف اول تو متوجہ ہی کم ہوتے تھے۔ اور اگر کوئی بات کرتے بھی تو محض رسمی...... محبت و الفت سے بالکل معرا اور مبرا...... میری خدمت گزاری اور محبت بھری باتوں کو پائے استکراہ سے ٹھکرا دیتے...... ایک دفعہ مجھ سے غلطی ہو گئی جو میں اُن سے یہ استدعا کر بیٹھی۔ کہ "آپ دن بھر تو خیر کہیں رہیں۔ مگر خدا کے لئے رات کو تو گھر میں آرام کریں"...... بس اسی پر بگڑ گئے۔ اور اتنے زور سے میرے منہ پر طمانچہ مارا۔ کہ میں چکرا کر گر گئی۔ اور وہ بکتے جھکتے باہر چلے گئے۔

اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی پر میں نادم سی ہو جاتی ہوں۔ کہ میں اُن کی دلبستگی کا کوئی سامان نہ کر سکی۔ اور ان کی دلی آرزوؤں اور تمناؤں کو پورا کرنے میں ہمیشہ ناکام رہی۔ جس کے لئے انہیں کوچہ معصیت کے پُر فریب در پر ہوں دروازے کو کھٹکھٹانا پڑا۔ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہ نکلے۔

ننھا احسان خدا رکھے چار برس کا ہو چکا تھا۔ وہ ننھے سے منہ سے ایسی ایسی باتیں کرتا۔ کہ میں تو ویسے کھڑی ہوئی بلائیں لیتی رہتی۔ چچا جان

رباعی

تھا جوش و خروش اتفاقی ساقی
اب زندہ دلی ہے کہاں باقی ساقی
زمانے نے کچھ رنگ و روپ ایسا بدلا
میکش میکش رہا نہ ساقی ساقی

(ابوالکلام آزاد)

اسے اپنے ہاتھ سے کھلاتے۔ اپنے ہاتھوں نہلا کر کپڑے بدلتے کسی وقت بھی جان اُسے اور وہ چچا جان کا ساتھ نہ چھوڑتا تھا۔ بارہا انہیں باہر جانے کی ضرورت پیش آ گئی۔ مگر احسان کی وجہ سے ارادہ ملتوی کرنا پڑا کھیتوں میں جاتے تو ساتھ ساتھ...... مسجد جاتے تو ساتھ ...... کسی سے ملاقات بھی کرتے تو بھی احسان ساتھ ساتھ رہتا۔ مجھے اماں اور انہیں "ابا" کہتا تھا۔ نانا ماں اور ابا کے معنے اسے معلوم نہ تھے۔ اور نہ ہی اپنے دادا جان کی موجودگی میں انہوں نے اسے معلوم کرنے کی کوشش کی۔

ایک دن شام کا وقت تھا میں باورچی خانے کی طرف جا رہی تھی کہ احسان کی آواز نے مجھے رکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ اس وقت چچا جان کے ساتھ پلنگ پر پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا۔ اور اپنے مخصوص طریقے سے سوال کر رہا تھا۔

"اماں جان کہتی نہیں کہ آپ اللہ میاں کے گھر حج کرنے جائیں گے" احسان نے کہا۔

"ہاں بیٹا! وہ جو تمہارے ابا کے گھر میں بڑی رنگین تصویر ہے وہی اللہ میاں کا گھر ہے" انہوں نے جواب دیا۔

"جب آپ لوٹتے وہاں بچہ لیجئے تو وہاں کیا دیکھئے گا" احسان نے حیرت سے سوال کیا۔

سوال بڑا ٹیڑھا تھا مگر چچا جان نے بڑی خوبصورتی سے اُسے سمجھا دیا کہنے لگے "بیٹا تصویر میں سب کچھ نظر نہیں آتا...... وہاں چاہ زمزم ہے جس کا پانی بار ہا تم نے پیا ہے...... کھجوریں ...... لمبی لمبی اور میٹھی کھجوریں ...... جس کو تم خواہش سے کھاتے ہو...... وہ تصویریں کہاں سے مل سکتی ہیں"

"مجھے بھی ساتھ لے چلئے گا...... لے چلئے گا نہ!"

"ہاں بیٹا! میں تمہارے بغیر کس طرح جا سکتا ہوں"

"دادا ایک بات اور بتایئے...... رشید کل ایک بوڑھے کے کندھے پر سوار جا رہا تھا۔ اور کہتا تھا کہ یہ میرے نانا ہیں...... یہ کیا بات ہے۔ کہ اس کا نانا بھی ہے...... اور دادا بھی...... مگر میرے صرف دادا ہیں"

یہ کہہ کر وہ افسردگی سے اُن کا منہ دیکھنے لگ گیا۔

اس عجیب و غریب سوال نے انہیں غمگین کر دیا...... مگر میرے دل پر ایک گھونسہ سا لگا میری آنکھوں کے سامنے ابا جان مرحوم کی تصویر پھر گئی آہ...... اگر وہ آج زندہ ہوتے ...... تو شاید احسان کو یہ قلق نہ ہوتا کہ رشید کے نانا ہیں اور میرے نہیں۔

"جب آپ اللہ میاں کے گھر حج کرنے جائیں گے" احسان خود ہی پہلے مضمون پر آتے ہوئے کہنے لگا "تو میں بھی ساتھ جاؤں گا مسجد میں دیکھئے ہاں نہ کہ میں چبوترے پر چپ چاپ بیٹھا رہتا ہوں۔ اور بچوں کی طرح شرارت نہیں کرتا۔ اماں کہتی ہیں۔ کہ مسجد اللہ میاں کا چھوٹا گھر ہے...... اور کعبہ بڑا...... یہاں پر چبوترے پر بیٹھا رہتا ہوں۔ تو وہاں جا کے دروازے میں بیٹھا رہوں گا۔ آپ بے فکر رہیں میں آپ کے جوتے کی ہی نگرانی کروں گا...... اور چھڑی بھی......"

چچا جان نے محبت سے اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور منہ چومنے لگے...... آہ کیا دن تھے......

شہر میں ہیضے کا زور تھا۔ تین چار لاشیں محلے سے روز ہی اٹھتی تھیں۔ گورنمنٹ کی طرف سے ڈاکٹر آئے اور گھر گھر جا کر مریضوں کا معائنہ کرتے تھے مگر موت کی دوا نہ ان اطبا کے پاس تھی اور نہ ان ڈاکٹروں کے پاس ...... احسان کے ابا جو بڑے تو انہیں کا نام نہ لیا جیسے تو اس ناگہانی آفت نے نیم پاگل کر دیا تھا۔ ڈاکٹر آتا۔ دوائی دیتا۔ انجکشن کرتا۔ مگر افاقے کے بدلے وحشت اور غم میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا گیا۔ آخر وہ منحوس گھڑی آ پہونچی جس نے میری جلتی ہوئی شمع کو بجھا دیا۔ اور میرے سہاگ کو تاراج کر دیا۔ آہ...... قلم میں کہاں طاقت ہے کہ بیان کر سکے۔ وہ آخری دموں پر پڑے تھے۔ اور

نغمۂ محبت

سمندر کی گہرائی میں بیش قیمت اور خوشنما جواہر چھپے پڑے ہیں
آسمان کی نیلی چھت ہزاروں چمکدار ستاروں کو آغوش میں لئے ہوئے ہے
لیکن میرے پاس کیا ہے؟
میرا دل محبت کے خزانے سے مالا مال ہے۔

سمندر اور آسمان کی وسعت بہت زیادہ ہے
مگر میرا دل ان سے بھی زیادہ وسیع ہے
اور میری محبت ان خوشنما موتیوں اور سیمیں تاروں سے بھی زیادہ حسین نظر آتی ہے
جب اس کا حسن چاروں طرف نور پھیلاتا ہے

اے حسین دوشیزہ!
تو میرے دل کی گہرائیوں میں سما جا۔
کیونکہ میرا دل آسمان اور سمندر آتش محبت کی وجہ سے پگھل رہے ہیں۔

(جرمنی سے) (عبدالجلیل دہلوی)

ڈاکٹر موجود...... مجھ غریب کو منھ تک دیکھنے کی اجازت نہ تھی۔ میری بے چینی میری بے قراری بڑھ رہی تھی۔ محلے ٹولے والے جمع تھے۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں۔ اور میرے بارے میں چچا جان سے پوچھا۔ انہوں نے مجھے بلایا اور خود سب کے ہمراہ مردانے میں چلے گئے۔

"قریشیہ!...... میں جا رہا ہوں" وہ کرب و بے چینی سے بولے "مجھے افسوس ہے۔ کہ میں تمہاری قدر نہ کر سکا...... بعض اوقات میں نے تمہارے ساتھ سخت بدسلوکی کی۔ اور نہایت درشتگی سے پیش آیا...... جس کے لئے آج میں تم سے معافی کا خواستگار ہوں۔ اور......" میں نے جلدی سے اُن کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور کہا گو آنسوؤں کی وجہ سے میری گھگھی بندھی ہوئی تھی "آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں...... بیماری میں کل سے کچھ افاقہ ہے۔ خدا چاہے گا تو کل پرسوں تک آپ اچھے ہو جائیں گے۔"

"اچھی قریشیہ نہیں!" انہوں نے سنجیدگی سے فکر آمیز لہجے میں کہا "میں تم کو تو مغالطے میں رکھ سکتا ہوں... مگر خود کو نہیں...... میرا دم آخر ہے۔ اور میں تم سے قصوروں کی معافی کا جواب سننا چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ بے دم ہو کر لیٹ گئے اور زردی آہستہ آہستہ اُن کے تمام چہرے پر پھیلی جا رہی تھی۔ مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور بے اختیار آنسو چھلک آئے۔ اُن کے بار بار کے تقاضے اور یاس آفریں منظر نے مجھے یہ کہنے پر مجبور کر دیا "اول تو آپ کا کوئی فعل میری دل شکنی کا باعث نہیں ہوا۔ جس کی مجھے شکایت ہو...... اگر آپ نے میری کسی غلطی پر مجھے تنبیہ کی۔ تو وہ قصور ہی تھا۔ وہ کمی میں شمار نہیں ہو سکتی میرا کام اور میرا ایمان ہر طرح آپ کی خدمت اور اطاعت کرنا تھا۔ جو کہ مجھ سے پورا نہ ہو سکا۔ مجھے اپنی ہی کوتاہیوں نے سرگریباں کر رکھا ہے...... میں نے آپ کو معاف کیا۔ اور میرا خدا بھی آپ کو معاف فرمائے۔"

ان کے لبوں پر ہلکا سا تبسم ظاہر ہوا۔ اور دھیمی مگر رکتی ہوئی آواز میں بولے "مجھے بھی تم سے کوئی شکایت نہیں......"

چچا جان کمرے میں آ گئے۔ اور قرآن شریف نکال کے سورۃ یٰسین کی تلاوت شروع کر دی۔ مرنے والے نے پہلا رکوع بھی نہ سنا تھا کہ بلاوا آ گیا اس کے بعد...... مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔

میرا دل مرحوم کے ساتھ ہی زیر زمین دفن ہو چکا تھا۔ ادھر چچا جان کی حالت تو مجھ سے بھی ابتر تھی۔ ہر وقت کسی نہ کسی جگہ بیٹھے ہوئے خاموشی سے آنسو بہاتے۔ مگر جب مجھے روتا دیکھتے۔ تو تسلی دیتے...... اور صبر کی تلقین کرتے۔ وہ خود کو سنبھالتے...... مگر بیٹے کی جوانمرگی کا حادثہ ایسا تھوڑے ہی تھا۔ کہ جلدی سے بھلایا جا سکتا مجھے تسلی دیتے دیتے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتے...... اور آنسو بے اختیار ان کی ڈاڑھی کو تر کرتے ہوئے کپڑوں میں جذب ہونے شروع ہو جاتے۔

فلک ستم شعار نے اپنی کمانِ جفا سے آخری تیر بھی مجھ پر آزما دیکھا...... میرے ناز اٹھانے والے چچا بیمار پڑ گئے۔ علاج معالجہ کے لئے حکیم ڈاکٹر آئے۔ مگر کبر سنی اور بیٹے کی بے وقت موت نے ان کی کمر توڑ دی تھی۔ اور سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گئے تھے...... پھر بھلا اُن دواؤں سے انہیں کیا فائدہ ہوتا۔ روگ تو روح کی گہرائیوں تک اثر پذیر ہو چکا تھا...... جس کا علاج کسی کے بس کا نہ تھا۔ احسان بدستور چارپائی پر موجود تھا۔ جب بخار کا دورہ کم ہوتا۔ تو اسے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ کر آہیں بھرتے۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے موافق میں نے اسے علیحدہ رکھنے کی کوشش بھی کی۔ مگر وہ نہ مانا...... شاید وہ بھی صورت حال سے واقف ہو چکا تھا۔ کیونکہ پہلے چند روز تو اس نے ضد کی "کہ دادا بازار چلو نہ۔ میری گیند گم ہو گئی ہے نئی خرید دیجئے" مگر اب وہ بھی بیٹھا ہوا ٹکر ٹکر اُن کے چہرے کی طرف دیکھتا رہتا لاکھ بہلانے اور کھلانے کی کوشش کی۔ مگر وہ سنتا ہی نہ تھا جب چچا پڑے پڑے چمچ سے ساگودانہ کھلاتے۔ تو کھاتا......

ڈیڑھ ہفتے کے بعد احسان کو اور مجھے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس جہان سے رخصت ہو گئے۔ مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی مستقبل بھیانک مستقبل کی خوفناک تصویر میری آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ معلوم ہوتا

راہ نمائے اعظم سے خطاب

(حضرت فضا الہ آبادی)

فرقہ بندی کا سبق کب تک پڑھایا جائے گا
تابکے اسلام کا خاکہ اڑایا جائے گا
یہ مسلماں تابکے کافر بنائے جائیں گے
اہل ایماں آخرش کب تک ستائے جائیں گے
قوم اسلام کی کب تک اڑیں گی دھجیاں
قوم کی بڑھتی رہیں گی تابکے بے چینیاں
تابکے جھٹلایا جائے گا فضا اعلان حق
تابکے ہوتا رہے گا کو بکو بطلان حق

تھا۔ کہ آنکھوں سے آنسوؤں کے بجائے دل پارہ پارہ ہو کر بہا جا رہا ہے پہلے مہربان اور شفیق باپ رخصت ہوا۔ پھر چاہنے والا شوہر سدھارا...... اور آج میرے ناز اٹھانے والا میری ادنیٰ سے ادنیٰ آرزو کو پورا کرنے کے لئے بے چین رہنے والا مہربان چچا...... جس نے میرا مستقبل شاندار بنانے...... حمید صاحب سے نباہ کے لئے مجھے انگریزی پڑھانی شروع کر دی تھی...... میرا ایسے کڑے وقت میں ساتھ چھوڑ کر جاتا بنا جب کہ مجھے ان کی سخت ضرورت تھی...... آہ...... محلے والوں نے حق رفاقت ادا کیا۔ کفن دفن کے بعد میری تسلی اور دلبستگی کے سامان مہیا کرنے لگے۔ مگر میرا "دل" ہی کس کمبخت کے پاس تھا۔ جو بہلایا جاتا۔ وہ تو ناگہانی آفات کی یاد میں خون ہو کر بہ گیا۔

میں تو جو بھی تھی۔ بھگت رہی تھی۔ اور بہت ممکن تھا کہ سینے پر صبر کی سل رکھ لیتی مگر احسان...... اپنے دادا کا لاڈلا احسان ان کو دیوانہ وار ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ روتا تھا۔ اور مجھکو رلاتا تھا۔ اس کی گریہ زاری آہ و زاری...... بے چینی اور بے قراری میرے دل پر تیر و نشتر کا کام کر رہی تھی۔ جب جنازہ اٹھا تھا تو بڑی مشکل سے میں نے خادمہ کے ہمراہ دوسرے کمرے میں بھیج دیا تھا۔ ورنہ خدا معلوم وہ کیا کر گزرتا۔

روز مجھ سے سوال کرتا کہ "میرے دادا ابا کہاں ہیں۔ وہ تو مجھے چھوڑ کر کہیں اکیلے نہ جاتے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا۔ کہ حج کرنے بھی تنہا نہ جاؤں گا...... تو پھر وہ مجھے اکیلا چھوڑ کر کہاں چلے گئے۔ ان کو بلا دو اماں!...... میں اُن کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ کہہ کر وہ بے اختیارانہ اس پلنگ سے لپٹ جاتا جس پر وہ اپنے دادا کے ساتھ سویا کرتا تھا۔ میری آنکھوں سے موسلا دھار بارش کی طرح آنسو نکل پڑے۔ میں نے تسلی دی۔ بہلایا پھسلایا لوگوں کے مشورے سے قبر کی مٹی منگوا کر چٹائی...... مگر اس کی بے چینی اور بیقراری میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے...... محلے ٹولے کی عورتیں اس کی گریہ زاری سے متاثر ہو کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگتیں۔ وہ اپنی بڑی بڑی سیاہ...... ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھتا...... آہ ان میں کتنی ناکامیاں اور مایوسیاں پنہاں تھیں کہ میں کلیجہ پکڑ کر رہ جاتی۔

گزشتہ اتوار کے دن دہلی کے ایک حکیم صاحب محلے سے گزر رہے تھے انہوں نے شہر میں کہیں مطب کھول رکھا تھا۔ احسان انہیں دیکھتے ہی بھاگتا ہوا آیا اور کہنے لگا "دادا جان جا رہے ہیں...... مگر ان کی ڈاڑھی کیوں سفید ہے؟" (چچا جان مہندی لگاتے تھے اور سر کے رنگ کالا بنا کر پہن رکھا ہے" اس کے بار بار کے تقاضے سے میں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ تو کچھ کچھ حلیہ چچا جان سے ملتا ہوا معلوم ہوا۔ میں نے خادمہ سے جسے تمام حال معلوم ہو چکا تھا۔ کہہ کر احسان کو اُن کے ساتھ کر دیا خادمہ نے تمام حالات سے حکیم صاحب کو آگاہ کر دیا۔ اور انہوں نے شفقت سے گود میں اٹھا لیا۔

دو تین روز تک احسان کی خبر گو آتے رہے مگر نقل اور اصل کی احسان کو تمیز ہو گئی۔ کیونکہ محبت۔ شفقت اور لاڈ پیار نے بھانڈا پھوڑ دیا حکیم صاحب کی محبت اور پیار میں اجنبیت اور تصنع تھا۔ جو حالات کی نزاکت کی وجہ سے جذبۂ شفقت پیدا کرتا تھا۔ اور جس کو اصل سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

آخرکار! ایک دن احسان نے کہا "اماں! آخر دادا ابا کہاں گئے...... مجھے ایک دفعہ بتا دو۔ تمہیں قسم ہے اماں۔ مجھ سے چھپاؤ مت" اس نے کچھ اس طرح کے لجاجت آمیز لہجے میں پوچھا۔ کہ میرا دل بھر آیا۔ لاکھ ضبط کیا۔ مگر آنسو میرے راز کو افشا کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

"ہیں.... آپ رو رہی ہیں اماں".... "کیوں!"

"نہیں!" میں نے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا "تیرے دادا اللہ میاں کے گھر حج کرنے گئے ہیں۔ تمہارے لئے میٹھی میٹھی کھجوریں لائیں گے۔ اور عمدہ عمدہ کھلونے...... بچے جاؤ بچوں سے کھیلو!! مگر اس کی اس سے تسلی نہ ہوئی۔ میں نے لاکھ بہانے کئے۔ لاکھ باتیں بنائیں۔ آخرکار تھک ہار کر میں نے اسے بتا دیا۔ بیٹا!...... تو ان کے لئے مت کڑھ۔ مجھ سے تیرا دکھ دیکھا نہیں جاتا۔ ان باتوں کے ذکر سے میرے مندمل زخموں کو نہ چھیڑ۔ تو میری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے۔ اب میری دنیا تیرے دم قدم سے ہے۔ خدا تجھے ابدالآباد تک قائم رکھے۔ اور تجھے کشمکش حیات میں ثابت قدم...... تیرے ابا اور دادا ابا اس دنیا میں گئے ہیں جہاں جا کر آج تک کوئی نہیں لوٹا۔ مجھے!...... جو ایک دفعہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اس کو دیکھنے کی خواہش رکھنا یا ملنے کی تمنا کرنا...... محض فضول اور بیکار سا امر ہے...... وہ جگہ ایسی ہے۔ جہاں ڈاک اور تار کا بھی انتظام نہیں...... بہت ممکن ہے کہ وہ تمہاری مجبوری اور ان کے لئے رات دن کی گریہ زاری اور بے قراری کو دیکھ سکتے ہوں مگر تم یا میں...... اُن کو ہرگز دیکھ نہیں سکتے مجھ پر اور میری حالت زار پر رحم کھا اور اپنی ناتواں سی جان کو ان زہرہ گداز آلام سے بچانے کی کوشش کر...... میرے لال...... میری بہت سی امیدیں اور آرزوئیں تیری ذات کے ساتھ وابستہ ہیں" شاید وہ میری اس بے معنی سی تقریر کا مطلب سمجھا...... آنسو اس کی آنکھوں سے خشک ہو چکے تھے۔ اور رنج و غم سے نڈھال ہو کر چارپائی پر پڑ گیا...... شاید وہ دادا کی اس جبری جدائی کو برداشت کرنے کی اپنے میں قوت نہیں پاتا۔ اور ان سے ملنے کی تیاری کر رہا ہے۔ آہ!...... یہ ہے میری زندگی کی وہ نامکمل کتاب...... جس میں محض چند سطریں اور بڑھ جانے سے آخری باب بھی مکمل ہو جائیگا...... اور پھر......

تسنیم گوہر قریشیہ حمید"

عہدِ نامرادی

(حضرت فضا الہ آبادی)

کثرتِ اندوہ سے جینا مجھے دشوار ہے — ہر گھڑی ہے اک نئی تکلیف اک آزار ہے
آہ یہ تنہائی سری اور یہ تاریک شب — نوجوانی کی امنگیں اُس پہ یہ رنج و تعب
کوئی بھی ہمدم نہیں مونس نہیں ساتھی نہیں — ہے تعجب مجھ کو، آخر موت کیوں آتی نہیں
اک مرقعِ یاس و غم کا بن گیا میرا شباب — کثرتِ اندوہ سے ہے زندگی مجھ پر عذاب
کوئی بھی ایسا نہیں جو دے سکے تسکیں مجھے — یا مرے ضبط و الم پر دے سکے تحسیں مجھے
اب مرے پہلو کی کوئی ماہ رو زینت نہیں — مجھ سے دنیا میں کسی کو دعویٔ الفت نہیں
اس قدر صدمے دیئے ہیں آہ اپنوں نے مجھے — دل سے میرے ہوگئے ہیں محو دشمن کے گلے
دوستوں سے اس قدر پہونچا ہے مجھے آزار ہے — آج دشمن کی عداوت کا گلہ بے کار ہے
زیست کا حاصل مری، دنیا میں ہے رنج و الم — روز یک گونہ مصیبت روز طرفہ ایک غم
جانتا ہوں میں لکھا ہے غم مری تقدیر میں — کیا نہیں ممکن مگر ترمیم اس تحریر میں
اس پریشانی میں اکثر سوچتا رہتا ہوں میں — اور مخاطب ہو کے اپنے دل سے یہ کہتا ہوں میں
یہ بلائیں دور ہوں گی میرے سر سے بھی کبھی — میری افسردہ جوانی کو ملے گی تازگی؟
یا خدا شاداب بھی ہوگا کبھی باغِ شباب — میری دنیائے مصیبت میں بھی ہوگا انقلاب
یہ دلِ مضطر بھی یارب شاد ہوگا یا نہیں — خانۂ ویراں مرا آباد ہوگا یا نہیں!

یا محیطِ غم میں یوں ہی سر کو ٹکراؤں گا میں
نامراد و ناکس و ناشاد مر جاؤں گا میں

کونین کی گولیاں

(از جناب رحمت علی صابر نور محلوی - بھاگلپوری)

علاقہ بھر میں ملیریا کا دورہ دورہ تھا۔ رات دن ہسپتال میں مریضوں سے فرصت نہ تھی...... بعض رات بھر بخار کی حالت میں ہذیان بک بک کر عملہ کو سخت پریشان کرتے تھے۔ چارج لینے کے تیسرے دن بعد میں صبح صبح اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہوا۔ جگہ مختصر تھی۔ مگر مریضوں کی بھرمار کی وجہ سے کیمپ لگوا کر اُن کی رہائش کا انتظام کیا گیا تھا۔ وارڈ میں داخل ہوتے ہی میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک مریضوں کو دیکھتے ہوئے نکل گیا......

اور اُن کی چارپائیوں پر لگے ہوئے چارٹوں کو نوٹ کرتا جا رہا تھا جن میں اُن کی بیماری اور دوائی پلانے کا وقت درج تھا..... پانچ مریضوں کے بعد دروازے سے ذرا ہٹ کر ایک چارپائی پر ایک نحیف الجثہ مریض کمبل اوڑھے پڑا تھا... سر کے بال بکھرے ہوئے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ عرصہ سے ان میں تیل نہیں ڈالا گیا۔ ڈاڑھی کے بڑھے ہوئے بال اس کی شکل کو اور بھی...... وحشت ناک بنا رہے تھے۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں مگر اُن کے گرد سیاہ حلقے۔ ستواں ناک.... وضعدار سے نقوش۔ دستور کے خلاف میں کچھ دیر تک اس نو وارد مریض کو کھڑا دیکھتا رہا۔ چارپائی کی پیٹ پر دماغی عارضہ لکھا ہوا تھا۔ اس کے بعد میں پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ دوسرے کونے میں ایک بڈھا..... کھوں کھوں کر رہا تھا۔ نرسیں کپڑے بدلوانے اور دوائی وغیرہ پلانے میں مشغول تھیں......

کمپونڈر میری ہدایت کے مطابق کونین مکسچر اور سنکونا کی گولیاں لیکر آیا۔ جن کو مریضوں نے مقدار کے مطابق دو دو سے کھانا شروع کر دیا اتنے میں کسی کے کراہنے کی آواز آئی۔ میں جلدی سے مڑا۔ نئے مریض کو خشمناک نظروں کے ساتھ اپنی طرف متوجہ پایا۔ میں جلدی جلدی گولیوں کی شیشی کو ہاتھ میں لئے ہوئے اس کی چارپائی کی طرف بڑھا..... بمشکل میں چند ہی قدم چلا ہوں گا۔ کہ اس نے ایک چیخ ماری اور بدحواسی کے عالم میں چارپائی سے کود کر دروازے کی طرف بھاگا...... دوسرے لمحے میں ڈریسر جو بالمقابل آ رہا تھا اس سے ٹکر کھا کر گر پڑا۔ اور گرم پانی کی چلمچی جو ایک مریض کا زخم دھونے کے لئے وہ لا رہا تھا..... جھنجھناتی ہوئی دور جا پڑی۔ ڈریسر اور مریض دونوں پانی سے تر ہو گئے...... میں سراسیمگی کی حالت میں کچھ دیر کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ مریض۔ نرسیں اور کمپونڈر حیرت سے

منہ پھاڑے ہوئے اس ڈرامیٹک سین کو کھڑے دیکھ رہے تھے۔ میں نے اُن کی طرف کڑی نظر سے دیکھا۔ وہ دوبارہ اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے ڈریسر نے میری مدد سے مریض کو چارپائی پر لٹا دیا۔ جس پر اس وقت ایک غنودگی سی طاری تھی۔ چلمچی کے کنارے سے اس کے ماتھے پر ایک زخم آ چکا تھا۔ جس میں سے آہستہ آہستہ خون رس رہا تھا۔ زخم دھوتے وقت اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ میں استفہامی نظروں سے اس کو گھور رہا تھا۔ اُس کی پھٹی ہوئی آنکھیں میرے ہاتھ پر جمی ہوئی تھیں۔ اور اُس کے جسم میں ایک لرزہ تھا۔ اُس نے پھر اٹھنے کی کوشش کی۔ اتنے میں تین ڈریسر اور آ گئے۔ جنہوں نے اُسے زبردستی چارپائی پر لیٹے رہنے کیلئے مجبور کر دیا۔ مگر وہ جو بے بس ہو جانے کے وہ جد و جہد میں مصروف تھا۔ اور بدستور میرے ہاتھ کو گھور رہا تھا...... میں نے حیرت سے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ جس میں سوائے کونین کی شیشی کے کچھ نہ تھا۔

آپ گھبرا کیوں رہے ہیں؟ اطمینان سے لیٹے رہئے! میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

وہ خاموش رہا۔ مگر آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہو گئی...... دوسرے لمحے میں اُس کی آنکھوں سے چند قطرے آنسوؤں کے بہ نکلے۔

ہائیں! آخر بات کیا ہے؟ شریف آدمی۔

بھگوان کے لئے اُسکو میری آنکھوں سے دور رکھئے! آخرکار وہ بولا۔

کس کو؟ میں نے حیرت سے سوال کیا۔

اس شیشی کو...... ڈاکٹر صاحب۔

آخر کیوں؟...... یہ تو کوئی خطرناک شے ہے نہیں۔ دوائی ہے..... دافع بخار۔

آپ کے لئے خطرناک ہو یا نہ ہو...... مگر میرے لئے اس سے زیادہ خطرناک..... اس سے زیادہ زہریلی کوئی چیز نہیں جس نے میری زندگی کو مسموم..... اور میری خوشیوں کو برباد و ویران کر دیا...... آہ مجھے اس سے وحشت ہوتی ہے...... اس کا نظارہ...... مجھے ایک روحانی صدمہ پہنچاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب.... خدا کے لئے۔ بھگوان کے واسطے اُس کو چھپا دو...... میری نظروں سے دور کر دو۔ میں پاگل ہو جاؤں گا..... ہے بھگوان

دیا۔ وہ سسکیاں لے لے کر رو رہا تھا میں نے شیشی کو جیب میں ڈال لیا۔ میرا ہاتھ خالی دیکھ کر اس کو تسلی سی ہو گئی۔ وہ اطمینان سے چارپائی پر لیٹ گیا۔ میں نے زخم دھو کر پٹی باندھ دی۔ میں نے کمبل کھینچ کر اس کو اوڑھا دیا اور اس کی اس وحشت سرائی پر غور کرتا ہوا۔ وہ جب کمرے میں داخل ہوا... ... اس کو کونین کا دھبہ کیا ہوا؟ آخر وہ اس سے خوف کیوں کھاتا ہے؟ یا شاید اس کا دماغ چل نکلا ہے! خیر کچھ بھی ہو... مگر یہ اپنی طرز کا انوکھا ہی مریض ہے میں اس خیال پر مسکرا دیا۔

مجھے اس سے ایک قسم کا لگاؤ سا ہو گیا اور میں بہت زیادہ اس کا خیال رکھتا تھا۔ اس کی پیشانی کا زخم اچھا ہو گیا تھا... اور [illegible] اس سے کوئی ایسی حرکت نہیں ہوئی جس سے اس کے پاگل پن کا کوئی اظہار ہوتا... مجھے یقین ہو گیا کہ کونین کی گولیوں والا واقعہ ایک اتفاقیہ حادثہ تھا۔ جو اس سے رونما ہوا! مگر ہمیشہ اس کے چہرے پر افسردگی اور فکر [illegible] چھائی رہتی جس کا سبب دریافت کرنے کے لئے کر بڑی بے قراری رہتی [illegible] معمول وہ چارپائی پر بیٹھا ہوا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے ... نے اٹھنے کی کوشش کی... [illegible] سے لیٹے رہنے کی ہدایت کی... اور میں پاس ہی پڑے ہوئے اسٹول کو کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"کہئے طبیعت تو [illegible] ..." میں نے [illegible] سوال کیا۔

"طبیعت!" اس نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔ "اگر ظاہری تندرستی ہی طبیعت کے اچھا ہونے کی علامت ہے۔ تو میں کبھی بیمار [illegible] تھا... ورنہ باطنی طور پر... [illegible] علیل ہوں۔"

مگر ڈاکٹر [illegible] [illegible] کے دیکھتے ہیں! [illegible] مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں"... باطنی کیفیتوں کی دوا آپ کے پاس سے [illegible] کہاں [illegible] لگا۔

انداز معمولی تھا [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] ... آپ میں [illegible] کی باتیں ہیں... حالانکہ [illegible] کا [illegible] ہے۔

"اوہ... [illegible]..." [illegible] کہا۔ شاید آپ بھی اس دن [illegible] ...

"ہاں..." [illegible] جواب دیا۔ [illegible] سی بات [illegible] ہے

کہ آپ کو کونین سے اتنی وحشت کیوں ہوتی ہے۔ ... کیا میں وجہ دریافت کر سکتا ہوں؟

"وجہ"... "کونین" اس نے میرے لفظ کو دہراتے ہوئے کہا لوگوں کو اس سے فائدہ ہوتا ہو... مگر مجھے تو یہ دائمی مصیبت بنا گئی... اگر یہ نہ ہوتی... تو مجھے یہ منحوس دن دیکھنا نہ پڑتا۔ اس کے بعد وہ گہری سوچ میں پڑ گیا... اور کئی دیر تک خود بخود بڑبڑاتا رہا۔ اور ایک فوری جذبے کے ماتحت اٹھ کر بیٹھ گیا اور کمبل کو اوڑھ لیا میں ہمہ تن خاموش اس کے متحرک ہونٹ دیکھ رہا تھا... جو ابھی تھوڑی دیر میں اس کے سینے کے راز کو بے نقاب کرنے والے تھے...

"تم سنو گے ڈاکٹر صاحب" [illegible] مضمحل لہجہ میں کہا... میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے کہنا شروع کیا...

"شاید جولائی کے ابتدائی دنوں کا ذکر ہے۔ کہ مجھے [illegible] میں [illegible] [illegible] کا شدید تکلیف ہوئی... [illegible] صفائی اور [illegible] کے لحاظ سے [illegible] میں ایک [illegible] ... سے پہلے میں نے سخت تکلیف محسوس ہوئی... واقفیت ہو جانے پر آخر طبیعت آہستہ [illegible] ...

[illegible] روز بعد میں [illegible] [illegible] ... برآمدہ میں [illegible] کی آواز آئی [illegible] ... کہ ایک نحیف و زار بڑھیا لکڑی کا سہارا لئے سیڑھیوں کے پاس [illegible] ... بگلے کے پروں کی طرح سفید بال جھریوں والا زرد چہرہ [illegible] ... میلی کچیلی ساڑھی اس کی مفلسی پر دال تھی [illegible] کام میں مشغول ہو گیا۔

"بابو جی... [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ادھر متوجہ ہونا پڑا۔

کیا ہے؟ میں نے اس کو [illegible] ... [illegible] ... [illegible] سوال کیا۔

[illegible] ... "تمہیں مالی" [illegible] ... [illegible] لکڑی [illegible] ... [illegible] دل میں کہا اور پھر [illegible] ہو گیا۔

[illegible] ... بابو جی [illegible] اور جواب [illegible] ... [illegible] چلی جاتی ...

[illegible] ... [illegible] ... حالانکہ [illegible] ... اور [illegible] ...

میں اس کی غیر حاضری کو بری طرح محسوس کر رہا تھا..... ہر روز انتظار کرتا۔ مگر اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ آخرکار ایک دن میں نے ڈاکئے سے پوچھا "کیا تمہیں کچھ اُس بڑھیا کا حال معلوم ہے؟"

"کون بڑھیا...... حضور"......؟" ڈاکئے نے خطوں پر مہریں لگاتے ہوئے سوال کیا۔

"وہی"...... جو انگو کی چٹھی پوچھنے آیا کرتی تھی۔ شاید ایک دو دفعہ تمہاری موجودگی میں بھی آئی تھی۔

"اچھا"...... شاید آپ کا مطلب اس چمارن بڑھیا سے ہے۔ جو لکڑی ٹیکتے ٹیکتے آیا کرتی تھی۔

"ہاں"...... ہاں۔ جو نہایت ہی کمزور اور ناتواں سی تھی۔ اور شاید اس کو کھانسی کا بھی عارضہ ہے۔

"حال تو اس کا مجھے بھی معلوم نہیں..... مگر اس کا گھر جانتا ہوں...... اگر کہئے تو دریافت کرکے بتا سکتا ہوں۔ اور......."

"نہیں! تم کو زحمت کی ضرورت نہیں" میں نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے پتا بتا دو۔ میں خود ہی کسی وقت جا کر دیکھ آؤں گا۔"

"کیا کوئی ضروری کام ہے؟" اُس نے دوبارہ سوال کیا۔

"نہیں"...... کوئی ضروری کام نہیں..... یونہی..... کئی روز سے اس کو دیکھا نہیں۔ وہ بے چاری روز آتی تھی نہ"

"اچھا تو سنئے"...... ڈاکئے نے اٹھ کر کھڑکی میں سے باہر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ سڑک جو کوئیں سے بائیں طرف گئی ہے...... آگے کو [illegible] بڑا پیپل کا درخت ہے۔ اور پاس ہی "مشرجی" کی پکی باڑی ہے۔ اس کو بائیں ہاتھ چھوڑتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جائیے..... حتیٰ کہ کہار [illegible] مکان نظر آ جائے گا...... کچھ ہی دور تالاب سے ادھر بیاس پچاس قدم پر [illegible] جھونپڑیاں ہیں۔ بس وہیں اس کا مکان ہے...... "مگر وہ تو اچھوت ہے حضور" اور آپ برہمن" پھر کس طرح آپ اس کے مکان میں جا سکیں گے۔"

"میں اس کی اس ذہنیت پر ہنس دیا"...... وہ حیرت سے منہ پھاڑے ہوئے کچھ عرصہ تک مجھے گھورتا رہا۔ اور پھر خطوں پر مہریں لگانے کے لئے [illegible] گیا........

جھونپڑی وہ بھی اچھوت بڑھیا کی...... آہ کتنا افسوسناک منظر تھا دائیں بائیں کھنڈرات کی شکل میں اور بھی جھونپڑیاں تھیں۔ چہار دیواری کی جگہ ببول کے کانٹے گاڑے ہوئے تھے...... جا بجا کوڑے کرکٹ کا ڈھیر لگا ہوا تھا...... کئی ایک جگہ درختوں اور دیواروں پر گوبر کے اوپلے تھپے ہوئے تھے۔ گرد و نواح میں بس ایک ہی جھونپڑی کی بوسیدہ دو تین چھت باقی تھی جس سے کسی کی بود و باش کا پتہ چلتا تھا...... مگر اس کے باوجود جا بجا برسات کے پانی نے دیواروں میں شگاف کر دئے تھے۔ میں سرکنڈے کے بنے ہوئے دروازے پر جا کر رک گیا...... "پتے نشان کے مطابق تو بڑھیا کا گھر یہی ہے" میں نے دل میں کہا۔ رفع شک کے لئے میں نے لڑکوں میں سے ایک کو بلایا۔ جو کہ نکڑ پر کبڈی کھیل رہے تھے۔ ایک نوجوان کا رنگ و روپ ہی ماشاء اللہ تھا۔ اس پر طرہ مٹی میں کھیلنا۔ نیم برہنہ اور بعض ایک مادر زاد ننگے...... انہوں نے آتے ہی مجھے پرنام کی..... "اچھوت بڑھیا کا مکان یہی ہے نہ؟" میں نے ایک سے پوچھا۔

"یہی ہے" بابو جی..... ببول کے کانٹوں سے گھری ہوئی کٹیا اُس نے جواب دیا۔

"مگر وہ شاید بیمار ہے" دوسرا بولا۔

"میں ادھیڑ ہوت آیا...... یہی ڈاک والے بابو جی ہیں؟" وہ ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے پھر کھیل میں مشغول ہو گئے۔

میں نے سرکنڈے کی کواڑی کو کھٹکھٹایا...... اندر سے کسی کے کھانسنے کی آواز آئی...... "کون ہے؟" کہتی ہوئی بڑھیا باہر نکلی۔ اور اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر مجھے پہچاننے کی کوشش کی۔

"میں ڈاک والا بابو ہوں" میں نے اس کی حیرت کو دور کرتے ہوئے کہا "تم کو کئی دن سے دیکھا نہ تھا۔ اس لئے دیکھنے چلا آیا۔"

"دھن ہو مہاراج" اُس نے اپنی بے پناہ مسرت کو چھپاتے ہوئے کہا۔ "اس غریب کے گھر آکر آپ نے بڑی دیا کی...... یہ کہتے ہی وہ اندر سے پیڑھا [illegible] لائی......

"بیٹھئے...... حضور......"

"نہیں" مجھے کام ہے۔ محض تمہاری خیریت دریافت کرنے آیا تھا۔"

"میں تو اچھی ہوں بیٹا"...... "مگر میری بڑھیا بیمار رہتی...... آج پانچ چھ روز سے اسکو اپنی سدھ نہیں....... بھگوان اُس کی رکھشا کرتا" اس کے بعد بڑھیا کا چہرہ لاش کی طرح سفید ہو گیا۔

"بڑھیا کون"؟ میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"میری پوتی حضور" وہ کئی دن سے بخار میں پھنک رہی ہے۔ میرے انگو کی نشانی ہے۔ "اندر آئیے" یہ کہہ کر اس نے میرے منہ کو حیرت سے دیکھنا شروع کر دیا...... میں اس کے پیچھے پیچھے جھونپڑی میں داخل ہو گیا۔

...... اندر ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی پر ایک ناتوان سی لڑکی بیٹھا ہوا لحاف اوڑھے پڑی تھی...... میری آواز سن کر اس نے منہ سے لحاف اتار [illegible] ہڈیاں [illegible]

اس کی ماں پانچ بیٹے کی چھوڑ کر مر گیا تھا۔ شش ہو گئی تھی۔ بڑھیا نے میری محویت توڑتے ہوئے کہا۔ اور اس کا باپ ...... آہ ... آج تین سال گزر گئے ... گھر واپس نہیں آیا ...... وہ پورب کمانے گیا تھا ...... بڑھیا کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔

میں نے ہاتھ پر ہاتھ رکھا .... تجاہل کی عادت نے مجھے جلد ہی ہاتھ اٹھا لینے پر مجبور کر دیا ...... وہ حیرت و مسرت کے ملے جلے جذبات سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ مدعی کیا ہے اور کیا مطلب ہے .... "میں آئی لاتا ہوں" یہ کہہ کر میں جلدی جلدی پوسٹ آفس واپس آیا ...... یہ کہہ کر میرے مریض نے ایک ٹھنڈی آہ بھری "آپ جانتے ہیں کہ وہ کیا دیوانی تھی ڈاکٹر صاحب؟" ...... "یہی آپ کی کزن"۔

کزن نے اپنا خاطر خواہ اثر کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ دوا اور مقوی غذاؤں کا استعمال ...... دن دگنی رات چوگنی بڑھیا کی صحت میں ترقی شروع ہو گئی اب وہ بلا سہارا چارپائی پر بیٹھ سکتی تھی اور چند قدم چل بھی سکتی تھی ...... میں روزانہ ڈاک بنگلہ کے دوا کھلانے کے لئے جاتا ...... اور پہروں اس گندی جھونپڑی میں بیٹھا رہتا۔ بجائے کراہت اور نفرت کے مجھے اس میں ایک قسم کی مسرت حاصل ہوتی ...... جب بڑھیا کی معصوم آنکھیں اشاروں ہی اشاروں میں مجھ پر ہدیۂ تشکر پیش کرتیں۔ میرا دل سینے میں بلیوں اچھلنے لگ جاتا۔ اور بڑھیا تو مجھے بھگوان کا اوتار سمجھتی تھی۔ بعض اوقات بڑھیا نہایت سادگی اور بھولے پن سے مختلف قسم کے سوال کرتی۔ میں مسکرا کر اس کو دیکھتا اور اس کی سمجھ کے مطابق جواب دیتا ...... آہ کتنے کیف آور اور پُر لطف تھے وہ چند لمحے جب بڑھیا اور میں ہنس ہنس کر ایک دوسرے سے باتیں کرتے تھے۔

بڑھیا میرے گھر پر جھاڑو وغیرہ دینے کے لئے روز آتی تھی۔ اور دن کا بیشتر حصہ وہیں گزارتی تھی۔ میرا اپنا دیا ہوا لباس پہن کر وہ رنگین تیتری کی طرح ادھر سے ادھر اڑی اڑی پھرتی ...... اور میں کمرے میں بیٹھا اپنی نظروں سے اس کا تعاقب کر کے لطف اندوز ہوتا رہتا۔ وہ شباب کی منزل میں قدم رکھ چکی تھی ...... حقیقتاً میری منزل نیت۔ نقوش میں استواری۔ حسین ملیح چہرے پر غازۂ شباب۔ فیروزی رنگ کی ساڑھی ایک خاص لچک اور نرمی سے قدم قدم پر حشر برپا کرتی ہوئی وہ روزانہ آ جاتی ...... آہ اس کی ادائیں بناوٹ و تصنع سے بے نیاز تھیں ...... یہ بھی ایک ہی ستم تھا ......

کچھ دن بعد اس کے اوضاع و اطوار میں نمایاں انقلاب ہو گیا بجائے چہل اور ہنس ہنس کر بات کرنے کے وہ عموماً خاموش اور کھوئی ہوئی سی رہنے لگ گئی۔ مجھے یہ تبدیلی دیکھ کر سخت رنج ہوتا ...... میں اس کو ہمیشہ غنچے کی طرح متبسم۔ کلی کی طرح شاداں دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر فسردگی اور پژمردگی میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا آخر کار تنگ آ کر میں نے اس کے ملال و رنج و غم کا سبب پوچھ ہی لیا وہ بات ٹال گئی اب وہ مجھ سے کترانے لگی۔ مجھے معلوم ہوتا تھا کہ بعد ظاہری طور پر ...

ایک دن میں شہر گیا ہوا تھا۔ اور جاتے وقت بڑھیا کو میں نے کہہ دیا کہ میں شام تک گھر نہ آ سکوں گا۔ اور لڑکی سے کہہ دینا کہ ڈاک کا تھیلا بند کر دیا ہے۔ وہ لے جائے ...... میرا انتظار نہ کرے۔

شام سے قبل ہی میں واپس آ گیا ...... کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو عجیب منظر نظر آیا ...... کہ بڑھیا میرے بستر پر دراز ہے۔ اور میرا فوٹو اس کے ہاتھ میں ہے۔ جس کو وہ اضطراری حالت میں بار بار چومتی۔ سینے سے لگا رہی ہے ...... معاملہ صاف تھا ...... میرے جسم میں ایک سرد لہر دوڑ گئی ...... اور ایک خوابیدہ فتنہ بیدار ہوتا نظر آیا ... مگر بڑھیا کا مستقبل ...... اس خیال کے آتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ...... کیونکہ سماج جس کی بندھنوں میں ہم مقید تھے کبھی یہ اجازت نہ دے سکتی تھی ...... کہ میں بڑھیا کا یا بڑھیا میری ہو جائے ...... ایک برہمن اور اچھوت کا میل ...... یہ محال ہی نہیں بلکہ غیر ممکن تھا۔ میں نے ابھرتے ہوئے فتنہ کو دبانے کی ناکام کوشش کی ...... دل پہلو میں زور زور سے دھڑک رہا تھا ...... اور میں پسینے میں تر بتر تھا۔ اگر بفرض محال میں بڑھیا کو حاصل کر لوں ...... تو اس کو خوش رکھتا اور ہر قسم کی تشنیع سے محفوظ رکھنا میرے امکان سے باہر تھا۔ اس کی رسوائی ...... اور جگ ہنسائی میں کسی طرح برداشت نہ کر سکتا تھا ...... وہ حسین بھی خوبصورت اور سلیقہ شعار تھی ...... اور میں بھی بہر طرح اس کا دلدادہ و شیدا تھا ...... کیا دنیا میں خوش و خرم اور باعزت طور پر زندگی گزارنے کے لئے یہی کافی ہے ...... نہیں سماج کے لئے اور بھی بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے ...... کا اندھا دیوتا مہمات کی بھولی بھالی دوشیزہ کو دنیا سے بے خبر رکھ کر شکار کرنا چاہتا تھا ...... اور میں اس کو اس کمین گاہ میں پہنچنے سے قبل بچانا چاہتا تھا ...... آہ ...... میری غفلت میرے سلوک نے اس کو اس غلط فہمی میں مبتلا کیا ...... ورنہ اس کو یہ روز بد دیکھنا پڑتا ...... کتنے عرصے تک عشق اور فرض میں جنگ ہوتی رہی ...... میں نے آہستگی سے دروازہ کھولا ...... اور دبے پاؤں اس کے سرہانے جا کھڑا ہوا ...... جذبات سے مغلوب ہو کر اس نے ایک انگڑائی لی ...... میں نے بھی میرے کپڑوں سے اس کی دراز انگلیاں چھو گئیں بجلی کی طرح پھرتی سے گھوم کر اس نے مجھے دیکھا۔ اور جلدی سے پلنگ پر سے

سے کود کر دور جا کھڑی ہوئی...... چہرے پر ندامت و حجاب کی سرخی چھاگئی .... پریشان بال۔ ڈھلکا ہوا آنچل...... پسینے کی ننھی ننھی بوندیں اُس کی گوری پیشانی پر موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ وہ اس وقت پہلے سے زیادہ خوبصورت معلوم ہوتی تھی.......

"ادھر آؤ" بدھیا"........ میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

وہ بدستور درین مجسمے کی طرح ....ساکت و صامت کھڑی زمین کو تاک رہی تھی..... اور شاید اس کو اپنی اس غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ کہ میں پلنگ پر کیوں بیٹھ گئی"

"بدھیا"..... بدھیا" کیا سوچ رہی ہو۔

کچھ نہیں بابو جی"...... شرم سے جلتا ہوئی...... ان لفظوں کو اس نے مشکل سے ادا کیا۔ اور تیورا کر گرنے لگی...... میں نے آگے بڑھ کر اس کو سہارا دیا۔ اس کا چہرہ لاش کی طرح سفید ہو گیا۔

"یہ خطا نہ تھی بدھیا" میں نے اُس کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے کہا۔ کیونکہ مجھے خوف تھا۔ کہ وہ ندامت کے مارے ہمیشہ کے لئے مجھ سے جدا ہو جائیگی جس کے لئے میں کسی قیمت پر تیار نہ تھا۔

"میں خود بھی تم سے محبت کرتا ہوں" یہ کہہ کر میں نے اُس کے پریشان بالوں میں انگلیاں پھیلانی شروع کر دیں۔ وہ حیرت و مسرت سے میرے منہ کو دیکھ رہی تھی.......

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میں اور ؟ باقی الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے۔ اور شرم و حیا نے اس کا دامن پکڑ لیا۔

ہاں...... بے شک ہو سکتا ہے....... بدھیا" تم اس سے بالکل بے فکر رہو...... ذات پات کا سوال جو تم کو ہلکان کر رہا ہے۔ میرے لئے ایک بودا اور لچر سا ڈھکوسلہ ہے جس کی مجھے کچھ پرواہ نہیں......" ہمیں" میں نے اس کی ٹھوڑی کو انگلی سے چھوتے ہوئے کہا...... تمکو اپنانے کے لئے ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار ہوں.......

بدھیا کا حسن ایسا ویسا نہ تھا...... کہ جو اس کو دیکھتا کلیجہ تھام کر رہ جاتا۔ اس پر طرہ لباس کی سادگی اور اس کی نفاست پسند طبیعت...... وہ بہار کے اس پھول کی طرح تھی۔ جس کو خزاں کی دست برد کا بالکل خوف ہی نہ ہو...... میرے اظہار محبت کے بعد........ وہ بالکل ہی بدل گئی........ اس کا بے پناہ جوبن پھوٹا پڑتا تھا........

گاؤں میں کانا پھوسی شروع ہو گئی۔ ایک نے ہمات لفظوں میں میری اور اُس کی محبت کا افسانہ دہرانا شروع کر دیا۔ مجھے ان واقعات کی اطلاع تھی...... مگر میں بدھیا کے لئے ہر طرح کی بدنامی اٹھانے کے لئے تیار تھا۔ اور بدھیا کو بھی مجھ پر اعتماد تھا........ اس لئے وہ لڑکیوں کی چٹکیوں کی بالکل پرواہ ہی نہ کرتی........

کئی دن تک بدھیا کام پر آئی...... اُڑتی اُڑتی خبر سنی...... کہ اس کی دادی اور باقی رشتہ دار اس کی شادی کی فکر میں ہیں...... اس خبر وحشت اثر نے میرے دل و دماغ پر بہت برا اثر کیا۔ میں اس کو دیکھنے کیلئے ترس رہا تھا۔

ایک دن صبح میں نقدی ملا رہا تھا۔ کہ بڑھیا کھانستے ہوئے دروازے پر آکر رکی۔

"پرنام بابو جی"

جے ہو" کہو اچھی تو ہو مائی جی۔ میں نے کہا۔

"ہاں دہاراج سب طرح سکھ ہے" یہ آپ کے دیا لو بابو کی کرپا ہے۔ بڑھیا نے جواب دیا۔

"یہ اسی مالک کی مہربانی ہے۔ مائی جی" میں نے کہا۔

ایک سوال کئی دن سے سوچ رہی ہوں۔ کہ آپ سے کروں یا نہ کروں..........

"ہاں..... ہاں...... کہو..... کیا سوال ہے ؟

"بدھیا جوان ہو چکی ہے مہاراج" بڑھیا نے دروازے میں بیٹھتے ہوئے کہا سب رشتہ دار زور دے رہے ہیں کہ اس کی شادی کرو...... میں اگو کا انتظار کر رہی تھی...... مگر اس کا کچھ پتہ ہی نہیں ملا...... (آنسو بہاتے ہوئے) آخرکار سوچ بچار کے بعد ایک بر ملا ہے۔ وہ ریلوے کے ورکشاپ میں نوکر ہے۔ مگر روپیہ بہت مانگتا ہے........ اور ہم غریب ہیں۔

میرے دل پر ایک گھونسہ سا لگا ...... بدھیا کی شادی........ میرے ارمانوں کا خون...... میری حسرتوں کی پامالی...... آہ کیا بدھیا مجھ سے جدا ہو جائے گی........ میں گہرے خیالات میں ڈوب گیا۔

مجھے خاموش دیکھ کر بڑھیا نا پسند سی ہو گئی .... بھگوان نہ کرے ...... آپ کی طبیعت تو کچھ خراب نہیں ہے ؟ دیکھتی ہوں کہ........

نہیں اچھا ہوں........ میں نے سلسلہ کلام قطع کرتے ہوئے کہا۔ یونہی چند روز سے کام کی زیادتی کی وجہ سے طبیعت کچھ نڈھال ہے...... ہاں تم کہو........

"ہم لوگ غریب آدمی ہیں۔ بڑھیا نے پھر کہنا شروع کیا۔ ایک اچھا بر ملا ہے........ اگر حضور کچھ مدد کریں تو بدھیا کی شادی..........

بدھیا کی شادی........ اور میں مدد کروں۔ میں نے دل سے باتیں کرنی شروع کر دیں۔ جان سے پیاری بدھیا۔ اُس دوشیزہ بہار...... اُس اچھوتے اور نایاب گوہر کو آپ اپنے ہاتھوں سے کھو دوں اور پھر ناکامی کا منہ دیکھوں......

نہیں مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا ...... میں اس کو ہرگز دوسرے کے قبضہ میں جانے نہ دوں گا ...... جو اس کی صحیح محبت اور قدر سے بھی ناواقف ہے ......

کیا میں کہہ دوں کہ میں بدھیا سے محبت کرتا ہوں ...... میں خود اس کو اپنے ہردے کے مندر میں مورتی بنا کر پوجا کروں؟ مگر آہ یہ میں کیا کہہ رہا ہوں ...... کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے ...... ایک اچھوت لڑکی سے براہمن کی شادی ...... دنیا کیا کہے گی ...... آہ پہلے میں نے کیوں نہ سوچ سمجھ لیا ...... افسوس ...... بدھیا وہ پیاری اور بھولی بدھیا ......

...... میں نے بے اختیار ہاتھ اٹھایا اور اپنا بکس کھول کر دس دس کے کئی نوٹ بڑھیا کے [illegible] ہاتھوں میں دے دئیے ...... وہ اتنی رقم دیکھ کر کھلا سی گئی ...... جاؤ خوب دھوم دھام سے شادی کرو ......

اس کے جانے کے بعد میں نے دونوں ہاتھوں سے بے قرار دل کو تھام لیا اور شکستہ دلی کے ساتھ چارپائی پر گر گیا۔

تیسرے دن میں سیر و تفریح سے واپس آرہا تھا ...... سچ پوچھو تو میں اب آپے میں نہ تھا۔ بدھیا کی جدائی ...... اور میری ناکامی ...... مجھے کسی کل چین نہ لینے دیتی تھی دل کو لاکھ سمجھایا ...... مگر اب یہ غیر ممکن تھا ...... اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ درختوں کے سائے لمبے ہوتے جا رہے تھے ٹیلوں کی آڑ سے گزر کر سورج مغرب میں اترتا جا رہا تھا ...... میں اپنی ناکام محبت کے پریشان خواب میں کھویا ہوا گاؤں کی طرف آرہا تھا۔

"بابوجی ...... بابوجی ......"

کوئل کی طرح سریلی آواز ...... میں چونک پڑا ...... کچھ ہی فاصلہ پر بدھیا میرے سامنے موجود تھی ......

"بدھیا ...... تم کہاں ہو؟"

"ہاں" اب میں کہاں ...... اس نے مردہ دلی سے کہا ......

"وہ آپ کے بلند بانگ دعوے کیا ہوئے بابوجی۔"

"آخر کیا ہوا بدھیا" میں تمہارا مطلب نہیں سمجھ سکا ...... میں نے کہا۔

"ہونہہ ...... اب میری بات چیستان ہوگئی۔" اس نے طنز آمیز لہجہ میں کہا ... "مجھ کو اپنانے کے لئے آپ ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار رہتے تھے ...... ناکامی اور نامرادی کے بحر بے پایاں میں غوطے کھانے کے لئے چھوڑنا آپ کو روا تھا ...... خیر اب اس کا ذکر فضول ہے ...... مجھے آپ سے تو نہیں البتہ قسمت سے گلہ ضرور ہے۔" اس کے لہجے میں ناکامی اور دل شکستگی کا عنصر غالب تھا۔

"تجھے غلط فہمی ہوئی بدھیا" ...... میں اب بھی تم کو [illegible] جانتا ہوں ...... میرے من کے مندر میں اب بھی تم ہی براجمان ہو ...... تم کئی دن سے نظر نہ آئیں ...... میرے دل پر جو کچھ بیتی وہ میں ہی جانتا ہوں ......

"یہ سب قصے اب فضول ہیں بابوجی" ہاتھ سے گئے ہوئے وقت کو ...... اور چھوٹے ہوئے تیر کو واپس لانا غیر ممکن ہے۔ آپ کو کبھی مجھ سے پریم تھا ...... عشق تھا ...... مگر وہ ایک سراب تھا ...... ایک دھوکہ ...... اور اب آپ مجھے علیحدہ کرنے کی تدبیریں کر رہے ہیں ...... شاید طبیعت سیر ہوگئی ...... خیر"

"تم کیا کہہ رہی ہو بدھیا" میں نے مضطرب ہو کر کہا۔

"میں کیا کہہ رہی ہوں یہ اپنے دل سے پوچھو ...... آخر میری شادی کا سامان [illegible] کرتے ہوئے۔ اور جلد ہی قصہ پاک کرنے کی کس نے صلاح دی ...... مجھے سب معلوم ہو گیا ہے ...... مجھے ان باتوں کو [illegible] نہ جانا چاہئے تھا مگر میری بے قراری مجھے کہنے پر مجبور کر رہی ہے ...... اچھا خوش رہو۔ آپ مجھے بھول بھی جائیں گے ...... مگر میں ہرگز بھلا نہ سکوں گی ......" یہ کہہ کر وہ اندھیرے میں غائب ہوگئی۔

شادی میں تین دن رہ گئے تھے ...... یہاں میں صدمہ جانکاہ سے تقریباً بے حال ہو چکا تھا ...... بدھیا کی شادی کا منظر دیکھ کر زندہ رہ جانا میرے لئے ناممکن تھا ...... [illegible] اور [illegible] میں مقید دل ...... [illegible] ناکامی اور نامرادی [illegible] ...... رنج [illegible] ...... اب بدھیا کسی صورت میں بھی میری نہیں ہو سکتی تھی۔

شدت فکر کی بیماری عود کر آئی جس کی اصل وجہ میری ناکامی تھی ...... میں بستر سے لگ گیا۔ [illegible] کی اطلاع کے مطابق ایک نیا آدمی میری جگہ آگیا اور مجھے [illegible] ہسپتال میں داخل کر دیا گیا ......

وہاں کے ڈاکٹر نے مختلف قسم کی دوا [illegible] اگر کوئی مرض ہو تو وہ علاج بھی کرتا ...... عقل میں آجانے والے مرض کا علاج اسے معلوم تھا [illegible] ...... ایک روحانی صدمے کو وہ تشخیص بھی نہ کر سکتا ...... تو علاج کیونکر کرتا۔

تین ہی روز میں میری حالت غیر ہوگئی ...... دورے پر دورہ پڑتا تھا ...... مجھے تن بدن کی کچھ ہوش نہ تھی۔ زندگی سے مایوسی ہو چکی تھی ......

چوتھے دن میں بے ہوشی میں پڑا تھا ڈاکٹر صاحب نے خوشی کا اظہار کیا کہ اس کی [illegible] ہو گیا۔

"دوپہر کو شور و غل کیسا تھا؟" میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا۔

"اوہ .... کچھ نہیں ..... بات ہی کیا ہے ...... " ڈاکٹر نے عینک کے اوپر سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا "آخر یہ پاگل خانہ ہے۔ کتنے ہی شور و غل کرنے والے مریض یہاں آتے رہتے ہیں۔"

"آخر کیا تھا" میں نے دوبارہ پوچھا۔

"اصل بات یہ ہے جناب ...... " یہ کہہ کر وہ رک گیا۔ "آپ بہت زیادہ کمزور ہیں فی الحال ایسے معاملات میں آپ کو دلچسپی نہ لینی چاہئے۔"

"واقعہ کیا تھا" میں نے پھر ذرا زور دار لہجہ میں کہا۔ "میں بالکل اچھا ہوں ...... آپ فکر نہ کیجئے۔"

"بات ...... بات ...... ہاں آدمی کہہ رہا تھا۔" ڈاکٹر صاحب نے میرے اصرار سے مجبور ہو کر کہا ...... "ایسے واقعات اگر شہر میں ہو جائیں تو چنداں تعجب نہیں۔ مگر اب تو دیہات والے شہریوں سے بڑھے جا رہے ہیں ...... اسی سلسلے میں ...... موضع سگولی سے ایک لاش آئی ہے ...... کہ"

"لاش آئی ہے" میں نے تعجب سے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں ...... لاش" ڈاکٹر نے میری حیرت دور کرتے ہوئے کہا "وہاں ایک نوجوان لڑکی نے دھتورہ کھا لیا تھا ...... ابھی اسی رات اس کی شادی تھی ...... اب اسے کچھ ہوش ہے تو ہے اور دوا دی گئی ...... مگر یہ سب کوششیں فضول ہیں۔ کیونکہ اس کے بچنے کی امید کم ہے۔"

"کہاں ہے؟"

"زنانہ وارڈ میں۔"

میں کچھ اور سن نہ سکا۔ فوراً بستر علالت سے کود پڑا اور بھاگتا ہوا زنانہ وارڈ میں جا پہونچا ......

آہ ...... بدھیا ...... ہڈیوں کا ڈھانچہ۔ بھرے ہوئے رخسار دھنس چکے تھے ...... چہرے پر زہر کے اثرات ہویدا تھے ...... کندن کی طرح چمکتے ہوئے چہرے پر اس وقت مردنی چھائی ہوئی تھی ...... آنکھیں بند تھیں ...... نرس ایک دوائی کو چمچے کے ذریعے منہ میں ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی ...... نرس کی موجودگی کو نظر انداز کرتے ہوئے میں چارپائی کے سرہانے زمین پر بیٹھ گیا۔

"بدھیا ...... بدھیا!"

بڑی کوشش سے اس نے آنکھیں کھولیں ...... مجھے دیکھ کر وہ چونک اٹھی ...... جیسے کسی نے بجلی کا تار چھو دیا ہو ...... حسرت بھری نظروں سے وہ مجھے دیکھتی رہی ...... اس کے بعد اس کی آنکھوں سے دو بڑے بڑے آنسو نکلے ...... میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا ...... وہ مسکرا دی ...... اس کے بعد آنکھیں بند ہو گئیں ....

میں اس دن سے جب میری یہ حالت ہے تو ڈاکٹر صاحب اس دن مجھے پاگل سمجھتے ہیں ...... مگر وہ ٹھیک نہیں ...... میں مرنے والی کی یادگار ہوں ...... اور جب مجھے بدھیا یاد آتی ہے میں برداشت نہیں کر سکتا ...... تو بے چین ہو جاتا ہوں ...... اور زندگی مجھے دنیا ہے ...... آہ وفادار بدھیا ...... میں تیرے لئے تڑپ رہا ہوں ...... روز موت کی دعائیں کرتا ہوں ...... مگر وہ نہ آج آتی ہے نہ کل ...... یہ کہہ کر مریض کی آنکھیں نمناک ہو گئیں ...... اب پھر وہ دیوانہ حرکتیں کرنے لگ گیا ......

"کیا میں پاگل ہوں ڈاکٹر صاحب؟" اس نے مجھ سے سوال کیا۔

"تم تو نہیں البتہ تمہیں پاگل کہنے والے کے دماغ میں فتور ضرور ہے ...... " میں نے اسے تھپکی دیتے ہوئے کہا ......

اس نے ایک اطمینان کا سانس لیا ...... اور میں پھرتا ہوا اس کے پاس سے پردہ دار ہو گیا ...... میں پژمردہ دلی کے ساتھ آہستہ آہستہ وارڈ سے نکل آیا ......

عزم آزادی

(حضرت فضا الہ آبادی)

اس ملتِ بیضا کو پھر ہوش میں لانا ہے — سوتوں کو جگانا ہے طوفان اٹھانا ہے
گم کردہ منزل کو منزل پہ لے جانا ہے — بھٹکے ہوئے رہرو کو رستے پہ لگانا ہے
یہ ہندو و مسلم کیا یہ کافر و مومن کیا — اس فرقہ پرستی کو دنیا سے مٹانا ہے
افلاس و مصیبت کا باعث یہ غلامی ہے — میں نے اسے سمجھا ہے میں نے اسے جانا ہے
پھر غیرت و ہمت سے ان سب کو جلا دیکر — افسردہ دماغوں کو آئینہ بنانا ہے
پھر جوشِ عمل بھر نا ہے قلب پریشاں میں — بھولی ہوئی باتوں کی پھر یاد دلانا ہے
دنیا کے غلاموں کو پیغام فنا دے کر — بھارت سے غلامی کا اب نام مٹانا ہے
تھے قیصر و کسریٰ کے دل جس سے کبھی لرزاں — اس گمشدہ عظمت کو پھر ڈھونڈھ کے لانا ہے
حاکم تھے کبھی ہم بھی محکوم ہیں ہم اسوقت — وہ اپنی کہانی تھی یہ اپنا فسانہ ہے

آزاد فضا ہوں گے یا مٹ کے فنا ہونگے
ہم نے یہی سوچا ہے ہم نے یہی ٹھانا ہے

الہ آباد

۵ مئی ۱۹۳۹ء

ایکٹریس کا روزنامچہ

از مفتوں

صبح آٹھ بجے آنکھ کھلی کیونکہ رات کو راجہ دھنراج گیرجی کے محل میں ایک بج گیا تھا۔ آنکھ کھلنے کے بعد ایک پیالی چائے پی۔ میں آجکل اٹھتے ہی انگریزوں کی طرح پلنگ پر ایک پیالی چائے پی لیتی ہوں اس سے طبیعت میں فرحت سی پیدا ہوتی ہے۔ جب بنارس میں تھی تو اماں صبح ناشتہ میں پراٹھے اور قیمہ کھلایا کرتی تھیں۔ یہ پراٹھے جسم میں سستی پیدا کیا کرتے چائے پینے کے بعد پھر لیٹ گئی ساڑھے آٹھ بجے استاد جی ریاض کے لئے آئے انھوں نے کہا کہ گانے کی ریاض کروں مگر میرا جی نہیں چاہتا تھا جب طوائف کا پیشہ کرتی تھی اس وقت تو ریاض کی ضرورت بھی تھی تاکہ ہر قسم کے راگ سے واقف ہو جاؤں اب فلم میں راگ کی کیا ضرورت ہے۔ اس میں تو معمولی طور پر گانا ہی کام دیتا ہے اور زیادہ تو بھلے گئے روڑ نے پھدکنے جسم کے حصوں کو عریاں کر کے دکھانے اور میک اپ کی ضرورت ہوتی ہے میں نے اماں جان کو بہت سمجھایا کہ فلم ایکٹرسوں کو زیادہ گانے کی ضرورت نہیں سلوچنا اور مضوری اور سبیتا دیوی کو راگ بازی کیا خاک آتی ہے۔ کیا وہ کامیاب ایکٹرسیں نہیں ہیں تو اب فلم ایکٹرسوں کی طرح زیادہ بناؤ سنگار کی ضرورت ہے نہ کہ راگ کی باریکیوں کی مگر میری اماں نہیں سنتیں۔ انھوں نے نصیحت کرنا شروع کر دی کہ وہ خود کتنا اچھا گاتی ہیں نانی اماں گانے کے باعث ریاست میں ملازم تھیں خالہ جان کے ریکارڈ بھرے ہوئے ہیں اور خالہ مشتری مہاراجہ کشمیر کے دربار میں ایک ہزار روپیہ ماہوار پاتی ہیں اماں کے زور دینے پر ریاض کیا استاد جی نے اڈانا راگ کی مشق کرائی اس کے بول تھے "نگری موری جبرن نہ دے" صرف اس ایک بول میں ہی ایک گھنٹہ مشق کرتی رہی میں جب اس راگ میں بار بار سر نکالتی تھی تو استاد جی بہت خوش ہوتے تھے یہ استاد جی ہمارے گھر میں پچیس سال سے رہتے ہیں لوگ تو کہتے کہ ان کا میری اماں سے تعلق ہو گیا تھا۔ مگر میں اس پر یقین نہیں کرتی ہمارے یہاں میراثیوں سے تعلق پیدا کرنا بہت معیوب سمجھا جاتا ہے اور اماں اتنے بڑے خاندان میں سے ہو کر میراثی سے تعلق کیوں پیدا کرتیں یہ غلط افواہیں بغیر کسی بنیاد کے بھی پھیل جاتی ہیں اب فلم کراچی میل میں ایک میراثی لڑکے شبیر کے ساتھ میں نے کام کیا ہے لوگ مجھے بھی بدنام کرتے ہیں مگر میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

دس بجے ریاض سے فارغ ہوئی استاد جی نے اماں سے کہا کہ سیٹھ علی بھائی نے کل استاد سے میرے متعلق بات چیت کی تھی یہ سیٹھ صاحب بوری بندر اسٹیشن کے قریب لاکھوں روپیہ کا کاروبار کرتے ہیں مجھے فلم پر دیکھ کر عاشق ہو گئے ہیں ایک ہزار روپیہ ماہوار تو اپنے منھ سے کہتے تھے اماں کا خیال ہے کہ اس سیٹھ سے کافی روپیہ لیا جا سکتا ہے۔ مگر ہمیں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ تاکہ ہماری کمپنی کے ڈائرکٹر عابد صاحب کو اس کا علم نہ ہو کیونکہ اگر عابد صاحب کو یہ معلوم ہو گیا کہ میرا کسی دوسرے سے بھی تعلق ہے تو وہ دشمن ہو جائیں گے پھر مجھے ہیروئن کا پارٹ نہ دیں گے اور مجھے بہت نقصان ہو گا آخر یہ سیٹھ بھی جو آج مجھے چاہتے ہیں اس فلم کے بدولت ہی عاشق بنے ہیں فلم میں اچھا پارٹ نہ کرتی تو کیوں ہمارے یہاں آتے۔

ساڑھے دس بجے غسل کیا پوڈر لگایا سنگار کیا نئی ساڑی پہنی جو پرسوں سیٹھ علی بھائی لائے تھے۔ سیٹھ صاحب نے تو یہ چھ سو روپیہ میں خریدی ہے مگر میرا خیال ہے کہ یہ ساڑھے چار سو سے زیادہ کی نہیں میں خود خریدتی تو پانچسو سے زیادہ کبھی نہ دیتی سیٹھ صاحب سے ساڑھیوں والے نے ایک سو روپیہ زیادہ لیا کپڑے پہننے کے بعد تھوڑا سا ناشتہ کیا موٹر منگائی سٹوڈیو گئی وہاں عابد صاحب ڈائرکٹر کے کمرے میں تھوڑی دیر بیٹھی مالک کمپنی کے سلام کے لئے ان کے کمرے میں بھی گئی آج شوٹنگ تھی۔ کیونکہ ایک دوسری ایکٹرس مس نرملا کا پارٹ ہے اور وہ کچھ بیمار ہیں آج آ نہیں سکیں بارہ بجے سٹوڈیو سے واپس گھر پہونچی گھر پہونچنے پر معلوم ہوا کہ مسٹر رامچند اڈیٹر فلمکار لاہور انٹرویو کرنے اور فوٹو کی تصاویر لینے کے لئے آئے تھے میں ان اڈیٹروں سے تنگ آ چکی ہوں جب بنارس میں تھی تو کوئی اڈیٹر ہمارے یہاں نہ آتا تھا اور اگر ان کو کبھی دعوت بھی دی جاتی تو پھر بھی آنا یہ اپنی توہین سمجھتے تھے مگر اب میرے فلم ایکٹریس بننے کے بعد یہ گداگروں کی طرح میرے پیچھے پھرتے ہیں کوئی دن ایسا نہیں جب ایک دو نہ آتے ہوں۔ کوئی انٹرویو چاہتا ہے کوئی تصویر طلب کرتا ہے کوئی چندہ کے لئے کہتا ہے کہ میں اس کے رسالہ کی سرپرست بن جاؤں اور ایک صاحب تو پرسوں تشریف لائے تھے فرماتے تھے کہ اگر بیس روپیہ دوں تو یہ میرے نام سے اپنے رسالہ میں ایک نظم لکھیں گے۔ تاکہ لوگ مجھے شاعر بھی

سمجھیں۔

ایک بجے میرے یہاں لنچ پر مس راما، مس سرور، اکبر اور عابد صاحب آئے آئے امّاں نے دیسی اور انگریزی کھانے تیار کرائے تھے جب یہ لوگ آئے تو امّاں جان نے تینوں ایکٹریسوں کی ان کی پیشانی کا بوسہ دیا اور عابد صاحب کو بیٹا بیٹا کہہ کر دعائیں دیں۔ ہم سب نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانے پر باتیں شروع ہوئیں کہ کس کس کو ہر روز کتنے کتنے محبت کے خطوط ملتے ہیں [illegible] اکبر نے کہا کہ روزانہ خطوط کی اوسط ساٹھ کے قریب ہے ان میں سے صرف پچاس پنجاب کے نوجوان ہیں جو لکھتے ہیں کہ گھر کے برتن صاف کرنے پر ہی نوکر رکھ لیا جائے۔ مس راما نے بتایا کہ چونکہ یہ مرہٹہ خاندان سے ہیں مرہٹہ نوجوان ان پر بہت بری طرح سے عاشق ہیں۔ مس سرور امّاں نے کہا کہ جب آپ دہلی ایک تھیئٹر میں کام کرنے لگی تھیں تو اس ہوٹل میں جہاں آپ ٹھہری تھیں ڈیڑھ دو ہزار آدمی دیکھنے کے لئے ہر روز آتے تھے۔ ہم ان عاشقوں کا مذاق اڑا رہی تھیں کہ عابد صاحب نے کہا کہ اس عشق بازی کا کریڈٹ فلم کمپنیوں کے ڈائریکٹروں کو ملنا چاہیئے جو ایکٹریسوں کو خوبصورت ترین صورتوں میں فلم پر دکھاتے ہیں۔

دو بجے لنچ سے فارغ ہو کر مہمان اپنی اپنی موٹروں میں چلے گئے میں تھوڑی دیر کے لئے بیڈ روم میں چلی گئی تاکہ آرام کروں ابھی پانچ منٹ ہوئے تھے کہ اڈیٹر صاحب فلم کار نے اپنے کارڈ بھیج دیئے مجھے بہت غصہ آیا میں نے ملازم سے کہا کہ وہ بیگم صاحبہ سو رہی ہیں اگر جواب کے سننے کے بعد بھی اڈیٹر صاحب نہ ٹلے اور ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگے

تین بجے بیڈ روم سے باہر آئی وہ بیٹھے تھے میرا جی چاہتا تھا کہ ان کو کوٹھی سے نکلوا دوں مگر خندہ پیشانی سے پیش آئی اور حیران ہو کر پوچھا کہ آپ کب سے تشریف رکھتے ہیں۔ انہوں نے بتایا ایک گھنٹہ سے میں نے کہا آپ نے مجھے جگا کیوں نہ دیا آپ کا وقت ضائع ہوا۔ انہوں نے کہا نہیں کوئی بات نہیں میں اگر ان اڈیٹروں سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش نہ آؤں تو میرے خلاف لکھنا شروع کر دیں اور میری فلم کو برا کہیں میں نے اڈیٹر صاحب کے لئے چائے منگائی ان سے مسکرا مسکرا کر باتیں کیں [illegible] لوٹ سے مجھے روپیہ ایک سال کا چندہ دیا۔ اس سلوک سے یہ اڈیٹر صاحب بہت خوش تھے کہتے تھے زبردست آرٹیکل لکھ کر میرے نام سے شائع کریں گے ساڑھے تین بجے سیٹھ علی بھائی دو خوبصورت موٹریں لے کر تشریف لائے اور ہم سب کو سمندر کے کنارے چہل قدمی کے لئے کہا۔ میں میری امّاں نادرہ بیگم سے بھائی فیروز اور مسلم انصاری جو ایک معزز سوداگر ہیں آئی ہیں موٹروں میں بیٹھ کر چلے۔ میں اگلی سیٹ پر سیٹھ صاحب کے ساتھ بیٹھی تھی۔ وہ بیچارے گاڑی چلا رہے تھے سیٹھ صاحب خود ڈرائیو کر رہے تھے جوہو پہنچ کر ہم نے خوب سیر کی سیٹھ علی بھائی نے بیچ کنارے میں کہا کہ ہم ٹہلیں تو بیٹھ کر باتیں کریں جب سے اماں سے پوچھا۔ اماں نے اجازت دیدی اور کہا کہ بیٹی صرف باتیں کرنا میں سیٹھ صاحب کے ساتھ کچھ فاصلہ پر ایک بنچ پر بیٹھ گئی۔ سیٹھ صاحب محبت سے باتیں کرنے لگے۔ انہوں نے کہا کہ میں تم سے نکاح کروں میں نے جواب دیا کہ مجھے تو کوئی انکار نہیں۔ میں [illegible] سے نفرت کرتی ہوں۔ اور اماں کے مجبور کرنے پر کام کر رہی ہوں مگر بغیر اماں کی اجازت نکاح کیونکر ہو سکتا ہے

جگر پارے

(از حضرت جگر مرادآبادی)

اس چشمِ مست نے مجھے مخمور کر دیا — میں نے نظر ملا کے اسے چور کر دیا
سرشار و مست و بیخود و مسحور کر دیا — جو دور ہو سکے ترے بے مجھے دور کر دیا
ان کا ہی ہو گیا انہیں مسرور کر دیا — وہ بیہوش ہو گئے مجھے مسرور کر دیا
یہ عشق وہ بلا ہے کہ حسنِ ازل کو بھی — تخلیق کا [illegible] مجبور کر دیا
مدت کے بعد آج تو سوچا ہے ہم نے — روٹھے ہوئے دلوں کو بھی مسرور کر دیا
وہ اور نازِ عشق گوارا کریں مگر — اتنے کھنچے ہم ان سے کہ مجبور کر دیا
جس کا تھا ایک دل پہ تری [illegible] — اس عشق نے تو دل ہی کو [illegible] کر دیا
انسان کو بھی آج سے [illegible] — اتنا مزاج عشق کو [illegible] کر دیا
حسنِ ازل تو آج بھی بے پردہ ہے مگر — نظارہ کے ہجوم نے مستور کر دیا
توبہ تو کر چکا تھا مگر اس کا کیا علاج — واعظ کی ضد نے پھر مجھے مجبور کر دیا
ان کو بھی ناز [illegible] — مجھ کو تو ہر شکست نے مغرور کر دیا

میں نے باتوں باتوں میں اماں کو لالچی اور خود غرض وغیرہ وغیرہ کہا تاکہ سیٹھ صاحب کو میرے اخلاص پر شک نہ ہو یہ باتیں کر کے سیٹھ صاحب اماں کو بھی بلا لائے پھر ہم تینوں نے باتیں کیں سیٹھ صاحب نکاح کے لئے زور دیتے تھے ایک لاکھ روپیہ مہر لکھنے کو تیار تھے اور پچاس ہزار نقد دیتے تھے اماں نہیں مانتی تھیں اور کہتی تھیں کہ ان کو اپنی بیٹی سے بہت محبت ہے وہ جدا نہیں کرسکتیں میں معصومانہ انداز سے سیٹھ صاحب کو بار بار دیکھتی تھی تاکہ سیٹھ صاحب یہ سمجھیں کہ مجھے ان سے پوشیدہ محبت ہے ایک گھنٹہ تک باتیں ہوئیں کوئی نتیجہ نہ نکلا اماں نے کہا کہ ہمارا گھر آپ کا گھر ہے۔ آپ دن رات آئیے آپ کو کوئی روکتا نہیں مگر نکاح مناسب نہیں چنانچہ اس فیصلہ کے بعد سیٹھ صاحب نے دس ہزار روپیہ کے ایک ایک سو والے نوٹ مجھے دینا چاہئے میں نے لاپرواہی کے ساتھ لینے سے انکار کیا تاکہ میری بے غرض نیت کا اثر ہو آخر یہ نوٹ اماں کو دیئے گئے اور سیٹھ صاحب نے ایک ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ بھی مقرر کر دی۔ اس کے بعد ہم تمام لوگ گھر واپس آئے۔

اب شام کے چھ بجے ہیں گھر واپس پہنچ کر میں نے منہ ہاتھ دھویا سنگار کیا ساڑھی تبدیل کی پان کھایا اور ابھی استاد جی سے باتیں کر رہی تھی کہ حیدرآباد کے نواب رحمت یار جنگ بہادر کا تاج محل ہوٹل سے ٹیلیفون آیا کہ میں ساڑھے چھ بجے ان کے ساتھ رنجیل بائیسکوپ میں چلوں ٹیلیفون ہمارے ملازم عبدالله نے سنا میں نے کہلوا دیا کہ میری طبیعت اچھی نہیں یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ فلم ایکٹریسوں کا ان لوگوں کے ساتھ بائیسکوپ جانا بہت آسان ہے میرے اس جواب دینے پر نواب صاحب ایک ہفتہ ہوا ہمارا اسٹوڈیو دیکھنے کے لئے آئے تھے وہاں مالک کمپنی نے ان سے میرا تعارف کرایا بس اسی واقفیت پر آج بائیسکوپ جانے کی دعوت دے رہے ہیں ساڑھے چھ بجے اماں اور خالہ کے ساتھ بازار گئی سیٹھ صاحب والے دس ہزار روپیہ میں سے نو سو روپیہ تو مالک مکان کو تین ماہ کا کرایہ دیا دو ہزار کا زیور خریدا باقی روپیہ نیشنل بنک آف انڈیا میں جمع کرا دیا جہاں کہ میرا حساب رہتا ہے۔ ساڑھے سات بجے ہم واپس آئے میری غیر حاضری میں نواب رحمت یار جنگ کا پھر ٹیلیفون آیا تھا انہوں نے بتایا کہ رات کو نو بجے تشریف لائیں گے میں اماں اور خالہ بازار ۔۔۔ پھر ۔۔۔ صاحب کے یہاں گئی ان کو ساتھ لے ۔۔۔ کر نے گئے ۔۔۔ وہ شریف آدمی ہیں اور مشہور شاعر ۔۔۔ ڈائرکٹروں میں ان کی بہت عزت ہے گو بہت بدصورت ہیں ۔۔۔ ان کے قطعی کوئی شکل نہیں مگر کہ ان کی بدولت ۔۔۔ نواب اور راجے مارے مارے پھرتے ہیں اگر یہ اچھا پارٹ نہ ۔۔۔ عاشق کہاں پیدا ہوتے۔ عابد صاحب کے ساتھ سیر سے نو بجے واپس آئی ان کو ۔۔۔ گھر پر چھوڑا گھر پہونچی تو کیا دیکھتی ہوں کہ نواب رحمت یار جنگ تشریف فرما ہیں۔ میرے پہنچنے پر بہت تپاک سے ملے اور فوراً کہا کہ ٹیلیفون میں تو اطلاع ملی تھی کہ بیمار ہو میں نے جواب دیا ہاں میری طبیعت اچھی نہیں اب ڈاکٹر کیا ڈیا کے یہاں گئی تھی وہاں سے نسخہ لے کر آرہی ہوں ڈاکٹر نے کہا ہے فلم میں بجلی کے سامنے زیادہ بیٹھنے کے باعث دماغ پر اثر ہے اور سر کی درد کی وجہ سے دماغ خراب ہوجانے کا خطرہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سر میں درد رہتا ہے۔

نواب صاحب ایک گھنٹہ تک ڈرائنگ روم میں بیٹھے رہے ان کے لئے میں نے وسکی اور سوڈا منگایا پھر کھانے کے لئے کہا وہ بار بار کہتے تھے کہ ان کے ساتھ بائیسکوپ چلوں میں اپنی بیماری کا بہانہ کرتی تھی۔ نواب صاحب نے بطور تحفہ موتیوں کا ایک نکلس دیا میں نے کہا کہ نہیں اس کی کیا ضرورت ہے آپ کی مہربانی چاہئے اماں نے کہا کہ بیٹا نواب صاحب محبت سے ۔۔۔ دیتے ہیں ۔۔۔ آخر میں لے لیا نواب صاحب نے اگلے روز بائیسکوپ جانے کا ۔۔۔ لیا۔ اگلے روز کھانے پر آنے کو دعوت میں کہا نواب صاحب کے جانے کے بعد خالہ سے اس نکلس کی قیمت دریافت کی کیونکہ خالہ جان کو جواہرات کی بہت سمجھ ہے خالہ نے بتایا کہ پانچ یا چھ ہزار روپیہ کے درمیان اس کی قیمت ہوگی اب دس بجے ہیں بھائی فیروز نے بتایا کہ میری خالہ نسیم کی لڑکی زہرہ نے خط لکھا ہے کہ لکھنؤ میں آج کل کام کا مندا ہے ریڈیو کے باعث کوئی گانا سننے والا نہیں آتا ہے لوگ اپنے اپنے گھروں پر ریڈیو میں ہی سن لیتے ہیں چنانچہ مکان کا کرایہ بھی نکلتا ہے کیا کیا جائے میں نے فیروز سے کہا کہ خالہ نسیم کو لکھو کہ

عذرا زہرہ کو لیکر فوراً بمبئی پہنچ جائیں آج کل طوائفوں کو کون پوچھتا ہے۔ فلم ایکٹریس بنتے ہیں تو نواب اور راجہ مٹکے کھاتے پھرتے ہیں زہرہ شکل و صورت کی بھی اچھی ہے عمر ۴

دلفریب

یا

تاروں کی بارش

(از مسٹر محمد رحیم چمن دہلوی مصنف چاند سورج کی چوری)

(۲)

پہلا خلاصہ } ہرکشن کمپنی لمیٹڈ۔ دہلی میں جواہرات کی مشہور دکان ہے۔ ایک روز صبح جب کمپنی کے ڈائرکٹر مسٹر ہرکشن نے صبح آکر ڈاک دیکھی تو اس میں بغیر بیمہ کیا ہوا ایک چھوٹا سا پارسل بھی شامل تھا جس پر بھیجنے والے کا کوئی نام و نشان موجود نہ تھا اور جب اسے کھولا گیا تو یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس معمولی سے حقیر پارسل میں جسے بیمہ کرانے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ ستارے کی شکل کا ایک قیمتی ہیرا بند تھا جس کی نیلاہٹ کی ہوئی سفیدی کے کنبق میں لاانتہا رنگوں کی آمیزش قوس قزح کی طرح دلفریب تھی۔ اس کی رنگت صاف۔ گہرائی خوشنما اور کٹائی چونکہ بہت صاف تھی اور بہ حیثیت مجموعی وہ نہایت شاندار ہیرا تھا۔ اس لئے اس کی قیمت کا اندازہ تیس ہزار پونڈ سے کہیں زیادہ ہی کیا جاسکتا تھا۔ لیکن جب یہ سوچا جاتا کہ اتنی بیش قیمت بلکہ انمول چیز کو بغیر بیمہ پارسل میں نہایت لاپرواہی سے بھیجا گیا ہے اور بھیجنے والے نے اپنا پتہ لکھنے کی بھی پرواہ نہیں کی۔ تو حیرت دوچند ہوجاتی تھی۔ مسٹر ہرکشن نے سوچا کہ کوئی بگڑا ہوا رئیس یا نواب اسے فروخت کرنا چاہتا ہے۔ یا کوئی راجہ نواب اسے کسی زیور میں جڑوانے کا خواہشمند ہے۔ اور اتفاقاً اپنا پتہ وغیرہ لکھنا بھول گیا ہے لیکن جب انہیں معلوم ہوا۔ کہ ان کے ہمعصر جوہری رائے صاحب ہری ہر کے ہاں بھی اسی طرح ڈاک میں بعینہ اسی شکل و شباہت کا ایک ہیرا آیا ہے۔ تو دہلی کے یہ دونوں جوہری۔ نہ صرف حیران ہوئے بلکہ یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین ہوگئے۔ کہ آخر ان ہیروں کو کیوں بھیجا گیا ہے۔ اور اس عجیب شکل میں بھیجنے کا مقصد کیا ہے۔ اور یہ کہ آخر وہ کونسا لاپرواہ رئیس اعظم یا والئ ملک ہے جس کے پاس اتنے قیمتی ہیرے موجود ہیں۔

خیر واقعہ کچھ بھی کیوں نہ ہو لیکن چند باتیں ان ہیروں کے متعلق ایسی ہیں۔ جن کے صحیح ہونے میں کوئی ادنیٰ شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا" مسٹر ہرکشن نے فیصلہ کن انداز میں بتایا "ایک تو یہ کہ ان کا بھیجنے والا ایک ہی شخص ہے دوسرے یہ کہ ان کو کسی نہایت ہی اہم مطلب کے لئے ہمارے پاس بھیجا گیا ہے"۔

رائے صاحب نے مذکورہ خیالات کی تائید کی اور خواہش ظاہر کی کہ ان کا ہیرا بھی کیوں نہ راج گیر کو دکھا کر مزید اطمینان کر لیا جائے۔ دیکھنا یہ تھا کہ راج گیر کے معائنہ میں یہ دونوں ہیرے یکساں ثابت ہوتے ہیں۔ یا ان میں کوئی ایسا فرق ہے۔ جو شاید رائے صاحب کے معائنہ میں نہ معلوم ہو سکا ہو۔

چنانچہ مسٹر ہرکشن معہ رائے صاحب ہری ہر کے اپنے دفتر میں واپس آئے۔ اور راج گیر کو دوبارہ طلب کیا گیا۔

راج گیر نے آتے ہی دونوں کو سلام کیا اور رائے صاحب نے گرمجوشی کے ساتھ ان سے ہاتھ ملایا۔

"راج گیر" مسٹر ہرکشن نے ہیرا انہیں دیتے ہوئے کہا "تم نے صبح آپ نے اس ہیرے کا معائنہ کیا تھا........"

راج گیر نے جواب دینے سے پہلے ہیرے کو ہتھیلی پر رکھ لیا۔ پھر اس کو دیکھنے کے بعد کہا:۔

"ہاں یہی ہیرا تھا"

"کیا آپ کو یہ یقین ہے اس میں کچھ شبہ تو نہیں" مسٹر ہرکشن نے زور دیکر پوچھا۔

ان کے لہجہ اصرار نے راج گیر کو سر اٹھا کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ کھڑکی کے قریب جاکر انہوں نے خوردبین نکالی اور انتہائی غور کے ساتھ دیکھنا شروع کیا۔ تقریباً ایک منٹ وہ اُسے دیکھتے رہے اس کے بعد انہوں نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا۔

"جی ہاں۔ یہی وہ ہیرا ہے۔ جسے میں صبح دیکھ چکا ہوں۔"

رائے صاحب خاموش بیٹھے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اب وہ فتحانہ جوش میں بھر کر کہنے لگے۔

"ہرکشن یہ معجزہ نہیں تو کیا ہے کہ راج گیر جیسے ماہر نے دھوکہ کھا لیا اچھا اب انہیں دوسرا ہیرا بھی دکھاؤ۔"

راج گیر نے متحیر نظروں سے انہیں دیکھا۔ مسٹر ہرکشن نے دوسرا ڈبہ بھی وہ جو انہیں براہ راست موصول ہوا تھا جیب سے نکال کر راج گیر کو دیدیا۔ انہوں نے ڈبہ کھول کر اُسے نکالا۔ اور دونوں کو پاس پاس رکھکر سراسیمہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ پھر کھڑکی کے قریب جا کر آتشی شیشہ سے دونوں کا معائنہ کیا۔

"راج گیر" مسٹر ہرکشن نے کہا "میرے اس سوال کا جواب خوب غور دفکر کے بعد دینا۔ کیا تم صحیح طور پر بتا سکتے ہو؟ کہ ان دونوں ہیروں میں سے صبح تم نے کس کا معائنہ کیا تھا؟"

"نہیں" راج گیر نے شکست کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "میں ان کا وزن کئے بغیر صحیح رائے قائم نہیں کرسکتا۔"

"اگر بالفرض دونوں کا وزن بھی ایک ہو تو؟"

"تو ایسی صورت میں میں کیا فرشتے بھی صحیح طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

اب مسٹر ہرکشن دوپہر کی ڈاک کے انتظار میں بے چین سے تھے۔ کہ شاید اس میں ان ہیروں کے متعلق کوئی خط ہو اور جب دوپہر کی ڈاک آئی تو انہوں نے نہایت اہتمام سے کئی کئی مرتبہ ساری ڈاک کو پڑھا مگر نہیں۔ ——— ان پراسرار ہیروں کا اس میں بھی کوئی ذکر نہ تھا۔

یہی واقعہ رائے صاحب کو اپنے ہاں پیش آیا۔ یعنی انہیں بھی ان نایاب ہیروں کی روانگی کے بارے میں کوئی خط نہیں ملا۔

دونوں جوہریوں کو پختہ یقین اگلی صبح کی ڈاک پر تھا۔ کہ اس میں کچھ نہ کچھ عقدہ ضرور کھلے گا۔ لیکن یہ امید بھی پوری نہ ہوئی۔

آخر دس بجے کے قریب مسٹر ہرکشن کی میز پر رکھے ہوئے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔

"ہرکشن تم ہو؟" رائے صاحب مضطرب لہجہ میں کہہ رہے تھے "اچھا تو جلد میرے ہاں آؤ۔ اور وہ ہیرا بھی اپنے ہمراہ لیتے آنا۔"

اور جب مسٹر ہرکشن رائے صاحب کے ہاں پہنچے تو ان کے ہاں شہر کے تین اور مشہور جوہریوں کو بھی بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اور یہ وہ لوگ تھے۔ جو مسٹر ہرکشن اور رائے صاحب ہری ہر کی طرح چوٹی کے دوکاندار تسلیم کئے جاتے تھے۔ اور جب مسٹر ہرکشن نے دیکھا کہ ہر ایک کے آگے اسی قسم کا ایک ایک ستارہ نما ہیرا رکھا ہوا ہے جیسا اُن کی اپنی جیب میں تھا تو حیرت کے شدید احساس سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"آؤ ہرکشن" رائے صاحب بولے "تم بھی اپنا ہیرا ان کے قریب رکھدو۔ جس قدر وقت گزر رہا ہے یہ معاملہ اور زیادہ پیچیدہ ہوتا جاتا ہے۔"

مسٹر ہرکشن نے حکم کی تعمیل کی۔ اور تقریباً ایک لمحہ پانچوں آدمی چپ چاپ کبھی ہیروں کو اور کبھی ایک دوسرے کے چہروں کو دیکھتے رہے۔

بالاخر مسٹر ہرنام داس نے جو جواہرات کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔ اور بہت مشہور کاروباری آدمی تھے یہ کہہ کر مہر سکوت توڑی۔

"یہ پانچوں ہیرے کل صبح کی ڈاک میں ہم پانچ آدمیوں کو موصول ہوئے تھے۔ یعنی ایک ایک سب کو سب سے پہلے لالہ جنالال (جو جنالال پنالال جوئیلرز اینڈ بینکرز کے ڈائرکٹر ہیں) اپنا ہیرا لے کر میرے پاس آئے پھر اس کے فوراً ہی بعد معلوم ہوا کہ ہمارے ہیروں سے ملتا ہوا ایک اور ہیرا انڈین جوئیلری آرٹ کے مالک مسٹر سراج احمد کو بھی ملا ہے ہم نے تینوں کا مقابلہ کیا تو سب کو یکساں پایا۔ آخری تجربہ کے لئے آج ہم یہاں رائے صاحب کے پاس آئے تو انہوں نے اپنا ہیرا دکھا کر ہمیں اور بھی متحیر کردیا۔ اور ان ہی کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ کے پاس بھی اسی قسم کا ہیرا ہے۔ چنانچہ اب وہ بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔"

حیران کن واقعات کی تمام تفصیلات سنکر بالاخر مسٹر ہرکشن بولے۔ "مگر ان ستاروں کی بارش کی وجہ اور پھر ان سب کا یکساں ہونا اور اس عجیب صورت سے پانچ جوہریوں کو بھیجا جانا سمجھ میں نہیں آتا کیا معاملہ ہے۔"

"آپ لوگ ابھی تک معاملہ کے صرف ایک پہلو پر غور کر رہے ہیں" رائے صاحب نے فلسفیانہ انداز سے کہا "کہ یہ نایاب ہیرے کہاں سے آئے۔ اور ان کے بھیجے جانے کا مقصد کیا ہے؟ یہ پہلو اس میں شک نہیں کہ انتہا سے زیادہ قابل غور اور ضروری ہے لیکن اس کا دوسرا پہلو انتہائی خوفناک اور بے حد تباہ کن ہے۔ کہ اگر ایسے بیش قیمت ہیرے گھر بیٹھے آسمان سے یونہیں برستے رہے تو کوئی دن جاتا ہے کہ چار آنہ سیر ہیرے بکنے لگیں گے۔ اور لاکھوں روپے کے یہ جواہرات جو ہم لوگوں کی تجوریوں میں بند ہیں۔ چند آنوں سے زیادہ مالیت کے نہ رہیں گے۔"

یہ ایک ایسی حقیقت تھی جسے باقی چاروں نے بھی تسلیم کیا اس سے پہلے ان کے دلوں میں فقط حیرت و تعریف کا ہی احساس تھا لیکن اب رائے صاحب کے بیان نے یہ خوف بھی پیدا کردیا کہ واقعی اگر ہیرے

ان مانگے یونہیں لوگوں کو بھیجتے رہے تو جوہریوں کے کاروبار کا خدا حافظ ہے۔

بالآخر انتہائی غور و فکر اور شدید بحث و تمحیص کے بعد راستے یہ طے پائی۔ کہ اس معاملہ میں قابل ترین جاسوسوں کی خدمات حاصل کی جائیں اور اس عجیب اور پراسرار معاملہ کا سراغ نکالنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے۔

چنانچہ بہت جلد اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ اور یا دو ترین قابل سراغرساں اس معاملہ کی تحقیق کیلئے مقرر کردئے گئے جنہوں نے زیورات کے مخملی ڈبہ بنانے والوں سے چھان بین کی ڈاک خانے والوں کو پریشان کیا اور کئی دن تک ہوٹلوں کے گرد منڈلاتے رہے۔ لیکن نتیجہ ——

—— اس ساری معلومات کا صفر تھا۔

معقول معاوضہ لینے والے ان جاسوسوں کی ان تھک کوششوں کے بعد بھی پانچوں جوہریوں کی معلومات اسی حد تک رہیں۔ کہ ایک ہی شخص کے ایک ہی وقت میں پانچ نامور جوہریوں کو پانچ انمول ہیرے کسی نامعلوم بنا پر روانہ کئے گئے۔ مگر کیوں بھیجے گئے اور ان کا بھیجنے والا کون تھا؟ ان امور کے متعلق ذرہ برابر بھی کوئی بات معلوم نہ ہو سکی۔

اس دوران میں مذکورہ جوہریوں کے ہاں ڈاک کو ہر روز خاص اہتمام سے دیکھا جاتا رہا۔ کہ شاید کسی خط میں اس معمہ کا حل ہو۔ چنانچہ یہ تجسس بارآور ثابت ہوئی۔ اور پورے ایک ہفتہ کے بعد یہ راز کچھ کچھ بے نقاب ہوا۔ اس روز مسٹر ہرکشن اپنے دفتر میں حسب دستور صبح کی ڈاک مایوسانہ انداز سے پڑھتے اور لاپرواہی سے ایک طرف ڈالتے جاتے تھے۔ کہ دفعتاً ایک خوش وضع قیمتی لفافہ پر ان کی نظر پڑی جس کے تیز نوں کی نشست ایک ہفتہ قبل آئے ہوئے اسی پراسرار پارسل پر لکھے ہوئے پتہ سے ہوبہو ملتی تھی جس نے ایک ہفتہ سے ان کا کھانا پینا حرام کر دیا تھا۔ انہوں نے دھڑکتے ہوئے دل اور لرزتے ہوئے ہاتھوں سے اُسے کھولا۔

جناب من تسلیم و نیاز!

ایک ہفتہ قبل میں نے آپ کو اور آپ کے چار معتبر جوہریوں کو ایک ایک ہیرا بذریعہ پارسل ارسال کیا تھا۔ ان کی روانگی کا سبب ظاہر کرنے کے لئے اگلے جمعہ کی شام کو پانچ بجے میں خود آپ کے دفتر میں حاضر ہوں گا۔ وقت مقررہ سے آپ اپنے مذکورہ دوستوں کو مطلع کر دیجئے گا۔ تاکہ وہ بھی تشریف آوری کی تکلیف گوارا فرمائیں۔ اور اگر اس موقع پر آپ حضرات اپنے علاوہ اپنے کسی راز دار ماہر فن کو بھی بلا لیں تو آپ کو معاملات کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

وہ ہیرے جو آپ کو اور آپ کے احباب کو بھیجے گئے ہیں۔ میری طرف سے بطور حقیر تحفہ نذر ہیں۔ وہ ہیرا جس کے نام بھیجا گیا ہے۔ وہ بصد شوق اسے اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔

آپ کا صادق

دہلی

ناصر عباس

۲۰ فروری ۱۹۳۹ء

جمعہ کے روز مقررہ وقت سے کچھ پہلے دہلی کے پانچوں جوہری ہرکشن کمپنی کے دفتر میں جمع ہوئے اور چونکہ پراسرار مسٹر ناصر عباس نے راز دار ماہرین فن کو بھی دعوت دینے کی اجازت دیدی تھی اس لئے تین ایسے ماہرین جن کی رائے کو ہیروں کی منڈی میں باوقعت سمجھا جاتا تھا۔ خاص طور پر مدعو کئے گئے تھے۔ ان تینوں میں ایک تو مسٹر راج گیر کو منتخب کیا گیا تھا۔ دوسرے مسٹر سالک رام جو انڈین جیولری آرٹ میں ملازم تھے اور تیسرے کا نام اشفاق احمد تھا۔ جن کا کاروبار ہندوستانی ریاستوں میں پھیلا ہوا تھا۔ اور مسٹر راج گیر کے بعد یہ دونوں ہیروں کے بہترین نقاد تسلیم کئے جاتے تھے۔

پانچ بجنے میں جب پانچ منٹ رہ گئے۔ تو حاضرین کا شوق تجسس اور اضطراب بہت زیادہ بڑھ گیا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ناصر شاید نہ آئے۔ لیکن جیسے ہی گھنٹہ نے پانچ بجائے چپراسی ملاقاتی کارڈ لے کر اندر آیا۔ اور مسٹر ہرکشن کے ہاتھ میں دیدیا۔

"مسٹر ناصر عباس" مسٹر ہرکشن نے باآواز پڑھا۔

اور اس نام کو سنتے ہی حاضرین میں سے ہر شخص کے چہرہ پر بے چینی کے آثار پیدا ہوئے۔

"جاؤ۔ انہیں اندر بھیجدو" ہرکشن نے چپراسی سے کہا۔

چپراسی کے جاتے ہی حاضرین جو ایک لمحہ قبل بالکل خاموش اور ساکت تھے۔ آہستہ آہستہ اور نیچی آواز میں آنے والے کے متعلق جس کو انہوں نے ابھی تک دیکھا نہ تھا اپنے اپنے خیال کے مطابق رائے زنی کرنے لگے۔

ایک لمحہ بعد مسٹر ناصر عباس کمرہ میں داخل ہوئے۔

وہ تیس برس کی عمر کا خوبصورت جوان تھا۔ چہرہ پر شگفتگی اور نظر تیز تھی۔ جس میں خود نمائی کے آثار قطعی نہ تھے مگر اس کے باوجود انداز سے پایا جاتا تھا کہ اپنی ذات پر پورا اعتماد رکھتا ہے۔ ہاتھ میں چمڑے کے ایک چھوٹے سے قیمتی بیگ اور بیش قیمت لباس نے اس کی شخصیت کو اور بھی جاذب نظر بنا دیا تھا۔

ایک لمحہ دروازہ میں ٹھٹک کر اس نے اس چھوٹے سے مجمع پر سرسری نظر ڈالی اور پھر زیر لب مسکرا دیا۔ اس مختصر وقفہ میں چاروں طرف سکوت عظیم چھایا رہا۔ کسی کے منہ سے ایک لفظ تک نہیں نکلا وہ اسے حیرت اور انہیں تحقیق کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"مسٹر ہرکشن؟" بالا فراس نے اس سرے سے اس سرے تک سب پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

مسٹر ہرکشن نے جو اب تک سب کے ساتھ تصویرِ حیرت بنے ہوئے بیٹھے تھے۔ اپنا نام سنکر میزبانی کی ذمہ داری کو محسوس کیا اور فوراً کھڑے ہوگئے۔ اس کے بعد تعارف کی رسم عمل میں لائی گئی۔ اور ناصر باری باری ہر شخص سے مصافحہ کرتے ہوئے چلنے لگے۔ یہانتک کہ مسٹر رائج گیر کی باری آئی۔

مسٹر ہرکشن نے نام لیکر ان سے مصافحہ کرایا۔

"مسٹر رائج گیر" ناصر نے اس نام کو دوہرایا اور ایک لمحہ تک اس کی متجسس آنکھیں اس شہرۂ آفاق ماہرِ فن سے چار رہیں۔ اس کے بعد اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کا نام اتنی بار سننے میں آیا۔ کہ اب محسوس ہوتا ہے کہ ہم پہلے ہی سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں"

مسٹر رائج گیر نے سر کو ہلکا سا خم دیا اور خاموش ہوگئے۔

"میں اگر غلطی نہیں کرتا تو آپ غالباً وہی مسٹر رائج گیر ہیں جو ان ہیروں ہی کی تجارت کے سلسلہ میں جنوبی افریقہ کی سیاحت کر چکے ہیں"۔ نووارد نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں" رائج گیر نے خشک لہجہ میں تسلیم کیا۔

"اور شاید فرانس کے جوہریوں نے بھی اس سلسلہ میں ایک دفعہ آپ سے خط و کتابت کی تھی"

رائج گیر کی سبز آنکھیں اور بھی زیادہ تیزی کے ساتھ چمکنے لگیں اور ان کا تجسس اور زیادہ بڑھ گیا۔

"بیشک آپ کا خیال صحیح ہے"

انہوں نے تسلیم کیا۔

اس کے بعد ناصر آگے بڑھے اور لمبی میز کا طواف کر کے اس جگہ آ ٹھیرے۔ جہاں ان کے لئے کرسی خالی چھوڑی گئی تھی۔ مسٹر ہرکشن ان کے دائیں طرف تھے اور ہری ہر بائیں جانب اور ماہرِ فن رائج گیر عین بالمقابل۔

ناصر نے خوبصورت ہینڈ بیگ کو لاپرواہی سے پاؤں کے قریب زمین پر ڈال دیا۔ اور ایک لمحہ چپ رہ کر حاضرین کے چہروں کی جلد جلد بدلتی ہوئی ہیئت کو دیکھتے رہے۔

"حضرات" آخرکار انہوں نے کہا۔ "وہ چٹھی جو میں نے مسٹر ہرکشن کو بھیجی تھی غالباً آپ نے سن لی ہوگی اور آپ کو علم ہو گیا ہوگا۔ کہ وہ ہیرے جو یہ یک وقت آپ حضرات کو موصول ہوئے۔ اسی احقر کے بھیجے ہوئے تھے اس سلسلہ میں مجھے یہ بتانا ہے کہ میں جوہریوں کا بے غرض خیر خواہ یا کوئی غیبی محسن نہیں ہوں۔ کہ قیمتی اور نایاب ہیرے اس طرح مفت تقسیم کرتا پھروں بلکہ ان ہیروں کی روانگی" اس نے مسکرا کر کہا "درحقیقت ایک بالکل نئے اور بہت ہی انوکھے کاروبار کی تمہید ہے ——— اور وہ آپ کی اس تکلیف کا حقیر معاوضہ ہیں۔ جو ہیرے وصول ہونے کے بعد ذہنی طور پر آپ کو پہنچی۔ یا نئے مشکل اور نایاب ہیرے جو وضع قطع اور رنگ و روپ میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ میں نے آپ کو بطور تحفہ پیش کئے ہیں اور یقین ہے کہ آپ نے اس تحفہ کو قبول کر لیا ہوگا"

ایک لمحہ کے لئے وہ خاموش ہوگئے۔ اور رائے صاحب ہری ہر کے سوا باقی سب لوگ صورت تصویر اُن کی طرف دیکھتے رہے رائے صاحب نے البتہ اپنی کرسی کو حرکت دی اور چہرہ کو ہاتھ کے سہارے ذرا ٹیڑھا کر رکھ لیا گویا وہ اس مردِ پُر اسرار کو ذرا ایک زاویہ سے دیکھنا چاہتے تھے۔

"اگر اس سے پہلے کہ میں اصل معاملہ کی طرف آؤں" نووارد نے تقریر جاری کرتے ہوئے کہا۔ "میں چند بالکل عجیب اور حیرت انگیز باتیں آپ سے عرض کروں گا۔ جو شاید آپ کو فی الحال ناقابلِ یقین معلوم ہوں لیکن ان میں سے ہر ایک کا ناقابلِ تردید ثبوت میرے پاس موجود ہے اور آپ چاہیں تو اسی وقت پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے میں جو کچھ بھی کہوں اگر اس میں آپ کو کوئی بات عجیب معلوم ہو تو آپ بے تامل جو سوال چاہیں پوچھ سکتے ہیں۔ مجھے آپ کو مطمئن کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ کیونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ کہ جو کچھ میں اب عرض کروں گا۔ وہ ہیروں کی تجارت میں بالکل عجیب اور انوکھی بات ہوگی۔ گو اس کے ساتھ یہ بھی امرِ واقعہ ہے کہ وہ نئی صورت جلد یا کچھ عرصہ بعد ضرور پیش آتی اور اس کا آنا اتنا ہی یقینی تھا۔ جیسے دن کے بعد رات یا رات کے بعد دن کا آنا۔ وہ نئی صورت اس میں شک نہیں کہ جواہرات کی موجودہ منڈیوں کے لئے برباد کن ہے لیکن میں نے اس پر بہت عرصہ تک کافی غور کیا ہے۔ اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ اگر آپ لوگ متفقہ طور پر کوشش کریں تو البتہ اس مصیبت کا سدِ باب ہو سکتا ہے۔ لیکن کس طرح یہ میں ابھی عرض کروں گا"

وہ پھر چپ ہو گئے اور میز کے گرد بیٹھے ہوئے جوہریوں اور ماہرینِ جواہرات کے چہروں پر گھومتی ہوئی نظر ڈالی۔ صرف رائج گیر کا چہرہ ہر قسم کے اثرات سے خالی تھا۔

"حضرات" انہوں نے پھر تقریر کو شروع کیا۔ "آپ کو معلوم ہوگا کہ پچھلے سال میں گویا کہ جب سے جنوبی افریقہ میں ہیروں کی کانیں دریافت ہوئی ہیں تقریباً ۲۰۰ کروڑ ڈالر کی قیمت کے ہیرے نکالے جا چکے ہیں۔ اس کے علاوہ برازیل اور آسٹریلیا سے اندازاً اسی قدر ہیرے

نکالے گئے ہوں گے۔ میں نے جو یہ اعداد و شمار پیش کئے ہیں گو یہ ایک سرسری تخمینہ ہے۔ لیکن بہرکیف آپ کے اپنے ذہن میں رکھنے کے قابل ہے۔ یاد رکھئے گا کہ ۱۸۶۷ء سے اب تک ایک ارب اور کئی کروڑ ڈالر کے ہیرے دنیا کی منڈیوں میں آچکے ہیں۔ مگر اب اس سال دفعتاً ایک عجیب ذریعہ سے ہیروں کی پیداوار میں غیر معمولی ترقی ہوگئی ہے۔ اور اس وقت اس قدر اور ہیرے دنیا کے سامنے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ جتنے کہ ساٹھ سال کے طویل عرصہ میں مختلف جگہوں سے نکالے گئے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ یہ یقین ہے کہ ہیروں کی اتنی ہی مقدار بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ آیندہ سال پیش کی جا سکے گی۔ اور اسی طرح ہیروں کی پیداوار کا یہ نیا لیکن عجیب سلسلہ اسی رفتار سے لامحدود عرصہ تک بڑھتا جائے گا حتیٰ کہ دنیا میں اتنے ہیرے ہو جائیں گے جتنے ان کے پہننے والے نہیں ہیں کیونکہ میں نے ایک ایسا مقام پا لیا ہے۔ جہاں لاکھوں کروڑوں ہی نہیں بلکہ اربوں اور کھربوں سے بھی زیادہ تعداد میں نہایت بیش قیمت اور نایاب ہیرے موجود ہیں۔"

"کیا یہ سچ ہے؟" رائے صاحب نے عجیب جوش کے ساتھ پوچھا "اور کیا آپ مہربانی فرما کر بتا سکتے ہیں کہ وہ جگہ کہاں ہے۔"

مگر ناصر نے اس سوال کا جواب دینے کی پرواہ نہیں کی اور میز پر ذرا سا جھک کر نیم باز نگاہوں سے حاضرین کے چہروں کو دیکھنے لگے۔ بے اعتباری اور حیرت۔ حیرت اور بے اعتباری صرف یہی دو باتیں ان سب میں پائی جاتی تھیں۔ لیکن دو آدمی —— صرف دو آدمی اس مجمع میں ایسے تھے۔ جو اس کلیہ سے مستثنیٰ تھے۔ ایک چینا لال جس نے اپنی کرسی کو کچھ اس طرح پیچھے کھسکایا تھا۔ گویا ساری گفتگو فضول اور بے معنی سمجھ کر جانا چاہتا ہے۔ دوسرے راج گیر جس کے چہرہ کی واحد علامت اس کی پیشانی کا گہرا بل تھا۔

"محترم حضرات" مسٹر ناصر نے ان علامات کا مطلب سمجھتے ہوئے پُریقین لہجہ میں کہا۔ "آپ حضرات میں سے بعض معززین میری گفتگو کو لایعنی اور مجھے پاگل سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔" اتنا سنتے ہی چینا لال کا شبہ تو زائل ہوگیا اور وہ پھر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "لاانتہا ہیرے اتنے کہ آپ کے فہم و قیاس میں بھی نہ ہوں۔ اس وقت میرے پاس موجود ہیں۔ اور وہ سب اس طرح بوریوں میں بھرے ہوئے رکھے ہیں جیسے کنجڑے کی دوکان میں پیاز یا آلو۔"

مسٹر ہرکشن پہلے کھنکارے اور پھر بولے۔

"مسٹر ناصر آپ نے فرمایا تھا۔ کہ آپ اپنے ہر بیان کی فوراً تصدیق کرا سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں۔ آپ اپنے اس دعوےٰ کا کوئی ثبوت پیش کریں۔"

مسٹر ناصر پہلے مسکرائے اور پھر مجمع کو مخاطب کرکے کہا۔

"مسٹر ہرکشن کا سوال بے جا نہیں۔ مگر آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ میں اُن بوریوں کو ہر وقت ساتھ ساتھ لئے نہیں پھر سکتا۔ لیکن اس کے باوجود میں آپ کا اطمینان کرا سکتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں۔ رنگین ہیرے دنیا بھر میں سب سے زیادہ قیمتی اور نایاب تسلیم کئے گئے ہیں۔ پیازی نیلے۔ سبز ہیرے یہ ساری دنیا میں شاید گنتی کے چند ہوں گے۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو ملاحظہ فرمایئے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے گلابی رنگ کی ایک نہایت دلکش اور بہت چمکیلی چیز جس کا قطر پون انچ سے کم نہ ہوگا۔ راج گیر کی جانب جو خود ان کے روبرو میز کی دوسری جانب بیٹھے تھے لڑھکا دی۔

لڑھکنے سے لاتعداد کرنیں اس کے چاروں طرف سے خارج ہوئیں جن کو دیکھ کر مجمع کے ہر شخص نے راج گیر تک پہونچنے سے پہلے ہی معلوم کر لیا کہ وہ کیا ہے۔ فوراً ہی سب آدمی تڑپ کر اپنی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور راج گیر کے گرد جمع ہو کر اس شعلہ خیز ہیرے کو جو ان کی ہتھیلی پر رکھا ہوا چمک رہا تھا متحیر نظروں سے دیکھنے لگے۔

ایک لمحہ کے لئے اس کمرہ میں سکوتِ عظیم طاری ہوگیا۔ ہر شخص دم بخود ہوا ہیرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

بالآخر راج گیر کی آواز نے یہ سکوت توڑی۔

"بے شک یہ ایک نایاب رنگیں ہیرا ہے۔ اور اس کی کاٹ میں کوئی نقص نہیں۔"

"اور اس کی قیمت کم از کم تخمینہ کے مطابق پانچ لاکھ ڈالر ہوگی۔"

مسٹر ہزام داس نے تسلیم کیا۔

"اچھا اس کو بھی ملاحظہ فرمایئے۔"

یہ کہتے ہوئے مسٹر ناصر نے جو حاضرین کی حیرت و بدحواسی کو تبسم نظروں سے دیکھ رہے تھے ایک اور ویسی ہی چمکیلی چیز ان کی طرف ڈالدی جو موسم بسنت کے تازہ گیندے کے پھول کے مانند زرد جو پہلے گلابی ہیرے سے بھی کہیں زیادہ نظر فریب تھی۔

راج گیر نے حریصانہ انداز سے اس کو پکڑا اور انکی آنکھوں میں سانپ کی آنکھوں کی طرح ایک عجیب چمک پیدا ہوگئی۔ علاوہ بریں خفیہ اور ناقابل بیان جوش سے ان کے دانت بند تھے۔

(باقی آیندہ)

بیوی کی روح نے کہا۔

میں کبھی نہ مرتی

خاوند نے آسمان کی طرف دیکھ کر ایک ٹھنڈا سانس لیا اور کہا ہائے میں اکیلا رہ گیا۔ میری محبت کرنے والی بیوی کا انتقال ہو گیا اس کے ساتھ ہی تصور نے مرحوم بیوی کا مجسمہ اس کے سامنے لا کھڑا کیا۔ وہ غور سے اس خوبصورت مجسمہ کو دیکھنے لگا۔

یکایک مجسمہ میں حرکت ہوئی۔ اُس نے خاوند کی طرف مایوسانہ نگاہوں سے دیکھا اور کہا۔

میرے سرتاج!

اب کیا ہوتا ہے۔ خدا کے لئے نہ روئیے۔ آپ کے رونے سے میری روح بے چین ہو جاتی ہے۔ اگر آپ کو کچھ دن پہلے اپنی اس آنے والی بے چینی اور تنہائی کا یقین ہو جاتا تو سچ جانئے میں کبھی نہ مرتی لیکن اب آپ بھی مجبور ہیں اور میں بھی۔ کیا آپ کو وہ وقت یاد نہیں رہا جب میں کچھ بیمار تھی اور دن بدن بیماری میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا لیکن آپ نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ آخر کار بیماری بڑھ گئی۔ اور میرا دنیا سے علیحدہ ہونا ضروری ہو گیا۔

میں بے زبان تھی۔ حیا نے میری قوت گویائی پر مہر لگا رکھی تھی میں کیسے کہہ دیتی کہ مجھے سفید رطوبت کی بیماری ہے۔ شریف تھی اور شریف کے گھر پیدا ہوئی تھی۔ میری زبان پر اس حیا سوز بیماری کا ذکر اس دنیا میں کیسے آتا۔ لوگ مجھے بے شرم کہہ دیتے۔ آپ خود مجھے بے غیرت اور بے حیا سمجھتے۔

خاوند کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

روح نے کہا۔

میرے سرتاج! آپ کی یہ تنہائی آپ کو یاد دلائے گی کہ آپ نے ایک بے زبان کی صحت اور زندگی کا کچھ خیال نہ کیا۔ حالانکہ مختلف ذرائع سے آپ سمجھ چکے تھے کہ مجھے سفید رطوبت جاری رہنے کی بیماری ہو گئی ہے اور آپ کو یہ بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ اس بیماری سے تندرست کر دینے کے لئے دوا اُروک کی ایک شیشی مجھے کافی ہو جاتی لیکن افسوس ہے کہ آپ نے تین روپے کا لالچ کر کے ایک بے زبان کو زندہ درگور کر دیا۔ مجھے معلوم ہے اور اچھی طرح جانتی ہوں کہ بہت سی عورتوں نے میرے سامنے اُروک سے حیرت انگیز فائدہ حاصل کیا۔ اور سفید زردی مائل رطوبت کا آنا بند ہو گیا۔

اب کیا ہونا ہے پیارے۔ اگر یہ ٹھوکر آپ کو سمجھدار کر دے گی تو مجھے بے وقت موت کی قیمت مل جائے گی۔ اور میں سمجھوں گی کہ میں نے اپنی زندگی فروخت کر کے اپنے دل و جان کے واحد مالک کی آنکھیں کھول دیں۔ اور انہیں دنیا میں خوش رہنے کے قابل کر دیا۔ اتنا کہہ کر روح چلنے لگی خاوند تڑپا اور اس نے لپک کر روح کو اپنی آغوش میں لے لیا لیکن یہ اس کی نظری غلطی تھی مکان کا سفید اور چمکدار ستون اس کی آغوش میں آ گیا۔ حیرت و استعجاب میں اس نے چاروں طرف دیکھا تو قریب ہی اس کو ایک پرچہ پڑا ہوا ملا۔ جس پر حسب ذیل عبارت لکھی ہوئی تھی۔

ہزاروں عورتوں سے

اس بات کا ثبوت مل سکتا ہے کہ سیلان الرحم (یعنی سفید رطوبت خارج ہونے والی بیماری) کو دنیا بھر میں اگر کوئی دعوی کے ساتھ آرام کرنے والی دوا ہو سکتی ہے تو

وہ صرف ایک ہے

جس نے لاکھوں بے زبان عورتوں کو تندرست کر دیا۔ وہ دوا **اُروک** ہے۔ یاد رکھئے اگر کوئی عورت اس بیماری میں پھنس گئی اور سفید رطوبت خارج ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے اس کی طبیعت اداس اور ہر مہینہ خاص دنوں میں درد ہوتا ہو تو آپ ہندوستان کے سینکڑوں حکیموں اور ڈاکٹروں کے مشورہ اور سفارش سے فائدہ اٹھائیے۔ ڈاکٹروں کا بیان ہے کہ سیلان الرحم کا حقیقی علاج جو صرف ایک ہفتہ میں آرام کر دے گا یہی دوا **اُروک** ہے لیں ایسی عورت کو ایک شیشی دوا **اُروک** استعمال کرا دی جائے۔ سفید پانی خارج ہونا بند ہو جائے گا۔ آج ہی ایک خط **لیڈی منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۳۴ دہلی** کے پتہ پر لکھ کر یہ دوا بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے۔ ایک شیشی کی قیمت تین روپے ہے اور سات آنے اس دوا پر محصول ڈاک لگتا ہے۔

عورت مہینہ میں ایک دفعہ روتی ہے

کیوں روتی ہے؟

آپکی صاحبزادی کشیدہ کا کام جانتی ہیں

جرمنی میں کشیدہ کاری کی مشین تیار ہوگئی

اولاد پیدا کرنے کی ترکیب

بعض عورتیں محض اس لئے شوہر کی نظر سے اتر جاتی ہیں کہ وہ اولاد پیدا نہیں کر سکتیں۔ شوہر کو اولاد کی تمنا ہوتی ہے اس لئے وہ کچھ عرصہ انتظار کرنے کے بعد دوسری بیوی کا ارادہ کرتا ہے اور جب دوسری عورت گھر میں آجاتی ہے تو پہلی بیوی کی مٹی جس طرح پلید ہوتی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہم آئے دن اپنی آنکھوں سے ایسے واقعات دیکھتے رہتے ہیں کہ اگر کسی عورت کی شادی کو زیادہ عرصہ گزر گیا اور اولاد پیدا نہ ہو سکی تو شوہر صاحب فوراً ہی نمبر ۲ کا انتظام شروع کر دیتے ہیں حالانکہ وہ اگر چاہتے تو پہلی ہی بیوی سے اولاد ہو سکتی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میاں بیوی کی کسی معمولی خرابی کے باعث حمل نہیں ٹھہرتا اور بعض دفعہ تو ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ میاں بیوی تندرست ہیں شادی کو کافی زمانہ گزر چکا ہے مگر حمل نہیں ٹھہرا اور شوہر بیوی سے بددل ہو گیا۔ ان حالات میں یہ خبر ہندوستانی عورتوں کیلئے خوشی کا باعث ہوگی کہ ہم اپنی دس سال کی کوشش کے بعد ایک ایسا مرکب بنا لینے میں کامیاب ہو گئے ہیں جو عورتوں کی اس ضرورت کو حیرت انگیز طریقہ پر پورا کر دیتا ہے، یہ سائنس کی تازہ ترین دریافت ہے جو ایک مکمل دوا کی صورت میں تیار ہوئی ہے۔ گزشتہ کئی سال سے اس دوا کا کامیاب تجربہ ہو رہا ہے اور آپکو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ اس تجربہ کے زمانہ میں بھی سینکڑوں عورتیں جن کے ہاں برسوں سے اولاد نہ ہوئی تھی اولاد ہونے لگی اور اب ان کی گود میں بچے کھیل رہے ہیں اس دوا کا نام محافظ اولاد ہے یہ مسلسل سات دن تک عورت کو کھلائی جاتی ہے اور ان سات دن میں وہ مرد سے بالکل علیحدہ رہتی ہے۔ ٹھیک آٹھویں رات اس پرہیز کو توڑ کر عورت ...... کے پاس جاتی ہے تو اسی رات حمل رہ جاتا ہے — یہ اتنا شاندار تجربہ ہوا ہے اور ایسی عجیب ترکیب ایجاد ہے کہ جس پر ہم اور ہمارا دواخانہ جتنا بھی فخر کرے تھوڑا ہے۔ اور امید ہے کہ ہم یہ دوا بہت جلد کسی بین الاقوامی مقابلہ میں رکھ کر دنیا کو ثابت کر دیں گے کہ حمل قائم کرنے کے لئے یہ دوا دنیا بھر میں سب سے زیادہ کامیاب ہے کیونکہ اس دوا کی بدولت آج سینکڑوں عورتوں کی گود میں ننھے بچے کھیل رہے ہیں۔ ایسی عورتوں کی گود میں جن کی شادیوں کو کافی عرصہ گزر چکا تھا اور وہ اولاد سے بالکل ہی مایوس ہو چکی تھیں مگر خدا نے اس دوا کی بدولت انکی مردہ امیدوں میں جان ڈال دی اور ان کی برسوں کی پوشیدہ تمنائیں ان کی گود میں کھیلنے لگیں اس لئے ہم ایسی بے اولاد عورتوں کو عام دعوت دیتے ہیں جن کی شادیوں کو عرصہ ہو چکا ہو اور حمل نہ ٹھہرتا ہو ان کو چاہئے کہ **لیڈی منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ بکس ۲۴ دہلی** کے پتہ پر خط لکھ کر دوا "محافظ اولاد" کی ایک شیشی بذریعہ وی پی پارسل منگا لیں۔ ایک شیشی کی قیمت دو روپے آٹھ آنے دی گئی ہے۔ پارسل پر سات آنے خرچ ہوتے ہیں۔

نیازمند

لیڈی منیجر

ادبی شہ پارے

اے مادر وطن:۔

تیرے معصوم بچے ندامت کی عمیق ترین گہرائیوں میں پیوست ہوتے جارہے ہیں۔ نوجوانوں کے خون سے گلرنگ اور لالہ زار بن رہی ہے ان کے فراخ سینوں سے خون کے فوارے نکل کر تیری تشنگی کو بجھا رہے ہیں۔ دنیا ان پر تنگ کر دی گئی ہے خون کشتوں اور صدچاک سینوں کو پھٹے پرانے کپڑوں میں چھپائے ہوئے سراسیمگی اور ہراس کے عالم میں وہ تیرے مرکز میں جمع ہورہے ہیں۔ وہ تیرے تحفظ کی خاطر میدان کارزار میں توپوں کے آتشیں گولوں اور گولیوں کی باڑوں سنگینوں تیروں اور تفنگوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے ہیں۔ دشمن کے وار سینہ پر لے رہے ہیں۔ لیکن انہیں آگے بڑھنے نہیں دیتے۔

اے مادر وطن:۔

تو ہم سے ناراض ہوکر ہمیں یتیم کرکے کن آرزوؤں کے تعاقب میں جارہی ہے۔

اے مادر وطن:۔

سن ان نالوں۔ فریادوں اور آہوں کو سن جو ہمارے قلوب کی پہنائیوں سے نکل کر چرخ کج رفتار سے ٹکرا رہی ہیں۔ کیا تیرے دل پر ان یتیم بچوں۔ بیوہ عورتوں۔ اور حرمان نصیب ماؤں کے نالے شیون اور فریادیں کچھ اثر نہیں کرتیں۔ جن کے باپ شوہر اور جوان سال بچے تیری عزت و ناموس پر پروانہ وار قربان ہوگئے کیا تو یہ سمجھتی ہے کہ اغیار تیری محافظت۔ عزت اور توقیر ہم سے بڑھ کر کریں گے۔ اگر تیرا یہ خیال ہے تو بالکل غلط ہے۔ ترک تیرے لئے زندہ رہتا ہے۔ اور تیرے لئے مرتا ہے۔ اس کی بدولت حشمت عزت اور جان سب تیرے لئے ہے۔

اے مادر وطن:۔

تو نہیں جانتی تیری خاک میں کتنے مجاہدوں کا خون دلہنوں کا سہاگ۔ ماؤں کے لال اور بوڑھے باپوں کے نور نظر مل چکے ہیں۔ تیری خاک پر لاکھوں مجاہدوں کی ہڈیاں بکھری ہوئی ہیں۔ ان مجاہدوں کی آنکھیں جس نے تیری قربان گاہ پر اپنی جانیں بھینٹ چڑھا دیں ان مقدس شہیدوں کی روحیں تیری زبوں حالی پر بے قرار ہیں۔ وہ تجھے خوشحال۔ فارغ البال اور آزاد دیکھنا چاہتی ہیں۔

اے مادر وطن:۔

اگر تو ہمیں ذلیل ہی کرنا چاہتی ہے۔ تو بہتر ہے۔ کہ تو ہمیں ہماری آرزوؤں سمیت اپنی وسعتوں میں جذب کرلے۔ دیکھ بچے بوڑھے۔ جوان مرد۔ عورتیں سب کے سب تیری آزادی کے لئے میدان میں ایک غیر متزلزل ارادے اور غیر فانی عزم کو اپنے قلوب میں جگہ دئے ہوئے جمع ہورہے ہیں وہ تخت یا تختہ حاصل کرنے کے لئے میدان میں نکلے ہیں۔

اے کمال۔ مدحت۔ سلیم۔ انور۔ نیازی اور رؤف ماہاں۔ ہم نے عزم کرلیا ہے کہ دشمنوں کے ناپاک۔ نجس۔ اور نامسعود وجود سے تیری زمین کو پاک کردیں۔ تیری عزت کو چار چاند لگادیں اور تیرے ناموس کا علم دشمن کے سینہ پر گاڑ دیں۔

(خالدہ ادیب خانم)

میں نے مشرق میں کیا دیکھا:۔

عریاں تن فاقہ کش۔ اور زرد رو انسان!

جن کے بچوں کا خون غازہ قصر سرمایہ داری ہے۔ میں نے بے مجر اور ناقابل عبور صحرا اور پہاڑ دیکھے۔ جنگل اور ویرانے دیکھے۔

میں نے اس وسیع وعریض براعظم میں جسے "ایشیا" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ایسے لوگ دیکھے جو انسانی ہمدردی کے نام پر انسانوں کا خون چوستے ہیں۔ جن کے نزدیک انسانی کھوپریاں فٹ بال سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔

غلامستان مشرق میں میری نظروں نے کیا کچھ نہیں دیکھا۔ سب کچھ دیکھا۔ مزدوروں اور کسانوں کی ہڈیوں پر انسانیت کشی کے لئے مذبح خانے تعمیر ہوتے دیکھے۔ جمہوریت کی گود میں ملوکیت کے خونخوار دیو پرورش پاتے دیکھے۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر غلاموں کے قلوب میں احساس آزادی پیدا ہوتے دیکھا۔

(ضیا عاکف ترکی شاعر)

چُنی ہُوئی کلیاں

(از مولوی الیاس احمد "مصنف")

کمسنی

بات کرنی تک تمہیں آتی نہ تھی — داغ — یہ ہمارے سامنے کی بات ہے
وہ کم سن ہیں انہیں مشقِ ستم کو چاہئے مدت — عاشق — ابھی تو نام سنکر خنجر و پیکاں کا ڈرتے ہیں
باغباں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی — داغ — بھیجنا ہے ایک کمسن کے لئے
جوانی کے دامن سے لپٹا ہوا ہے — ریاض — نہ اب تک گیا ہائے بچپن کسی کا
یہ رنگ گلاب کی کلی کا — جلیل — نقشہ ہے کسی کی کمسنی کا

شباب

شباب آیا ہے پیدا رنگ ہے رخسار جاناں پر — چکبست — فروغِ حسن کہتا ہے سحر ہوتی ہے گلشن میں
ہر ادا مستانہ سر سے پانوں تک چھائی ہوئی — اف تری ظالم جوانی جوش پر آئی ہوئی
چھلکائیں لاؤ بھر کے گلابی شراب کی — ریاض — تصویر کھینچیں آج تمہارے شباب کی
جھومتا آج مستِ شباب آتا ہے — جلیل — کوئی دیکھے تو کہے پی کے شراب آتا ہے
صورت نظر میں ہے کسی مست شباب کی — افق — ملتی ہے بے پئے مجھے لذت خراب کی
قدم ڈگمگائے نظر بہکی بہکی — جگر — جوانی کا عالم ہے سرشاریاں ہیں

آخر شباب

ڈھلا ہے حسن لیکن رنگ ہے رخسارِ جاناں پر — ابھی باقی ہے کچھ کچھ دھوپ دیوارِ گلستاں پر

عالم وہی ہے سن سے اتر کر بھی یار کا امیر جوبن خزاں نے لوٹ لیا ہے بہار کا

بچپن، شباب، اور آخر شباب کے متعلق اشعار سن چکے، اب وہ اشعار ملاحظہ ہوں جن میں معشوق کی تعریف کی گئی ہے۔

یارب آں شمع شب افروز زکاشانہ کیست حافظ جان ما سوخت وپرسید کہ جانانہ کیست

فغاں کیں لولیان شوخ شیریں کار شہر آشوب ولہ چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغمارا

شاہد آں نیست کہ موے و میانے دارد ولہ بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

یوسفی ودل عالم چو زلیخا داری

از کجا در روزگار من فتاد چوں تو سنگیں دل بلاے کافری

آں صلح فراموشے آں عربدہ انگیزے اقبال آں پردہ نشیں شوخے آں شوخ کم آمیزے

کیا جانئے کس نے تجھے محبوب بنایا عیش پر جس نے بنایا سو بہت خوب بنایا

عدوئے جاں بت بے باک نکلا صبا بڑا قاتل بڑا سفاک نکلا

مظہر جان جاناں

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

سودا اترا جو حال ہے اتنا تو نہیں وہ سودا کیا جانئے تو نے اسے کس آن میں دیکھا

دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا میر اثر دشمنی پر تو پیار آتا ہے

بے مروت بے وفا بے داد گر تمنا نام کیا کیا آپ نے پیدا کیا

نسبت مجھے آہ تجھ سے کیا ہے اثر بندہ بندہ خدا خدا ہے

دل بھلا ایسے کو اے درد نہ دیجئے کیونکر درد ایک تو یار ہے اور تسپہ طرحدار بھی ہے

کچھ ایسی بن گئی تصویر اس کے دست قدرت سے راقم رہا حیراں بنا کر آپ صورت آفریں برسوں

عجب عالم ہے اس کا وضع سادی شکل بھولی ہے امیر کبھی جاتی ہے دل میں کیا رسیلی نرم بولی ہے

انجم ابن واجد علی شاہ

یہ صورت اور بھولی بھولی باتیں تمہیں بتلاؤ پیار آئے نہ آئے

البانیہ کا افسانہ

۱۹۲۱ء میں :- البانین پارلیمنٹ کا ممبر ۱۹۲۲ء میں :- ملک سے بھاگ گیا ۱۹۲۵ء میں :- صدر البانیہ بن کر آیا
۱۹۲۸ء میں :- کنگ البانیہ بنا ۱۹۳۹ء میں :- بھاگ کر یونان چلا گیا

البانیہ پر اٹلی کے حملہ نے اسے ایک دم دنیا کی نظروں میں اہمیت دیدی ہے۔ دراصل یہ ملک جتنا چھوٹا ہے۔ اتنی چھوٹی ہی اس کی تواریخ ہے اس ننھے سے ملک کا وجود صرف ۱۹۱۲ء میں عمل میں لایا گیا۔ اتفاق سے یورپ بھر میں صرف یہی ایک ملک ہے۔ جہاں کا حکمراں مسلمان ہے۔ جنگ بلقان کے نتیجہ کے طور پر اس ملک کا وجود عمل میں لایا گیا لیکن جنگ عظیم میں اس ملک کا کوئی نام و نشان نہیں تھا کیونکہ ان دنوں اس علاقے میں آسٹریا اور ہنگری کی افواج قیام پذیر تھی۔ جنگ کے بعد پریذیڈنٹ ولسن کی سرتوڑ کوشش سے یہ ملک بچ سکا ورنہ یہ تجویز پیش نظر تھی۔ کہ اس علاقے کو تین حصوں میں تقسیم کرکے تین ہمسایہ حکومتوں کے حوالے کردیا جائے۔ لیکن پریذیڈنٹ ولسن نے اس تجویز کی شدید مخالفت کی۔

پہلی پارلیمنٹ ۱۹۲۱ء میں جب اس ملک کی پہلی پارلیمنٹ منتخب ہوئی تو زوگ کی شخصیت سب سے نمایاں تھی لیکن بعد میں اسے اپنی جان بچانے کے لئے یوگوسلاویہ کی طرف بھاگنا پڑا۔ جہاں سے ۱۹۲۵ء میں واپس آیا۔ اور البانیہ کا پریذیڈنٹ چنا گیا۔ ازاں بعد ۱۹۲۸ء میں یہ شاہ زوگ بن گیا۔ تب سے اس نے اپنے ملک پر نہایت مستعدی سے حکومت کی ہے۔ اس ملک کے لوگ نہایت جاہل اور موجودہ تہذیب سے تقریباً بے بہرہ ہیں ہندوستان کے سرحدی قبائل کی طرح وہ لوگ مختلف قبیلوں کی شکل میں رہتے ہیں تقریباً ہر ایک کی زبان علیحدہ علیحدہ ہے۔ یہ لوگ نہایت خونخوار ہیں۔ لیکن زوگ نے ان میں امن و شانتی کی سپرٹ پیدا کرنے کے لئے پرانے فیوڈل سسٹم کو توڑا اور ملک میں تجارتی اور صنعتی ترقی کرنے کی کوشش کی۔

اٹلی کا قرضدار ملک کے افلاس کے باعث شاہ زوگ کو اپنے ملک کی ترقی کے لئے ہمسایوں کا دست نگر ہونا پڑا۔ یوگوسلاویہ اور یونان کو البانیہ سے اس لئے دلچسپی ہے۔ کیونکہ وہاں ان ملکوں کے باشندوں کی اقلیت رہتی ہے اور اٹلی کو اس لئے دلچسپی ہے کہ وہ اسے مکمل طور پر اپنے زیر اثر رکھ کر بحیرہ ایڈریاٹک کو ایک اطالوی جھیل کی شکل میں منتقل کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ یوگوسلاویہ کی امداد سے ہی زوگ البانیہ کا پریذیڈنٹ بنا تھا لیکن اس کے بعد سے یہ اٹلی کے ہتھے ہی چڑھ گیا کیونکہ اٹلی بہت جلد اس کی امداد کرنے کو تیار ہوجاتا تھا۔ اٹلی کی مدد سے ہی یہ بادشاہ بن بیٹھا۔ اٹلی نے اسے بہت سا قرضہ دیا اور اطالوی دولت کے ساتھ ہی ساتھ اطالوی افسر فوجی تاجر انجینیر اور ڈاکٹر بھی البانیہ میں داخل ہونے شروع ہوگئے۔ ایک اطالوی کمپنی نے ہی وہاں کی سڑکوں بندرگاہوں کی تعمیر اور دیگر پبلک ورکس کا ٹھیکہ لے لیا۔

اٹلی کے زیر اثر [illegible] اطالوی افسروں نے البانیہ کی فوج کو نئے سرے سے مرتب کیا اٹلی کو تیل حاصل کرنے کے متعلق بھی رعایت دی گئی ۱۹۳۶ء میں ایک معاہدہ کی رو سے البانیہ کی اقتصادی ترقی کے نام پر اٹلی کو اتنی زیادہ آزادی اور رعایات عطا کی گئیں۔ کہ دوسرے الفاظ میں [illegible] ایک اطالوی Protectorate میں منتقل ہوگیا۔ قدرتی طور پر یوگوسلاویہ کو یہ بات بہت بری لگی چنانچہ یوگوسلاویہ کی طرف سے کسی حملہ کے خطرے کے مدنظر [illegible] اٹلی اور البانیہ کے درمیان ایک فوجی معاہدہ ہوگیا اور اب مکمل طور پر البانیہ اٹلی کا دست نگر ہوگیا لیکن شاہ زوگ مسولینی کے ہاتھ کا کھلونا بننے کو تیار نہیں تھا۔ وہ دراصل بہت چالاک تھا اس کا مقصد تمام ہمسایوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کر ان سے اپنے ملک کے لئے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا تھا۔ بعد ازاں جب دنیا میں مندے کی لہر آئی۔ اور ساتھ ہی ابی سینیا کی فتح کیلئے اٹلی کو زبردست مصارف کا زیر بار ہونا پڑا۔ اس لئے البانیہ کی طرف روپیہ کی روانی کو قائم رکھنا مشکل ہوگیا۔ تو شاہ زوگ نے پھر یوگوسلاویہ سے رابطہ بڑھانا شروع کردیا۔ اٹلی بھلا اس بات کو برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن اس نے کمال چالاکی سے ظاہرا طور پر کوئی ناراضگی ظاہر نہ کی۔ بلکہ دوستی کا اظہار کرنے کیلئے تھوڑا بہت قرضہ بھی عطا کرتا رہا۔ لیکن رفتہ رفتہ اٹلی اور البانیہ کے تعلقات کم دوستانہ ہونے لگے۔ اور آخرکار وہ آپس میں تن گئے۔

تازہ ترین صورت حالات کے متعلق یہ کہنا بھی ٹھیک ہوسکتا ہے، چونکہ اب مسولینی جنگ حبش سے آزاد ہوگیا ہے اس لئے اب البانیہ کے ساتھ نپٹنے کے لئے اسے موقعہ مل گیا ہے اور یہ بھی ممکن ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اٹلی اور جرمنی کی جارحانہ کارروائیوں کو روکنے کیلئے برطانیہ اور فرانس متحدہ اقوام کا ایک بلقانی محاذ قائم کرنے کی کوشش [illegible] کا جواب دینے یوگوسلاویہ [illegible] کہ وہ بھی اس محاذ میں شامل ہونے کا خواہشمند ہو۔ چنانچہ اب اٹلی نے البانیہ پر حملہ کرکے بحیرہ ایڈریاٹک میں [illegible] کو فوقیت حاصل کرلی ہے۔ یہی نہیں بلکہ یوگوسلاویہ، یونان اور ان دیگر بلقانی حکومتوں کے لئے زبردست خطرہ پیدا کردیا ہے جو برطانیہ کے محاذ میں شامل ہونا چاہتی ہیں کیونکہ

قیمت سالانہ
ہندوستان۔ عدن۔ سیلون سے ایک روپیہ صوبہ برما سے سالانہ ایک روپیہ چار آنہ

فہرست مضامین ماہ جون سنہ ۱۹۳۹ء

قیمت سالانہ
افریقہ وغیرہ غیر ممالک سے چار شلنگ۔ بذریعہ پوسٹل آرڈر

جلد ۹ | ایڈیٹر:۔ عبداللہ فاروقی | نمبر ۷

رسالہ محشر خیال کا انقلابی کارنامہ

خوش رنگ و خوش جمال حسینوں کی دلکش کہانیاں

ایک روپیہ میں محشر خیال کے تین شاندار و ضخیم نمبر

پڑھیے اور حیرت کیجئے کہ آپ ایک روپیہ خرچ کرکے کتنا فائدہ اُٹھا رہے ہیں

سالنامہ محشر خیال ۱۹۳۹ء

اس نمبر میں کیسے مضامین ہیں بہت شوخ اور دلچسپ افسانے وغیرہ سیاسی و ادبی جدید نظمیں۔ بہت سی تصویریں ٹائیٹل آرٹ کا بہترین نمونہ ضخامت اسی سائز کے ڈیڑھ سو صفحات۔

افسانہ نمبر ۱۹۳۹ء

یہ نمبر اپنے البیلے انداز کے ساتھ شائع ہوا ہے اس کا ٹائیٹل تین رنگ کا ہے جسمیں آرٹسٹ نے عجیب و غریب گلکاریاں کی ہیں گویا مختلف رنگوں نے پھولوں کی پچ رنگی چادریں بچھادی ہیں —— پھر سونے پر سہاگہ یہ کہ ایک ایک افسانہ عورت مرد کے جذبات کا آئینہ، ہر غزل کیف و سرور میں ڈوبی ہوئی۔ افسانوں محبت بھی ہے نفرت بھی اور پھر یہ افسانے بلندپایہ ادیبوں کے زور قلم کا نتیجہ جن کے حصول میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے اس نمبر کی ضخامت ایک سو دو صفحے ہیں اور آرٹ پیپر پر دنیا کی حسین عورتوں کی تصاویر بھی منقسم انداز میں آپ کے دل و دماغ کو توجہ کا مرکز بنائیں گی۔

ترکی نمبر

یہ نمبر دنیائے ادب کا وہ نمونہ ہوگا جس کی مثال شاید ہی مل سکے ترکی کی ابتدائی حالت انقلابی ترکوں کے دلوں کو گرما دینے والے واقعات اور سچے افسانے اس نمبر میں شائع ہوں گے۔ غرضکہ اس نمبر میں ترکی کے ابتدائی حالات سے لے کر موجودہ وقت تک کے حالات شائع ہوں گے۔ اس نمبر کے لیے ترکی زبان کی کتابوں سے ترجمہ کیا جا رہا ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے ترکی مارشل ازم کا ایک بہترین نمونہ ہوگا۔ ترکی قوم کیا تھی۔ کیونکر ترقی کی، ترک قوم کی فوجی تعلیم اور سطح نظر۔ غرضیکہ آزاد ترکی کے وہ حالات جو آج تک آپ کے کانوں تک نہیں پہونچے۔ محشر خیال کے ترکی نمبر کے ذریعہ آپ تک پہونچ جائیں گے۔ اور جا بجا تصاویر بھی شان دکھا رہی ہوں گی۔ ٹائیٹل خاص طور پر بنوایا گیا ہے۔ یہ نمبر دو ماہ بعد شائع ہوگا۔

یہ تینوں شاندار نمبر آپ کو مفت ملیں گے

اگر آپ آج ہی ایک روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیجکر محشر خیال کی سالانہ خریداری قبول فرمالیں تو آپ کے نام فروری ۱۹۳۹ء سے پرچہ جاری کردیا جائے گا جس میں فروری مارچ ۳۹ء کے پرچے کے علاوہ مذکورہ تینوں خاص نمبر بھی بھیجے جائیں گے اور آئندہ ہر مہینہ آپ کو پرچہ ٹھیک پندرہ تاریخ کو پہونچتا رہے گا جو ایک سال تک جاری رہے گا۔

اگر آپ نے خریداری میں دیر کی تو یہ تینوں نمبر ملنے کے ہم ذمہ دار نہ ہوں گے کیونکہ جس تیزی کے ساتھ ان نمبروں کی مانگ ہو رہی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ نمبر جلد سے جلد ختم ہو جائیں گے اور آپ کو فقط ترکی نمبر ملے گا ایک روپیہ جیسی حقیر رقم خرچ کرنے کے بعد آپ دل و دماغ کی تفریح اور معلومات کا ایک ایسا ذخیرہ فراہم کرلیں گے جو شاید آپ کو ایک سو روپے کی کتابیں خریدنے کے بعد بھی مہیا نہ ہوسکے۔ خریداری کی درخواست معہ ایک روپیہ منی آرڈر مندرجہ ذیل پتہ پر بھیجئے

مینجر رسالہ محشر خیال اردو بازار دہلی

خیالات

(از ادارہ)

دُول اسلامیہ اور آیندہ جنگ

یورپ میں جو جنگی بادل چھائے ہوئے ہیں یقینی بات ہے کہ ان سے ممالک اسلامیہ اپنی خاص پوزیشن کی وجہ سے علیحدہ نہیں رہ سکتے کسی آیندہ جنگ میں تمام ممالک اسلامیہ کا کسی نہ کسی طرف شامل ہونا ضروری ہوجاتا ہے۔ چنانچہ دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں عرصہ سے ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کررہی ہیں۔ ٹرکی کو چونکہ ممالک اسلامیہ میں ایک اہم پوزیشن حاصل ہے۔ اس لئے اٹلی اور جرمنی نے ایک طرف اور برطانیہ اور فرانس نے دوسری طرف بہت پیشتر سے یہ کوشش شروع کردی تھی کہ ٹرکی کو کسی طرح اپنی طرف بلالیا جائے۔ چنانچہ ہٹلر نے ہرفان پیپن کو جو جرمنی کے اہم ترین مدبرین میں سے ہے۔ انگورہ میں جرمنی کا سفیر بنا کر بھیجا تاکہ پیپن کی مدبرانہ چالوں سے ٹرکی آیندہ جنگ میں جرمنی کا ساتھ دے یا اگر جرمنی کا ساتھ نہ دے سکے تو غیر جانبدار رہے۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر شاخٹ (جرمنی وزیر اقتصادیات) کو ٹرکی اس لئے بھیجا گیا تاکہ اس کے ذریعہ جرمنی اور ٹرکی میں کوئی اقتصادی معاہدہ ہوجائے۔ دوسری طرف برطانیہ اور فرانس نے ٹرکی کو جیتنے کی کوشش شروع کی۔

ٹرکی جرمنی اور اٹلی کے ارادوں اور چالوں سے واقف تھا۔ اس نے جرمنی کے ساتھ ملنے سے انکار کردیا۔ اور برطانیہ سے معاہدہ کرلیا۔ فرانس اور ترکی میں بھی اس قسم کا ایک معاہدہ ہونے کے لئے گفت و شنید جاری ہے۔ ولایتی خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں معاہدے بہت جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں گے۔

ظاہر تھا کہ ٹرکی کے ان معاہدوں سے تمام اسلامی ممالک پر زبردست اثر پڑتا۔ اس لئے کہ ٹرکی ان سب کی قیادت کررہا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں ایران، افغانستان، عراق اور ٹرکی کے نمائندوں کی کانفرنس ہوئی اور ان سب نے وعدہ کیا کہ آیندہ جنگ میں وہ سب متحدہ طور پر لڑینگے اس کے بعد افغانستان سے سرکاری طور پر ایک بیان شائع ہوا جس میں افغانستان اور ٹرکی کی دوستی کا اعادہ کیا گیا اور افغانستان نے آیندہ جنگ میں ٹرکی کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔

ان تمام واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدتوں سے عالم اسلام میں جو جمود طاری تھا وہ اب ختم ہوگیا ہے۔ اور تمام دنیا کے مسلمان اب فلاح صرف اتحاد میں سمجھتے ہیں۔ اگر یہ اتحاد قائم رہا تو اسلامی ممالک اپنا کھویا ہوا وقار بہت جلد حاصل کرلیں گے۔ اور یورپ کے درندے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکیں گے۔

روس سے معاہدہ میں دیر

خلاف امید اب تک برطانیہ۔ فرانس اور روس میں کوئی معاہدہ نہیں ہوسکا۔ اس تاخیر کی ذمہ داری زیادہ تر برطانیہ اور فرانس کے مدبرین پر عائد ہوتی ہے۔ جو اب تک اس کے نکتہ نگاہ کو نہیں سمجھ سکے۔ اصل بات یہ ہے کہ گزشتہ ستمبر اور اس کے بعد برطانیہ اور فرانس نے جس طرح روس کو یورپ کی سیاست سے نکالنے کی کوشش کی اس کی وجہ سے روس ان دونوں ممالک کے مدبرین کے وعدوں کو شبہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ مسٹر چیمبر لین وزیر اعظم برطانیہ اب روس کے دوست نہیں بن گئے۔ بلکہ ان کے ملک نے ان کو مجبور کیا ہے کہ وہ روس سے معاہدہ کریں۔ اب جب کہ برطانیہ پر مصیبت آئی ہے۔ تو روس کیوں نہ گزشتہ ستمبر اور اس کے مابعد کے طرز عمل کا بدلہ لے روس برطانیہ کو اچھی طرح سے معاہدہ میں باندھنا چاہتا ہے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ وقت پر برطانیہ پشت دکھا جائے۔ چنانچہ روس تمام برطانیہ سے ہر قسم کی ضمانت لینا چاہتا ہے۔ اور برطانیہ تمام ضمانتیں دینے سے تامل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک کوئی معاہدہ نہیں ہوسکا۔ لیکن واقعات تیز رفتاری کے ساتھ بڑھ رہے ہیں۔ اٹلی اور جرمنی میں فوجی معاہدہ ہوگیا ہے۔ اور اس کی بعض دفعات معلوم ہوا ہے شائع نہیں کی گئیں۔ برطانیہ اور فرانس کو گھبراہٹ ہے۔ اس لئے برطانیہ کو مجبوراً روس کی پیش کردہ شرطوں کے آگے جھکنا پڑے گا چنانچہ برطانیہ کا ایک نمائندہ خاص طور پر ماسکو بھیجا جارہا ہے تاکہ زبانی گفت و شنید کے ذریعہ تمام رکاوٹوں کو دور کرکے جلد ہی معاہدہ کی تکمیل ہوسکے نہیں کہا جاسکتا کہ کب تک یہ معاہدہ مکمل ہوگا۔ اور ہمیں تو یہ بھی کچھ شبہ ہے کہ معاہدہ ہوگا بھی یا نہیں۔

جنوبی افریقہ کے بدقسمت ہندوستانی

برٹش ایمپائر میں ہندوستانی باشندوں کے ساتھ جو انسانیت سوز

سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال جنوبی افریقہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ جہاں کی حکومت نے حال ہی میں ایک قانون کے ذریعہ سے ہندوستانیوں کو اچھوتوں کا درجہ دیدیا ہے۔ ان کی تجارت، آمد و رفت اور رہائش پر بے شمار پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔ تمام ہندوستانیوں نے اس قانون کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا۔ لیکن حکومت ہند نے ابھی تک کوئی قابل اطمینان کارروائی نہیں کی۔

جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کا مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے ۱۹۱۱ء میں سب سے پہلے گاندھی جی نے حکومت کے رویہ کے خلاف ستیہ گرہ کیا۔ بہت سے ہندوستانی اور خود گاندھی جی جیل گئے۔ لیکن بعد میں جنگ عظیم کی وجہ سے گاندھی جی کو رہا کر دیا گیا۔ جنرل سمٹس اور گاندھی جی میں معاہدہ ہوا۔ لیکن اس معاہدہ کو کبھی حکومت جنوبی افریقہ نے عملی جامہ نہیں پہنایا اور ہندوستانیوں کے خلاف امتیازی سلوک جاری رکھا۔ ہندوستان نے پھر احتجاج کیا۔ جس کے نتیجہ کے طور پر کیپ ٹاؤن کا معاہدہ ہوا۔ لیکن جنوبی افریقہ نے اس معاہدہ کو بھی ردی کی ٹوکری میں ڈالدیا۔ اور حالیہ قانون اس معاہدہ کی سراسر خلاف ورزی ہے۔ جنوبی افریقہ کی حکومت نے ہمیشہ وعدہ کئے اور پھر فوراً ہی توڑ دئے۔ اور یہ صرف اس وجہ سے کہ ہندوستان آزاد نہیں اور اپنے سمندر پار کے رہنے والے بھائیوں کی کوئی حفاظت نہیں کر سکتا۔

فتحپوری مسلم ہائی اسکول کی ہڑتال

گزشتہ چند دنوں سے فتحپوری ہائی سکول دہلی میں طلبا نے جو ہڑتال کر رکھی تھی وہ دہلی پروانس سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر مسٹر مقیم الدین فاروقی کے درمیان میں پڑنے کی وجہ سے بند ہو گئی ہے۔ اور سکول کی منیجنگ کمیٹی نے صدر موصوف کو اختیار دیدیا ہے کہ وہ تمام شکایات کی تحقیقات کریں اور اگر ان کی تحقیقات میں کوئی بات ایسی معلوم ہو۔ جو سکول کے مفاد کے خلاف ہو رہی تھی تو اس کی اصلاح کی جائے گی۔ ہڑتالی طلبا کی جماعت نے مسٹر فاروقی کو اپنا ثالث مقرر کر لیا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کے فیصلہ کو تسلیم کریں گے۔

فتح پوری سکول کی ہڑتال کی ... ی اور سب سے بڑی وجہ دو اساتذہ کی برطرفی اور ان کی ہمدردی میں چار مزید اساتذہ کے استعفے اور منیجنگ کمیٹی کی طرف سے ان کی منظوری تھی۔ چند اور وجوہات بھی ہڑتال کی ذمہ دار ہیں۔ لیکن ان کا بیان کرنا کچھ ضروری نہیں ہے۔

چونکہ اس معاہدہ کی تحقیقات شروع ہو گئی ہے۔ اس لئے ہم اس وقت کوئی خاص ملے زنی کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ تحقیقاتی رپورٹ کے شائع ہونے سے پیشتر جانبین سے کوئی ایسی بات نہیں ہوگی جو معاملہ کو زیادہ پیچیدہ بنا دے۔ اور جس سے تحقیقات کا مقصد فوت ہو جائے۔

فارورڈ بلاک اور مسلمان

پٹنہ پولیٹیکل کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر سبھاش چندر بوس نے فرمایا کہ کانگریسی کارکنوں نے ابھی تک سنجیدگی اور صدق دلی کے ساتھ مسلمانوں میں کام نہیں کیا اور نہ مسلمانوں کے سامنے صحیح پروگرام رکھا اور اسی وجہ سے مسلمان کانگریس میں زیادہ تعداد میں شامل نہیں ہو سکے۔ ہم بوس کے ایک ایک لفظ کی تائید کرتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مسلمان زبردست انقلابی ہے اور یقیناً ہندو سے زیادہ اس میں وہ جراثیم موجود ہیں جو جنگ آزادی کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ لیکن ملک کی بدقسمتی ہے کہ اب تک مسلمان کی اس انقلابی سپرٹ سے کانگریس نے صحیح فائدہ نہیں اٹھایا۔ کانگریس میں بعض متعصب ہندوؤں کی موجودگی مسلمانوں کے کانگریس میں شامل ہونے کے راستہ میں ایک زبردست سدباب رہی اور کانگریس کے قائدین نے بہت کم اس امر کی کوشش کی کہ اس قسم کے ہندوؤں کو کانگریس سے نکال کر ملک کی اس بڑی جماعت کو پاک اور صاف کر دیں۔

اب جب کہ مسٹر بوس تمام انقلابی عناصر کو فارورڈ بلاک کے ذریعہ متحد کر کے آزادی کی جنگ کو تیزی کے ساتھ آگے بڑھانا چاہتے ہیں تو ان تمام مسلمان عوام کا جواب تک کانگریس سے علیحدہ رہے یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ مسٹر بوس کی حمایت اور تائید کریں۔ ہماری رائے ہے کہ فارورڈ بلاک کی کامیابی اور ترقی ملک میں انقلاب کی کامیابی کے لئے ضروری ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کامیابی میں مسلمانوں کا زبردست حصہ ہونا چاہئے۔ کیا مسلمان اس مسئلہ پر غور کرنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے؟

سرحد کی پالیسی میں تبدیلی

لندن سے موصول شدہ خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ تبدیل شدہ حالات کے پیش نظر حکومت برطانیہ ہندوستان کی سرحدی پالیسی میں تبدیلی کرنا چاہتی ہے۔ حکومت برطانیہ کا خیال ہے کہ بجائے بموں کے اگر پٹھانوں کو روٹی دی جائے تو مسئلہ جلدی حل ہو سکتا ہے۔ اگرچہ شملہ سے اس قسم کی خبروں کی ابتک تصدیق نہیں ہو سکی لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ ان کے باور کرنے میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں۔ سرحدی جنگوں میں حکومت نے اربوں روپیہ خرچ کیا لیکن اس کا کوئی خاص فائدہ حاصل نہ ہو سکا۔ اس لئے کہ پٹھانوں کے خلاف جنگ

آزمائی اس مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ سرحد آزاد کا مسئلہ روٹی کا مسئلہ ہے۔ اور اس کو اس صورت سے حل کیا جا سکتا ہے کہ سرحدی علاقہ میں اقتصادی ترقی کی تدابیر پر عمل کیا جائے۔ اگر حکومت برطانیہ نے اپنی فارورڈ پالیسی کو تبدیل کر دیا تو اس میں سرحد کی کانگریسی حکومت کو بہت بڑا دخل ہوگا۔ صوبہ سرحد کی حکومت شروع ہی سے اس مسئلہ کو صحیح لائنوں پر حل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی اور یورپین کلچر

کلکتہ میں بنگال کے علمار کی کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے ہندوستان کے انقلابی مولوی حضرت عبید اللہ سندھی نے فرمایا کہ ہندوستان یورپ کی تہذیب کے ذریعہ ترقی حاصل کر سکتا ہے۔ اس تقریر سے بعض حلقوں میں کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ حقیقت میں مولانا کا مقصد یہ تھا کہ اگر ہندوستان آزادی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے یورپ کی بہت سی باتوں سے فائدہ حاصل کرنا ہوگا۔ مولانا ایک عرصہ تک یورپ میں رہے۔ انہیں وہاں کی سیاسی باتوں کا کافی تجربہ ہے۔ ان کا مشورہ ان کے تجربہ پر مبنی ہے۔

خط و کتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر کریں ورنہ تعمیل نہیں ہوگی۔ منیجر

جنّت کی بشارت

(از جناب وقار انبالوی)

انقلاب آتا ہے، رحمت کی بشارت کیوں نہ دُوں
آدمیت کو شرافت کی بشارت کیوں نہ دُوں

ٹل گیا دورِ نحوست، آگیا وقتِ سعید
دوست دشمن کو سعادت کی بشارت کیوں نہ دُوں

آن پہنچی نقطۂ تکمیل تک انسانیت
نوعِ انساں کو محبت کی بشارت کیوں نہ دُوں

مٹ گیا فرقِ مراتب اور مدارج کا غرور
اہلِ دنیا کو اخوت کی بشارت کیوں نہ دوں

حاکموں کے تخت خالی ہو رہے ہیں دیر سے
رنجِ محکومی کو راحت کی بشارت کیوں نہ دوں

دیکھتے ہیں جبر کا مُنھ اختیار و اقتدار
دردِ مجبوری کو قدرت کی بشارت کیوں نہ دُوں

آہنیں پنجہ زبردستی کا ڈھیلا پڑ گیا
زیر دستوں کو جسارت کی بشارت کیوں نہ دُوں

زلزلہ انبارِ سیم و زر میں سے آیا ہُوا
صبرِ مزدوری کو اُجرت کی بشارت کیوں نہ دوں

کب سے ٹوٹی ہے اجارہ داریٔ علم و کمال
جہل و نادانی کو حکمت کی بشارت کیوں نہ دُوں

ہو رہی ہے عام کب سے نسبتِ جاہ و جلال
عامیوں کو شان و شوکت کی بشارت کیوں نہ دُوں

دیر سے بدلی ہوئی ہے قسمتِ مال و منال
پھر تہی دستوں کو دولت کی بشارت کیوں نہ دوں

ظلم کی قوت ہوئی جاتی ہے اب بے ساز و برگ
سوزِ مظلومی کو عشرت کی بشارت کیوں نہ دوں

مستحقِ دولت کا ٹھہرا دستِ دولت آفریں
زر پرستوں کو مشقت کی بشارت کیوں نہ دوں

آگیا ہے اب مساوات و رواداری کا دَور
دوزخِ دنیا کو جنت کی بشارت کیوں نہ دوں

روکتا ہے کون اظہارِ حقیقت سے وقارؔ
دہر کو تازہ حقیقت کی بشارت کیوں نہ دوں

انگریزی حکومت کے سبز قدم

(از حضرت حیدر کاظمی)

دنیا کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ ایک قوم میں اخلاقی اور ذہنی اعتبار سے تنزل پیدا کرنے کا واحد اور موثر طریقہ یہ ہے کہ اس کو کچھ مدت کیلئے کسی غیر قوم کے زیر اقتدار رکھدیا جائے۔ اور جس قوم کی اخلاقی اور ذہنی حالتیں کمزور ہو جاتی ہیں اس کا زندہ رہنا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

پرانے زمانے میں یونانی جب ان کو قوم رومن نے فتح کر کے اپنا غلام بنا لیا تھا آہستہ آہستہ اپنے اخلاقی اور ذہنی خصوصیات سے محروم ہوگئے تھے۔ اور یہی حشر اٹلی والوں کا ہوا تھا۔ جب آسٹریا والوں نے ان کو آزادی سے محروم کر کے اپنے زیر اقتدار کر لیا تھا۔ بالکل اسی طرح اہل انگلستان نے چودھویں اور پندرھویں صدی میں اسکاٹ لینڈ اور فرانس کو اپنے ماتحت رکھ کر قعر تنزل میں ڈالدیا تھا۔

مسٹر ایسکوئتھ (Mr Asquith) اپنی تقاریر "پردیسی حکومت کے برباد کرنے والے اثرات" یا پردیسی حکومت کی وجہ سے ناقابل برداشت نقصانات یا اور اسی قسم کے جملے اکثر استعمال کیا کرتا تھا مسٹر اے۔ ای۔ روس (A. E. Ross) وسکانسن یونیورسٹی کا پروفیسر کہتا ہے:-

ایک قوم دوسری قوم کے ماتحت رہ کر بہت جلد برباد ہو جاتی ہے اس کا دعویٰ ہے کہ تاریخ دنیا ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے جبکہ ایک قوم نے دوسری قوم کے ماتحت رہ کر اپنے ذہنی اور اخلاقی حالت قائم رکھی ہے۔ اگر مقتدر قوم کا طرز عمل ماتحت قوم کے ساتھ بہتر قسم کا بھی ہوتا ہے۔ تب بھی محکوم قوم کے اخلاق پر اس قدر اثر ہوتا ہے کہ وہ قوم دنیا میں مہذب؟ [illegible] مستحق نہیں رہتی ہے۔ انگلستان کو اپنا وہ زمانہ جب کہ وہ قوم رومن کے ماتحت تھا یاد ہوگا۔ چار سو سال تک قوم رومن نے انگلستان پر حکومت کی ہے۔ اگر پردیسی حکومت کوئی اچھا نتیجہ پیدا کر سکتی ہے تو زمانہ مذکور میں انگلستان میں بھی ہوا ہوگا۔ چونکہ انگلستان اوائل زمانے میں وحشی اور جنگلی انسانوں سے آباد تھا اور رومن ایک مہذب اور شائستہ قوم تھی۔ آیئے اس کی حقیقت تاریخ سے دریافت کریں۔

جب قوم رومن نے انگلستان پر حملہ کیا تو اہل انگلستان اس قدر بہادری سے لڑے تھے کہ شاہ رومن (قیصر) کو یہ ارادہ کرنا پڑا تھا کہ آئندہ اس ملک پر حملہ نہ کیا جائے گا۔ لیکن تیسری مرتبہ اس نے پھر حملہ کیا۔ اور انگلستان کو سلطنت روم میں شامل کر لیا۔ رومن نے اپنے اقتدار کے طویل زمانے میں انگلستان میں بڑے بڑے قلعے تعمیر کرائے۔ سڑکیں بنوائیں۔ شہر آباد کئے اور خوبصورت اور شاندار محلات تیار کرائے۔ اور اس بات کی کوشش کی کہ انگلستان میں ان کی تہذیب۔ معاشرت تمدن اور مختلف علوم مستقل طور سے مروج ہو جائیں لیکن باوجود اس قدر سعی تک کوشش کرنے کے نتیجہ قطعی برعکس نکلا۔ چونکہ اہل انگلستان جو رومن کے حملوں کے زمانے میں اس قدر بہادری سے لڑے تھے اس قدر کمزور اور بزدل ہوگئے تھے کہ جب رومن کا اقتدار انگلستان سے جاتا رہا تو ان میں اپنے ملک کو بیرونی حملوں سے بچانے کے لئے قوت قطعی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ قوم رومن کے جانے کے بعد انگلستان پر نہایت آسانی سے۔ جوٹ۔ اینگلس۔ اور سیکسن کا قبضہ بالترتیب ہوتا رہا۔ دوسری بات یہ ہے کہ قوم رومن نے چار سو برس تک انگلستان پر حکومت کی لیکن اس طویل مدت کے بعد بھی کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی تھی جس پر انگلستان اپنے آئندہ ترقی کی بنیاد رکھ سکتا۔ حالانکہ رومن کی یادگاریں مثلاً قلعے۔ سڑکیں و دیگر عمارتیں اب تک پائی جاتی ہیں۔ لیکن یہ تمام چیزیں انگلستان کے لئے رومن کے چلے جانے کے بعد دوسرے بیرونی حملوں کے وقت قطعی بیکار ثابت ہوئیں۔

غالباً سب سے زیادہ پر زور الفاظ میں برطانیہ کی محکوم اقوام کی پالیسی کو انگریزی مورخ سر جے۔ آر سیلی (Sir J. R. Seeley) نے اپنی کتاب موسومہ انگلستان میں وسعت (Expansion of England) میں بیان کیا ہے وہ کہتا ہے:-

برطانیہ کا ہندوستان پر اقتدار قائم کرنا بدترین سیاست کی بہترین مثال ہے آگے چل کر کہتا ہے کہ برطانیہ کا اقتدار ہندوستان کو اس قدر بیکار اور ناکارہ کر دیگا کہ اس کو صدیوں تک اقوام دنیا کے مقابل آنے کا موقع نہیں مل سکتا ہے۔ کیونکہ محکوم اقوام کا یہی حشر ہوتا ہے۔

ریمزے میکڈانلڈ (Ramsay Macdonald) اپنی کتاب "ہندوستان میں بیداری" (Awakening of India) کے صفحہ ۲۹۳ پر مسٹر سیلی سے اتفاق کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

صاحب اقتدار قوم کتنی ہی نیک طینت ہو اور اس کا طرز عمل محکوم کے ساتھ کتنا ہی بہتر ہو لیکن محکوم اقوام کے لئے باعث بربادی ہی ثابت ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ محکوم قوم میں کسب خیر کی استعداد باقی نہیں رہتی ہے۔ حاکم قوم کی ہر چیز

کاملی طور سے نقل کرنا اس کا فرض ہو جاتا ہے۔ اس اصول کے ماتحت جب ہمارے سامنے ہندوستان کی پرانی تہذیب آتی ہے اور ہم اس کی موجودہ حالت کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں تو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ موجودہ زمانے میں ہندوستان عظیم ترین نقصان برداشت کر رہا ہے۔

موجودہ زمانے کی تعلیم نے ثابت کر دیا ہے کہ آزادی اور خود مختاری انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے زندگی کی خوش حالی اور ملک و قوم کی ترقی کے لئے نہایت ضروری چیزیں ہیں اور غیر قوم کا تسلط ملک و قوم کے لئے ایک مہلک شے ہے۔ اگر کسی شخص کو ایک چھوٹے بچے کی ذہنیت اور اخلاق خراب کرنا منظور ہوں۔ تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کو خود غور کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ بلکہ احکامات کی تعمیل کرنے پر مجبور کیا جائے بہت تھوڑے زمانے میں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہی بچہ دنیا کے تمام بچوں میں سب سے زیادہ بے وقوف ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی انسان کو خوشامدی بد اخلاق اور کند ذہن بنانا چاہے تو اس کو ایسے ماحول میں رکھنا چاہئے جہاں اس کو ہمیشہ گری ہوئی نظر سے دیکھا جائے۔ تھوڑی ہی مدت گزر جانے کے بعد اس کو خود احساس ہو جائے گا کہ اس میں سے تمام انسانی خصوصیات معدوم ہو گئی ہیں۔ اور پستی اور بزدلی پیدا ہو گئی ہے۔ یہ اصول انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیت پر عائد ہوتا ہے۔ ہندوستان جو زمانہ ماضی میں دنیا کی مہذب ترین اقوام میں شمار ہوتا تھا۔ آج آزادی اور خود مختاری سے محروم ہو کر اپنی اخلاقی اور ذہنی خصوصیات سے قطعی بیگانہ ہو چکا ہے۔ کیونکہ اس کی حالت ایک سیاسی اور اقتصادی قیدی کی سی ہے اور اس حالت کو برداشت کرتے ہوئے اس کو تقریباً دو سو برس کا طویل زمانہ گزر چکا ہے۔ اور متواتر برداشت کر رہا ہے۔

ایک ملک کی دولت پر چھاپہ مارنا جیسا کہ ہندوستان میں وارن ہیسٹنگز (Warren hastings) یا لارڈ کلایو نے کیا تھا خراب فعل ضرور ہے۔ ایک ملک کو اس کے ذرائع آمدنی سے محروم کر کے اس کو مصائب میں گرفتار کر دینا بھی اچھا فعل نہیں ہے۔ لیکن کسی ملک کو آزادی اور خود مختاری سے محروم کر دینا ایک بدترین فعل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کے متعلق کہا تھا "اگر اس کو دنیا کی تمام دولت دے دی جائے لیکن اس کو قلب کی آزادی سے محروم کر دیا جائے تو یہ معاملہ اس کے لئے فائدہ بخش نہیں ہوگا۔ اور محروم کرنے والے کو گناہ عظیم ہوگا" اگر ایک شخص کو قلبی آزادی سے محروم کرنے سے گناہ عظیم ہوتا ہے! تو ایک قوم کی آزادی سلب کرنے سے کس قدر عظیم گناہ عائد ہو سکتا ہے!

محترم سی۔ ایف اینڈروس (C.E. Andrews) اول اول ہندوستان میں برطانیہ سے ہمدردی رکھتا تھا۔ لیکن جب اس نے برطانیہ کے ساتھ یہ طرز عمل دیکھا تو وہ اپنی رائیں تبدیلی پیدا کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اور اس کے بعد سے اس کی یہ رائے ہو گئی کہ جب تک ہندوستان آزادی حاصل نہیں کرے گا۔ اس کے مصائب کا علاج ناممکن ہے۔ کیونکہ مادہ پرست حکومت نہایت بیداری کے ساتھ ہندوستان کی اخلاقی اور روحانی کیفیت برباد کر رہی ہے۔

غلامی کی حالت میں رہتے رہتے جذبہ حب الوطنی بھی مفقود ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ محکوم قوم کا ملک تو غیر قوم کے قبضے میں ہوتا ہے اس کے لئے کوئی ایسا ملک نہیں رہتا ہے جس سے وہ رشتہ محبت قائم رکھ سکے دوسری وجہ یہ ہے کہ حب الوطنی ایک ایسا پاک و بلند پایہ جذبہ ہوتا ہے کہ غلامی کی حالت میں باقی نہیں رہتا ہے۔

اس بارے میں جان اسٹوارٹ مل (John stuart Mill) نے خوب کہا ہے:۔

جس ملک میں غیر قوم کی حکومت قائم ہوتی ہے اس میں حب الوطنی نام ہوتا ہے صاحب اقتدار قوم کے احکامات کی تعمیل کرنے کا۔ اور جو لوگ صحیح معنوں میں ملک کے خیر خواہ ہوتے ہیں ان کو باغی اور غدار کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ نیک اور صحیح جذبات کے اظہار کرنے پر اُن کو جیلخانوں میں بند کر دیا جاتا ہے اور بعض موقعوں پر گولیوں کا نشانہ ہی بنا دیا جاتا ہے۔

ایک عالی مرتبت ہندوستانی کے الفاظ کس قدر وزنی ہیں وہ کہتا ہے۔ میرے ہموطنو مردانگی سیکھو۔ ہندوستان کو مردانگی کی ضرورت ہے" لیکن مردانگی سیکھنے سے پہلے انسان کے لئے اپنے سہارے پر کھڑا ہونا ضروری ہے۔ اپنی زندگی خود بنانے کی کوشش کرنا لازمی ہے۔

مسٹر ہنری کیمبل بنیرمین (Henry compl Banner man) برطانیہ کے وزیر اعظم کا قول ہے:۔

غیر قوم کی اچھی حکومت خود اختیاری کا بدل نہیں ہو سکتی ہے۔ غلامی قوم کی تمام خصوصیات برباد کر کے ان کے بدلے بے حسی پیدا کر دیتی ہے میں اپنے ہموطنوں سے صاف طور سے کہتا ہوں کہ ہندوستان پر اقتدار رکھنے کی وجہ سے برطانیہ کی حالت بالکل روس اور پرشیا کی سی ہو گئی ہے۔"

کلکتے کا اخبار انڈین مینجر (Indian manager) جو کہ برہمو سماج کا خاص ترجمان ہے بیان کرتا ہے:۔

"برطانیہ نے ہندوستان کو جس قدر بیکار اور ناکارہ کر دیا ہے اس قدر اسلامی سلطنت کے بدترین زمانے میں بھی نہیں ہوا تھا۔

آنریبل جی۔ کے گوکھلے (Honbl G.K. Gokhle) ہندوستان کا ایک نمایاں سیاستداں شمار کیا جاتا ہے۔ ہندوستان پر برطانوی اقتدار کے اثرات کے متعلق بیان کرتا ہوا کہتا ہے۔

موجودہ طرز حکومت ہندوستان کو روزانہ ناکارہ کر رہا ہے جس پستی کی فضا میں ہم ہندوستانی سانس لے رہے ہیں اس کا تقاضا یہی ہے کہ ہماری

نمایاں ہستیوں کا رجحان طبع بھی پستی ہی کی طرف ہو۔ رفعت اور بلندی کی ہستیاں (mazzini) میزینی اور (Monroe) منرو کے طلبا میں کی جاسکتی ہیں اور انہیں کے لئے یہ امید ہو سکتی ہے کہ ایک روز (gladstone) گلیڈسٹون (nelson) نیلسن یا (wellington) ویلنگٹن بن جائیں گے۔ لیکن ہندوستانیوں سے یہ امید رکھنا بے سود ہے۔ چونکہ غلامی کی حالت ہم کو بلند پروازی کرنے سے روک دیتی ہے۔ اخلاقی رفعتیں جو کہ ایک آزاد قوم میں ہوتی ہیں ہمارے خواب و خیال میں بھی اُن کا آنا نا ممکن ہے۔ اس وجہ سے کہ ہماری انسانی اہلیت غلامی کی تاریک فضا میں گم ہو گئی ہے۔ ہمارے اندر گھاس کھودنے اور پانی بھرنے کی ہی اہلیت موجود نہیں ہے۔

مسز اینی بسنٹ (mrs Annie Besant) ہندوستان تفریق پیدا کرنے والے۔ کمزور بنانے والے اور ذلت کے تاریک گڑھے میں ڈالنے والے طرز تعلیم کو جس کو وہ متواتر بیس برس سے ہندوستان میں دیکھ رہی ہے بیان کرتے ہوئے کہتی ہے:۔

"ہندوستانی قوم کا ناکارہ پن اس کے بچوں ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ جو مدارس برطانیہ نے ہندوستان میں قائم کر رکھے ہیں۔ مہذب ممالک کے مدارس سے بالکل مختلف ہیں مدارس مذکور میں جو ان طلبا کو یقین دلایا جاتا ہے کہ ایک یورپین اور نا تجربہ کار استاد تجربہ کار ہندوستانی استاد سے بدرجہا بہتر ہے۔ ہندوستان کی تاریخ پر انگلستان کی تاریخ کو ترجیح دی جاتی ہے بیرونی ممالک کے استادوں کو زیادہ وقعت کی نگاہ سے دیکھنا سکھایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں جب کوئی استاد طلبا سے مضمون لکھواتا ہے تو ہندوستانی دیہات کے مقابلے میں انگریزی دیہات پر لکھواتا ہے جب طلبا کو لکچر دیتا ہے تو انگریزی دیہات پر دیتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ ہر طرح سے طلبا کے سامنے انگلستان اور اہل انگلستان کی فضیلت بیان کی جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ اپنے ملک کی گزشتہ تاریخ اور موجودہ حالت سے قطعی ناآشنا رہیں۔ جذبات کی بلندی۔ ہمت و جرارت۔ خودداری و ضمیر پروری کے بجائے ان میں خوشامد۔ خوف اور تعمیل احکامات کرنے کا مادہ پیدا کیا جاتا ہے۔ ان کی قوت ارادہ برباد کی جاتی ہے۔ ان کے ساتھ قطعی طور سے انگریزی طرز سیاست کے اصول استعمال کئے جاتے ہیں۔ پردیسی حکومت کی خوبیاں اور ان کے ملک کی گزشتہ تاریخ کی تاریکیاں ان کے سامنے بیان کی جاتی ہیں۔ اور ان کو تقلید کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

ہندوستانی قوم کو اس طرح کمزور اور پست کرنے کے بعد برطانیہ دنیا کے سامنے بیان کرتی ہے کہ ہندوستانی کمزور دل۔ کم ہمت اور ذلیل ذہنیت کے انسان ہیں اور اس وجہ سے ہندوستان پر برطانیہ کا اقتدار قائم رہنا نہایت ضروری ہے۔ لیکن برطانیہ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہندوستانیوں میں جس قدر نقائص موجودہ زمانے میں پائے جاتے ہیں اس کی ذمہ داری برطانیہ ہی پر عائد ہوتی ہے۔ اگر ہندوستان دیگر اقوام کی طرح آزاد اور خود مختار ہوتا تو یہ نقائص پیدا نہیں ہو سکتے تھے۔ اور نہ برطانیہ کے ہندوستان میں آنے سے پہلے موجود تھے۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ گزشتہ زمانے میں ہندوستانی انسانیت کی ہر صفت سے بدرجہ کمال موصوف تھے اور صدیوں تک یہ وہ ہندوستانی ہی تھے جنہوں نے سکندر اعظم جیسے فاتح کا منہ پھیر دیا تھا یونانی مورخ تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوستان اس زمانے میں تہذیب و تمدن کے اعتبار سے یونان سے کم نہ تھا — یونانی مورخ فلیوس ایرین (flavius arrian) سکندر اعظم کی جنگوں کا حال بیان کرتے ہوئے ہندوستان کے متعلق لکھتا ہے:۔

ہندوستانی بہادر ہوتے ہیں اور فنون جنگ کے اعتبار سے ان کو تمام ایشیا پر فضیلت ہے۔ یہ لوگ اس قدر ایماندار ہوتے ہیں کہ اپنے گھروں میں تالے استعمال کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ہیں۔ اس قدر معقول ہوتے ہیں کہ اپنے معاملات کے لئے عدالتوں میں جانا ضروری نہیں خیال کرتے ہیں۔ بلکہ آپس ہی میں طے کر لیتے ہیں۔ مشہور چینی سیاح ہیون تسانگ جو ہندوستان میں ساتویں صدی عیسوی میں آیا تھا ہندوستان کو ایک غیر معمولی تمدن اور تہذیب کا حامل تبلاتا ہے۔ اور یونانی مورخ فلیوس ایرین کی پرزور الفاظ میں تائید کرتا ہے۔

کافی عرصے بعد یورپین سیاح آنا شروع ہوئے۔ سب کے سب ہندوستان کی زرخیزی۔ پیداوار اور دلکش مناظر کی تعریف کرتے ہوئے اس کی صنعت خوشحالی۔ تہذیب۔ تمدن کو بلند الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ ان یورپین سیاحوں میں سب سے زیادہ مشہور سر تھامس رو ہے (sir Thomas Roe) جو سترھویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں آیا تھا۔ اس شخص کو شاہ انگلستان نے شہنشاہ جہانگیر کے دربار میں بھیجا تھا۔ تھامس رو بھی ہندوستان اور ہندوستان کی ہر نوعیت سے بے حد تعریف کرتا ہے۔ اس کو ہندوستان کی خوشحالی اور شہنشاہ جہانگیر کے دربار کی عظمت و شان و شوکت دیکھ کر بڑا تعجب ہوا تھا۔ اسی طرح جس قدر تعریف سیاحوں نے مختلف زمانوں میں ہندوستان کی کی ہے۔ صرف دولت اور سرمائے کی وجہ سے نہیں کی ہے بلکہ ہندوستان کی بلند ذہنیت۔ اعلیٰ تہذیب و تمدن۔ بے مثال ہمت و جرارت کی بنیاد پر کی ہے۔ ہندوستان میں یہ تمام خصوصیات اس وقت تک موجود تھیں جب کہ مغربی حملہ آوروں نے اس کی دولت کی وجہ سے اس پر قابل شرم طریقوں سے قبضہ کیا۔ اور قبضہ کرنے کے بعد اس کی ہر خصوصیت برباد کر دی۔ اور اس کے بجائے پردیسی حکومت قائم کر دی۔ اور اسی زمانے سے ہندوستان کی تاریخ کا تاریک باب شروع ہو گیا تھا۔ اور جوں جوں پردیسی خصوصیات کا اثر بڑھتا گیا۔ ہندوستان قعر ذلت میں گرتا چلا گیا اور

برطانیہ اعلان کرتی رہی کہ ہندوستانی ہر اعتبار سے بالکل ناقص ہیں۔

یہ ایک پرانا اصول ہے کہ جب ہم کسی قوم کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ تو اول اس کی شہرت خراب کیا کرتے ہیں اور اسی اصول کی بنیاد پر ہندوستانیوں کو ہر طرح سے نااہل مشہور کیا جارہا ہے۔ اور ایک یہی ذریعہ ہے جس سے برطانیہ کی غرض پوری ہوسکتی ہے۔ اس کے سوائے برطانیہ کے پاس اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہندوستانی قوم کو غیر متمدن اور نیم وحشی مشہور کرے اس کو اپنے ملک پر حکومت کرنے کے لئے نااہل بتلائے۔ اور انہیں نقائص کو اپنے اقتدار قائم کرنے کی صفائی میں پیش کرے۔

میں دریافت کرتا ہوں کہ اگر جرمنی کا اقتدار انگلستان پر صرف ایک صدی تک قائم رہے تو کیا انگلستان اپنے خصوصیات آزادی اور انسانیت قائم رکھ سکتا ہے۔ کیا جرمنی کے اقتدار کا اُن کی خوبیوں پر اثر نہیں ہوگا۔ ہوگا اور ضرور ہوگا۔ اس معقول سوال کا جواب ایک برطانوی ہندوستان کے عہدہ دار نے جسکا نام سر تھامس منرو (Sir Thomas Minro) ہے خوب دیا ہے۔ یہ شہر مدراس (ہندوستان) کا گورنر بھی رہ چکا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ اگر برطانیہ کسی غیر قوم کے زیر اقتدار ہو جائے اور وہ قوم برطانویوں کو ان کے ممالک کی حکومت میں شریک نہ کرے۔ بلکہ ان کو نااہل کہہ کر نظر انداز کردے تو ایک یا دو نسل کے بعد قوم برطانیہ میں۔ تنگدہنی۔ تنگدلی اور نتیجے کے طور پر تنزل پیدا ہونا شروع ہو جائے گا۔ مسٹر منرو آخر میں کہتا ہے کہ اگر دنیا میں ایمانداری کوئی قدر کرنے کی چیز ہے تو اس کو استعمال کرنے میں ہندوستانی اور یوروپین کی تمیز نہ کرنا چاہئے۔

باوجودیکہ ہندوستانی کمزور۔ بداخلاق۔ اور غیر مہذب قرار دئے جاتے ہیں مگر ان کی اُن کا اخلاق اور دیانتداری قابل تعریف ہے۔ اور تیس چالیس سال سے جب سے کہ انہوں نے جنگ آزادی شروع کی ہے اُن میں غیر معمولی بہادر قابل اور با اخلاق رہنما پیدا ہورہے ہیں۔ جو ہندوستان کی بلند پایہ تہذیب و اخلاق کی یادگار ہیں۔ اور باوجود مخالف فضاؤں کے دنیائے انسانیت میں بڑی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی پیروی ہر نوعیت سے ہندوستان کررہا ہے۔ اُن کی کوششیں دیکھ کر وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان اب زیادہ مدت تک غلام نہیں رہ سکتا ہے۔ دوسرے فضا بتلا رہی ہے کہ دنیا روبہ ترقی ہے۔ ہندوستان بھی مردگی کو چھوڑ کر زندگی کی طرف جارہا ہے اور اسی زندگی کی طرف جارہا ہے جس کے ذریعہ سے اُس نے زمانہ ماضی میں اپنی دولت۔ حرفت و صنعت۔ تہذیب و تمدن سے دنیا کو سیراب کر رکھا تھا۔ اور وہ زمانہ دور نہیں ہے کہ ہندوستان پھر اپنی پرانی حالت پہ آئے گا اور دنیا کی مہذب اقوام میں شمار کیا جائے گا۔

ذہنی انقلاب

(از جناب اے نظر ہاشمی غازیپوری)

(۱)

جب کوئی بیرونی قوم فاتح ہو کر کسی ملک پر تسلط حاصل کرتی ہے تو اس ملک کے باشندوں کی سیاسی و اقتصادی، معاشی و تمدنی، مذہبی و لسانی اور تمام روایات کو اس طرح کچل ڈالتی ہے کہ مفتوح قوم کو مشکل سے اپنی روایات تازہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ایسی بیرونی قوم جو ملک پر حکومت کرتی ہے وہ ملک کے اندر عوام کے دماغوں میں ایک زبردست ذہنی انقلاب پیدا کر دینا ہی اپنا پہلا فرض سمجھتی ہے۔

ایسی بیرونی قوم کی حکومت کا جادو ملک کے باشندوں کو ایک عرصہ تک سلا دیتا ہے۔ باشندے۔ ایک عرصے کے بعد جاگنے کے لئے کروٹیں بدلتے ہیں۔ یہ وقت وہ ہوتا ہے جب بیرونی حکومت میں پہلی سی مراعات باقی نہیں رہتیں بلکہ لالچ اور خود غرضی انتہا سے زیادہ بڑھ جاتی ہے تشدد اور ظلم عروج پر ہوتا ہے اور پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ملک کے باشندے ایسی ظالم حکومت کی دیواروں کو گرانے کے لئے پوری طرح تیار ہو جاتے ہیں اور انقلاب کی آگ ملک کے اندر بھڑک اٹھتی ہے۔

یعنی مطلب کہنے کا یہ ہے کہ جیسے ایک طرف بیرونی حکومت اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے ملک کے باشندوں کے دماغوں میں ایک ذہنی انقلاب پیدا کرتی ہے اسی طرح باشندے جب مظالم سے گھبرا جاتے ہیں تو سامراج کے خلاف اس کو تبدیل کرنے کے لئے نعرۂ انقلاب بلند کرتے ہیں۔ اور آخرکار انقلاب ہو کر رہتا ہے۔ اب یوں سمجھ لینا چاہئے کہ "انقلاب" ہی ایک مشترک چیز ہے جسے دونوں اپنی ضرورت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

آیئے اب ہندوستان کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں اور تلاش کریں کہ برطانوی سامراج نے اس عرصہ میں ہندوستانیوں کے دماغوں کے اندر کون کونسی باتیں بھر دی ہیں۔ کن کن باتوں کو محو کر دیا ہے۔ اور کیا باشندوں کے دماغ کے اندر ذہنی انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ ہمیں آگے جا کر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ یہاں کے باشندے انقلاب کو کس نظر سے دیکھتے ہیں کل صبح جب وہ بیدار ہوں گے تو کیسا منظر ہوگا اور جب سورج ڈوبنے کے قریب ہوگا تو کس طرح وہ کامیابی کا گیت گائیں گے۔

ہمارے سامنے تاریخ کے صفحات اس بات کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ ہندوستان کی زرخیزی اور یہاں کی بے شمار دولت نے باہر کی قوموں کو دعوت دی مسلمان بھی باہر سے آئے اور بڑی شان سے آئے۔ ہندوستان میں فاتح قوم کی حیثیت سے رہے اور اپنی حکومت کے دور میں ہندوستان کے باشندوں کے لئے تہذیب و تمدن کا دروازہ کھول دیا۔ ہندوستان کو مسلمانوں نے اپنا گھر سمجھا شاہی خزانہ کو دولت سے معمور کیا اس دولت کو قوم کی امانت سمجھ کر قوم کے آرام و آسائش پر صرف کرتے رہے۔ انہوں نے اپنا حق المحنت بھی لیا وہ اس کے مستحق تھے اس لئے کہ محنت کا صلہ لینا غیر واجب نہیں۔ ہندوستان جنت نشان کی ہندوستانی حکومت جس کا انتظام مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہو رہا تھا اس کا بالکل خاتمہ ۱۸۵۷ء میں ہو گیا۔ اس کے بعد برطانوی سامراج نے اپنی عمارت بنائی۔ یہ عمارت یک بیک ۱۸۵۷ء میں نہیں تیار ہوئی بلکہ سو برس سے کچھ کم و بیش پہلے اس کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ مگر اس سامراج یا اس پرانے تجارتی احساس باشندوں کو شروع میں نہیں ہوا۔ اس کا احساس اس وقت ہوا جب موت کے فرشتہ نے دستک دی۔ انگریز ہندوستان کی ہندوستانی حکومت میں تجارت کا ڈھونگ لے کر آئے رفتہ رفتہ ملک کی کثیر دولت کو دیکھ کر مستقل قیام اور حکومت کرنے کے لئے اپنے اندر ایک زبردست قوت پیدا کر لی۔ یک بیک اس وسیع ملک میں حکومت قائم کر لینا آسان کام نہ تھا۔ انہوں نے اپنی پالیسی سے ریاستوں کے راجاؤں اور صوبہ داروں میں تفرقہ ڈالنا شروع کیا۔ اور جس وقت دو ریاستوں میں جنگ ہوتی تو یہ انگریز تاجر ایک ریاست کو اپنی عسکری قوت سے مدد دے کر دوسری ریاست کو شکست دیتے رہتے اور جنگ کے اختتام پر حصہ پانے کے مستحق بنتے تھے ایک عرصہ تک انگریز یہی کھیل کھیلتے رہے اور اس کھیل میں ملک کے بہت بڑے حصہ پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ غدر ۱۸۵۷ء (بلکہ انقلاب کہنا چاہئے) تک ہندوستان میں ہر چہار طرف انگریز تاجروں نے اپنی دیواروں کو مضبوط کر لیا۔ ہندوستانیوں کی آنکھیں ۱۸۵۷ء

میں کھلبلی ان کو اپنی قومیت اپنی روایات اور دیسی راج کو مٹتے ہوئے دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔ انہوں نے سامراج کے خلاف مشترکہ طور پر محاذ جنگ قائم کیا۔ ملک کے اندر انقلابی جنگ شروع ہوگئی مگر برٹش سامراج نے اس پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اس انقلابی جنگ میں جب سامراج کو کامیابی ہوئی تو اس کے بعد سامراج نے اپنی دیواروں کو مضبوط کرنے کے لئے اپنی تمام تر توجہ ہندوستان کی قوموں میں اختلاف پیدا کرنے کی طرف مبذول کردی۔ ہندوستان کی تاریخ مرتب کی گئی جس میں سامراج کی رائے سے مسلم اقلیت کا ظلم و تشدد ہندو اکثریت پر ظاہر کیا گیا آج ہندوستان کی تاریخ میں درج کردیا گیا ہے کہ مسلم بادشاہ زبردستی ہندوؤں کو مسلمان بنایا کرتے تھے۔ ان کے دورِ حکومت میں ہندوؤں کے ساتھ کچھ بھی رحم و کرم نہیں کیا جاتا تھا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اگر یہی مسلمان بادشاہ ایسا کرتے تو ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ ساڑھے آٹھ سو برس تو کیا ساڑھے آٹھ گھنٹہ تک حکومت کرنا مشکل ہو جاتا۔ اسلام کی تعلیم سے جو شخص واقف ہے وہ خود سمجھ سکتا ہے کہ اسلام تشدد اور ظلم کو منع کرتا ہے "دین میں جبر و اکراہ نہیں ہے" یہ صحیح ہے کہ مسلمان ہمیشہ اقلیت میں رہے مگر ہندوستان کے اندر ہندو اکثریت کے ساتھ متفق و متحد ہو کر رہے۔ مگر ہر مسلمان کے دل میں آج خوف پیدا کیا جا رہا ہے کہ ہندو اکثریت مسلم اقلیت کو کھا جائے گی۔ اسی طرح ہندو اکثریت کو جوش دلا کر ابھارا جاتا ہے کہ تمہاری اکثریت کے آگے مسلم اقلیت کی کیا ہستی ہے۔ حالانکہ ہر سیاست داں اور ذی ہوش اس کو اچھی طرح جانتا ہے کہ بسا اوقات اکثریت اقلیت کی دست نگر ہو جاتی ہے۔ اور کسی ملک میں اکثریت اقلیت کو ٹھکرا کر کامیاب نہیں ہو سکتی۔

خود مسلمانوں کے اندر افتراق پیدا کرنے کا نمونہ ایک اور ملاحظہ کیجئے ——— ان کے مذہبی اداروں کے اندر بھی تفریق اور ان کے عقائد میں اختلاف پیدا کر دیا گیا ہے۔ اس بات کے ثبوت کے لئے بریلی اور دیوبند کے دو مذہبی ادارے موجود ہیں جن میں سے اول الذکر برطانوی سامراج کو جائز تسلیم کرتا ہے اور ظل اللہ مانتا ہے مگر موخر الذکر ہمیشہ اس کا مخالف رہا اور آج تک ہے۔ سامراج کی طرف سے ہمیشہ کوشش کی گئی اور سینکڑوں قسم کے ستم توڑے گئے کہ یہ مذہبی ادارہ بھی برطانوی سامراج کو جائز اور برحق تسلیم کرلے اور اس کے حق میں فتویٰ دے سکے یہاں کے علماء نے ہمیشہ اس چیز کو ٹھکرایا وہ برابر نظر بندی کی زندگی اور تازیانہ کی سزائیں برداشت کرتے رہے۔ لیکن حق کے خلاف کبھی آواز نہیں بلند کی۔

برطانوی سامراج جس طرح غلط طور پر اپنے رحم و کرم اور اپنے عدل و انصاف کا پرچار کرتا ہے خود اس کا پردہ فاش کرنے کے لئے انگریزوں کی تقریریں اور تحریریں موجود ہیں ۱۷۸۳ء میں ایڈمنڈ برک نے ہاؤس کے اسپیکر آف انڈیا بل پر تقریر کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ "........ لیکن برطانوی حکومت کے ماتحت یہ ترتیب بالکل بدل جاتی ہے تاتاریوں کا حملہ تباہ کن تھا لیکن اب یہ ہمارا سایہ عاطفت ہے جو ہندوستان کو تباہ کر رہا ہے۔ ان کی دشمنی نے جو کیا تھا وہ اب ہماری دوستی سے ہو رہا ہے ...." اسی طرح دامن مشرق پر ایک سیاہ دھبہ کے دیباچہ میں سر والٹر اسٹرک لینڈ لکھتے ہیں کہ "راقم الحروف نے دو سال تک سیلون اسٹریٹ سٹلمنٹ اور شمالی ہند میں مشرق الثانی اور یورپین لوگوں کے ساتھ بود و باش رکھی لیکن جو تجربات اس طرح حاصل ہوئے ان سے میرے اس عقیدہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی کہ مشرق میں برطانوی حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت برطانوی حرص و آز اور بد نظمی کی حکومت ہے جو عمداً اس قوم کو تباہ کرنے کے لئے اختیار کی گئی ہے۔ جس کے مفاد کا خیال رکھنے کا جھوٹا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ اس کتاب میں مصنف موصوف دوسری جگہ فرماتے ہیں "کہ جو انگریز ان سطور کا مطالعہ کرے اس کو غور کرنا چاہیئے کہ جب وہ سیلون کی سستی چاء کا کوئی گھونٹ پیتا ہے تو وہ اسی حد تک انسان کا خون پیتا ہے۔ حقیقتاً یہ چاء نہیں ہے جو پی جاتی ہے بلکہ غریب اور مفلس غلاموں کا خون ہے جس میں سے زندگی اور حیات کا سرخ رنگ اڑ گیا ہے۔ اگر خدا انصاف کرتا تو ہر قطرہ جو ان کے حلق سے اترتا ہے وہ ایک زہر بن کر اس ساری قوم کے جسم سے قوت دوا ئی کو زائل کر کے اس کو ارذل نامرد اور ناکارہ قوم بنا دیتا۔

ہندوستانیوں کے ذہنی انقلاب کے لئے اور ان کے دماغوں کو معطل کرنے کے لئے زبان کے مقابلہ میں بھی برطانوی سامراج نے کچھ کم ظلم اور بے انصافی نہیں کی ہے ۱۸۳۴ء میں لارڈ میکالے ہندوستان بھیجا گیا۔ میکالے کے آنے سے بارہ سال پہلے تک اس مسئلہ پر کافی بحث ہو چکی تھی۔ میکالے کے خیالات کا اثر اس بحث پر فیصلہ کن ثابت ہوا میکالے ہندوستانیوں کو ان کے قدیم علوم و فنون کی تعلیم دینے کے خلاف اور ان میں انگریزی پڑھانے اور مغربی علوم و فنون کی تعلیم دینے کا حامی تھا۔ میکالے کا فیصلہ ہندوستانیوں کے لئے مفید ہو یا مضر لیکن میکالے کی غرض یہ تھی کہ اعلےٰ طبقہ کے ہندوستانیوں میں قومی جذبات کے ابھرنے کو روکا جائے اور انہیں انگریزی حکومت کے لئے کارآمد آلہ بنایا جائے اس خیال کی تائید میں میکالے نے ایک جگہ پر لکھا ہے "ہم ہندوستانیوں میں اس قسم کا ایک طبقہ پیدا کر دینے کی حتی الامکان پوری کوشش

کرنی چاہیئے جو ہمارے کروڑوں ہندوستانیوں کے درمیان جن پر ہماری حکومت ہے سمجھانے بجھانے کا کام کریں یہ لوگ ایسے ہونے چاہئیں جو صرف خون اور رنگ کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں لیکن اپنے ولولوں، اپنی زبان اور خیالات کے لحاظ سے انگریز ہوں۔

(Macaulay minute of 1932) "گورنر جنرل بنٹنگ میکالے کا بہت بڑا دوست تھا اور اسی کا ہم خیال بھی تھا۔ میکالے کی اس رپورٹ پر ۷ مارچ ۱۸۳۵ء کو بنٹنگ نے حکم دیدیا کہ جس قدر روپیہ تعلیم کے لئے منظور کیا جائے اس کا بہترین صرف یہی ہے کہ اسے صرف انگریزی تعلیم پر خرچ کیا جائے۔ اس سلسلے میں مورخ ڈاکٹر ڈف نے میکالے اور بنٹنگ کی تعریف کرنے کے بعد حکومت روما کی حکمت عملی سے ان کی تعلیمی حکمت عملی کا یوں مقابلہ کیا ہے۔

"جب کبھی قدیم روما کے رہنے والے کسی ملک کو فتح کر لیتے تھے تو اس ملک کی زبان اور ادب کو دبا کر وہاں کے اونچے طبقہ کے لوگوں میں رومی زبان اور رومی ادب کو رواج دینے کی کوشش کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ڈف نے یہ دکھایا ہے کہ یہ حکمت عملی سلطنت روما کے لئے کس قدر مفید ثابت ہوئی۔ اور آخر میں ڈف لکھتا ہے "میں یہ رائے ظاہر کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ انگریزی زبان اور انگریزی ادب کو رواج دینے کے لئے ولیم بنٹنگ کا قانون ہندوستان میں انگریزی سلطنت کی اب تک کی تاریخ میں سیاسی کمال کی سب سے زیادہ زبردست اور بے مثل چال مانی جائے گی۔"

(۲)

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ سامراج نے جو باشندوں کے اندر "ذہنی انقلاب" پیدا کر دیا ہے اس کا احساس باشندوں کے اندر پیدا ہوا ہے یا نہیں۔ ہم روزانہ کے مشاہدہ کی بناء پر یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہندوستانیوں کو اس کا احساس ہو گیا ہے۔ ہندوستان کے ہر طبقہ والے سامراج کی پالیسی کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں اور اپنے مفاد کے لئے بے تعلقی کا اظہار کر رہے ہیں البتہ ہندوستان کے اندر ایک رجعت پسندوں کا طبقہ ہے جو اس حال میں بھی سامراج کو "ظل اللہ" اور "نائب خدا" مانتا ہے اور اپنے عقیدہ کے ماتحت کہ بادشاہ سلامت پر سات اولیا اللہ کا سایہ ہوتا ہے اس لئے یہ طبقہ قصر سلطان کی چوکھٹ کو بوسہ دینا فخر سمجھتا ہے اس طبقہ کے دلوں کی حالت ہمیں اچھی طرح معلوم ہے۔ وہ سامراج کے ساتھ محض حسن ظن اس لئے رکھتے ہیں اور اپنا پشت پناہ صرف اس لئے بنائے ہوئے ہیں کہ اُن کی قوت کو عوام کا سب سے بڑا طبقہ مٹا نہ دے اور سرمایہ پرستی و جاہ طلبی کا شیرازہ نہ بکھر جائے ملک کے اندر طبقاتی جدوجہد سے چونکہ اُن کے دماغ کا توازن قائم نہیں ہے لہذا ڈوبنے کی حالت میں وہ تنکے کا سہارا ڈھونڈھ رہے ہیں اور انہیں نہیں معلوم کہ جس کو وہ پشت پناہ بنائے ہوئے ہیں اور جس سے ان کی امیدیں وابستہ ہیں وہ ایک چلتی پھرتی چھاؤں ہے یا اس کی صورت محض ایک برف کے چٹان کی سی ہے جو ہر آن گھلتی جاتی ہے اور جو اپنے وزن کا تعین بھی نہیں کر سکتی۔

زبان و قومیت، اتحاد و اخوت کو برباد کرنے کی مثالیں ہمارے پاس بہت کافی سے زیادہ ہیں۔ لیکن ہم بخوف طوالت یہاں نہیں دیتے کرتے اس موضوع پر بہت سی کتابیں موجود ہیں جن میں سے "بھارت میں انگریزی راج" بہت زیادہ مستند ہے۔ اس کے مطالعہ سے جستہ جستہ حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔ ہمیں تو یہاں محض کہنا یہ ہے کہ جس انگریز سامراج کے عدل و انصاف، مذہبی آزادی اور امن و امان قائم رکھنے کی تعریف کی جاتی ہے۔ حقیقتاً وہ نتیجہ ہے "ذہنی انقلاب" کا جسے انگریز سامراج نے صدیوں کی کوشش کے بعد پیدا کر دیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم یہ بھی اب بتا دینا چاہتے ہیں کہ آج اہل وطن اس گندے "ذہنی انقلاب" کو اپنے دماغ سے دور کر رہے ہیں۔ انہوں نے ایک ایسے انقلاب کی منزل میں قدم رکھدیا ہے جس کی طرف قدم بڑھانا ان کا اولین فرض ہے کیونکہ استخلاص وطن کے لئے سوا اس کے کوئی دوسرا چارہ رہ ہی نہیں۔

آج کاروباری دنیا میں محنت و مشقت کرنے والے مزدور اور کسان انسانیت کے دروازہ پر انصاف کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ آج اتحاد کے لئے کمربستہ ہیں وہ جان چکے ہیں کہ ان کی کامیابی اتحاد سے ہو سکتی ہے۔ انہیں خبر ہے کہ سلطانیت اور شہنشاہیت ان کو متفرق کرنا چاہتی ہے اور متفرق ہونے کی حالت میں وہ سلطانیت اور شہنشاہیت کے شکار ہو جائیں گے۔ وہ بیدار ہو چکے ہیں۔ اور اب اس تیاری میں مصروف ہیں جس کے بغیر وہ اپنی مشکلات کو حل نہیں کر سکتے وہ اب انقلابی محاذ پر رفتہ رفتہ جمع ہو رہے ہیں کیونکہ اس کے سوا ان کو نجات حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں۔ چونکہ ۱۹۱۴ء سے لیکر ۱۹۱۷ء تک کے بین الاقوامی سیاسی بازی گری کا مطالعہ وہ اچھی طرح کر چکے ہیں لہذا وہ "حب الوطنی" کے نام پر فریب میں نہیں آ سکتے۔ سلطانیت کا طلسمی سبز باغ ان کو اب مسحور نہیں کر سکتا۔ آج دنیا میں جس طرح طبقہ مزدور (Proletariat) ایک مضبوط دل بن جانے کی جدوجہد کر رہا ہے۔ اسی طرح سلطانیت بھی تو اپنے ہاتھوں میں غلامی کی مضبوط

زنجیریں سلئے ہوئے دنیا میں فاتحانہ انداز کے ساتھ چل رہی ہے۔ روس کے اندر ۱۹۰۵ء کے انقلابی جنگ کی ناکامی کے اسباب اور انقلاب ۱۹۱۷ء کے دوران میں عارضی حکومت (Provisional Government) کے کارناموں کو طبقہ ادنیٰ بھولا نہیں ہے۔ کیا سرمایہ داروں بڑا جاؤں۔ بھارا جاؤں یا یوں کہئے (Bourgeoisie) کو اپنے طریقہ کار میں یہ مجبور طبقہ جنگ آزادی کو کامیاب بنانے کے لئے شریک کرے گا۔ ہم کو یقین نہیں آتا کہ اب ان سے ایسی غلطی ہوگی کیونکہ "آزمودہ را آزمودن جہل است" ہاں اگر سرمایہ داروں تعلقہ داروں کے ساتھ مخالفت اور بے اعتنائی کو لوگ غلطی اور بے عقلی سمجھیں تو بجا کریں۔ عوام مستقل طور پر بدامنی اور جنگ جاری رکھنا نہیں چاہتے وہ یہ نہیں چاہتے کہ ایک مرتبہ سامراج کا مقابلہ کرکے اپنی جان کا نقصان اٹھائیں تو پھر اس کے بعد اس کے گرگوں کا مقابلہ کیا جائے۔ طبقہ ادنیٰ کا نہ تو خون اتنا ارزاں ہے نہ ان کے پاس خون بہانے کے ذرائع ہی ہیں ان کی جدوجہد یا ان کی جنگ تو محض اقتصادی ہی بنیاد پر ہے۔ عوام کا طبقہ تو یہی اعلان کرتا ہے کہ سامراج اور اس کے گرگے مظالم کو ترک کریں اپنے خراب برتاؤ اور طریقہ کار کو تبدیل کریں۔ سماجی تحریک تو اشتراک عمل کی دعوت دے رہی ہے۔ خزانوں کو جمع کرکے حریص نگاہوں سے دیکھنے کو منع کرتی ہے۔ وہ دوسرے کی پیدا کی ہوئی دولت کو ہڑپ کرنا نہیں چاہتی بلکہ وہ تو پیدا کرنے کے ذرائع اور تقسیم سرمایہ میں سب کو شریک کردینے کا مشورہ دیتی ہے۔ کوڑھیوں کی طرح بیٹھ کر سب سے زیادہ آسائش چاہنے والوں ہی کو بُرا سمجھتی ہے اور ان کی اس روش کو تبدیل کردینا چاہتی ہے۔ وہ تو تندرست انسانوں کے لئے محنت کرنا لازمی قرار دیتی ہے۔ اگر ایسے اصول کو کوئی غداری، ڈاکہ اور گستاخی کہے تو اس کا علاج کسی کے پاس نہیں۔ ہم سماجی طاقت کی کامیابی کے لئے ضمانت دیتے ہیں۔ ہمیں یقین کامل ہے کہ بقائے اصلح (Survival of the fittest) کا زریں اصول صحیح ہے تو اس کا اثر ضرور غالب ہوگا۔ اگر سورج نکلا ہے اور بادل نے اس کا چہرہ چھپا دیا ہے پھر کوئی کہے کہ سورج یا اس کی روشنی کوئی چیز ہی نہیں ہے تو ہم ہرگز باور نہ کریں گے۔ ہم حجت بھی نہ کریں گے۔ اس لئے کہ بادل کے ہٹ جانے کے بعد منکر کو خود اس کا مشاہدہ ہوجائے گا۔ اسی طرح سماجی طاقت کا اصول اگر سامراجی طریقہ کار اور اس کے زعم کو ڈھا دے تو کچھ تعجب کی بات نہیں، اگر اس یقین اور اس امید کو کوئی خواب و خیال اور جنون کہے تو ہم نہیں مان سکتے ہم حجت اور تکرار کے لئے بھی تیار نہیں بلکہ اس گھڑی اور اس گھنٹہ کے ہم منتظر ہیں گے جب منکرین اور معترضین ششدر کھڑے دیکھتے رہیں گے۔ اس طاقت کو مغلوب ہوتے ہوئے جس کا گمان بھی ان کے دماغ میں نہ رہا ہوگا ——!

وطن میں عوام کا مجبور اور مظلوم طبقہ آزادی کے لئے تیار ہوچکا ہے اور اب مائل بہ ترقی ہے —— رات کا وقت ہے تیاری ہورہی ہے آسمان سے ستارے یہ تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ ابھی صبح ہونے میں کچھ دیر ہے —— کل کا پروگرام سب کو معلوم نہیں —— لیکن کامیابی کا یقین کامل ہے غروب آفتاب کے ساتھ ساتھ ظالموں کے گھروں میں بھی اندھیرا چھا جائیگا —— مگر اس وقت سے پہلے جو مجبور، کمزور اور فاقہ کش رہتے ہیں ان کے یہاں چراغاں ہوگا ——!

نیا قانون یعنی انڈیا ایکٹ

انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کیا بلا ہے۔ دستور اساسی یعنی نیا قانون کیا مصیبت ہے۔ نئے قانون کی رو سے ہندوستانیوں کو کیا ملا۔ گورنمنٹ آف انڈیا آئندہ سال سے کس قسم کی حکومت کرے گی صوبوں کی حکومتوں میں کیا کیا تبدیلیاں ہورہی ہیں۔ آئندہ سال فیڈریشن کے قیام کے بعد کیسی کیسی بلائیں آئیں گی ہندوستان کی ریاستیں کانگریس کی طرف آجائیں گی یا انگریزی سرکار کا ساتھ دیں گی اور ان کو ساتھ دینے کا یا کانگریس کے آگے ہاتھ جوڑنے کا اختیار بھی ہے یا نہیں۔ فیڈرل اسمبلی میں ان ریاستوں کی نمائندگی کتنی کتنی ہوگی ہندوستان میں کوئی فرقہ پرست یا صرف ہندو یا مسلم جماعت حکومت کی جگہ لے سکتی ہے یا نہیں۔ انگریزی غلامی سے ہندوستان نکل سکتا ہے یا نہیں۔ اس قسم کے تمام خیالات اور قانونی واقعات معلوم کرنے کے لئے آپ دفتر محشر خیال سے "جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی" کی بنائی ہوئی کتاب "اصلاحات ہند" منگا کر ملاحظہ فرمائیے۔ اس سے آپ کو جدید دستور کا حال معلوم ہوجائے گا۔ لکھائی چھپائی عمدہ اردو زبان نہایت سلیس اور عام فہم ۵۴۴ صفحات اصلی قیمت ڈھائی روپے رعایتی قیمت ایک روپیہ جلدی منگائیے۔ ممکن ہے کہ ختم ہوجائے۔ قومی کارکنوں کو یہ کتاب فوراً منگانی چاہیے۔

اس کتاب کے ملنے کا پتہ: منیجر رسالہ محشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی

اگر میں ڈکٹیٹر ہوتی

(ایک ہونے والی ڈکٹیٹر ملی کے قلم سے)

ڈکٹیٹری ایک عظیم الشان کام ہے، اور ایک نہایت اہم خدمت ڈکٹیٹری میں مرد ڈکٹیٹر ہوتا ہے، اور بعض اوقات عورت بھی۔ یوں کہنے کو تو مرد ہی کو ڈکٹیٹر کہہ لیجئے، مگر صحیح معنے میں تو خود ڈکٹیٹر کے گھر میں عورت کی ڈکٹیٹری ہوتی ہے تو پھر دوسرے گھروں کا کیا کہنا، اور حق تو یہ ہے کہ ڈکٹیٹری کا پیشہ سزاوار بھی کچھ عورت ہی کو ہے، اس لئے کہ وہ ایک حسین جمیل مرقع ہے، اور حسن کی حکومت تو ساری دنیا پر مشہور ہے۔ انتہا یہ کہ خود حق تعالےٰ نے بھی ایک طرح سے عورت کی عظمت کو مردوں کے مقابلہ میں مان لیا ہے، چنانچہ قرآن پاک میں جگہ جگہ وعدہ فرمایا ہے کہ مردوں کو دنیا بھر کی نیکی کے صلہ میں حوریں عطا کرے گا، کسی جگہ یہ نہیں کہا کہ عورتوں کی نیکی کے بدلے انہیں غلمان عطا کریں گے، اگرچہ اس بات کا ہم کو افسوس بھی بہت ہے، لیکن پھر بھی اس سے اطمینان سا ہو جاتا ہے کہ جس طرح یہاں کسی نہ کسی صورت کام چل رہا ہے، وہاں بھی اسی طرح چل جائے گا۔

نیکی بجائے خود ایک اچھی چیز ہے، اور نیکی کے انعام کے طور پر جو چیز دی جا رہی ہے، اس کا اچھا ہونا تو لازم ہی ہے۔ مثال کے لئے فٹ بال ٹورنمنٹ ہی کو لے لیجئے، دنیا جانتی ہے کہ "فائنل" اور "سیمی فائنل" کے کھلاڑی بہترین ہوتے ہیں، اس میں کس کو شک ہو سکتا ہے، لیکن ان سے بہتر وہ کپ ہوتا ہے، جو انہیں انعام کے طور پر دیا جاتا ہے، اور یوں سمجھ لیجئے کہ مرد "فٹ بال" ہیں اور عورتیں کپ۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل عورتیں اپنے کپ کی قیمت کو سمجھ کر مردوں کو ٹھکرانے لگی ہیں، اور مرد بھی اپنی "فٹ بالی" فطرت سے اس قدر مطمئن اور خوش ہیں کہ انہیں ان لاتوں میں ہی گول سے بڑھ کر مزہ آ جاتا ہے۔ اس لئے انہوں نے عورتوں کی عزت کو داخل مذہب کر لیا ہے، اس مذہب کا جدید نام "فیشن" ہے ورنہ ایام جاہلیت میں اس کو زن مریدی سے تعبیر کیا جاتا تھا، لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب وہ تاریک دور نہیں رہا، بلکہ ایک ایسا روشن زمانہ آگیا ہے، جس میں عورتیں، اور ان کے دلفریب حسن کا جلوہ مثل "الیکٹرک لائٹ" کے جگہ جگہ نظر آتا ہے، اور مرد اس کی طرف پروانہ وار لپکتے ہیں جس سے عموماً یہ بھی خیال کیا جاتا ہے، کہ مردوں کے ہوش و حواس ٹھکانے نہیں رہے، اور معاشرت میں ایک قسم کی بدنظمی و بے ربطی پیدا ہو گئی ہے۔ لہذا اس کو سراسر بدنظمی کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اب عورتوں کی ڈکٹیٹری سارے ہندوستان پر قائم کر دی جائے تاکہ برسوں کا یہ چھینا ہوا راج انہیں پھر مل جائے۔ اور یہ ان کا فرض بھی ہے کہ اس کو واپس لے لیں، کیونکہ وہ کبھی انہیں کی عنایتوں سے تھا۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے آپ کو بحیثیت ڈکٹیٹر کے مردوں کے مقابلہ میں پیش کر دوں۔ "گر قبول افتد زہے عز و شرف"

اور اگر مرد میری اس ناچیز تجویز کو قبول فرمالیں تو میں کچھ ایسے اصول بھی عرض کرنا چاہتی ہوں، جو میں بہ زمانہ ڈکٹیٹری ہندوستان کے امراض کہنہ کو دور کرنے کے لئے بہ طور ٹانک استعمال کرنے والی ہوں۔

غالباً لوگوں کو تعجب ہوگا کہ ایک ڈکٹیٹر کی شان والی عورت مردوں کے مقابلہ میں، اس قدر نرم و ملائم الفاظ میں کیوں گفتگو کر رہی ہے، تو آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ "زبان شیریں، ملک گیری"۔ عورت مرد کی طرح خود غرض، جاہل، اکھڑ، اور وحشی نہیں واقع ہوئی ہے، بلکہ وہ نیچے سے اوپر تک مرکز کشش اور دائرۂ خوبی ہے، جس کے چہرہ کے حسن و ملاحت جسم کے گداز پن، ساق سیمین، نازک کلائی، نرم و ادا، سحر مجسم، اور شیریں سخنی کا سارا زمانہ قائل ہے۔ وہ خود امن پسند ہے، وہ جھگڑوں سے نفرت کرتی ہے، اس لئے مردوں کو دیکھتے ہی اس کا دل پگھلنے لگ جاتا ہے۔ اور رحم و محبت کے جذبات اس کے دل میں امنڈ پڑتے ہیں، اس لئے یقین ہے کہ اس کی حکومت، مردوں کی حکومت کے مقابلہ میں نہایت پرسکون اور امن آفریں ہوگی، پس میں ایسے اصول ایجاد کروں گی کہ سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے۔ ذیل میں میں ایسے ہی چند اہم اصول کی طرف اشارہ کرتی ہوں۔

(۱) مرد کو دیکھتے ہی، پہلی ملاقات میں میں کمرہ کے اندر بھاگ جاؤں گی پھر مبادا کہ وہ مجھ سے نفرت کرنے لگ جائے، چلمن میں سے مسکراتے ہوئے کچھ جھانک بھی دوں گی۔

(۲) اس سے اس بے وقوف کے دل میں ایک تڑپ اور جستجو سی پیدا ہو جائے گی، اور وہ دوبارہ مجھے دیکھنے کو آئے گا۔

(۳) پھر میں ذرا اہمیت کو دور کر کے، صرف ایک شوخ ادا سے اندر چلی جاؤں گی، اور دروازہ "بھڑ" سے بند کر لوں گی — انتہا

میں وہ میری خوشامد کی تیاریاں شروع کر دے گا، یا نہیں تو کم سے کم خطوط کا سلسلہ تو ضرور شروع ہو جائے گا۔ (اور اگر وہ طبیعت کا سخت اور خود دار نکلا تو پھر دوسرے طریقے استعمال کئے جائیں گے، اور ایسے طریقوں کی عورت کے پاس کوئی کمی نہیں)

(۴) میں ابتدائی دو چار خطوط تو لاپروائی سے اس کو دکھاتے ہوئے، ردی کی ٹوکری میں ڈالدوں گی، یا پھاڑ کر پھینک دوں گی، اس طرح کہ اس کے جانے کے بعد پڑھ سکوں، پھر میں پڑھوں گی، خوش ہوں گی اور سینہ سے لگا دوں گی۔

اس طرح سے اس کو میری بے نیازی و نفرت کا یقین بھی ہوتا جائے گا اور میرا کام بھی چلتا رہے گا۔

(۵) پھر بننا سنورنا، ذرا زیادہ شروع کر دوں گی، پوڈر کریم تیل وغیرہ کا صرفہ ذرا زیادہ ہوگا، تو مجھے اس کی کیا پروا، میں فرمائشیں شروع کر دوں گی، اور وہ بے وقوف خوشی خوشی لا دے گا، بلکہ اور بھی کئی قسم کے تحفے اسے لانے پڑیں گے۔

(۶) رفتہ رفتہ میں سامنے آنے لگ جاؤں گی، پھر باتیں شروع ہوں گی، پھر گلے شکوے ہوں گے پھر مجھے کچھ رونا یا آنسو دکھانا ہی پڑے گا، پھر عہد و پیمان ہوں گے، پھر سینما، سیر و تفریح وغیرہ ہوگی، پھر ناز نیاز ہوگا، پھر ——— علیٰ ہٰذا القیاس ———

(۷) اب وہ شادی کی درخواستیں شروع کر دے گا، لیکن بہ حیثیت ڈکٹیٹر کے مجھے سارے ہندوستان کو سنبھالنا ہوگا۔ میں کبھی ایسی خواہشوں کی پرواہ نہیں کروں گی، کیونکہ زیادہ سے زیادہ آدمیوں کی خدمت کرنا میرا فرض ہوگا۔ اس لئے میں پبلک مفاد کے مقابلہ میں ذاتی مفاد کو کبھی ترجیح نہ دوں گی۔

پھر یہ ہماری جدید "وحی آسمانی" یا "آزادیٔ نسواں" کے خلاف بھی ہوگا۔ اور ایک "تہذیب یافتہ" عورت سب کچھ قربان کر سکتی ہے، لیکن آزادیٔ نسوانی میں کبھی فرق نہیں آنے دے سکتی۔

(۸) لیکن چونکہ مرد کو بد دل کرنا بھی عورت کی نرم و نازک فطرت کے خلاف ہوگا، اس لئے زیادہ سے زیادہ میں "سول میرج" ("Civil Marriage") کی اجازت دیدوں گی ——— اور سول میرج میں تو نہ کوئی میاں ہو سکتا ہے، نہ بیوی۔ اس طرح نہ آزادی میں فرق آئے گا، نہ کاروبار سلطنت میں۔

(۹) نوجوان مردوں کو بڑے بڑے اور اہم عہدے دوں گی کیوں نہ جس مرد میں جوش و طاقت نہ ہو وہ کام کیا کر سکتا ہے۔ سب بڈھوں کو زندہ چنوا دوں گی، یا دس دس سال کی "سزائے قید" سنا دوں گی نوجوان مردوں میں بھی طاقتور اور خوبصورت مرد خاص طور پر قابل ترجیح ہوں گے۔ کیونکہ "اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَّیُحِبُّ الْجَمَالَ" لہٰذا عورتوں کو بھی ایسے ہی مرد پسند ہوں گے۔ یہ اور بات ہے کہ عورتوں کے پاس معیار حسن صرف گورا چہرہ اور ناک نقشہ نہیں بلکہ اور خصوصیات ہیں جو مردوں کے نقطہ نظر اور عورتوں کے نقطہ نظر میں ما بہ الاختلاف کہلا سکتی ہیں۔

یا اگر یہ خصوصیات نہ ہوں تو کم سے کم دولت مند ہو، کہ دولت سے بہت سی خامیوں کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

(۱۰) میری حکومت کا سب سے بڑا جزو عدل و انصاف ہوگا اس لئے مردوں کے ان تمام مظالم کا بدلہ چن چن کر لوں گی، جو اب تک انہوں نے ہماری ذات پر کئے ہیں، جس کا ایک سرسری نقشہ حسب ذیل ہے۔

(ا) مردوں کا آزادانہ انتخاب عورتوں کو حاصل رہے گا۔ اور شادی بھی وہ اپنی حسب مرضی جس سے چاہیں گی کر سکیں گی۔

(ب) عورتیں ان مردوں سے شادی کر سکیں گی، جنہیں وہ پسند کریں گی۔ ایک، ایک، دو، دو، تین تین، چار، چار وغیرہ۔ اور اگر خوف ہو کر عدل نہ کر سکیں گی تو بہ حیثیت کمزور صنف ہونے کے وہ قابل معافی ہوں گی۔ مردوں کو ان کا ہاتھ بٹانا اور ایثار سے کام لینا چاہئے۔

(ج) عورت مرد کی "نیم خدا" ہوگی۔ اس لئے اس کا احترام کرنا اور ہر حکم ماننا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنا ہر مرد کا فرض ہوگا۔ کیونکہ عورت کی خوشنودی خدا کی خوشنودی ہے۔

(د) عورتوں کو ہر صورت میں طلاق کا حق حاصل ہوگا، البتہ مرد چاہیں تو مہر ادا کر کے عورت کی مرضی سے خلع کرا سکیں گے، مگر عدت کے ایام مردوں کے لئے چار سال، چار ماہ، چار دن ہوں گے، کیونکہ وہ بہت قوی الجثہ ہوتے ہیں۔

(ہ) جو مرد اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہوں گے، ان بدمعاشوں کو خصی کرا کے ڈاڑھی مونچھ منڈا دوں گی، اور ڈاڑھی مونچھ تو آج کل اکثر نگوڑے منڈاتے ہی ہیں، پھر منڈے ہوئے بالوں کا منڈانا تحصیل حاصل ہوگا، اس لئے چہرے کی کھال کھنچوا دوں گی، اور شہر بدر کر دوں گی۔ کیونکہ ایسے مردوں کا سلطنت میں کیا کام، جو عورتوں کا وظیفہ فطری پورا نہ کر سکیں۔

(و) مردوں کو غیر محرم عورتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی مجال نہ ہوگی، ورنہ آنکھیں نکلوا دوں گی، البتہ جو مرد غریب یا مجبور ہیں، وہ نقاب وغیرہ ڈال کر بازار وغیرہ کو جا سکیں گے، اور وہ بھی حفظ محرمات وزیبائشی مقامات کے ساتھ۔

(ز) جب مرد کی عورت کا انتقال ہو جائے، اس کو عورت کے ساتھ "ستی" ہونا پڑے گا، ستی اگر مشکل معلوم ہو تو فی الحال مدا محمر

قید با مشقت کی سزا دی جائے گی۔ البتہ اتنی رعایت ہوگی کہ وہ جس سزا کو چاہے، انتخاب کرے۔

ایسے بیوہ مرد کو عورتوں کا سماج نہایت حقارت کی نظر سے دیکھے گا۔ اور اس کو کسی خوشی کی تقریب میں شریک ہونے کا حق حاصل نہ ہوگا۔ نہ دوسری شادی کرنے کا۔

جو مرد عورتوں کی حرمت و ناموس کے خلاف نکاح ثلاثی کا خیال بھی کرے گا، قتل کر دیا جائے گا۔

(ح) ملک میں جا بجا مردانہ دستکاری کے مدرسے قائم کر دوں گی تاکہ وہ کھانا پکانا، گھر سنبھالنا، کشیدہ کاڑھنا، اور کارچوب وغیرہ کا کام اچھی طرح سیکھ سکیں، اور عورتوں کے لباس اور جاکٹوں وغیرہ کی زیب و زینت میں اضافہ ہو۔

(ط) مرد اور اس کی ہر قسم کی جائداد و کمائی عورت کی ملک تصور ہوگی، اور اس کو اس پر ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل رہے گا۔

(ی) ملک میں برتھ کنٹرول کو ایک خاص توازن سے رواج دوں گی، مثلاً چھ بچے ہوں، تو چھ بچیاں بھی ہونی لازم ہوں گی، اور بچیوں کا پہلے ہونا بھی لازمات سے ہوگا، تاکہ ہر صورت سے عورتوں کی برتری مردوں پر مسلم ہو۔

یوں تو آج کل کے شوقین زمانہ میں بچوں کا ہونا ہی صنفی انتظام اور خوش اسلوبی میں ایک فرق سا لانا ہے، اور بہ ظاہر تو اُن کا نہ ہونا ہی بہتر معلوم ہوگا، مگر کیا کیا جائے کہ عورت اپنی "فطری لت" سے مجبور ہے کہ بغیر جنے اسے چین ہی نہیں پڑتا۔

(ک) میں امتیاز مذہب و ملت، یعنے ہندو مسلم، عیسائی پارسی کے فرق، اور تعصب و تنگ نظری کو یک قلم مٹا دوں گی۔ مرد کا مرد ہونا ہی ——— بقول سعدی سب سے بڑی خوبی ہے۔ اور جوانمردی ہمت، محبت، اور اجتماعیت ہی سے دنیا کا کاروبار چل سکتا ہے۔

ایسے ہی ذلیل اور رذیل تفرقوں نے امن و چین کو مفقود کر دیا ہے۔ اس لئے میں صرف محبت اور مرد کے مقابلہ میں کسی اور چیز پر نظر ہی نہیں ڈالوں گی، کیونکہ محبت اندھی ہوتی ہے۔

(ل) اردو زبان میں مردوں اور عورتوں کے متعلق استعمال افعال کا جو جاہلانہ طریقہ رائج ہے، اس کو یکسر بدل دوں گی، یعنے مردوں کے لئے وہ سب الفاظ استعمال کریں گی، جو اب تک عورتوں کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں اور اس کے برعکس، مثلاً امیر لی جاتا ہے، اور احمد سیاں جاتی ہے۔

میں نے غلط کہا ——— 'ی' میں بھی یائے تانیث ہے، اور اس سے بھی ایک قسم کی کمزوری کی بو آتی ہے، اس لئے اس کو بھی 'الف' سے بدل دوں گی، اور مردوں کے ناموں کے ساتھ یائے تانیث لگا دوں گی مثلاً۔ امیر با جاتا ہے، اور احمدی جاتی ہے وغیرہ۔

اور "نسا" قسم کے جتنے نام ہیں، ان کے اہمال، اور غلط طریقہ کو بالکل دور کر دوں گی۔ یہ کتنی مہمل بات ہے کہ عورت کی عزیز عورت ہو ——— اول تو ایسا ہوتا نہیں اور ہو بھی تو اس سے ملک کو کسی قسم کا فائدہ نہیں اس لئے میں ان کو ان کے فطری اصول یا نظام قدرت کے تحت ترتیب و ترویج دوں گی، مثلاً عورتوں کے نام عزیز الرجال، محبوب الرجال اور مردوں کے نام عزیز النساء، محبوب النساء وغیرہ۔

(م) فوج میں بھی عورتوں کی بھرتی کروں گی، جس سے ملک کے مالیہ میں غیر معمولی اضافہ ہوگا، کیونکہ عورت بذات خود ایک مسلح ہستی ہے تیغ ابرو، زنجیرۂ زلف، کمان لب، تیر سخن، تردمین۔ دیدہ، غلۂ تِلی، چاہِ زنخداں، صراحی گردن، کاسۂ چشم، میدانِ سینہ وغیرہ وغیرہ غرض کئی آلات حرب اور ضروریات جنگ وغیرہ سے آراستہ ہے۔

پھر ساری جرمنی اور اٹلی ایک طرف، اور صرف عورت ایک طرف اس کے تیغ و سپر کے استعمال کے بعد تو دنیا کے بڑے سے بڑے مردوں سے ہار منوا لینا کوئی بڑی بات نہیں، پھر ان آلات حرب کے کارخانوں پر جو بیکار روپیہ صرف ہو رہا ہے۔ بچ جائے گا۔

اگر کبھی جنگ کا موقعہ آ جائے تو سارے فسادیوں اور نوجوانوں کو ایسے ایسے "کوسنے" کوسوں گی "کہ ناطقی ملے" تنگ آ کر میدان جنگ سے بھاگ جائیں اور پھر کبھی لڑائی کا نام نہ لیں۔

فوج میں اس بات کا لحاظ رہے گا کہ مخلوط تعلیم کی طرح مخلوط فوج کو رواج دیا جائے، کیونکہ بہت سے ایسے کام ہیں جو عورتوں اور مردوں کے باہمی تعاون کے بغیر نہیں نکل سکتے۔ اور یقین ہے کہ مردوں کو بھی میری اس رائے سے اتفاق ہوگا۔ اور وہ خوشی خوشی فوج میں شریک ہوا کریں گے۔ اس طرح ایک بڑی کسر دور ہو جائے گی، اور وقت ضرورت ایک دوسرے کے کام آ سکے گا۔ اور فوج میں بھی غیر ارادی طور پر اضافہ ہوتا رہے گا جس سے جبری بھرتی کی نوبت نہ آنے پائے گی۔

(ن) مخلوط تعلیم تو میرے اصول کا اہم جز رہے گی، تاکہ تبادلۂ خیالات وغیرہ کی وجہ سے یہ صنفی جھجک اور کمزوری دور ہو جائے اور دونوں کی اجتماعی ترقی میں دن بدن اضافہ ہوتا رہے۔ عورت کی فطرت ایسے اصول پر مبنی ہے کہ وہ ایثار و محبت سے کام لے تو وحشی سے وحشی مردوں کو رام کر سکتی ہے، جس سے یہ آئے دن کے فسادات اور جھگڑے نیست و نابود ہو جائیں گے۔ اور آزادانہ میل ملاپ، اتحاد و اتفاق سے بہتر سے بہتر نتائج پیدا ہو سکیں گے۔

(س) ملک کے چپہ چپہ میں حکومت کی طرف سے خفیہ زچگی خانے

قائم کروں گی، اور گورنمنٹ کو بچوں کی پرورش کی ذمہ دار قرار دوں گی تاکہ بچے پیدا ہوں بھی تو ماؤں کی جوانی پر کوئی حرف نہ آئے، اور بچوں کی پرورش کے جھگڑوں سے انہیں نجات مل جائے۔ تاکہ وہ اطمینان سے سارے ملک کی خدمت کر سکیں۔ اس طرح سے مرتے دم تک وہ عورت کی عورت رہیں گی اور "مس" کی "مس" اور جا بجا خواتین کانفرنسیں اور انجمنیں قائم کرکے زیادہ سے زیادہ لکچر دے سکیں گی۔

(ع) زنانہ پردہ کو جرم قرار دوں گی، جس سے عورتوں کی جوانی، صحت کو گھن لگ گیا ہے۔ اس کے بدلے مردوں کا پردہ مقرر کردوں گی تاکہ وہ بغیر اجازت بیوی کے کسی تقریب وغیرہ میں بھی نہ جا سکیں اور انہیں اپنے گزشتہ مظالم کا احساس ہو۔

(ف) جس طرح مردانہ دواخانوں میں "نرسیں" ہوتی ہیں، اسی طرح زنانہ دواخانوں میں "نرسے" یا "مرد نرس" مقرر کروں گی تاکہ طبی اصول کے تحت ایک دوسرے کی تیمارداری سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔ وغیرہ۔

مجھے امید ہے کہ یہ چند اصول ایک ڈکٹیٹر کے لئے بہت کافی ہیں ـــــ حسب ضرورت ان میں اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ پھر دیکھنا کہ ہندوستان پر کس قدر امن و سکون، اور راحت و اطمینان کا بادل چھا جائے گا ـــــ مجھے اس کا بھی یقین ہے کہ آج کل کے روشن زمانہ کی آزاد خیال بہنیں، سب کی سب مل کر میری ان تجاویز سے اتفاق کریں گی، اور میری ہمنوا ہوں گی۔ اے کاش! میں ہندوستان کی ڈکٹیٹر ہوتی۔

اتاترک

بیسویں صدی کے حیرت انگیز انسان اور ترکی کے مسیحا غازی (مصطفےٰ) کمال اتاترک

کی نہایت جامع اور مفصل سوانحعمری

اردو داں طبقہ کو یہ عام شکایت تھی کہ غازی اعظم مصطفےٰ کمال اتاترک کے حالات زندگی آج تک اس انداز سے مرتب نہ ہو سکے کہ اس مجاہد اعظم کی حقیقی سیرت، اس کی زندگی کے مقدس مشن اور اس کے معجزانہ کارناموں پر پوری طرح روشنی پڑ سکتی۔ اس شکایت کو دور کرنے کے لئے مصطفےٰ کمال کے مخالفین اور موافقین کی لکھی ہوئی پچاسیوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد "اتاترک" مرتب کی گئی ہے۔ اس قیام جمہوریہ کے سلسلے میں ترکی کے لئے طرز حکومت کے انتخاب کے متعلق مخالفین کی ہمت شکن مخالفتوں، ملاؤں درویشوں اور قدامت پرستوں کی شورشوں، کمال اتاترک کے انقلابی پروگرام اور اس پروگرام کے تمام پہلوؤں پر نہایت بے لاگ اور مبسوط تبصرہ کیا گیا ہے ایک پورا باب ۱۹۳۵ء میں ترکی جمہوریہ کے ہر شعبہ کی ترقیات کے نذر ہے۔ ایک اور باب میں یورپ کی موجودہ متلاطم سیاست میں ترکی کی حقیقی پوزیشن پر نہایت فاضلانہ تبصرہ ہے۔ اور ایک آخری باب میں اتاترک کی شخصی اور ذاتی خصوصیات پر نہایت جامعیت سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

غرض کتابی سائز کے تین سو صفحات پر مشتمل جس میں کمال اتاترک، ان کی والدہ ان کی بیوی اور ساتھیوں کے متعدد بلاک کی تصویریں شامل ہیں یہ ایک ایسا زبردست "ریسرچ ورک" ہے کہ اس کی نظیر اردو تو اردو کسی دوسری زبان میں بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔

کتاب کی طرح ٹائٹل پیج کا ڈیزائن بھی آرٹ کا نادر شاہکار اور بجائے خود ایک مستقل کتاب ہے۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود قیمت صرف دو روپے علاوہ محصول ڈاک۔ ملنے کا پتہ:۔

منیجر رسالہ محشر خیال جامع مسجد دہلی

جوشِ انتقام

(از جناب حسین عطار اللہ صاحب سکنڈ فارم حیدرآباد دکن)

(۱)

خورشید اپنی ضیا پاش شعاعیں کائنات ارضی پر ڈالتا ہوا رخصت ہو رہا تھا۔ اور اپنی آخری کرنوں سے اس مکان کو زرد و نبار رہا تھا جو آبادی سے دور اسپین کے جپسی گروہ کا مسکن تھا اس قبیلہ کے لوگ رقص و سرود کے ماہر اور موسیقی کے فن میں کمال رکھتے تھے۔ وہ شہروں میں گھومتے رہتے تھے اور اپنے کمالات خصوصاً رقص خنجر یا چاقو کے کرتبوں سے تماشائیوں کو خوش کرکے اتنا کچھ حاصل کر لیتے تھے کہ ان کی زندگی آرام و آسائش سے بسر ہو جاتی تھی۔

طوفان کا آغاز تھا سیاہ بادل امڈ امڈ کر آ رہے اور آسمان پر چھا رہے تھے جو کو یا طوفان کا پیش خیمہ تھا۔ اس معمولی سے گھر میں مجلس عیش و نشاط برپا تھی قبیلہ کے لوگ حلقہ کئے بیٹھے تھے اور ایک حسین رقاصہ درمیان میں ناچ رہی تھی رقص میں چاقو کے کرتب خاص چیز تھی جس میں اس کو ملکہ خصوصی حاصل تھا رقاصہ کی عمر ۱۵ سال سے زیادہ نہ تھی اس کا سن رسیدہ باپ بھی حلقہ کے ایک جانب کھڑا تھا دفعتہً چند آدمی ایک نعش کو لے کر مکان کے اندر داخل ہوئے۔ نعش کو دیکھتے ہی اجتماع میں اضطراب و برہمی پیدا ہو گئی۔ بدنصیب مقتول اسی قبیلہ کا ایک فرد اور رقاصہ کا بھائی تھا مقتول کے باپ نے جو قبیلہ کا سردار تھا جرأت سے آگے بڑھ کر استفسار کیا "موت کیوں واقع ہوئی" نعش والوں میں سے ایک نے جواب دیدیا "ایک انگریز شکار کھیلنے آیا ہے اس کی گولی نے خطا کی اور مقتول اس کا شکار ہو گیا" باپ نے غضبناک انداز میں چلا کر کہا "میں اس کا انتقام لوں گا" یہ کہہ کر وہ کمرے میں چلا گیا کپڑے پہنے۔ ہتھیار سجے اور تیار ہو کر پیڑرو سے کہا وہ بھی اس کے ساتھ چلے رقاصہ نے باپ کو اس ارادہ سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن وہ نہ مانا۔

پیڑرو کو رقاصہ سے بے حد محبت تھی وہ چاہتا تھا کہ اس بلبل کو جس طرح ممکن ہو اپنے دام الفت میں پھانس لے لیکن ادھر تو رقاصہ کا باپ اس راہ میں اس کا مزاحم تھا اور دوسری جانب خود موہنا (رقاصہ) کو اس سے نفرت تھی پیڑرو جب اس کے باپ کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ تو اس نے موہنا سے کہا "پیاری موہنا دیکھ میں ایک انگریز کو موت کے منہ میں ڈالنے جا رہا ہوں۔ ہاں دیکھ یہ کیسا بہادر ہوں" یہ کہہ کر وہ ہنسا اور موہنا کی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھنے کے لئے آگے بڑھا موہنا نے اس کو جھڑک دیا اور پیچھے ہٹ گئی۔

میٹری اور پیڑرو روانہ ہوئے۔ تھوڑی دور جا کر میٹری نے اپنی جیبیں ٹٹولیں اور پیڑرو سے کہا "میں اپنا چاقو بھول آیا ہوں تم جا کر لے آؤ" پیڑرو واپس آیا اور موہنا کے پاس پہنچکر چاہا کہ چند لمحے لطف و تفریح کی باتوں سے دل کو خوش کرے لیکن موہنا نے دونوں ہاتھوں سے اس کے شانوں کو پکڑ کر دھکیل دیا اور چلی گئی پیڑرو ہاں نامراد پیڑرو مایوس ہو کر آگے بڑھا اور چاقو لے کر چلا گیا۔

---

(۲)

جپسی قبیلے کے مکان سے ایک میل کے فاصلہ پر وہ مکان تھا جس میں ارل ان دنوں شکار کی غرض سے آ کر اترا تھا۔

رات ہو چکی تھی ماہتاب کی غازہ پاش کرنوں نے آسمان کو رو پہلا بنا رکھا تھا نوجوان حسین و خوبرو ارل تنہا مکان سے باہر نکلا اور ایک ایسے محفوظ مقام پر پہنچکر شکار کی تاک میں بیٹھ گیا جس کے اطراف میں جھاڑیاں تھیں ابھی ابھی میٹری نے یہاں سے ایک ہرن شکار کیا تھا اور قریب ہی ۱۱-۱۲ سال کی عمر کا ایک لڑکا جھاڑیوں کے اندر چھپا ہوا شکار کا تماشہ دیکھ رہا تھا یہ لڑکا بچپن ہی سے گونگا اور بہرا تھا۔ موہنا کو اس سے غیر معمولی محبت اور ہمدردی تھی اور اس نے کئی نادر تماشے اور کرتب اس کو سکھا دئے تھے۔

بوڑھا میٹری شکار کئے ہوئے ہرن کے پاس بیٹھا تھا اس کی پشت پیڑرو کی جانب تھی۔ پیڑرو نے اس سنگ گراں کو جو اس کے اور موہنا کے درمیان حائل تھا اپنی راہ سے ہٹا دینے کے لئے۔ اس موقع کو مناسب سمجھا چپکے سے اس نے بندوق اٹھائی اور گھوڑا دبا دیا گولی سنسناتی ہوئی نکلی۔ اور بوڑھے کی پیٹھ میں داخل ہو کر سینہ سے نکل گئی۔ جان (گونگا بہرا لڑکا) نے پیڑرو کی اس حرکت کو دیکھ لیا۔ وہ اٹھا اور مکان کی طرف دوڑ گیا بندوق کی آواز سے ارل چونک پڑا وہ اٹھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا پیڑرو کے قریب پہنچ کر اس نے بوڑھے کی نعش دیکھی اور حیرت کے لہجہ میں دریافت

کیا: "یہ کیونکر موت کا شکار ہوا؟" پیڑرو نے اطمینان کے لہجہ میں کہا: "ابھی ابھی ایک گولی سنسناتی ہوئی نہ جانے کدھر سے آئی اور اس کو موت کے آغوش میں دے گئی میں نے مڑ کے دیکھا تو یہ دم توڑ رہا تھا۔"

ارل نے خشمگیں لہجہ میں کہا: "میں یہاں کا ارل ہوں تم کو سچ سچ بتانا پڑے گا۔" پیڑرو نے ملائمت کے لہجہ میں کہا: "تم ارل ہو۔ مجھکو اس کا پتہ نہیں۔ نعش کو میں یہاں سے لے جاؤں گا۔" ارل خاموش ہو گیا اور اپنی قیام گاہ پر واپس چلا گیا۔

پیڑرو ارل کی واپسی کے بعد اٹھا میٹری کی نعش کو کاندھے پر ڈالا اور مکان کی طرف روانہ ہوا قبیلہ میں پہنچکر اس نے کہا: "یہ بھی انگریزوں کی گولی کا نشانہ بنا ہاں اُن انگریزوں کی گولی کا جو ہمارے دشمن ہیں۔ ارل کی گولی نے اس کا کام تمام کیا جو یہاں سے قریب ہی ایک مکان میں ٹھہرا ہے۔" یہ کہہ کر وہ مصنوعی رونا رونے لگا۔

سوہنا بوڑھے باپ کی نعش کو دیکھ کر رونے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی اس کے کلیجہ میں باپ اور بھائی کی اچانک موت نے ناسور ڈالدئے تھے اس کی نرگسی آنکھوں سے آنسوؤں کے بجائے خون ٹپک رہا تھا دیر تک وہ روتی رہی پھر دیکایک اُس نے چلا کر کہا: "جب تک انتقام کے سرد پانی سے اپنے اُن شعلوں کو نہ بجھا لوں گی جو میرے قلب میں بھڑک رہے ہیں۔ میرے لئے کھانا حرام ہے۔ میں اس خون کا بدلہ لوں گی اور قاتل کو زندہ چبا جاؤں گی۔"

وہ اٹھی گھوڑے پر سوار ہوئی اور چلدی، طوفان کی تباہ خیزیاں، جنگل کی خوفناک تاریکی، اور بارش کا زور و شور اس کے مستقل ارادوں اور جوش انتقام کے سامنے کوئی چیز نہ تھی اُس نے گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا اور لمحوں کے اندر وہ اس جگہ پہنچ گئی جہاں ارل مقیم تھا وہ گھوڑے سے کود پڑی اور مکان کی جانب بڑھی اس کا دماغ جوش انتقام سے ماؤف ہو چکا تھا چکر پر چکر آرہے تھے اور چہرہ غیظ و غضب سے لال بھبوکا ہو رہا تھا وہ قدم رکھتی کہیں تھی لیکن وہ دروازہ تک پہنچ گئی بارش ہو رہی تھی۔ سرد ہوا کے جھونکے جسم کو ٹھٹھرائے دیتے تھے۔ اور وہ بے حس و حرکت دروازہ پر کھڑی تھی۔

ارل نے دیکھا دروازہ پر کوئی ستم رسیدہ مسافر کھڑا ہے وہ خود اٹھا سوہنا کو اندر لے آیا اور گرم چادر یا کمبل اس کو اڑھا دیا سوہنا بے ہوش تھی اور غفلت میں بڑبڑا رہی تھی: "میں ارل سے ضرور انتقام لوں گی۔ ہاں اپنے باپ اور بھائی کے خون کا بدلہ لوں گی۔" ارل جو سوہنا کے حسین و دلربا چہرہ کو دیکھنے میں محو تھا سوہنا کے ان الفاظ کو سن کر چونک پڑا۔ اور حقیقت حال سے آگاہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد سوہنا کو ہوش آگیا گردو پیش پر اس نے نگاہ ڈالی اور حیرت زدہ ہو کر دریافت کیا: "میں کہاں ہوں؟" پھر اس نے فوراً ہی ارل کی طرف دیکھ کر کہا "یہاں کون رہتا ہے؟" اور معاً اس کی جبین ناز پر بل پڑ گئے ارل نے جواب دیا: "ارل کا مکان ہے۔" سوہنا نے متجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ کر کہا: "ارل کہاں ہے؟" دور اندیش ارل نے وقت کو ٹالنے کے لئے کہا "میں ارل کا مصاحب ہوں وہ باہر گئے ہوئے ہیں۔" سوہنا نے پوچھا۔ "وہ کب آئے گا؟" ارل نے جواب دیا: "غالباً کل صبح تک۔"

---

(۳)

ارل نوجوان اور حسین تھا اُس کے چہرہ میں ایک خاص کشش تھی اور اُس کے خوبصورت اور سڈول جسم پر اس وقت سوٹ خوب کھل رہا تھا چند لمحوں کی یکجائی اور نگاہوں کے تبادلہ نے ایک دوسرے کا گرویدہ بنا دیا ارل کی پیاری صورت نے سوہنا کے دل میں گھر کر لیا اور ارل کا قلب بھی محبت کی ٹیک سے جگمگا اٹھا سوہنا کو خداوند تعالےٰ نے غیر معمولی حسن و جمال بخشا تھا رعب حسن سے کسی کو اتنی جرات نہ ہوتی تھی کہ وہ اس کے چہرہ پر نگاہ ڈال سکے اس کی بڑی بڑی نرگسی آنکھوں میں جادو تھا۔ اس کا کتابی چہرہ اس کے دست و بازو، اس کا تن نازنین اور.......... مرمریں سینہ سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔

صبح کا وقت تھا ارل رباب ہاتھ میں لئے سیڑھیوں پر محو نغمہ سرائی تھا اور سوہنا اس کے قریب کھڑی فضا میں اُس کے نغمہ کی گونج کو سن رہی تھی آخر سوہنا نے رباب کو ارل کے ہاتھوں سے چھین لیا اور ایک مسحور کُن گیت سے ارل اور ہر اُس جاندار کو جو وہاں موجود تھا محو و بےخود بنا دیا دونوں نغمہ سرائی کے لطف میں محو تھے اور فضا رباب کی اثر پذیر آوازوں سے گونج رہی تھی کہ ملازم نے ایک ضروری بات کہنے کے لئے ارل کو بلایا اور کمرے میں لے گیا۔

سوہنا انتقام کی دیوانی بن کر آئی تھی مگر آہ اب وہ محبت کی دیوانی تھی اُس کی آنکھوں سے اب انتقام کا خون نہیں محبت کی شراب چھلک رہی تھی۔ اس کے قلب میں انتقام کے شعلوں کے بجائے اب محبت کی دنیا آباد تھی وہ اب مجبور اور محبت کے ہاتھوں بالکل مجبور تھی ارل کے جانے کے بعد وہ سیڑھیوں سے اتری اور گملوں کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا انتقام! انتقام!! انتقام!!! لیکن وہ ارل کے انتظار میں تھی وہ اسی طرح محو خیال تھی کہ پیڑرو نے جو جھاڑیوں میں چھپا ہوا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا قریب آ کر کہا: "کیوں! کیا انتقام لے لیا؟"

سوہنا نے اظہار نفرت کرتے ہوئے پیڑرو کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہا "ارل ابھی تک نہیں آیا" معاً پیڑرو کی زبان سے نکلا: "یہی ارل ہے" اور وہ ارل کے گھونسے سے منہ کے بل زمین پر گر پڑا ارل نے دو تین گھونسے اور

رسید کئے پیڑو گھبرا گیا تھا اور جان بچا کر بھاگ نکلا موہنا ارل کے سینہ سے چمٹ گئی ارل نے کہا "جھوٹا ہے پاجی۔"

---

(۴)

موہنا نے اپنے قبیلہ میں واپس جا کر لوگوں سے کہا "ارل ابھی تک واپس نہیں آیا کہ میں اس سے انتقام لیتی" پیڑو نے غضبناک لہجہ میں کہا "ارل کی دیوانی! انجان نہ بن، ارل وہی تھا۔ تو ہم کو دھوکا دینا چاہتی ہے"

موہنا نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا "ارل وہی تھا" اور سعاً جوشِ انتقام کا طوفان ایک مرتبہ پھر امنڈ آیا۔ اس نے غضب ناک لہجہ میں سب کو مخاطب کر کے کہا "تم سب ساتھ چلو آج ارل کی کوٹھی میں ناچ ہوگا میں رقص خنجر کے کمال دکھا کر انتقام لوں گی" اس کا چہرہ پھر سرخ و زرد ہونے لگا اور وہ گھوڑے پر سوار ہو کر سب کے ساتھ روانہ ہوئی،

---

(۵)

ارل کی کوٹھی میں مجلس عیش و نشاط برپا تھی کہ اتنے میں جپسی گروہ آ پہونچا۔ موہنا نے ارل سے مخاطب ہو کر کہا "ہم سب اسپین کے کرتب دکھانے آئے ہیں ہم اپنے کمالات سے محفل کا دل خوش کریں گے" ارل حقیقت کو بھانپ گیا۔ حاضرین چونکہ اسپینی ناچ اور کرتبوں کے مشتاق تھے اس لئے ارل کو بادل ناخواستہ اجازت دینی پڑی۔

موہنا نے پہلے ناچ دکھایا اور جب حاضرین اس کے باکمال ناچ سے مسحور ہوگئے تو اس نے دونوں ہاتھوں میں چاقو لئے اور مجمع کو مخاطب کر کے کہا "یہ موت کا ناچ ہے"

یہ کہہ کر وہ ناچنے اور خنجر کے کرتب دکھانے لگی ناچ کے دوران میں اس کی نگاہ ارل سے ملتی تو ایک بجلی سی کوندھ جاتی اور اس کی آنکھیں بے اختیار جھپک جاتیں ارل کی محبت اس کے جسم میں تھرتھری پیدا کر دیتی اور اس کے پہلو یا جگر میں خنجر بھونک دینے کا ارادہ متزلزل ہو جاتا۔ وہ ناچتے ناچتے ارل کے قریب پہونچ گئی اپنے دونوں ہاتھ اس نے بلند کئے اور ارل کے سر پر دونوں ہاتھوں کے چاقو تیزی سے گردش کرنے لگے ارل خاموش کھڑا تھا اور موہنا کے ہاتھوں کی گردش کو جن میں انتقام کے جوش کی سرعت کے ساتھ محبت کی لرزش بھی تھی دیکھ رہا تھا یکایک دونوں کی نگاہیں ملیں مسکراہٹ ہونٹوں پر کھیلنے لگی موہنا کے ہاتھ رعب حسن سے تھرتھرانے لگے اس کا جسم بید کی طرح کانپنے لگا۔ اس کا دماغ چکرا گیا وہ برابر ارل کی طرف دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ محبت کی آگ نے انتقام کے جذبہ کو جھلس کر رکھ دیا چاقو اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گئے۔ اور وہ مجنونانہ جوش کے ساتھ ارل سے لپٹ گئی۔

پیڑو نے قبیلہ کے لوگوں سے کہا "میں نہ کہتا تھا کہ یہ دھوکہ دے گی" اور پھر سب کو جمع کر کے حکم دیا کہ موہنا اور ارل پر گولی چلاؤ پیڑو کے حکم کو سن کر جان دگونگا (ڈاکا) دوڑا اور قبیلہ کے لوگوں کے سامنے پہنچ کر جو بندوقیں چھینیائے کھڑے تھے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دئے لوگوں نے فوراً بندوقیں نیچی کرلیں جان نے اشارہ سے بتلایا کہ موہنا اور ارل دونوں بے قصور ہیں قتل کا جرم پیڑو سے سرزد ہوا ہے پیڑو یہ دیکھ کر بھاگا اور ایک گاڑی پر سوار ہو گیا۔ لیکن ارل نے اس کو بھاگ جانے کا موقعہ نہ دیا وہ بھی دوڑ پڑا اور گاڑی پر سوار ہو گیا گاڑی میں ارل اور پیڑو کے درمیان جنگ جاری تھی گاڑی تیزی سے جا رہی تھی اور اس کے پیچھے موہنا کا گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا تھا پیڑو نے اپنے کرتبوں سے ارل پر قابو پا لیا اور قریب تھا کہ وہ چاقو اس کے سینہ میں بھونک دے کہ موہنا اس کے سر پر پہنچ گئی اور چاقو کا ایک ایسا بھرپور ہاتھ رسید کیا کہ پیڑو گاڑی سے نیچے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اور چند لمحہ کی تڑپ نے اس کے جسم کو سرد کر کے اس کو دنیا سے رخصت کر دیا۔

گاڑی اب بھی تیزی سے جا رہی تھی کہ یکایک ایک گڑھا سامنے آگیا گاڑی اس میں گر پڑی ارل نے بے ہوش موہنا کو گود میں اٹھا لیا اور کوٹھی پر لے گیا۔ اس کے بعد دونوں کی زندگی سکون و لطف سے بسر ہونے لگی موہنا ارل کی تھی اور ارل موہنا کا۔

(ترجمہ)

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ

کہا سلیمان نے اے سردارو کون سا تم میں سے آتا ہے میرے پاس تخت اس کا پہلے اس سے کہ آویں میرے پاس

سلیمان (کو وحی یا اور کسی طریقہ سے) کے ذریعہ سے اسکا چلنا معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اے اہل دربار تم میں کوئی ایسا ہے جو اس بلقیس کا تخت قبل اس کے کہ وہ لوگ میرے پاس مطیع ہو کر آویں

مُسْلِمِيْنَ ○ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ

مسلمان ہو کر ف ۱ کہا ایک دیو نے جنوں میں سے میں لے آوں گا تمہارے پاس اس کو پہلے اس سے کہ اٹھو تم

حاضر کر دے ایک قوی ہیکل جن نے ... میں اسکو آپکی خدمت میں حاضر کر دوں گا قبل اسکے کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں

مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ○ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ

جگہ اپنی سے اور تحقیق میں اوپر اس کے البتہ زور آور ہوں با امانت کہا اس شخص نے کہ نزدیک اس کے تھا

اور گو وہ بہت بھاری ہے مگر میں اس کے لانے پر طاقت رکھتا ہوں اور وہ بڑا قیمتی مرصع جواہرات کا ہے مگر میں امانتدار بھی ہوں جس کے پاس کتاب کا علم تھا (غرض) اس پر ...

عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ

علم کتاب سے میں لے آوں گا تمہارے پاس اس کو پہلے اس سے کہ پھر آوے طرف تمہاری آنکھ تمہاری پس جب دیکھا اس کو

کہا کہ میں اس کو تیرے سامنے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لا کر کھڑا کر سکتا ہوں جب سلیمان علیہ السلام نے اس کو اپنے روبرو

تذکرہ بلقیس ف ۱

جب بلقیس اپنی فوج کیساتھ حضرت سلیمان کی طرف چلی اور آپکو یہ معلوم ہوا کہ وہ آرہی ہے تو آپنے اپنی پیغمبری اور صداقت کی شان ظاہر کرنے کیلئے چاہا کہ اس کے سامنے پہنچنے سے پہلے اس کے مقفل و محفوظ تخت کو اپنے پاس منگوالیں تاکہ اس کی دینی و دنیاوی عظمت بدرجہ کمال ظاہر ہوجائے چنانچہ آپنے اپنے وزیر آصف بن برخیا کے ذریعہ منگوایا جو اسم اعظم جانتا تھا اس کا تخت پلک جھپکنے سے پہلے منگالیا اور بلقیس کی عقل کا امتحان کرنے کیلئے اسکے تخت کی صورت بدلوادی اور جب بلقیس آئی تو پوچھا گیا کہ تمہارا تخت ایسا ہی ہے تو انہوں نے نہایت دانشمندی کہا کہ ہاں ہے تو یہی پھر حضرت سلیمان ع نے اپنی دنیاوی شان دکھلانے کیلئے ایک شیش محل

عورتیں زیادہ مکّار ہوتی ہیں

(نام ظاہر نہیں کرنا چاہتے)

جنوری سنہ جاریہ کے مشترخیال میں میکائیل صاحب دہلوی اور سلمیٰ صاحبہ لکھنوی " کی بحث دیکھی موضوع بحث واقعی دلچسپ ہے مگر سلمیٰ صاحبہ کا جواب بجائے دنداں شکن ہونے کے مضحکہ خیز ہے۔ اور ہٹ دھرمی پر مبنی، نیز اس امر کا شاہد کہ عورت فطرتاً مکار ہوتی ہے۔ کیونکہ سلمیٰ صاحبہ نے اپنے مضمون میں حق پر پردہ ڈالنے کی جا اور بے جا طریقہ پر کوشش کی ہے اور کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا حتیٰ کہ خدا اور رسول کو بھی نہیں چھوڑا مذہب اور تاریخ پر بہتان رکھا ہے، اور اپنے عیوب و نقائص کو چھپانے میں سعیٔ بلیغ سے کام لیا ہے، غالباً سلمیٰ صاحبہ نے جس وقت مضمون لکھا ہے۔ اس وقت وہ کسی آپے سے باہر کر دینے والے جوش میں مبتلا تھیں واقعی سچی بات اسی قدر کڑوی لگتی اور بری معلوم ہوتی ہے ۔

مذہب اسلام جس قدر مکمل ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ اس کے لئے یہ قیاس کرنا کہ اس نے ظلم و زیادتی کی برائیاں بھی ہیں، الزام تراشی اور حق تلفی کی بڑی غلط فہمی اور نادانی ہے۔ مذہب اسلام نے جس جس میں جو جو خوبیاں، برائیاں، خامیاں، تھیں ان کو بلا رو رعایت بتلایا ہے اور ہر ایک کی اصلیت و حقیقت کو واضح طور پر بدلائل قویہ بیان کیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید جو اصل اسلام ہے اس کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عدل و انصاف پر مبنی ہے اور اسلام نے کسی کو نیچا دکھانے، پامال کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ وہ ایک شمع ہدایت ہے اور ہر ایک کے لئے رہبر کامل وہ ہر ایک کو سرخرو بناتا ہے اور مدارج اعلیٰ پر پہونچاتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا سے ملاتا ہے۔

سلمیٰ صاحبہ نے مذہب کو الزام دیتے ہوئے خوف خدا کیا کر قرآن شریف کی عظمت کا ٹھوڑا بہت اعتراف معمولی الفاظ میں کیا ہے مگر میں سلمیٰ دیگر یقین دلاتا ہوں کہ قرآن شریف نے کسی جگہ بھی کسی پر بے جا الزام نہیں رکھا سورہ تحریم کی آخری آیات ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ دیکھئے وہ بد عورتوں نوح علیہ السلام کی بیوی، لوط علیہ السلام کی بیوی اور دو نیک بیبیوں حضرت مریم و زوجہ فرعون کا ذکر ہے۔ علاوہ ازیں اور بھی کئی ایک جگہ اسی توازن کے ساتھ ذکر ہیں جن کو دیکھ کر ہر ذی ہوش منصف مزاج سمجھ سکتا ہے کہ قرآن شریف اور اس پر ایمان رکھنے والا کبھی بھی زیادتی و ناانصافی سے کام نہیں لے سکتا وہ سچ کہے گا جیسی صورت ہوگی بیان کرے گا۔ اب یہ سمجھنے والے پر ہے کہ اسے غرور نفس کا تقاضہ سمجھے یا حق گوئی و صداقت علیٰ ہذا القیاس مورخوں نے بھی جہاں تک میرا علم ہے کوئی ایسی زیادتی نہیں کی کہ سلمیٰ صاحبہ اس قدر آگ بگولا ہو گئیں۔ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "سیرۃ النبی" جلد دوم میں نیک و خدا ترس پاک باز خواتین کا جن اچھے لفظوں میں ذکر کیا ہے محتاج بیان نہیں، رانی درگاوتی اور ہمایوں کی اعانت و امداد کے واقعات چاند بی۔ بی کا قصہ ممتاز محل وغیرہ وغیرہ کے حالات تاریخوں میں موجود ہیں اسی طرح برے مردوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ قابیل کو قاتل ہی لکھا ہے۔ پسران نوح علیہ السلام کو براہی بتلایا ہے۔ فرعون کی کسی نے مدح سرائی نہیں کی۔ یزید کو برا حجاج کو ظالم ہر ایک نے کہا ہے الغرض مرد ہو یا عورت کسی کی طرفداری ہے نہ بے جا برائی۔ لیکن عورت اپنی اس عادت و خصلت فطرت سے کہ ننانوے باتیں اس کے موافق کی جائیں اور ایک خلاف تو وہ ننانوے کو فراموش کر دے گی۔ اور اس ایک خلاف بات کا جو حقیقت ہے غلط نہیں، بتنگڑ بنا کر مرد کی زیادتی ثابت کرے گی اور اس کو غلط کرنے کی کوشش میں رہے گی۔

یہ متفقہ و مسلمہ امر ہے کہ عورت مرد کے مقابلہ میں ناقص و کمزور ہے اور مرد کو منجانب اللہ عورت پر شرف و فوقیت حاصل ہے۔ پھر مرد کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ وہ کذب بیانی فریب کاری سے کام لے کر عورت کو نیچا دکھانے کی کوشش کرے یہ کمزوری کا کام ہے کہ قوی، طاقتور، غالب کو دھوکے فریب مکر و حیلہ سے عاجز و زبردست کرے یا نیچا دکھانے پامال کرنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ عورتیں ہی ہمیشہ اپنے تخلیقی نقص و کمزوری کی بنا پر مردوں کی تاک جھانک میں رہتی اور ان کو مغلوب و کمزور بنانے کی گھاتیں کیا کرتی ہیں۔ اگر سلمیٰ صاحبہ کی خواہش کے موافق عورت مذہب، تاریخ کی مصور ہوتی تو دنیا کا فریب میں مبتلا ہونا تو درکنار قائم رہنا ہی ناممکن تھا کیونکہ عورت نے باوجود مصور نہ ہونے قدرت و اقتدار نہ رکھنے کے دنیا کو وہ وہ فریب دیئے اور ستم ڈھائے ہیں کہ جن کے بیان سے دل ڈرتا ہے، موت سا طاری ہو جاتا ہے۔ بنی اسرائیل کے کتنے ہی خاندان عورت کی وجہ سے فتنہ و فساد میں پڑ گئے کہیں کے نہ رہے اور جیسا کچھ حشر ہوا وہ قرآن شریف میں موجود ہے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

[redacted]

"تحقیق دنیا شیریں اور سبز ہے اور تحقیق اللہ تعالےٰ تمکو
امارت دے گا پس تمکو دیکھے گا کہ کیا کرتے ہو پس تم دنیا
سے بچنا۔ اور عورتوں سے بچنا۔ کہ تحقیق اول فتنہ بنی اسرائیل
کا عورتیں تھیں۔"

تجربہ و مشاہدہ نے ثابت کر دیا ہے کہ عورتیں یقیناً باعث فتنہ ہیں اور فی صدی بچانوے شر و فساد لڑائی جھگڑے عورت کی وجہ سے ہوتے ہیں اور مرد اکثر و بیشتر تباہی، بربادی مصیبت و پریشانی میں ان ہی کی بدولت پھنسے اور پھنستے رہتے ہیں دوسرے جن مقامات پر اس وقت عورتیں آزاد و خود مختار ہیں، دیوی کی حیثیت رکھتی ہیں اور اُن کے حقوق مردوں کے برابر ہیں وہاں کے اخلاق، عادات طریق اطوار رسم و مراسم کا مشاہدہ کر کے کون ذی ہوش عقلمند کہہ سکتا ہے کہ عورت کا ان سب باتوں پر قبضہ ہوتا اور وہ ہی ان سب کی مصدر ہوئی تو دنیا اس حالت پر قائم و برقرار رہتی۔

سلمیٰ صاحبہ نے شیطان کے لئے خوب لکھا تسلیم کیا کہ شیطان خبس ناکر رہی ہے۔ لیکن افسوس کہ سلمیٰ صاحبہ کا اس سے بھی مقصد حل نہیں ہوتا۔ اور مرد عورت سے زیادہ مکار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے عورت کے مکر کو عظیم اور شیطان کے مکر کو ضعیف فرمایا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عورت مکر میں شیطان سے بڑھی ہوئی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے مکر کی نسبت فرمایا۔

"عورتوں کی باتیں اور اُن کے مکر و فریب ایسے ہیں کہ بڑے بڑے سمجھدار مرد اُن کے کہنے (یعنی مکر) میں آجاتے ہیں۔"

حضرت یوسف علیہ السلام نے عورت کے مکر سے تنگ آکر دعا فرمائی قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُن مِّنَ الْجَاهِلِينَ فقط عظیم فرمان نبوی و دعا پیغمبر کو دیکھنے کے بعد ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ عورت مرد ہی نہیں شیطان سے بھی مکر و فریب میں بڑھی ہوئی ہے۔ شیطان چھپے چوری اور پردہ در پردہ ہو کر انداز ہو کر مرد کی آخرت خراب کرتی ہیں۔ شیطان جب کبھی مرد کو دھوکہ دینے میں ناکام ہوتا ہے۔ اور اس کو کوئی صورت کامیابی کی نظر نہیں آتی تو عاجز آکر عورت ہی کوشش کرتا ہے۔ عورت ہی کی مدد سے کامیابی حاصل کرتا ہے۔ جس کے بے شمار واقعات صفحات تاریخ میں موجود ہیں آدم علیہ السلام کو جب دیکھا کہ کسی طرح قابو میں آنے کے نہیں تو حضرت حوا ہی کے ذریعہ کامیاب ہوا۔ قابیل کو مجرم بنانے میں عورت ہی کو آلہ کار بنایا عورت ہی قابیل کے لئے وجہ فساد ہوئی اور مصیبت کا باعث۔ یوشع کو شکست دلائی تو عورت ہی کی اعانت سے حضرت امام حسن علیہ السلام اور یزید کے معاملہ میں بھی شیطان کو عورت ہی کی بدولت کامیابی حاصل ہوئی اور جعدہ ملعونہ کے ذریعہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو شہید کرایا

چونکہ عورت ہی دنیا میں سب سے زیادہ مکار۔ عیار۔ چالباز بانیٔ فتنہ و فساد ہے۔ مردوں سے جو کچھ غلطیاں سرزد ہوتی ہیں اُن کی محرک اصلی زیادہ تر عورت ہی ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ مرد قدرتاً اس فطرت پر پیدا کیا گیا ہے۔ کہ عورت کی ادنیٰ تحریک پر اوس کے جذبات برانگیختہ ہو جاتے ہیں اور قوۃ ارادی سے فعل میں نمایاں ہونے لگتے ہیں۔

کتاب اللہ و احادیث نبویہ کی رو سے قابیل و ہابیل کا جو کچھ قصہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے عہد میں بھائی سے بہن کا نکاح جائز تھا البتہ ایک حمل کے بھائی بہن کا عقد نہیں کیا جاتا تھا۔ قابیل نے اپنے ساتھ کی پیدا ہوئی ہمشیر سے نکاح کرنا چاہا حضرت آدم علیہ السلام مانع ہوئے تصفیہ اس پر قرار پایا کہ ہابیل و قابیل دونوں بھائی اللہ کی نیاز کریں جس کی نیاز قبول ہوگی اسی کے ساتھ لڑکی کا نکاح ہوگا۔ چنانچہ ہابیل کی نیاز قبول ہوگئی۔ قابیل نے براہ رشک و حسد ہابیل کو مار ڈالا۔ اس وقت تک مردے دفن ہونے کا طریقہ جاری نہ ہوا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے ایک کوا۔ اولاد آدم کو طریقہ دفن تعلیم کرنے کی غرض سے بھیجا جس نے قابیل کو بتلایا جیسا کہ قرآن شریف میں ہے فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْأَةَ أَخِيهِ بھیجا اللہ نے ایک کوا کریدتا زمین کہ کس طرح چھپائے عیب اپنے بھائی کا۔

سلمیٰ صاحبہ بجائے قابیل کے ہابیل کو قاتل لکھ کر اس سے مرد کی مکاری ثابت کر رہی ہیں جو کسی طرح بھی ٹھیک نہیں دراصل مکر زلیخا کا تھا کہ یوسف علیہ السلام پر اپنی نیت و بے گناہی ثابت کرنے کے لئے پیشانی پر نہیں رکھے لنید خانہ بھجوا دیا۔ بنا برعلیہ قرآن مجید میں إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ آیا نیز مکر ان عورتوں نے کیا جنہوں نے یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا شہرہ سنکر اُن کو دیکھنا چاہا تو یہ حیلہ اختیار کیا کہ زلیخا پر طعن و تشنیع شروع کر دی تاکہ زلیخا گھبرا کر یوسف علیہ السلام کی صورت دکھلا دے۔ زلیخا تاڑ گئی اور حیلہ و مکر کا جواب مکر ہی کے ساتھ دیا کہ طعنہ دینے والی عورتوں کی دعوت کی اور دسترخوان پر اس طرح کے میوہ جات رکھے جنکو چھری سے چھیلنے اور کاٹنے کی ضرورت پڑے اور جب کہ اُن مہمانوں نے چھیلنا شروع کیا تو عین اس وقت یوسف علیہ السلام کو سامنے کر دیا کہ وہ سب متحیر ہوگئیں اور بجائے میوے کے اپنے ہاتھ چھیل اور کاٹ لئے۔ دیکھو سورۃ یوسف کی یہ آیت فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ جس میں ان طعن و تشنیع کرنے والی عورتوں کو مکر کرنے والی لکھا ہے۔ پس قابیل نے اگر مکر کیا ہوتا تو یقیناً جس طرح کے زلیخا کے مکر کرنے پر إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ اور طعنہ کرنے والی مکار عورتوں کو یہ لفظ مکر لکھا اللہ تعالےٰ یہاں بھی مردوں کے لئے کچھ نہ کچھ ارشاد فرماتا۔

سلمیٰ صاحبہ نے لفظ "مکر و" لکھ کر لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنا

چاہا ہے۔ بیشک کلام مجید میں ایک جگہ نہیں کئی جگہ آیا ہے۔ مگر اس سے یہ سمجھنا کہ صرف مردوں کے لئے آیا ہے نا سمجھی ہے۔ کیونکہ جہاں آیا ہے کفار و نافرمان لوگوں کے لئے آیا ہے جس میں عورت مرد دونوں شامل ہیں۔ اور وہ "مکروا" کا لفظ عورتوں پر بھی حاوی ہے۔ سلمیٰ صاحبہ اگر کوئی اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ کے معیار کی مثال قرآن شریف سے دے کر بتلائیں تو ان کا کہنا قابل تسلیم ہوتا۔ مگر انہوں نے وہ لفظ لکھا جس میں وہ بھی شریک ہیں۔

سلمیٰ صاحبہ نے بھانڈ و نقال کی مثال بھی خوب دی۔ لاشک مردوں میں سے ہیں۔ لیکن سلمیٰ صاحبہ نے اس غارتگر ایمان گروہ کو کیوں فراموش کر دیا جو گذرگاہوں کے بالاخانہ پر زیب و زینت کئے بیٹھا رہتا ہے جس کی بات بات میں فریب مضمر ہوتا ہے، جو ہر آنے جانے سے جدا نئی تازہ بتازہ چال چلتا ہے۔ اور اپنے فریب میں مبتلا کر کے اس کی دنیا اور عاقبت خراب کرتا ہے۔ نیز بھانڈ و نقال تعداد میں کم ہیں۔ اور ان کا کام ظرافت طبعی ہے۔ نہ حیلہ و مکر ہے وہ کسی کو دھوکہ نہیں دیتے کسی پر وفا کا سکہ نہیں بٹھاتے۔ برخلاف اس کے فراموش کردہ طبقہ ہر وقت اسی دھن میں رہتا ہے اور لوگوں کو پھانستا رہتا ہے

عورت ہی زیادہ مکار ہوتی ہے

ایک عورت ہی کے قلم سے

(از محترمہ امیر النساء بیگم صاحبہ)

پیاری بہن لیلیٰ!

سالنامہ محشر خیال میں آپ کے نتیجۂ فکر "مرد زیادہ مکار ہے" کو بنظر تعمق دیکھا۔ افکار کے بعض اجزاء آپ کے احساس لطیف کی دلیل ہیں لیکن چند واقعات میں آپ کی سطحی نظر ہے:- آپ فرماتی ہیں کہ عورت فطرت کا شاہکار ہے۔ میں یہ عرض کرتی ہوں کہ واقعی یہ سکینۂ روح ہے۔ جس کا مسلک وفاداری جس کا مذہب محبت اور جس کا فرض انسان سازی ہے۔ یہ الفت کی دنیا ہمدردی کا گنجینہ درد زیست کا دوا ہے۔ عورت ایک طرف لطافت کا گہوارہ دوسری طرف حیات کی دنیا ہے:- مرد کی محبت ایک دعوے جس کی دلیل عورت ہے مرد کی ہستی ایک کتاب ہے جس کی تفسیر عورت ہے یہ بذاتِ خود جنت اور مرد کی سکینت قلب کا ذریعہ ہے۔ اس لئے فہم سلیم کا تقاضا ہے کہ اسے اپنے دل کی ملکہ بنا کر رکھے اور اس سے بھلائی کا سبق سیکھے:- لیکن مرد نے عورت پر ظلم کیا اور اس پر ناجائز حکومت کی:- تمدن قدیم کے تاریخی عصر شاہد ہیں کہ مرد اس کے حق میں ملاحت کر ٹوٹا اور اس کو اپنی مسرتوں کا ذریعہ سمجھا بلکہ یہ جذبہ عام رہا:- کہ عورت مرد سے زیادہ پُرعیب حاسد بدگفتار آوارہ ہوتی ہے۔ اور یہ برائی کی تدبیریں شاطرانہ طور سے کرتی ہے۔ مدت تک عورت اس جہالت میں سسکتی تڑپتی رہی اور ستی کی رسم سے نذر آتش ہوتی رہی اور ناموس کی نارروا آڑ میں زندہ درگور ہوتی رہی۔ اسی مظلومیت کے دور میں آسمان حرا سے ایک آفتاب طلوع ہوا جس نے عورت کو ان ظالمانہ قیود سے آزاد کرایا۔ اور اس کے قرار واقعی حقوق دلائے:- یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشین کا لیکن زمانہ حاضرہ کے آزادی خواہ لوگوں کی نظروں میں اسلامی روا داری بہت پرانی ہو چکی ہے۔ اس سے آج کل بھی نوے فی صدی مردوں کے خیالات میں تمدن قدیم کے تاثرات موجود ہیں۔ چنانچہ اب سے کچھ دور مردوں کے غرض پرست گروہ نے عورت کے ناقص عقل و ناقص دین کی حقیقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی سیرچشمی کے لئے یہ آواز اٹھائی کہ پردہ عورت کے لئے قید اور جہالت کا ذریعہ صحت کے منافی ہے:- عورت ناقص عقل تھی مردوں کے ناپاک ارادوں کے عواقب کو بھانپ نہ سکی:- اپنی نسوانی خصوصیت کو نظر انداز کرتے ہوئے پہلی فرصت میں چار دیواری سے اچھل کر کھلے بندوں سٹیج پر براجمان ہو گئی اور بے پردگی کی تحریک کو بطیب خاطر لبیک کہہ کر اس عریانی کو ایسا چمکا دکھایا کہ حیا و شرم کا جنازہ نکال کر دھر دیا۔ اگرچہ ذوق سلیم رکھنے والے مرد بھی موجود تھے وہ بھی اس رَو میں بہ گئے۔ کیونکہ ان آزادی پرست افراد کے دلوں پر مغربی رنگ کا استیلا ساری ہو چکا تھا۔ اس لئے فراخدلی سے عورت کو اس قدر آزادی بخشی کہ کالجوں میں لڑکوں لڑکیوں کو اکٹھی تعلیم دلانے لگے۔ اور ان کی کلبوں۔ فلموں۔ پارکوں میں آزادانہ سیاحت پر فخر کرنے لگے۔ بلکہ ضروریات زمانہ کی آڑ میں اس قدر آزادی کو سرمایۂ نازش خیال کرنے لگے۔ اگرچہ مردوں کی یہ فرض فراموشی ہے اور جدید تہذیب کا استیلاء ہے۔ جس کے باعث عورت کے پردہ کی بجائے مردوں کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہے۔ گو ان کی یہ فروگذاشت ناقابل تلافی جرم ہے لیکن کیا میں یہ کہنے کا حق رکھتی ہوں۔ کہ عورت نے اپنی خصوصیت نسائیت کی یہاں تک نگہداشت کی ہے اور مسلمہ ہونے کے فرائض میں قرآن کی تعلیمات پر کس حد تک عمل کیا ہے۔ کیا میری کسی بہن اسلامی نے یَغْضُضْنَ اَبْصَارَ هُنَّ کی نص قرآنی میں اور جلباب کی پابندی میں معجز نمانمونہ بنکر دکھایا ہے حاشا وکلا کیا کوئی تعلیمیافتہ بہن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا باوجود پردہ میں رہنے کے ان جیسے علمی تبحر اور بے مثال لائحہ عمل کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ ہماری تعلیمیافتہ آزادی پسند بہنیں عام طور پر جدید تہذیب کی اس قدر دلدادہ ہیں کہ ان کا یہ قول ہے کہ نیچی نگاہیں اور پردہ کی پابندی قرون اولیٰ کی صفات ہیں اس کو چودہ صدیاں بیت چکی ہیں۔ مسلمانی در کتاب مسلمان در گور۔ آجکل فقط اسلامی نام طغرائے امتیاز ہے۔ زمانہ حاضرہ کی ضروریات کا یہ اقتضاء ہے کہ انگریزی تعلیم اور انگریزی تہذیب بہترین راہ عمل ہے:- مذہب اسلام ترقی کے لئے سدِّ راہ اور آزادی نسواں

کے خلاف ہے۔ اس لئے کالجوں میں مل کر انگریزی تعلیم پانا ترقی کا زینہ اور شادی بیاہ کے لئے کورٹ شپ دل پسند طریقہ ہے۔ اس میں ہر تجربہ کی اجازت عین رواداری ہے۔ فلموں اور تھیٹروں میں جا نا عشق و محبت کے بیہودہ منظر دیکھنا اور اس قسم کے قصے کہانیاں سننا تفریحِ عامہ کا ذریعہ ہے۔ دیدہ زیب ساریوں میں ملبوس ہو کر ٹھنڈی سڑکوں کی سیر کرنا فراوانی صحت ہے۔ محمد علی۔ اصغر علی لکھنوی کے عطر اور غازہ اور کریم سے سرخرو بننا صفائی جسم میں داخل ہے وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ غیرت اسلامی ہے اور یہ بے اصول اطوار ناموس اسلام میں داخل ہیں۔ میں اپنی بہنوں کو یہ کہنے کا حق رکھتی ہوں کہ آپ کا یہ خیال اور اس پر عمل معراج ترقی نہیں۔ بلکہ مسلم ہستی کی پامالی کا باعث ہے مسلم ہستی کی بقا قرآن کی رسی کو مضبوط پکڑنے میں مضمر ہے۔

پیاری بہن اب فرمایئے! کہ بقول آپ کے مرد کیوں نہ حسین عورت کا تعاقب کرے اور لوگوں کی بہو بیٹیاں کیوں نہ تکتا پھرے اور وکیل صاحب کی حسین لڑکی کی کیوں نہ پرستش کرے۔ جب کہ وہ بصد رعنائی کھلے بندوں جلوہ گر نظر آئے!

مرد فرشتہ نہیں۔ جب اس کے سامنے یہ محجوب رہنے والی دنیا برہنہ جسم نظر آئے تو اس کا استقلال آزمائش کے خارزار میں کیوں نہ الجھ جائے۔ اور عورت کی یہ بے محل کبریائی مرد کو پھر گھر کا کیوں رکھے۔ پیاری بہن! کلہاڑی اس وقت تک درخت نہیں کاٹ سکتی۔ جب تک دستہ چوب اس میں نہ لگا ہو۔ پھر درخت کی برش کا گلہ! غیر جنس کو دینا صریحاً بے انصافی ہے۔ اس لئے ہرچہ برماست از ماست کی حقیقت پر غور کرنا فطرت سلیم کی دلیل ہے۔

مرد کا گھر سے نگاہیں پھیر لینا صرف اس کا قصور نہیں بلکہ صنف عورت کی بے راہ روی ہے۔ جس کی قدرتی سزا کو وہ بھگت رہی ہے یہ عورت ہے جو طیبات کے معزز لقب سے ملقب ہے اور یہ عورت ہے جو خبیثات کے نام سے موسوم ہے۔ اور یہ بہشت کے باغوں سے ایک باغ ہے اور جہنم کے گڑھوں سے گڑھا ہے۔ اس نظریہ سے تصویر کے دو رخ ہیں آپ نے ایک پہلو کو زیر نظر رکھا اور دوسرے کو نظر انداز کر دیا اور مرد کے سر سارا الزام تھوپ دیا۔ میں یہ کہوں گی کہ فقط مرد نشانہ الزام نہیں بلکہ عصر حاضرہ کی عورت نے نسائیات کے جوہر کو کھو دیا ہے۔ اس لئے اولین مسئول عورت ہے۔ آپ تسلیم کرتی ہیں کہ عورت کمزور ہے۔

(۱) کیا یہ حقیقت ہے کہ ہر کمزور چیز میں عیاری کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ شیر مغلوب بھی ہو جائے تو مکر نہیں کرے گا لیکن روباہ ہر حالت میں مجسمہ مکاری ہے؟

(۲) شکسپیر جو مصور فطرت ہے کہتا ہے کہ جس عورت کی تربیت شیطان کے ہاتھوں ہوئی دجل فریب کی زندہ تصویر ہے؟

(۳) کیا یہ واضع فطرت کا خطاب اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ عورتوں کے لئے نہیں آیا؟

(۴) کیا پیغمبر خدا کے بیاہ حسن عورت کی فریب آلود محبت کی قید میں نذر زندان نہیں رہا؟

(۵) کیا مخبر صادق کی یہ خبر نہیں کہ جہنم میں عورتیں زیادہ ہوں گی؟

(۶) کیا جنت سے باہر آنے کی زیادہ تر ذمہ دار عورت نہیں کیا اس نافرمانی کا آغاز عورت سے نہیں ہوا؟

(۷) زر پرست دیوی کی ترباہٹ میں فرمانبردار بیٹا چودہ سال بن باس نہیں رہا؟

پیاری لیلیٰ آپ نے مرد کو مکار بنایا۔ شواہد بالا کی نظر سے اب اگر مرد یہ کہہ ڈالے کہ عورت ان تمام مکر و فریب کے جالوں سے جو شیطان نے انسان کے لئے پھیلا رکھے ہیں خطرناک جال ہے اور عورت میں بہکانے کی وہ تمام قوتیں موجود ہیں جو دنیا کے دماغ کو ماؤف کر دیتی ہیں تو آپ کا محسوس کرنا انصاف کے خلاف ہوگا اس لئے عرض کرتی ہوں کہ آپ نے حقوق مرد میں اخلاقی حیثیت سے بہت تجاوز کیا ہے۔ مرد قابل احترام ہستی ہے جس کی عزت کے لئے فرمودہ حضور ہے کہ اگر معبود حقیقی کے سوا سجدہ جائز ہوتا تو بنظر تعظیم مرد مسجود عورت ہوتا۔ آپ اپنے احساس لطیف میں نظر ثانی فرمائیں اور مرد کو مکار اور گرگٹ بھوت بنانے کی بجائے اس کے واجب احترام کو دل میں نقش بنائیں اگر ہماری عصمت مآب بہنوں کی طاقت ایمانی اپنی بگڑی جنس کی اصلاح کے لئے عملی قدم اٹھائیے تو مرد کی یہ طاقت نہیں کہ غیر عورت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔ بلکہ اس میں اپنی فرض فراموشی کا صحیح احساس پیدا ہو جائے۔

نیز ہمارا یہ منشا فطرت کے خلاف ہے کہ مرد چار شادیاں کرے اور عورت غیر مرد کی تعریف نہ کر سکے۔ قانون فطرت ہے کہ مرد عورت سے طاقتور ہے اس لئے ازدواجی زندگی کی سہولت کے پیش نظر اس قوام کے توازن کا قیام لازمی ہے اور مرد کے لئے شرط عدالت حقوق عورت کی پاسداری ہے۔ عورت نازک فطرت ہے۔ اس کے لئے بیک وقت ایک مرد کی خدمت کافی ہے اور خاوند کے لئے عورت کا جذبہ الفت شرافت کی دلیل اور سعادت کی تکمیل ہے۔

حضرت میکائیل آپ کے دلائل سے گھبرائے ہوں گے۔ لیکن جناب فطرت سعدی علیہ الرحمت کی روح مرد کو مکار کہنے سے آغوش مرقد میں یقیناً پھڑک رہی ہوگی۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ۔

مرد زیادہ مکّار ہوتے ہیں

(از محترمہ رضیہ سلطانہ بیگم)

مردوں کی مکاری ایک ایسی کھلی ہوئی چیز ہے جس پر دلائل و شواہد پیش کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ فطرتاً" مرد عیار و مکار ہوتے ہیں اور اپنی اغراض کو حاصل کرنے یا اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے وہ ایسی ایسی مکاریاں اور عیاریاں اختیار کرتے ہیں جن سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔

میں اس موضوع پر واقعات اور قصص سے بحث کرنا نہیں چاہتی اس لئے کہ واقعات کے جواب میں واقعات اور قصص کے جواب میں قصص پیش کئے جا سکتے ہیں اور مرد۔ عورت کی کمزوریوں یا غلطیوں کے واقعات وقصص سے اور عورت مرد کی کمزوریوں یا غلطیوں کے واقعات وقصص سے استدلال کر سکتا ہے۔ اور عیاری و مکاری کے کمال ایک دوسرے کے سر تھوپ سکتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر اس مسئلہ میں لانا غالباً" سوءادب پر محمول کیا جائے۔ اس لئے ان کے متعلق کچھ لکھنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ ہابیل و قابیل کا واقعہ اس امر کا ثبوت پیش کرنے کے لئے غالباً" ناقابل انکار و تردید ہوگی کہ مرد اپنی اغراض کو حاصل کرنے کے لئے نہ تو مذہبی قانون کی پابندی کو روا رکھتا ہے اور نہ اخلاقی و معاشرتی قانون کو اور اس سلسلہ میں وہ ایسی ایسی مکاریاں کرتا ہے جن سے انسانیت شرمندہ ہو جاتی ہے۔

مذہبی تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جو شریعت خدا نے عطا فرمائی تھی اس میں اگرچہ بھائی بہنوں کا نکاح جائز تھا لیکن اس نکاح میں یہ قید یا شرط لگادی گئی تھی کہ اگر دو بھائی بہن توام پیدا ہوں ان کی باہمی شادی نہیں ہو سکتی یعنی شریعت آدم میں جوڑواں پیدا ہونے والے بھائی بہنوں کا نکاح ممنوع و حرام تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں دو ایسے بیٹے تھے جن کے ساتھ دو بہنیں توام پیدا ہوئی تھیں۔ یعنی ہابیل و قابیل آدم علیہ السلام نے ہابیل کی حقیقی بہن سے قابیل کی اور قابیل کی حقیقی بہن سے ہابیل کی نسبت کردی جو شرعاً" درست و جائز تھی۔ قابیل نے اس نسبت کو پسند نہیں کیا اور اپنی حقیقی بہن سے جو نہایت خوبصورت تھی شادی کرنی چاہی جو شرعاً" ناجائز تھی اور اس سلسلہ میں قابیل نے وہ وہ عیاریاں اور مکاریاں اختیار کیں جو کسی نہج سے شایاں و مناسب نہیں اور آخر اپنی مکاری کا آخری ثبوت یہ پیش کیا کہ اپنے بھائی ہابیل کو مار ڈالا

یہ واقعہ مذہبی نوعیت رکھتا ہے۔ لیکن اس امر کا واضح ثبوت پیش کرتا ہے کہ مرد اتنا بڑا مکار اور خود غرض ہے کہ اپنی اغراض اور مکاری کے مقابلہ میں کسی بڑی سے بڑی محترم چیز کا احترام نہیں کرتا اور ہر قسم کے اصول و قوانین کو ٹھکرا دیتا ہے۔

قابیل غالباً" مردوں میں پہلا شخص ہے جس نے مردوں کی مکاری و عیاری کا پہلا مظاہرہ کیا۔ اور اس طرح کیا کہ بعد کی نسلوں نے عرصہ دراز تک اس قسم کا مظاہرہ کرنے کی جرات نہیں کی۔

ہم اس بحث کو مختلف باتوں سے زیادہ پیچیدہ کرنا مناسب نہیں سمجھتے اور آج کی صحبت میں صرف اسی موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں جو نفسانی خواہشات سے تعلق رکھتی ہیں۔

نفسانی یا شہوانی خواہشات یا شہوانی لذتوں کا احساس و تصور مردوں میں اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ وہ ان سے متمتع ہونے یا تمتع حاصل کرنے کے مواقع بہم پہنچانے میں اکثر سرگرداں رہتے ہیں اور بعض اوقات انتہائی غلبہ یا انتہائی احساس و تصور سے مجبور ہو کر جائز و ناجائز یا حلال و حرام کی قیود سے بھی بے پروا ہو جاتے ہیں۔ اور ہمارا خیال ہے جو تجربات سے درست ثابت ہوا ہے کہ اس معاملہ میں صالح و غیر صالح یا نیک و بد مردوں کے تمام افراد تقریباً" یکساں ہو جاتے ہیں اور پھر اس سلسلے میں اپنے کردار پر پردہ ڈالے رکھنے۔ یا مالی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے وہ ایسی ایسی عیاریاں و مکاریاں کرتے ہیں کہ چشم فلک نے بھی کبھی ایسی مکاریاں نہ دیکھی ہوں گی۔

ایک دیندار یا بدکردار مرد جب متعلقین میں یا غیر عورتوں میں کسی ایسی عورت کو دیکھتا ہے جو اس کو پسند آجاتی ہے یا کوئی بدکردار مرد۔ دوست احباب کی بے تکلف صحبتوں میں آوارہ عورتوں سے تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ یا غیر عورتوں سے اختلاط و صحبت کسی کی سرشت میں داخل ہو جاتی ہے تو وہ بیوی بچوں۔ ماں باپ اور عزیزوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ اس کے اندوہناک مناظر غالباً" اکثر گھروں

میں نظر آئیں گے۔ اور بعض گھروں میں تو یہ حالت ہوگی کہ مکار مردوں نے بیوی کا تمام زیور حرام و ممنوع خواہشات پر قربان کر دیا ہوگا۔ ماں باپ کی پیدا کی ہوئی جائداد مہاجنوں کی نذر کر دی ہوگی اور متعلقین کے لئے اتنا بھی نہ چھوڑا ہوگا کہ وہ دو وقت پیٹ بھر کر کھا سکیں اور تن پوشی کے لئے موٹا جھوٹا کپڑا بہم پہنچا سکیں۔

اس سلسلہ میں مرد کیا کیا مکاریاں کرتے ہیں اس کی تفصیل اس قدر طویل ہے کہ ایک مستقل داستان کی نوعیت رکھتی ہے اول اول جب حرام و ممنوع لذتوں کا خون مرد کے منہ لگتا ہے تو وہ بیوی اور ماں باپ کی خاطر و خوشامد اور خدمت اس طرح کرتا ہے جس طرح ایک صالح شوہر اور سعید بیٹا کیا کرتا ہے تاکہ اس کی بدکرداری اس پردہ میں چھپی رہی پھر وہ مختلف حیلوں سے بیوی کے زیور اور ماں باپ کی دولت پر ڈاکہ ڈالنا شروع کرتا ہے اور اپنی مکاریوں کو اپنی تدبیروں سے ایسا بہترین لباس پہناتا ہے کہ بیوی بے دریغ اپنا زیور اور اپنا روپیہ اور ماں باپ اپنی دولت نیک شوہر اور سعید بیٹے کے حوالہ کر دیتے ہیں عرصہ دراز تک یہ کارروائی اور مکاری جاری رہتی ہے یہاں تک کہ سب کچھ تباہ و برباد ہو جانے کے بعد راز کھلتا ہے۔ اور اکثر اوقات کاروبار اور جائداد یا زر نقد کی بربادی کا صدمہ ماں باپ کی جان لے کر ٹلتا ہے اور بیوی بچوں کو افلاس و تنگدستی کے بھنور میں ڈال کر مستقل رنج و غم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

میری محترم بہنو! میں نے مرد کی بے جا اور ممنوع خواہشات کے اتباع کا جو منظر آپ کو دکھایا ہے کیا آپ اس سے انکار کر سکتی ہیں نہیں ہرگز نہیں۔ اس قسم کے دردناک مناظر بہت سے آپ نے بھی دیکھے ہوں گے اور ممکن ہے۔ آپ کو بھی مرد کی اس قسم کی مکاریوں سے سابقہ پڑا ہو۔ اس سلسلہ میں مرد کی عیاریوں اور مکاریوں کو خود بعض مردوں نے اپنے افسانوں میں خوب دکھایا اور بتایا ہے کہ ماشاء اللہ مرد اپنے گنوں پورے ہیں۔ اور عیاریوں و مکاریوں کا جو تاج آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اُن کے سر پر رکھا ہے۔ وہ اس کی عزت و حرمت کو برقرار رکھنے میں ہر وقت ساعی رہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں اگر مرد کی ان مکاریوں کا ذکر کیا جائے جو وہ رقابت کی خلش کو دور کرنے۔ محبوبہ یا مدخولہ کو اپنی بے پناہ محبت کا یقین دلانے اور بے تکلف دوست احباب میں محبوبہ کی محبت کا اظہار کرنے میں کام میں لاتا ہے۔ تو یقیناً مرد کے ان کارناموں کی ایک بڑی داستان اور پُرلطف داستان بن جائے۔ اور ایک انسان وہ شریف انسان جس کو قدرت نے ازل میں سعادت کی فطرت مرحمت فرمائی ہے اس داستان کو پڑھ کر حیرت میں رہ جائے اور بے ساختہ اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل جائیں کہ یہ کسی مرد کے کردار کا خاکہ ہے یا شیطان کی ذریات میں سے کسی کا

بیٹھا ہوں اہتمام چراغاں کئے ہوئے

(از جناب جعفری اعظم گڑہی)

دل میں تصورِ رخِ جانان کئے ہوئے بیٹھا ہوں اہتمام چراغاں کئے ہوئے
آئے وہ رخ پہ زلف پریشاں کئے ہوئے تاریک شب میں صبح کو پنہاں کئے ہوئے
پھر دل کو نذرِ ناوک مژگاں کئے ہوئے بیٹھا ہوں اپنی موت کا ساماں کئے ہوئے
بادِ صبا ہے سب کو پریشان کئے ہوئے ہر ایک گل ہے چاک گریباں کئے ہوئے
ناوک کی نذر حسرت و ارماں کئے ہوئے مدت ہوئی ہے قلب کو ویراں کئے ہوئے
عرصے سے کاٹتا ہوں بلاؤں میں اپنی عمر دل کو اسیرِ زلفِ پریشاں کئے ہوئے
یہ گل۔ یہ رنگ و بو۔ یہ ستارے۔ یہ مہر و مہ ہر طرح سے ہیں خود کو نمایاں کئے ہوئے
پھر آگئی خیال میں دنیائے رنگ و بو نکلا ہوں عزمِ سیرِ گلستاں کئے ہوئے
پھر میکدے کے در پہ میں بیٹھا ہوں جعفری
ساغر کی نذر دین اور ایماں کئے ہوئے

ابلیس کا فرمان

(از جناب شہاب ملیح آبادی)

اے میرے تدبر کی وفادار کنیزو — اٹھو تو ذرا وقت کی زنجیر ہلا دو،
بیدار ہوا بیدار ہے پھر روحِ خدائی — الدم سے خیالات کو دھوئیں میں سلادو
قندیل تفکر نہ ہو اس بزم میں روشن — روشن بھی کبھی ہو تو اُسے جلد بجھادو
جس دل میں امنگیں ہوں امنگوں میں ارادے — اس دل کو "روایات" کی زنجیر پنہادو
عالم کو کرو فتح بہ انداز دگر تم — تلوار کو اب چھین سے آیات رٹادو
یہ دور سکھاتا ہے تدبر کے سلیقے — اس دور میں تقلید کا اعزاز بڑھادو
ساحل پہ نہ آجائے کہیں کشتیِ آدم — کشتی نہ اگر غرق ہو، دھارے کو بڑھادو
کاکل میں تو "مذہب" کی گرفتار ہے عالم — تہذیب کی زلفوں میں ذرا اور پھنسادو
سینے میں کہیں قوم کے انگار نہ بھڑکیں — شمشیر کو اب بیچ کے آئینہ منگادو
تہذیب کے سکھلاکے ہر اک فرد کو غمزے — بہتر ہے کہ ہر مرد کو معشوق بنادو
خلاقِ شریعت کا سناتے ہوئے فرمان — قدموں پہ تمدن کے ہر اک سر کو جھکادو
ہر ممبر و محراب کو پھولوں سے سجاکر — بے جبہ و دستار کے ملا کو بٹھادو
خطبوں میں ہر اک قوم کو دو صلح کے پیغام — مل جائے جو موقع تو دمیں آگ لگادو
جھنجھلا نہ کہیں جائے اسے دیکھ کے مارو — بھوکا ہے یہ دہقان مشیت سے ڈرادو
محبوب کبھی بنکے اسے ناز سے چھیڑو — چنگیز و ہلاکو کی کبھی آنکھ دکھادو
قبضے میں مرے روحِ حیاتِ ابدی ہے — قرآن کی آواز ایکشن میں سنادو
کچھ ایسے بھی باغی ہیں جو میرے نہیں ہوتے
آجائیں کہیں ہاتھ تو توپوں سے اڑادو

لو میں آزاد ہوتا ہوں!

(جناب صدیق طبیب صاحب بہاری فاضل ادب)

حسب ذیل مضمون صدیق طبیب صاحب نے پست ہمت اور زوال کی گہرائیوں میں ناکامی سے ہمکنار ہونے والے انسانوں کے لئے جذبات بیداری اور عروج و کامرانی سے ہم آغوش ہونے کے لئے لکھا ہے۔ جو یقیناً قابل ستائش ہے۔ "مدیر"

جس طرح کسی قوم کی حقیقی زندگی اس کے اعلان آزادی سے شروع ہوتی ہے اسی طرح کسی شخص کی انفرادی زندگی کی ابتدا صحیح معنوں میں اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنی کامل آزادی اور خود مختاری کا اعلان کرے۔

دنیا میں عام طور پر ہر شخص اپنے لئے نیا راستہ نہیں تلاش کرتا بلکہ اکثر لوگ غیروں کی تقلید اور دوسروں کی لکیر کا فقیر بنے رہنے ہی میں سہولت محسوس کرتے ہیں۔ اور اپنی اس سہل پسندی کے طرز عمل کی یہ توجیہ کر لیتے ہیں کہ جس راہ پر ساری دنیا چل رہی ہے وہی صراط مستقیم ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ساری دنیا جادو ٹونے کے طلسم میں پھنسی ہوئی تھی۔ ہر قسم قسم کے خرافات عوام کے مذہبی عقائد میں داخل تھے۔ ایک وقت تھا کہ ہندوستان کے دیوتا سروپ مہاراجوں کی طرح ساری دنیا میں مطلق العنان حکمرانوں کی اندھا دھند اطاعت اور عبادت مذہبی حیثیت سے فرض خیال کی جاتی تھی۔ مگر اب دنیا کی کوئی قوم ان خرافات کی قائل نہیں ہے۔ دور کیوں جائیے ہندوستان میں راجے مہاراجے اب بھی ہیں ان کی اطاعت اور عبادت تو الگ رہی ان کی رعایا میں سے ان کے لئے جذبات عقیدت کتنوں کے قلب میں جاگزیں ہیں اسی سے اندازہ کر لیجیے کہ جمہور کی رائے ہمیشہ صحیح نہیں ہوا کرتی۔ اور بسا اوقات انہیں اپنی سابقہ رائے بدلنی پڑتی ہے۔ پھر ایسی متزلزل رائے پر عمل کر کے ہم کسی فائدہ کی توقع کیونکر رکھ سکتے ہیں۔ اس لئے اپنی زندگی کو مفید اور کارآمد بنانے کے لئے ضروری ہے کہ دوسروں کی تقلید سے بے نیاز اور جمہور کی رائے سے بالا ہو کر اپنی کوئی مستقل رائے قائم کریں۔

ملک نے گزشتہ کانگریس میں آزادی کا اعلان کر دیا ہے۔ قوم اب اس کو عملی جامہ پہنانے کی فکر میں ہے۔ لیکن اس کی ضمانت نہیں کہ قوم کی تیار کردہ شاہراہ مجھے میری انفرادی حیثیت سے بھی منزل مقصود تک پہنچا دے گی اس لئے میں نے اپنا انفرادی دستور حیات الگ مرتب کر لیا ہے۔ قومی زندگی کا دستور اساسی افراد قوم کے اختلافات اور تنازعات کے باعث بڑی دقتوں سے مرتب ہوا کرتا ہے۔ مگر انفرادی زندگی کے دستور پر کسی کے اختلاف کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا میرے دستور حیات کی دفعات بھی ناقابل ترمیم اور بالکل مکمل ہیں، پھر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ اپنی آزادی کا اعلان کیوں نہ کر دوں۔ لہٰذا آج میں اپنی کامل آزادی اور مکمل خود مختاری کا اعلان کرتا ہوں۔

۱۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ آج سے میں خارجی اثرات سے بالکل آزاد ہو گیا ہوں اور کسی امر کو محض اس لئے اختیار نہ کروں گا کہ وہ سوسائٹی کے حق میں مفید ہے۔

۲۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ آج سے میں اپنی خواہشات سے کامل طور پر آزاد ہوں کبھی ان کو اپنے اوپر غالب آنے کا موقع نہ دوں گا۔ میں اس سے بے خبر نہیں ہوں کہ میری رغبتیں اور میری خواہشیں ہی میری قوت عمل کا سرچشمہ ہیں۔ مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ انہوں نے مجھ پر غلبہ پا لیا تو مجھے برباد کر دیں گی۔ اور میں ان پر غالب رہا تو ان کے ذریعہ اپنی زندگی کو کامیاب بنا سکوں گا۔

۳۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ اپنی مسرتوں اور لذتوں پر اقتدار حاصل کروں گا۔ اور اس کا موقع نہ دوں گا کہ وہ میرے مقاصد کے حصول میں حائل ہوں، میں ضرورت کے باوجود کبھی کبھی کھانے پینے کی لذت اور کھیل کود کی مسرت سے اپنے نفس کو باز رکھوں گا۔ تاکہ وہ کسی چیز کا اس حد تک عادی نہ ہو کہ اس کا غلام بن جائے۔ مگر جب مجھے محسوس ہوگا اس سے میرے مقصد زندگی کو نقصان پہنچ رہا ہے تو اپنے نفس سے یہ پابندی اٹھا لوں گا۔ اور میں ثابت کر دوں گا کہ اپنے نفس کا آقا اور اسے ہر حال میں رکھنے کا مجاز ہوں۔

۴۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے اپنے دل سے خوف اور ڈر کا مادہ بالکل نکال دیا ہے۔ آیندہ میں کونین کی کسی چیز سے نہیں ڈروں گا۔ اور خدا کو بھی صرف رحمٰن اور رحیم کی حیثیت سے یاد کروں گا۔ اسے اپنا سب سے سچا دوست سمجھوں گا۔ اس سے زیادہ سے زیادہ محبت کروں گا اور اس سے ڈروں گا ذرا بھی نہیں۔ میں یقین رکھوں گا کہ وہ میرا سچا رفیق ہے جو مجھے تباہی اور ہلاکت سے بچاتا ہے اور اپنے فرائض سے سبکدوش ہونے کی توفیق بخشتا ہے۔ میں بھول کر بھی اسے جبار، قہار اور انتقام لینے والے دشمن کی حیثیت سے نہیں یاد کروں گا۔

۵۔ میں اس اعتقاد کا شائبہ بھی اپنے دماغ میں نہیں رہنے دونگا

کہ مادہ ہر چیز کی اصل اور اساس ہے کیونکہ یہ اعتقاد مسلک جمعیت اور فلسفہ جمال کے منافی ہے۔ اور اس سے قوت شہوانی حرص ظلم۔ اور یاس وناامیدی کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں ہوتا۔

۶۔ جب تک میں کسی چیز کی حقیقت سے ناواقف رہوں گا۔ اس کے متعلق حسن ظن قائم رکھوں گا۔ اور کسی ایسی چیز پر ایمان نہیں لاؤں گا جس سے یہ ثابت ہو کہ دنیا نجس اور ناپاک ہے۔ اور اس قابل نہیں کہ اس میں زندہ رہنے کی تمنا کی جائے۔ بلکہ میرا عقیدہ یہ ہوگا کہ زندگی ایک جمیل چیز ہے۔ اور یہ دنیا اس لائق ہے کہ ہم زندگی کے جمال سے اسے زینت دیں۔

۷۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میرے خیال میں خوش نصیبی بدنصیبی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ بلکہ یہ محض اس چیز کا نام ہے جس کو ہم نہیں جانتے۔

۸۔ میں اس کا اقرار کرتا ہوں کہ ہر ہونے والی بات کسی مخفی نظم کے ماتحت ہوتی ہے اور اس کا کوئی خاص مقصد ہوتا ہے۔ جو بسا اوقات ہم پر ظاہر نہیں ہوتا۔

۹۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ ہماری زندگی خدا کے بنائے ہوئے دائرے میں محدود ہے۔

۱۰۔ میں کبھی نہیں تسلیم کر سکتا کہ دھوکہ اور فریب سے بھی کسی وقت کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ صرف شرافت اور راستی ہی سے کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔

۱۱۔ جس طرح آگ، پانی، سردی، گرمی، وغیرہ اپنے اسباب طبعیہ کے بغیر وجود میں نہیں آسکتے میرا عقیدہ ہے کہ اسی طرح ہمارے دل اور دماغ کی پیداوار بھی اپنے اسباب طبعیہ کے بغیر ظہور پذیر نہیں ہو سکتی۔ اس لئے میں اپنی زندگی کے متعلق کسی تماربازی کی روش نہیں اختیار کروں گا۔ بلکہ غور و فکر کے ذریعہ ہر نتیجہ کا سبب معلوم کروں گا۔

۱۲۔ میں رمالوں، نجومیوں، فال نکالنے والوں اور تعبیر بتلانے والوں کی باتوں پر ذرا بھی اعتبار نہ کروں گا۔ بلکہ جس حد تک میری عقل میری ہدایت کر سکے گی انہی پر اعتماد کروں گا۔ اور اپنے نفس پر خوف اور جہالت کا غلبہ نہ ہونے دوں گا۔

۱۳۔ مجھ پر خواہ کتنی ہی مصیبت پڑے اور عوام کی اصطلاح کے مطابق میری تقدیر خواہ کیسی ہی پھوٹ جائے میں نہ ہاروں گا۔ اور کشادہ دلی کے ساتھ مردانہ وار تمام مشکلات کا مقابلہ کروں گا۔

۱۴۔ جس چیز کی بنیاد عقل یا تجربہ پر نہ ہو بلکہ صرف تصدیق و تسلیم پر ہو اس پر ایمان لانا خرافات میں داخل ہے۔ ایسی چیزیں ذہن کے لئے باعث انتشار اور صفائے باطن کے واسطے وجہ تکدر ہیں۔ میں اپنے وطن کو اس قسم کی خرافات کی آلائش سے ہمیشہ پاک و صاف رکھوں گا۔

۱۵۔ روحانیت کے اسرار و رموز اور روحانی فضائل کو تسلیم کرنا افراد

کی اخلاقی ترقی میں معاون ہوتا ہے اس لئے میں اس عقیدہ کو اپنے اندر راسخ کروں گا۔ مگر ایسی چیزوں کو اپنے قلب میں نہیں داخل ہونے دوں گا جو ہم کو خوفزدہ کر کے ہمارے اخلاق کو پست اور ہم کو بزدل بنا دیتی ہیں۔

۱۶۔ میں نہ اپنی ذات سے ڈروں گا نہ دوسروں سے۔ اور نہ ان اشیاء سے خوفزدہ ہوں گا جن کی حقیقت سے میں ناواقف ہوں۔ یقیناً مجھے بسا اوقات ایسے اشخاص اور ایسی اشیاء سے واسطہ پڑے گا۔ جو مجھے ایذا دیں گی مگر میں ان کو خوف کے شائبہ سے پاک عقل کی نظر سے دیکھوں گا۔ اور ان کی ایذا سے بچنے کی کوشش کروں گا۔

۱۷۔ بیشک یہ واقعہ ہے کہ اپنے والدین سے یا اپنے خاندان سے بطور ورثہ مجھ میں بعض کمزوریاں منتقل ہو گئی ہیں۔ لیکن میں اس کی پروا نہیں کرتا ریاضت اور مشق سے اپنی کمزوریوں پر غالب آجاؤں گا۔ علاوہ بریں دنیا میں ہر مزاج اور ہر طبیعت کے لئے جگہ نکل سکتی ہے۔ میرا مزاج خواہ کیسا ہی ہو میں اس کے مناسب جگہ تلاش کر لوں گا۔

۱۸۔ میں اپنی کامیابی کے لئے صرف اپنی ذات پر اعتماد کروں گا اور اپنی ناکامی کو ماحول کی عدم مناسبت پر محمول نہ کروں گا۔ ماحول کو مناسب اور مفید مطلب بنانا اپنا کام ہے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ جو کاریگر اپنی ناکامی کو اپنے اوزاروں کی خرابی کی طرف منسوب کرتا ہے۔ وہ دراصل اناڑی اور ناکارہ ہوتا ہے۔ میں آنکھیں بند کر کے کارزار حیات میں داخل ہو جاؤں گا اور جو کچھ کرنا ہے کر گذروں گا۔ کامیاب ہو گیا تو فبہا ورنہ اپنی ناکامی کی روشنی میں کامل نشاط اور پورے جوشِ عمل کے ساتھ دوبارہ جد و جہد شروع کروں گا۔

۱۹۔ یاس و حسرت کمزور دل والوں کی سوکھی ہوئی چراگاہ ہے جہاں ناکامی کے بعد بیٹھ کر وہ اپنی قوت عمل کی جگالی کرتے ہیں۔ میں حسرت و یاس کو اپنے قریب نہیں آنے دوں گا۔ اور کسی مقصد میں ناکامی کو فٹ بال کے اس جوان ہمت کھلاڑی کی نگاہ سے دیکھوں گا جو ایک ٹھوکر میں ناکام رہتا ہے تو دوسری ٹھوکر کے لئے اور بھی جرأت سے دوڑتا ہے۔

۲۰۔ میں اپنے ضمیر کی ہدایات پر چلنے کی کوشش کروں گا۔ اگر مجھ سے کوئی ایسی خطا سرزد ہو جائے گی جس کی میں نے نیت نہیں کی تھی تو اپنے کو قطعی وار نہ سمجھوں گا اور اپنے ضمیر پر اس کی ندامت کا بار نہ ڈالوں گا۔ اور اپنے نفس پر بھی اس وقت تک تہمت نہیں لگاؤں گا جب تک وہ مجھے برتی نظر نہ آئے گا۔ اور اپنی غیرت اور خودداری کے مقابلہ میں خسیس اور ذلیل تواضع کو ترجیح نہ دوں گا۔

۲۱۔ اپنا ذوق بدلنا مشکل سہی مگر ممکن ضرور ہے۔ میرا میلان کسی چیز کی طرف ہوگا تو ملل پر جبر کر کے اچھائی کی طرف مائل ہونے کی کوشش کروں گا۔ شائستگی ذوق کو بلند کرتی ہے۔ اس لئے میں ہمیشہ اپنے کو مہذب اشیاء

شائستہ بنانے میں لگا رہوں گا۔

۲۲۔ میں کسی کام کے نفع بخش نہ ہونے کی وجہ سے اسے بیکار نہ خیال کروں گا۔ بلکہ میرا عقیدہ یہ ہوگا کہ نفع ہو یا نہ ہو انسان کی زندگی کا سب سے اہم مقصد خدمت خلق اور کچھ نہ کچھ کرنا ہے میں کسی ایسے کام کو بھی حقیر نہ سمجھوں گا جس کی لوگوں کو حاجت ہو اور کام کرنے والے کو اس کا معاوضہ ملے۔ کیونکہ لوگوں کا احتیاج اور عمل کی قیمت ادا کرنا ہی اس امر کی بہترین دلیل ہے۔ کہ دنیا کو ہمارے زندہ رہنے اور کچھ نہ کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔

۲۳۔ میں ورزش اور تفریح میں ضرور حصہ لوں گا۔ مگر اس لئے نہیں کہ یہ بھی میرے مقصد زندگی میں داخل ہے بلکہ اس لئے کہ میری قوت عمل اور بھی بڑھے اور اپنے مقصد میں خوشگوار طور پر کامیاب ہو سکوں۔

۲۴۔ میں خوش رہنے کا عادی بنوں گا اور اپنے قلب کو سرور و نشاط سے بھر دوں گا۔ میں اس کی مشق بہم پہنچاؤں گا کیونکہ ہر شخص مشق کے ذریعہ خوش رہنے کا عادی ہو سکتا ہے۔ دنیا غم اور تلخ مزاجی کی کوئی قیمت نہیں ادا کرتی۔ مگر ہشاش بشاش رہنے کی خاطر کروڑوں روپیہ صرف کر دیتی ہے۔ میں کچھ خرچ کئے بغیر صرف اپنے عقائد کی اصلاح کر کے ہمیشہ خوش و خرم رہوں گا اور اس مہلک بیماری کی چھوت سے بچنے کے لئے ان لوگوں کے سایہ سے بھی اجتناب کروں گا۔ جو سراپا درد و غم کی تصویر بنے رہتے ہیں۔

۲۵۔ چونکہ میں جانتا ہوں کہ محبت کے جذبہ کو کسی طرح دل سے نہیں نکالا جا سکتا اور جنسی شہوت پر کسی طرح غلبہ نہیں حاصل کیا جا سکتا اور میں جانتا ہوں کہ بہت سے لوگوں کی زندگی صرف اسی لئے برباد ہو گئی کہ وہ محبت کے فطری جذبہ کو صحیح طور پر استعمال نہ کر سکے اور جنسی مسئلہ کو مناسب طریقہ پر حل نہ کر سکے۔ اس لئے میں شادی کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کروں گا۔ اور اپنی قیمتی زندگی کو رائیگاں جانے سے بچاؤں گا۔

۲۶۔ میں جوا نہیں کھیلوں گا اور نفع حاصل کرنے کی خاطر کسی ایسے کام میں نہیں پڑوں گا جو قمار بازی جیسا ہو، بلکہ جائز اعمال سے اپنی جد و جہد کے ذریعہ سے نفع حاصل کروں گا۔ جب تک مجھے اس کا یقین نہ ہو جائے کہ فریق ثانی بھی میری طرح فائدہ میں رہے گا میں ہرگز کوئی معاملہ نہ کروں گا کیونکہ ہر شریفانہ معاملہ بائع اور مشتری دونوں کے منافع کا مقتضی ہے۔

۲۷۔ میں اسے نہیں تسلیم کرتا کہ موقع روز روز نہیں ملا کرتا اس لئے فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہئے بلکہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ ہمیشہ موقع ہی موقع ہے اور ہم روز نئی زندگی شروع کر سکتے ہیں۔ بستر بچھا ہوا ہو تو یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم اس پر سو ہی جائیں کہ پھر شاید موقع نہ ملے میں جو کچھ کروں گا اسے ضروری سمجھ کر کروں گا۔ اور اس لئے نہیں کروں گا کہ موقع غنیمت ہے۔

۲۸۔ دنیا میں کامیابی کی دو قسمیں ہیں ایک باطنی کامیابی جسکو میرا ضمیر تسلیم کرتا ہے۔ دوسری ظاہری کامیابی جو لوگوں کو نظر آتی ہے میں صرف پہلی ہی قسم کو حقیقی کامیابی سمجھوں گا۔ اگر دوسری قسم اسی کے ساتھ ضمنی طور پر حاصل ہو جائے تو خیر ورنہ میں صرف اسی پر قانع رہونگا۔

۲۹۔ میں اپنی عقل پر حکومت کرنے کی کوشش نہیں کروں گا بلکہ غرض پرستی، خرافات، شہوت نفسانی خواہشات کے اثر و اقتدار سے اسے بالکل آزاد رکھوں گا۔ تاکہ اس کا ہر فتویٰ ہر قسم کی کمزوری سے پاک ہو۔ میں کسی کی رائے کو بھی اس وقت تک نہیں مانوں گا جب تک کہ خود میری عقل اس کو صائب نہ قرار دے۔

۳۰۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ دنیا کی ہر طاقت کو اپنے ضمیر کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہوں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میرا ضمیر ہر پابندی اور ہر اقتدار سے آزاد اور سب سے بالا و برتر ہے۔ میں کسی قانون کا احترام نہیں کروں گا میں کسی کا حکم نہیں مانوں گا۔ میں صرف اپنے ضمیر کا احترام کروں گا۔ میں صرف اسی کے اوامر و نواہی کے مطابق عمل کروں گا۔ اور کسی کام میں خواہ کتنے ہی فائدے ہوں جب تک میرا ضمیر اس کی اجازت نہ دے گا میں اسے ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

۳۱۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ اپنے قلب میں نفع بخش ایمان کی جڑیں مضبوط کر کے اپنے نفس کو مطمئن بناؤں گا۔ لہذا میں ایسے معبود پر ایمان لاتا ہوں جو سراپا خیر اور سراپا محبت ہے۔ میں محبت پر ایمان لاتا ہوں اور ہر اس چیز پر ایمان لاتا ہوں جو میرے معیار زندگی کو بلند اور میرے ذوق کو سلیم بنا سکے۔

۳۲۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میرے عقیدے میں یہ مختصر زندگی مستقبل کی طویل زندگی کا ایک جزو ہے اور ہمیں اس لئے عطا کی گئی ہے کہ ہم اپنی آئندہ کی طویل زندگی کو خوش اسلوبی اور اطمینان سے گزارنے کی صلاحیت اور استعداد پیدا کریں۔

بس یہی میرا اعلان آزادی اور یہی میری زندگی کا دستور اساسی ہے۔ میں ہمیشہ اسی پر چلنے اور اپنی ہستی کو اپنی ذات کے لئے اور غیروں کے لئے نافع بنانے کی کوشش کروں گا۔ میں اپنی جد و جہد میں کامیاب رہوں یا ناکام۔ بہر حال اپنی کرامت نفس کے تحفظ کا ہمیشہ خیال رکھوں گا۔ تاکہ مجھ سے مطالبہ کیا جائے تو اپنا حساب کتاب خوشی خوشی سربلندی کے ساتھ پیش کر سکوں۔

فقیر

(از جناب عطاء اللہ صاحب سجاد)

ہم میں سے بہتوں نے کبھی فقیروں کی دنیا پر غور نہیں کیا۔ اُن کے نفسیات اور رجحانات ہم لوگوں کے لئے سونے کی ایک غیر دریافت شدہ کان کی طرح ہیں اور اس کان کی تلاش کے لئے نظر اور محنت کی ضرورت ہے۔ دراصل فقیروں میں بھی فن کے کمال کے لحاظ سے مختلف درجے ہیں اُن میں صاحب کمال بھی ہیں اور بھیڈی بھی۔ ایسے بھی ہیں جو ہر دروازے سے بھیک لے کر ٹلتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جن کے مقدر میں روٹیوں اور پیسوں کے بجائے گھرکیاں اور جھڑکیاں ہیں۔ اس مضمون میں۔ میں ان فقیروں کے متعلق کچھ نہیں کہوں گا جنہیں حالات کی ناسازگاری نے گداگری کے راستے پر ڈال دیا اور جو زندگی کو مجبوری سمجھ کر اپنے دن کاٹ رہے ہیں۔ میرے موضوع کے تحت میں تو صرف وہ فقیر آتے ہیں جنہوں نے گداگری کو ایک پیشہ کی حیثیت سے اختیار کر رکھا ہے۔ اور جو جانتے ہیں کہ بھیک مانگنے کے لئے انسان کے دل کے کون سے تار کو چھیڑنے کی ضرورت ہے۔ ایسے فقیر وقت اور شخصیت کے مطابق اپنی صدا یا التجا کو تبدیل کر لیتے ہیں۔ کیونکہ ان کا مقصد انسان کو متاثر کر کے اس کی جیب میں سے رقم کھینچنا ہوتا ہے۔

کسی بار ونق ریلوے سٹیشن سے باہر آنے پر آپ کو بالعموم فقیروں کا ایک جمگھٹ نظر آتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے ہر ایک اس شخص کی عمر، شخصیت اور ظاہری حالات کو پیش نظر رکھے گا جس سے وہ بھیک مانگ رہا ہے۔ ایک نئے بیاہے ہوئے جوڑے کے لئے ایک گداگر کے منہ سے عام طور پر یہ الفاظ سنے جاتے ہیں۔

"تیری جوڑی قائم۔ تیرا سہاگ ہرا بھرا رہے۔ تیرا گھر والا جیئے"

اور آپ جانتے ہیں کہ ایک نئی بیاہی ہوئی ہندوستانی عورت جو محبت اور ارمان کا جھولا جھول رہی ہوتی ہے۔ جب کسی کے منہ سے اپنے سہاگ کی سلامتی کے لئے دعا سنتی ہے تو اسے کس قدر بے پایاں مسرت ہوتی ہے؟ پھر اس کے ہاتھ کو اپنے بٹوے یا جیب کی طرف جانے سے کون روک سکتا ہے؟

——نئی بیاہی ہوئی عورتوں کے مقابلے میں بچوں والی عورتیں اپنی رقت قلب کی وجہ سے زیادہ سہل شکار ثابت ہوتی ہیں۔ جب چھوٹے چھوٹے لڑکے لڑکیاں ننگے پاؤں اور ننگے سر اپنے پھٹے پرانے کپڑوں کی نمائش کرتے ہوئے کسی خاتون کے بچے کی طرف اشارہ کر کے لجاجت سے کہتے ہیں:۔

"تیرا لال جیئے۔ تو اس کا سہرا دیکھے"

تو وہ بے اختیار ہو کر ایک ایک پیسہ اُن کی ہتھیلی پر رکھ دیتی ہے۔ اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب یہ "تربیت یافتہ" فقیر خیرات لے کر لوٹتے ہیں۔ تو ایک دوسرے کی طرف داد طلب نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور کئی بار تو یہ داد طلبی دبی۔ دبی ہنسی اور ایک دوسرے کو کہنیاں مارنے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اسی طرح جب فقیر عورتیں اپنے بچوں کو اٹھائے بار بار کہتی ہیں:۔

"بچہ رات سے بھوکا ہے۔ اللہ کے نام سے کچھ دیدو"

تو کونسی اولاد والی عورت اور ہندوستان کے افلاس پر غور کرنے والا دل ہے جو پسیج نہ جائے۔

اور یہ نہ سمجھئے کہ فقیر ہماری موجودہ معاشری اور اقتصادی حالت سے بالکل بے خبر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ نئی حکومت اور نئی تہذیب نے امتحانوں اور ملازمتوں کی قدر و منزلت کا دامن آسمان سے باندھ دیا ہے۔ سیٹ اور ہیٹ پہنے ہوئے نوجوانوں نے اکثر فقیروں کے منہ سے یہ الفاظ سنے ہوں گے:۔

"اللہ تجھے پاس کرے۔ تیری نوکری لگے"

یہ اور بات ہے کہ ان دعاؤں کا روئے سخن ایسے اشخاص کی طرف بھی ہو جاتا ہے جو امتحان پاس کرنے کے بعد سکرٹریٹ کی کلرکی حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے ہوتے ہیں اور ایسے حالات میں فقیر کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ لیکن ایسی ناکامیوں نے فقیر کو اس کے حربہ کی موثریت کی طرف سے کبھی مایوس نہیں کیا۔ جب آپ زمستان کی طویل راتوں میں عرق ریزی کرنے کے بعد امتحان سے فارغ ہو کر گھر واپس آ رہے ہوں، یا مقابلہ کا کوئی امتحان دینے کے بعد دل میں امیدوں کا ایک جہان لئے مستقبل کے روشن خواب دیکھ رہے ہوں، یا ڈاک خانہ میں کسی ملازمت کے لئے عرضی رجسٹری کرانے کے بعد اپنی کامیابی کے امکانات پر غور کرتے ہوئے سڑک پر جا رہے ہوں تو کیا۔

"اللہ تجھے پاس کرے۔ تیری نوکری لگے"

کی آواز آپ کے دل کو اپنی آواز معلوم نہیں ہوتی؟۔ کیا ان الفاظ میں آپ تسکین کا سامان نہیں پاتے۔ اور کیا اس تسکین کے لئے ایک

یا دو پیسے کوئی بہت بڑی قیمت ہے؟

بعض فقیروں کا معمول یہ ہے کہ دس بجے سے کچھ دیر پہلے عدالتوں کو جانے والے راستوں پر آ بیٹھتے ہیں اور صرف ایسی دعائیں کرتے ہیں جو مقدمہ بازوں کو ان کی طرف متوجہ کر سکیں۔

"اللہ تیرا طرہ اونچا رکھے۔ تیرے دشمن کا بیڑہ غرق
عزت کے ساتھ جا، اور عزت کے ساتھ واپس آ"

اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان دعاؤں سے متاثر ہو کر ایک ہی مقدمہ کے فریقین اس فقیر کی مٹھی گرم کر دیتے ہیں۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دونوں سے رقم وصول کر لینے کے بعد فقیر کی دعاؤں کا رخ کس طرف ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ ضرور دیکھا گیا ہے کہ ایسے فقیر چار بجے کے بعد احتیاطاً اپنے مقام پر بیٹھے ہوئے نظر نہیں آتے۔

وہ جو سعدی شیرازیؒ نے "نظم را حسن صورت می باید" فرمایا تھا تو اس کو فقیر برادری دور حاضر کے بعض شعراء سے زیادہ سمجھی ہے۔ چنانچہ کئی فقیروں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنی بے ربط بے وزن اور بے ترتیب صداؤں کو ترنم کے ساتھ پڑھ کر اثر پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

"ایک پیسہ دیدے بابا ایک پیسہ دے بچے
ایک پیسہ دے مجھے، دے خدا کی راہ میں
تیرا بچہ جیوے بابا، ایک پیسہ دے"

معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو زندگی نے

نالہ پابند لے نہیں ہے
فریاد کی کوئی لے نہیں ہے

کی حقیقت شعری ذہن نشین کرا دی ہے۔

فقیروں کے علم نفسیات اور کمال فن کے متعلق یہ سب کچھ کہہ سکنے کے باوجود میں یہ دعوے نہیں کرنا چاہتا کہ ان کے اندازوں کو عالمگیر صحت کی سند حاصل ہے۔ ان کے اندازے غلط بھی ہو جاتے ہیں۔ مثلاً گلیوں میں صدا کرنے والا ایک فقیر جب ایک عالی شان عمارت۔ اس کے بلند بالا خانوں اور وسیع دیوان خانوں کے قیام اور سلامتی کی دعا مانگتا ہے۔ تو کئی بار اسے قطعاً احساس تک نہیں ہوتا کہ اس کی فصاحت ضائع جا رہی ہے۔ اور اندر ایک کرایہ دار بیٹھا ہوا ہے جسے مکان کے قیام اور سلامتی میں کوئی خاص دلچسپی نہیں۔ اسی طرح جوان بہن جب گاڑی میں بیٹھ کر اپنے ننھے سے بھائی کو گود میں لئے اس کے ساتھ ہنستی اور کھیلتی ہے تو بھیک منگا غلطی سے کہہ دیتا ہے:

"تیرا بچہ جئے۔ تو اس کا سہرا باندھے"

کنواری بہن شرما جاتی ہے اور غصہ بھری نظروں سے فقیر کی طرف دیکھتی ہے۔ لیکن ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ ماں جو اپنی لڑکی کے لئے شادی اور اولاد دونوں کی آرزومند ہے چپکے سے خیرات فقیر کے ہاتھ میں دیدیتی ہے اور بے چارے کی مایوسی امید میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

عورتوں کو مرد بننے کا شوق

(از جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی)

ڈاکٹر صاحب کے اس مضمون میں ہم دوسرے ارباب قلم کو بھی دعوت دیتے ہیں کہ وہ وقت کے اس اہم ترین موضوع پر اظہار خیال کریں۔ اور اپنی رائے خواہ موافقانہ ہو یا مخالفانہ ہمارے پاس بھیجدیں۔ ہم دونوں پہلوؤں کو شائع کریں گے۔ اور یہ ضروری نہ ہوگا کہ ایڈیٹر خود بھی ہر مضمون نگار کی رائے سے متفق ہو۔ (ایڈیٹر)

مرد تو عورتوں کو "جنس نازک" "صنف لطیف" اور دنیائے انسانی کا "نصف احسن" کہتے تھکے جاتے ہیں۔ لیکن عورتوں کی یہ حالت ہے کہ انہیں اپنی نسوانی خصوصیات سے نفرت اور بیگانگی ہوتی چلی جارہی ہے۔ مغرب کی عورت اپنی نسائیت سے بیزار ہو کر مرد بننے پر تلی ہوئی ہے اور سالہا سال کی مسلسل کوششوں کے بعد اب وہ ایک "نیم مرد و نیم زن" سی چیز ہو کر رہ گئی ہے۔ اسے کچھ اسی بات میں خوشی محسوس ہوتی ہے کہ مردوں کی طرح جنگلوں اور پہاڑوں میں ماری ماری پھرے وہ تن تنہا امریکہ سے چلتی ہے۔ سمندروں کی ہوائیں اور ہچکولوں کا کھانا کھاتی ہوئی افریقہ پہنچتی ہے اور وہاں بھی اس کی سیر دریائے نیل اور شہر قاہرہ تک محدود نہیں رہتی بلکہ صحرائے اعظم کے تپتے ہوئے ریت پر لوٹنے اور خونخوار درندوں اور بن مانسوں سے بھرے ہوئے جنگلوں میں گھس کر درختوں پر اپنا آشیانہ بنانے میں مزہ آتا ہے۔ اب اس کی نرم و نازک کلائیاں چرخے کا دستہ گھمانے میں مسرت حاصل نہیں کرتیں۔ وہ اب موٹر اور ہوائی جہاز چلاتی اور ہوائی دوڑیں جیت کر اپنے ناز کے ساتھ نہیں بلکہ فخر و غرور کے ساتھ گردن ٹیڑھی کیا کرتی ہے۔ اس کی وہ نرم و گداز انگلیاں جنہیں موم بتیوں سے تشبیہ دی جاتی تھی اب سوئی تاگے اور بننے کی سلائیوں سے مانوس نہیں رہی ہیں اب بکنگ اور انڈر ووڈ کے ٹائپ رائٹر کے بٹن دن بھر ان کی انگلیاں گھستے رہتے ہیں اور شام کو دفتر سے نکلتے وقت جب وہ کاغذوں کے اس انبار کو دیکھتی ہے۔ جو اس نے چھاپ کر تیار کیا ہے تو اسے اپنی کامیابی پر ناز ہوتا ہے کہ اس نے مردوں کے برابر کام کر لیا۔ اس کے لئے اب اس میں کوئی وجہ شادمانی نہیں ہے کہ اس نے اپنے اور اپنے بچوں کے لئے نئی نئی اور خوبصورت وضعوں کے کپڑے سیئے ہیں۔ اب وہ اس بات پر اتر آئی ہے کہ اس کے جسم پر شہر کے سب سے اچھے مرد درزی کے ہاتھ کی سلی ہوئی پوشاک ہے۔ اور سنیے! یہ تو اب عہد جہالت کے آثار قدیمہ میں داخل ہوچکے ہیں یا ہوتے جارہے ہیں۔ اپنے گھر کے کھانوں میں اب کوئی لذت نہیں ملتی اور اب اگر اس کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا کھا کر سب ہونٹ چاٹتے رہ جائیں تو اسے اس میں نہ کوئی فخر محسوس ہوتا ہے نہ مسرت۔ اسے اب اگر مزہ ملتا ہے تو کسی بڑے ہوٹل کا کھانا کھانے میں جہاں ہر چیز مردوں کے ہاتھوں نے پکا کر انتہائی کور ذوقی کے ساتھ پلیٹوں میں نکال کر رکھ دی ہو۔ ان عورتوں کا مرد بننے کا شوق اسی جگہ ختم نہیں ہو جاتا۔ انہوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے۔ اور ان کے وہی ننھے ننھے اور نازک دل جو کہ چند روز پہلے جنگ و خونریزی کے نام سے دہل جایا کرتے تھے اب انہیں اس بات پر آمادہ کر رہے ہیں کہ وہ مردوں کی طرح فوج میں بھرتی ہوں اور میدان کارزار میں داد شجاعت لیں۔

سر کے بال مردانہ اشغال میں وبال معلوم ہوتے تھے اور ٹینس یا ہاکی کھیلتے وقت ایک لٹ کا بھی منہ پر آپڑنا قیامت برپا کر دیتا تھا اس لئے ان سے فارغ البالی حاصل کر لی گئی۔ عباؤں کے باسایہ کے لمبے لمبے دامن قدم قدم پر الجھ کر مردوں کی طرح آزادانہ بھاگ دوڑ اور کود پھاند کا موقع نہ دیتے تھے۔ اس لئے یا تو انہیں خیرباد کہہ کر مردوں کی طرح برجس، پتلون اور جانگیے پہن لئے گئے یا اگر انہیں دنیا نے سایوں کو برقرار رکھا تو ان کے دامن ناگفتہ بہ حد تک اونچے کر دئے۔ بچوں کے گہوارے ہلانے اور گھر سے باہر تھوڑی دور تک ٹہل آنے کی ہلکی ورزشوں کو ناکافی خیال کر لیا گیا۔ اور عام طور پر جسم کو مضبوط اور صحت بنانے کے لئے پہلوانوں کی طرح باقاعدہ ڈنٹر بیٹھک شروع کر دی گئی۔ اور ان تمام چیزوں کا نتیجہ یہی نکلنا تھا اور یہی نکلا ہے کہ "مہذب" اور "ترقی یافتہ" مغرب کی عورت مرد تو خیر کیا بنتی لیکن عورت بھی نہ رہی۔

یہ وبا اگر مغربی خواتین تک محدود رہتی تو شاید ہمیں اس کی طرف توجہ کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ لیکن بدقسمتی سے آثار بتارہے ہیں کہ آہستہ آہستہ مغربی تہذیب کے ساتھ ساتھ مرد بننے کا یہ ذوق بھی مشرق میں سرایت کرتا جارہا ہے۔ اور اگر یہی لیل و نہار رہے تو وہ دن دور نہیں ہے کہ جب ہمیں اپنی سڈول مہندی اور بیقدی انگلیوں سے ہانڈی ڈوئی سب کچھ سنبھالنی پڑے گی اور ہماری مردانہ کوش خواتین بچے کو (اگر برتھ کنٹرول کی مبارک اور آسان وہ کوششوں کے باوجود کوئی پیدا ہو جائے) ہمارے سپرد کر کے کبھی اسمبلی کی کرسیوں پر بیٹھی نظر

آئیں گی اور کبھی فوجی قواعد کے مطابق ڈبل مارچ کرتی ہوئی ملیں گی۔

یقیناً یہ بالکل جائز اور درست ہے کہ عورتیں اگر وہ اس کی اہل ہیں تو فوج میں بھرتی ہوں۔ اسمبلی میں جائیں۔ ہوائی جہازوں میں اڑیں اور موٹریں دوڑائیں لیکن سوال یہ ہے کہ اس صورت میں تقسیم عمل کیا ہوگی اس وقت تک خواہ وہ کسی سبب سے ہوں لیکن مردوں اور عورتوں کے کام بٹے ہوئے تھے۔ عورت اپنی بعض فطری معذوریوں کی وجہ سے اس بات پر مجبور تھی کہ لازمی طور پر ہر سال دو سال کے بعد چند روز سخت محنت اور مشقت کے کاموں سے اپنے آپ کو بچائے رکھے اور اپنی اس معذوری سے فارغ ہونے کے بعد بھی اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لئے اسے چند روز گھر ہی میں قیام کرنا پڑتا تھا یہ ایک حقیقت ہے کہ گھر کے اندر کے سب کام اس کے سپرد کرکے اور گھر سے باہر کے کل کام اپنے سر لیکر مرد نے عورت پر کوئی ظلم نہیا تھا اور نہ اسے ذلیل و خوار کیا تھا۔ بلکہ قدرت نے جو کام عورت کے سپرد کئے تھے وہی خود ایسے تھے کہ جن کی وجہ سے اس کے مناسب حال یہی تھا کہ وہ گھر کو سنبھالے اور اولاد کو پالے۔ اگر دنیا بھر میں دو چار دس عورتیں اپنے حصہ کا کام چھوڑ کر مردوں کے حصے کا کام سرانجام دینے لگیں تو یہ چنداں قابل اعتراض نہ ہوگا۔ ایسا ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے اور تاریخ ہمیں بہت سی عورتوں کے نام بتاتی ہے جنہوں نے فوجوں کے آگے رہکر میدان جنگ میں داد شجاعت دی ہے اور بڑے بڑے ملکوں پر اپنی قابلیت اور حسن تدبیر کی بدولت نہایت کامیاب حکومت کی ہے لیکن اگر تمام عورتوں کی ذہنیت ہی یہ ہو جائے اور وہ سب کی سب چکی اور چولہا چھوڑ اور بچوں سے منہ موڑ کر اسی بات پر آمادہ ہو جائیں کہ ہم تو وہی کام کریں گی جو مرد کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ دنیا کا نظام تہ و بالا ہو جائیگا قوموں کی تاریخ میں امن اور صلح کا زمانہ بھی آتا ہے۔ اور جنگ و جدال کا بھی۔ امن کے زمانہ میں عورتوں کی یہ مردانہ روش کسی نہ کسی حد تک چل سکتی ہے۔ لیکن زمانہ جنگ میں کیا ہوگا جب کہ قوم کو اپنی مردم شماری پوری کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ بچوں کی ضرورت محسوس ہوگی جس کے لئے عورت کا گھر پر رہنا ضروری ہوتا ہے۔ اور جنگ کی ضرورتیں انہیں اس بات پر بھی مجبور کریں گی کہ وہ گودوں میں بچے نہ لیں بلکہ جھولیوں میں بم بھر کر مورچوں میں جائیں یا ہوائی جہاز میں بیٹھ کر دشمن کے مورچے کی خبر لائیں۔

اس وقت قومی ضرورتیں پھر انہیں مجبور کریں گی کہ اسی پرانی تقسیم عمل کو قبول کریں اگر انجام یہی ہونا ہے تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ عورت عورت رہ کر ہی ترقی کے منازل طے کرے۔ اور خود کو صحیح معنوں میں نصف احسن بنائے؟ یہ یاد رہے کہ عورت اپنی نسائیت ہی کے ذریعہ سے مرد پر حکومت کر سکتی ہے۔ اگر وہ مرد بنی تو پھر برابر کا مقابلہ ہوگا جس میں اس کی ہار یقینی ہے۔

جذباتِ حاضر

(فخر الحکما حکیم ڈاکٹر سید محمد احمد حسینی حاضر دہلوی)

سامنے آپ کے اک درد لئے بیٹھا ہوں
سوزنِ ضبط سے گو زخم سئے بیٹھا ہوں

تری نظروں میں خدا جانے یہ کیا تھا ساقی
خم کے خم بادۂ الفت کے پیئے بیٹھا ہوں

کیا کیا اے نگہ برق ادا میرے ساتھ
آج اک چوٹ نئی دل پہ لئے بیٹھا ہوں

غیرتِ حسن کو برہم نہ کرائے فتنہ حشر
ان کو آغوشِ تصور میں لئے بیٹھا ہوں

چھاؤں میں برق ادا کے وہ تبسم کی بہار
یہ ادا ہے جو رگِ جان کئے بیٹھا ہوں

وہ شب وعدہ نہ آئینگے اگر اے حاضر
میں بھی آمادۂ طوفان ہوئے بیٹھا ہوں

محبّت کیا چیز ہے؟

(از جناب ملک نذیر احمد صاحب ریاض دہلوی)

(میں نے اس مقالہ کو وکٹر ھیوگو (جو ایک فرانسیسی شاعر ہے) کی ایک نظم سے متاثر ہو کر لکھا ہے)

تصورات کی دنیا بھی عجیب روح پرور دنیا ہوتی ہے مجھے یاد آیا ایک دن میں اپنے ریڈنگ روم میں بیٹھا ہوا مختلف افکار و خیالات میں مستغرق یا یوں کہیے کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر تصوّرات کی الگ دنیا بسائے ہوئے خود بخود حظ اندوز ہو رہا تھا کیونکہ بقول غالبؔ

ہے آدمی بجائے خود ایک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں۔ خلوت ہی کیوں نہ ہو

کہ دفعتاً میرے ذھن میں اک لفظ آیا "محبت" میں فوراً چونک پڑا اور اس پر غور کرنے لگا، اس کا مفہوم کیا ہے۔ اس کا صحیح اور سلجھا ہوا مطلب کیونکر اور کن شاندار الفاظ میں ادا ہو سکتا ہے۔ واضع نے جب اس حسین و جمیل لفظ کو وضع کیا ہوگا تو اس نے اس سے کیا مراد لی ہوگی غرضکہ میں اس کے مفہوم کو معلوم کرنے میں کبھی اپنے تخیلات کو آسمانی فضاؤں میں لیجاتا کبھی صحراؤں اور بیابانوں کی خاک چھنواتا اور کبھی دنیوی شورشوں اور ہنگاموں میں غور و فکر کرنے پر مجبور کرتا تاکہ شاید میرا مطلب ان میں سے کسی طرح حاصل ہو جائے اور میں لیلائے مقصود سے ہمکنار رہنے کے قابل ہو سکوں۔ لیکن بے سود۔ غرضکہ اس طرح میں اس کے حقیقی معنوں کی تلاش میں متواتر و پیہم ذہنی کاوشوں کا شکار ہوتا رہا۔ میری ان خیال آرائیوں میں قریباً ایک گھنٹہ گذر گیا ہوگا۔ لیکن تا حال میں اس عقدہ کو حل کرنے اس کے پُر اسرار معانی پر اطلاع پانے اور اس کی گہرائیوں میں جو حقائق پنہاں ہیں ان سے آگاہ ہونے سے بے خبر تھا۔ اس کی وجہ ایک تو یہ بھی تھی کہ مجھے اس کی تعریف میں لوگوں کی موشگافیوں اور ان کے بے معنی تخیلات کی جولانیوں پر جو وہ تصنعات کے پردوں میں بیان کرتے تھے اتفاق نہ تھا اور نہ ہی وہ ایسے نتیجہ خیز اور قرین حقیقت تھیں کہ جس سے کچھ مطلب اخذ کیا جا سکے بلکہ مختلف و متضاد افکار کا ایک انبار تھا جن کو لفاظی کا جامہ پہنا کر پیش کیا جاتا تھا۔

بس ایک چیز تھی جس کے مفہوم کو میری فطرت بار بار تلاش کرتی تھی اور جس کے حسین تصور سے میرا دل و دماغ ایک خوشگوار لذت محسوس کرتا تھا وہ لفظ محبت؟ تھا۔ میری روح محبت کے لئے مضطرب تھی میرا تخیل درد آفرینی کا خراج مانگتا تھا۔ مگر ہائے شومیٔ قسمت ابھی تو میں اس کے برقی اثرات اور اس کے حقیقی مفہوم سے ہی نا آشنا تھا۔

میں حیران تھا کہ کس طرح اس مسئلہ کو حل کروں اتنے میں شام کی تاریکی کاجل کی طرح برسنے لگی۔ لیکن میں بدستور لفظ محبت کی کنہ تک پہنچنے کے لئے مضطرب بے قرار ہو رہا تھا۔ آخر انتہائی مایوسی اور بے چینی کے عالم میں درد بھرے دل کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں یوں ملتجی ہوا۔

"اے آقا میرا ناقص ذہن "محبت" ایسے پاکیزہ لفظ کے مفہوم سے قاصر ہے۔ میرے بے جوڑ افکار اس کی حقیقت سے نا آشنا ہیں مجھے نہیں معلوم اس کی تہ میں کونسے اسرار و عجائبات پنہاں ہیں جو مجھے اس کے معانی کی تلاش میں اس قدر بے تیاہ اشتیاق دلا رہے ہیں۔ اے مالک تو خود ہی میری رہنمائی کر!"

غرضکہ انہیں خیالات کو دل میں بسائے ہوئے میں انتہائی منکسرانہ انداز میں التجا کر ہی رہا تھا کہ نیند کے غلبہ نے میری آنکھوں کو بند کر دیا اور مجھ پر ایک خواب کی کیفیت طاری ہوگئی۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ میں ایک جبین کوہ سے اچھلنے والی ندی کے پاس آپ خیالات میں مستغرق بیٹھا ہوں۔ میرا ہر تار نفس محبت کے معنی اور اس کی حقیقت کے معلوم کرنے کے لئے بے قرار ہو رہا ہے۔ میں نے اسی حالت میں ندی کی طرف دیکھا کہ شاید اس کی اچھلتی لہروں کا نظارہ میرے جنون آمیز تخیل کا جواب دے کر میری طبیعت میں کچھ سکون پیدا کر سکے۔ لیکن افسوس مجھے وہاں سوائے امید موہوم کے اور کچھ بھی نصیب نہ ہوا آخر ہیجان جذبات میں دفعتاً پکار اٹھا۔

محبت کیا ہے؟

اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سال خوردہ بزرگ لاٹھی ٹیکتا ہوا اس طرف سے گزرا اس کا جسم نحیف و نزار تھا۔ بدن میں جا بجا جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ انتہائی ضعف کے باعث اس کا بدن لرز رہا تھا۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اس کی حیثیت کذائی اس کی کہولت کی زبان حال سے بہترین ترجمانی کر رہی تھی اس نے میری درد انگیز صدا سنی اور مسکرا کر کہا "محبت ایک فطری کمزوری ہے۔ جو ہمیں ابوالآباء سے ملی ہے" وہ چلا گیا۔ لیکن میرے افکار نے اس کے اس جواب سے مجھے اور زیادہ

الجھن میں ڈال دیا اور برہم سا ہو کر جوش میں بولا۔

کوئی بتلائے محبت کیا ہے ؟

اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک حسین جوان نشۂ شباب میں چور نہایت طمطراق سے لاابالیانہ انداز میں یہ گاتا ہوا گزر گیا۔ "محبت اذیت حسرت ہے" لذت ہے"

یہ جواب بھی کچھ ایسا نہ تھا جو میرے جذبات کے ہیجان کو کم کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتا۔ اور مجھے کسی قدر تسکین آمیز سانس لینے کا موقع دیتا اسی بے خودی کے عالم میں میں زیادہ زور سے پکارا۔

ہائے محبت کا کسی کو بھی علم نہیں ؟

میری یہ آواز ایک بڑھیا کے کان میں پڑی جو اس طرف سے گزر رہی تھی۔ میرے قریب آئی۔ ایک آہ بھری اور غمناک آنکھوں سے یوں گویا ہوئی۔

"محبت عہدِ شباب کا وہ شیریں و دلفریب خواب ہے جو منت کش تعبیر نہیں ہاں ایسا حسین خواب جس کی لذت تمام عمر لوحِ قلب سے محو نہیں ہوتی۔"

یہ جواب بھی میرے لئے کسی تسکین کا باعث نہ ہوا جس سے میں کچھ اخذ کرنے کے قابل ہو سکتا یا کم از کم اتنا ہوتا کہ میں کسی نتیجہ پر پہنچ کر خاموش ہو رہتا، غرضیکہ ابھی تک میں اس بڑھیا کے جواب پر غور ہی کر رہا تھا اور اپنے خیالات کو یکجا نہ کرنے پایا تھا کہ ایک فلاسفر میرے قریب آیا بغل میں بھاری بھرکم کتاب دابے ہوئے تھا۔ بال ہوا میں لہریں لے رہے تھے۔ چہرہ کسی خاص خیال میں مستغرق معلوم ہوتا تھا۔ میں بھی چونکہ اپنی دھن میں مگن تھا۔ اس لئے بغیر اس کی ہیئت سے اثر پذیر ہوئے پکار اٹھا۔

محبت کیا ہے ؟

اس نے اپنی جبین کو شکن آلود کرتے ہوئے کہا "محبت موت کی طرح انسانی قالب کی ماہیت تبدیل کرنے والی چیز ہے۔"

میں اس کے جواب پر بھی مسکرا دیا۔ اور ایک لایعنی اور فرسودہ سا خیال سن کر متعجب سا ہو گیا کہ کیا بھلا یہ بھی کوئی محبت ایسے حسین لفظ کی تشریح ہو سکتی ہے۔

اسی اثناء میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سراپا افکار شخصیت اپنے خیالات کی ایک دنیا بسائے ہوئے ایک عمیق غور و خوض میں ادھر سے گزر رہا تھا۔ ہاتھ میں دوربین تھی اور نگاہیں آسمان پر جم رہی تھیں غالباً وہ علم ہیئت کا ماہر تھا میں نے اس سے طنزاً پوچھا۔

تمہارے افکار اپنی بلند پروازیوں سے فلک کے تارے تک توڑ لاتے ہیں تمہارا ذہن وسعتِ تخیل سے آسمان کائنات کی خبر لاتا ہے بلا تم بتا سکتے ہو۔ محبت کیا چیز ہے ؟

اس نے اپنے مخصوص اندازِ انہماک میں کہا "محبت وہ کشش ہے جس کی بنا پر ستارے اپنی اپنی جگہ پر قائم ہیں"

یہ جواب بھی میرے لئے توجہ کش ثابت نہ ہوا۔ کیونکہ اس کے نزدیک محبت جیسے جذبات انگیز لفظ کی تمام تر تشریح آسمانی ستاروں کو قائم رکھنا تھی۔ حالانکہ محبت ایک فطرت کی آواز ہے جو اعماقِ دل سے موجزن ہوتی اور دل و دماغ پر اپنا نورانی تسلط جما لیتی ہے۔ میں یہ سمجھ کر کہ کوئی میرے سوال کا جواب دے سکے اور اس مسئلہ کو حل کرنے کی زحمت گوارا کر کے مجھے ساحلِ مراد پر پہنچا سکے۔ دفعتاً پکارا۔

محبت کیا چیز ہے ؟

میری یہ مستفسرانہ صدا ایک خورد سال بچے نے سنی جو معصومانہ انداز میں اپنی گیند اچھالتا ہوا چلا آ رہا تھا اس نے نہایت سادگی سے بلا تکلف فوراً یہ جواب دیا۔

"محبت میری امی ہیں، محبت میرے ابا ہیں، ان کے سوا کسی کے پاس بھی محبت نہیں"

اس ننھے سے بچے کا جواب یقیناً اپنے انداز میں حقانیت سے لبریز اور صداقت سے پُر تھا۔ اور جس معصومیت کے عالم میں اس نے دیا تھا وہ اور بھی زیادہ دلکش اور مزہ لینے والا تھا۔ لیکن وہ حقیقی مفہوم جس کے لئے میری روح تڑپ رہی تھی۔ جس کی تلاش میں میں بے قرار و مضطر ہو رہا تھا۔ اور جس کے لئے میری فطرت بیتابانہ پکار رہی تھی اس سے کوسوں دور تھا اور جس تک کسی کے ذہن کی بھی رسائی نہ ہوئی تھی۔ لیکن وائے محرومی اب تو مجھ میں اتنی سکت بھی نہ رہی تھی۔ کہ منہ سے کچھ کلمہ نکالوں اور اپنے پریشان خیالات کو یکجا کر کے جذبات کے تسلسل میں کسی سے کچھ استفسار کر سکوں۔ لیکن تاہم میں نے اس محرومی پر موت کو ترجیح دی۔ کیونکہ اس قدر طویل عرصہ سے میں اس کے مفہوم کو معلوم کرنے کے لئے پریشان و سرگرداں ہو رہا تھا اور اس کی کنہ تک پہنچنے کے لئے ایک اشتیاقِ بے پایاں رکھتا تھا۔

اب تو میری حیرانی کی کوئی حد ہی نہ تھی۔ کیا یہ ایسا ہی لاینحل مسئلہ ہے جس کی ماہیت سے میں بالکل ناآشنا ہی رہوں گا۔ میں نے مایوسی کے عالم میں کہا!

اس حالت میں میں نے انتہائی ملتجیانہ انداز میں آسمان کی طرف اپنی نگاہوں کو اٹھایا یکا یک کیا دیکھتا ہوں۔ کہ بادلوں میں سے کوئی مسکرا کر بے حد میٹھے، محبت بھرے، اور رسیلے انداز میں کہہ رہا ہے۔

"محبت خدا ہے اور وہی اس کا منتہیٰ ہے۔"

ان الفاظ میں اتنی مقناطیسی کشش اور جاذبیت تھی کہ میں اس کی تاب لا سکا اور ایک چیخ سے بیدار ہو گیا۔ ابھی پورے ہوش میں آیا تھا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ میرے بہن بھائی میری چیخ سن کر خوف زدہ میرے گرد جمع ہو گئے ہیں۔ ہوش آنے پر میں نے ان کو کہا: محبت کا حقیقی سزاوار خدا ہے اسی سے محبت کرو اور اس کی

"اکڑ جانا"

(از جناب عبید اللہ ٹونکی منشی فاضل)

اکڑ جانے کے معنی ہیں اینٹھ جانا، روٹھ جانا، غصہ ہو جانا وغیرہ، ثقہ راوی اور مستند روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ابتدار آفرینش انسان کے ساتھ ساتھ ہوئی اس طرح کہ جب آدم و حوا جنت میں عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے اس وقت ان سے خداوند عالم نے کہہ دیا تھا کہ نیکی بدی، گندم کے درخت کا پھل نہ کھانا لیکن شیطان کے بہکانے سے انہوں نے کھا لیا جس سے خدا کو جلال آگیا اور وہ اکڑ گیا۔ چنانچہ اسی جرم کی پاداش میں ہم بھی آج دنیا کی خاک چھان رہے ہیں۔

اکڑنے کا انسانی تاریخ میں پہلا واقعہ یہ ہے کہ جب خدا نے ہابیل کا تحفہ قبول کر لیا۔ اور قابیل کا نہیں کیا تو انہوں نے اپنے بھائی ہابیل کو کھیت میں قتل کر دیا ؎

اگر ز باغ رعیت ملک خورد سیبے
بر آورند غلامان درخت از بیخ

ہمارے مورث اعلیٰ کے سب سے بڑے بیٹے نے اکڑنے کی بنیاد رکھ دی اور دنیا اس روش پر چل کر انتہا تک آگئی کہ لوگ ذرا ذرا سی باتوں میں اکڑنے لگے۔ اور سب و شتم، جنگ و جدال ایک معمولی بات ہو گئی۔ اگر اکڑنے کی تاریخ مسلسل لکھی جائے تو جس طرح کسی بادشاہ نے انسانی تاریخ لکھوائی تھی تو دس ہزار اونٹوں کا بار ہو گیا تھا۔ اسی طرح ہمارے خیال میں اکڑنے کی تاریخ سے بھی کم از کم ایک ہزار اونٹوں کے بار کے لائق جلدیں تیار ہو جائیں اور پھر نتیجہ معلوم۔

لہٰذا ہم موجودہ زمانہ کے واقعات اور اس میں سے بھی صرف گھریلو واقعات کی طرف اشارے کنایے کرتے ہوئے اپنی تہذیب سے مقابلہ کرنے لگیں تب بھی کئی صفحے رنگ جائیں گے۔

مثلاً یورپ میں جب کوئی جنٹلمین وہاں کی کسی لیڈی سے مخلصانہ ملاقات کرتا ہے۔ تو اس کا فرض ہوتا ہے کہ لیڈی موصوف کے بالوں، آنکھوں، رخساروں، کی تعریف کرے اور اگر ایسا نہیں کیا تو لیڈی موصوف اکڑ جائے گی، بخلاف اس کے ہمارے ہاں اگر کسی کے رخسار "احمریں" یا چشم آہو کی آپ نے تعریف کر دی (ذرا ایرانی مذاق "غور سے ملاحظہ کریں) تو "صاحب موصوف" اکڑ جائیں گے۔ اور ان کی ناوک انگلی سے آپ کو رمی جمار" کا مزا آ جائیگا۔ اور اگر آپ نے نقل کفر کفر نہ باشد خیال کر کے کسی زلف عنبریں یا "دو مار سیاہ" کی بھی تعریف کر دی تو اکڑ جانے کا اظہار اس طرح کیا جائیگا۔ کہ آپ کا "دل دسیاہ" مشک ختن کی خوشبو سونگھا کر "دام زلف" میں گرفتار کر لیا جائے گا۔ پھر اگر وہ تڑپ تڑپا کر دام سے نکل جائے تو رخساروں پر سے پھسلتا ہوا" چاہ زنخداں" میں دہم سے اس طرح جا گرے گا کہ "چاہ بیژن" (اگر آپ نے شاہنامہ پڑھا ہو تو) فوراً یاد آ جائے گا اگر وہاں سے بھی "سبزۂ نوخیز" کے کسی تنکے کے سہارے اوپر چڑھ آیا تو "سیب زنخداں" سے ٹکرا کر" بحر غب غب سیمیں میں غوطے لگانے کے بعد" کافوری گردن" پر شاید آرام ملے: لیکن افسوس کہ وہاں آپ کے قلبی جراثیم کافوری گردن کی خوشبو کی تاب نہ لا سکیں گے اور وہاں پریشان ہو کر "سینۂ مرمریں" کی چٹان سے پھسلتا ہوا" عدم آباد" جا پہنچے گا، وہاں اگر تقدیر نے یاوری کی تو پل صراط "کمر" نظر آ جائے گا۔ اگر اس پل کو بھی اس نے عبور کر لیا تو" خاک کوئے دوست" سے کہیں جا ہی نہیں سکتا اور وہاں بھی پڑا نہیں رہ سکتا۔ بلکہ مٹی میں ملکر " غبار کوئے دوست" میں اڑنا پڑے گا۔ اور اڑتا رہے گا۔ اور آپ عمر بھر " شعلہ عشق" روشن کر کے کوئے دوست میں ڈھونڈتے ہی پھریں گے۔

تو صاحب اب سنئے اپنے گھر کی حالت اپنے ہاں سب سے زیادہ خطرناک اکڑنا ہے۔ علماء کا، لیڈروں کا، مجسٹریٹوں کا، پولیس والوں کا، و دوستیلیا کا مثلاً اگر آپ" بریلی" وغیرہ کے کسی بڑے مولانا سجادہ نشین سے جا کر کہدیں کہ دیوبند والے پہاڑی کوّے کو حلال بتاتے ہیں تو فوراً اکڑ جائیں گے۔ اور اس قدر لمبے لمبے فتوے شائع ہوں گے جس کو دیکھتے ہی آپ کو گمان ہوگا کہ حضرت اسمٰعیل کا" چالیس پارے والا" قرآن شریف ہے یا اسی طرح مثلاً آپ کسی دیوبندی" محدث" سے عرض کریں کہ حضرت بریلی والے پکی قبریں بنانا جائز قرار دیتے ہیں، عرس مزارات کو مانتے ہیں تو جناب، کفر و الحاد کے اس قدر مبسوط فتوے جاری ہو پڑیں گے کہ (اگر آپ نے عربی پڑھی ہو تو) معاً یہ گمان گذرے گا کہ "صحیح ستہ" کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ اور یہی مولانا کے اکڑنے کا ثبوت ہوگا۔ یا مثلاً آپ کسی مولوی صاحب کے سامنے ظفر علی خاں کی اس نظم کے چند اشعار پڑھ دیں گے ؎

جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی
خدا خدا نہ سہی رام رام کریں گے

تو مولوی صاحب" بغیر جواب طلب کئے" کفر کا فتویٰ لگا دیں گے اور اگر ایسا ہو تو سمجھ لیجئے کہ مولوی صاحب اکڑ گئے۔ یا مثلاً آپ کسی مولانا سے کہدیں کہ آپ شرح جغمنی شرح اشارات اور شرح ملا جامی و تحریر

سمپٹ پڑھ کر سیاست نہیں سمجھ سکتے اس لئے اگر آپ اس میں دخل دینا چاہتے ہیں تو پہلے "سیر" و "تواریخ" (ابن خلدون، بطوطہ و طبری وغیرہ) کا گہرا مطالعہ کرنے تو مولانا اول تو کچھ چپ سے ہو جائیں گے اور پھر زور زور سے "ملحد، زندیق، مردود" کہہ کر آپ کی خبر لینا شروع کر دیں گے (کیونکہ ملاّ آں باشد کہ چپ نہ باشد) تو بس سمجھ لیجئے کہ مولانا اکڑ گئے۔

مولانا کا اکڑنا ایک حد تک خوفناک ضرور ہوتا ہے (اگرچہ وہ تو بزعم خود "ہماری جنت" ہی کو چھین لیتے ہیں) پھر بھی ہم مطمئن رہتے ہیں کہ مولانا تو "بھڑ بونگ" ہیں ابھی تو ہمارا کچھ نہیں کر سکتے ؎

اب تو آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

لیکن لیڈروں کا اکڑ جانا بڑا جان لیوا ہوتا ہے، مثلاً چند لیڈروں نے مل کر ایک کانفرنس کی اور اس میں ایک لیڈر صاحب کا ریزولیوشن کثرت رائے سے گر گیا تو بس سمجھ لیجئے کہ لیڈر موصوف اکڑ گئے جس کی علامت یہ ہے کہ دوسرے ہی روز آپ ڈھائی لیڈروں کی ایک نئی کانفرنس کا اعلان سن لیں گے۔ یا مثلاً ۱۹۲۱ء کا زمانہ ہے ہمارے محترم نے گوشہ سے اٹھ کر اپنی سحر طرازی اور جادو بیانی سے قلوب کو مسخر کر لیا ہے، محترم لیڈر کا ایثار، جریدہ جیل پر اپنا نام ثبت کر چکا ہے اس کے بعد جمود کا زمانہ آ جاتا ہے۔ پھر یک لخت قوم میں بیداری ہو جاتی ہے، لوگ محترم سے کہتے ہیں کہ "عشرت کدہ" سے نکل کر میدان عمل میں آئیے ورنہ ایسا نہ ہو لوگ "ہلہ" کا (ہنگامی) لیڈر نام رکھدیں تو محترم لیڈر اکڑ جائیں گے۔ اور کیوں نہ اکڑیں صاحب! ؎

فرق است میاں آنکہ یارش دربر
باآنکہ دو چشم انتظارش در بر

خطرناک صنف میں سے ایک اکڑنا ہوتا ہے۔ مجسٹریٹوں کا ان کا اکڑنا بالکل ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی "صیاد" اسیر قفس پر اکڑے اور تو اور عدالت کا چپراسی بھی اتنا اکڑتا ہے جتنا "برف خانہ کا جبار" مثلاً آپ مجسٹریٹ صاحب کے اجلاس میں "انقلاب زندہ باد" یا "گاندھی جی کی جے" کا نعرہ لگا دیں تو مجسٹریٹ صاحب اکڑ جائیں گے اور آپ کو مزید سزا یا جرمانہ بھگتنا پڑے گا۔ یا مثلاً آپ کسی جسٹس مجسٹریٹ سے کہہ دیں کہ آپ پولیس کے ہاتھ میں "ٹول" بنے ہوئے ہیں۔ یا کسی آنریری مجسٹریٹ سے کہدیں کہ آپ سیاسی قیدیوں کو سزا اس لئے دیتے ہیں تاکہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بنا دئے جائیں تو مجسٹریٹ صاحب اکڑ جائیں گے۔

خطرناک اکڑنے والوں میں سے ایک لائن ہے۔ پولیس کی ان کا [illegible] آدمی کے ساتھ معمولی تو یہ ہوتا ہے کہ شہادت میں کورٹ تک تکلیف دینے کے لئے آپ کا نام بھی لکھوا دیں گے اور اگر کچھ مزید دل چاہے گا تو کبھی شبہ میں آپ کی خانہ تلاشی بھی لے لیں گے اس طرح چند گھنٹہ کے لئے آپ نے گھر کو رونق بخش دیں گے ؎

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

یا مثلاً کوئی انسپکٹر بوڑھے ہو چکے ہوں۔ حج کا ارادہ رکھتے ہوں۔ رشوت کے نام سے "لاحول" پڑھتے ہوں آپ ان کے پاس کچھ "پیشکش" (جس کے بغیر چارہ نہ ہو) تو یا تو وہ زبان اور ایک ہاتھ سے منع کر دیں گے "بھائی نہیں میں ہرگز نہیں لوں گا"۔ نہیں صاحب میں نے تو اپنا فرض ادا کیا ہے۔

"بخدا کوئی احسان کی بات نہیں"
"واللہ بھئی زبردستی نہ کیجئے"

اور دوسرا ہاتھ پھیلا کر روپیہ لے لیں گے۔ اور یا صرف زبان سے منع کر دیں گے تاکہ آپ جیب میں زبردستی ڈالدیں۔ یا میز پر رکھدیں اور اگر آپ نے ان کے قول پر اعتبار کر کے روپیوں کو واپس اپنی جیب میں ڈال لیا تو انسپکٹر صاحب اکڑ جائیں گے جس کی علامت یہ ہے کہ خدا چاہے تو چند ہی روز میں پہلے سے ڈبل معاملہ میں آپ کو پھر حاضری دینا پڑے گی یا اسی معاملہ میں کچھ "نئی" نکل آئے گی۔ یا فرض کیجئے آپ آبکاری انسپکٹر ہیں شراب کی دوکان پر پکٹنگ ہو رہا ہے آپ جائزہ لے کر دوکان میں سے نکل رہے ہیں۔ اس طرح کہ آپ سوئیڈ بوٹ پہنے ہیں ہاتھ میں چھوٹا سا بید ہے۔ عینک لگی ہوئی ہے جس میں سے آپ پکٹنگ کرنے والوں کو گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں کہ کوئی بچہ بول اٹھا "ولائتی بھوت" یا "نوکر شاہی کا منہ کالا"۔ تو آپ اکڑ جائیں گے۔ پھر اگر آدمی کم ہوئے تو آپ پھر پھر کر اپنے اردلی کی طرف دیکھیں گے ورنہ اکڑتے ہوئے (نیچی نظر کئے) سیدھے مکان کا راستہ لیں گے

ان سب کے بعد ایک اکڑنا ہوتا ہے دوستوں کا۔ یہ بظاہر تو کوئی خطرناک نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن تاثرات کے لحاظ سے جو نتیجہ ہلاہل ملے ہوئے شہد کا ہوتا ہے۔ قریب قریب وہی اس کا ہوتا ہے۔ لیجئے ہم دو ایک مثالیں دیکر ختم کئے دیتے ہیں۔ مثلاً دوست ساتھ ہے۔ تانگہ میں سوار ہو رہے ہیں۔ وہ غریب بغیر کسی خیال کے اگلی نشست پر بیٹھ گیا پچھلی نشست پر ہمارے دوست اور ان کے ساتھ "ہم ہمدم" کو جگہ ملی بس اتنی سی بات پر کہ "وہ پاس کیوں نہ بیٹھے" اختلاج کا دورہ پڑنے لگا۔ مروت۔ اخلاق۔ اور شرم۔ محبت کی وجہ سے وہ ہم سے تو کہتے نہیں کہ آپ آگے بیٹھ جائیے "حضرت مولانا اکڑے بیٹھے ہیں۔ سیر و تفریح کے لئے نکلے تھے۔ اچھے خاصے ہنس بول رہے تھے تانگے میں بیٹھتے ہی اکڑ

یا مثلاً کوئی محترم کسی منظم کو ۵۰ فی صدی کا طرفدار پاکر ۵۶. کا خطاب دیدیں۔ ایک تیسرے صاحب اس میں ایک قدم اور آگے بڑھنا چاہیں ان کو ایک سہ پارہ کا خطاب دیدیا جائے تو وہ فوراً اکڑ جائیں گے حالانکہ ان کی خواہش کا آئینہ ہے ۱۱۲ – (آرزو) یا مثلاً محفل جمی ہوئی ہے آپ کے " آشنا " فلسفۂ محبت کی تحلیل فرمارہے ہیں اپنے تجربات " اور مشاہدات سے آپ کو مستفیض کرتے جارہے ہیں۔ آپ اس خیال سے کہ کہیں موضوع نہ پلٹ جائے " مجسم خاموشی " بنے بیٹھے ہیں۔ اپنے میں کوئی " جلۂ سخن منہ " سجادہ نشین اور منتولیوں کے تصوف کا تذکرہ کر بیٹھیں تو آپ کے آشنا ....ادھر متوجہ ہوجائینگے اور آپ اکڑ جائیں گے۔ یا مثلاً فرض کیجئے صبح ہیج ½ ۸ کا وقت ہے (جس طرح ہمارے گھر شب غم کی صبح نہیں ہوتی اسی طرح) ؎

دن چڑھے تک حسین سوتے ہیں
ان کے گھر بھی سحر نہیں ہوتی

آپکے آشنا سو کر اٹھے ہیں۔ اعضا ر میں شکستگی لاحق ہوئی ہے بار بار انگڑائیاں لے رہے ہیں۔ تمام بال پریشاں ہیں نگاہوں میں اب تک خمار باقی ہے کہ آپ نے بے ساختہ یہ شعر پڑھ دیا ؎

زلف برہم نثار مستیٔ چشم
کس ادا سے وہ آج سو کے اٹھے

" تو بس آپ کے آشنا اکڑ جائیں گے اور اس کا رد عمل اس طرح ہوگا کہ فوراً نوکر کو آواز دیکر کہیں گے " بوے " اب تک پانی کا لوٹا نہیں لایا "

یا مثلاً آپ کو کسی منظم کی تحلیل معاشرت اور تجزیۂ محبت پر مضامین لکھنے کی کثرت سے عادت ہو اور کسی مرتبہ آپکے آشنا کی باری آجائے یعنی آپ کے آشنا تحلیل معاشرت کا ہیرو قرار دیدئے جائیں اور اس میں آپ کے آشنا ور آشنا کی بے پناہ وسعتوں کی طرف بھی اشارہ کردیا جائے تو آپ اکڑ جائیں گے۔ یا مثلاً آپ کے بے پناہ وسعتوں کے حامل " دوست " پارٹی کے ساتھ شکار کو جائیں اور جہاں نشانہ سیدھا کرکے کسی چھوٹے سے جانور کو تڑپا دیں اور تمام افراد پارٹی اکٹھے ہوکر ان کے کمال کی داد دینے لگیں اس وقت آپ یہ شعر پڑھ دیں ؎

کون پرساں ہے حال بسمل کا
خلق منہ دیکھتی ہے قاتل کا

تو آپکے دوست اکڑ جائیں گے۔ جس کی دلالت یہ ہوگی کہ وہ آپ سے ناراض ہوکر اصل مرکز پر آجائیں گے ؎

فیضی گماں مبر کہ غم دل بگفتہ ماند
اسرار عشق آنچہ تو آں گفت گفتہ ام

جہاں بدشرمی کوئی عیب نہیں

(از جناب شیخ عزیز احمد صاحب مقیم لندن)

جناب شیخ عزیز احمد صاحب جو حصول تعلیم کی غرض سے آجکل لندن میں مقیم ہیں۔ آپ نے اخبارات میں اپنے بعض مشاہدات شائع کئے ہیں۔ ان مشاہدات کے سلسلہ میں آپ نے بیان کیا ہے کہ اس وقت یورپ میں بے حیائی اور بدشرمی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ والدین، اولاد کے سامنے عشق کرتے ہیں، اولاد، والدین کے روبرو بوس وکنار تک سے گریز نہیں کرتی۔ ہر سال صرف لندن میں ۵۳ ہزار ناجائز بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہر شام کو باغوں میں متعدد آلات مانع حمل پڑے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ آپ نے یورپ کے افسوسناک حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان شرمناک واقعات کو دیکھتے ہوئے تو یہ بہتر تھا کہ یورپ میں تعداد ازدواج کی اجازت دیدی جاتی۔ جو مسیحی مذہب میں واقعتہً جائز ہے۔ آپ کا مضمون ملاحظہ ہو۔

انجیل کی پرانی جلد کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی روشن ہوجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ نے کثرت النکاح کو ممنوع قرار نہیں دیا۔ کیونکہ حضرت یعقوب کے خاندان میں کثرت النکاح کی رسم موجود تھی۔ حضرت عیسیٰ اہل یہود سے تھے۔ اور اہل یہود میں کثرت النکاح کی رسم عام تھی۔

ان پیغمبروں کی شادیوں کے بارہ میں جن کا حوالہ میں نے انجیل سے دیا ہے۔ ایک انگریز ماہر دینیات ڈاکٹر ڈیکنس کا بیان ہے کہ یہ شادیاں جائز شادیاں تھیں۔ جان ملٹن کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ چرچ کے دیگر ممبران کو کثرت نکاح کی اجازت تھی۔ براعظم یورپ کی تاریخ کے مطالعہ اور سینٹ آرسبر جینس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قرون وسطیٰ میں فرانس کے مختلف بادشاہوں، مثلاً کلوبرٹ، ہیرب ڈرٹس، ہیری کس اور ازملنس ہفتم ۶۲۸ء بعد از مسیح کثرت النکاح کے مرتکب ہوئے۔ جرمنی کی ایک قوم فرینک نامی جس نے کہ چھٹی صدی عیسوی میں فرانس کو فتح کیا اس کے بہت سے بادشاہ عیسائی قانون کے مطابق کثرت النکاح کے مرتکب ہوئے۔ فادر ڈونیل اس بات کا اقبال کرتا ہے کہ قرون وسطیٰ میں یورپ میں کثرت النکاح کی رسم عام تھی۔ اور کثرت النکاح عیسائی قانون کے مطابق ہوتا تھا۔ اکثر بادشاہوں کی تین یا تین سے زائد بیویاں تھیں۔ پوپ گریگری ۷۲۶ء میں ایک خط تحریر کرتا ہے کہ اگر عورت کسی مرض میں مبتلا ہو اور اس کے باعث وہ خاوند کی نفسانی خواہشات پوری نہ کر سکے۔ تو خاوند کو دوسری شادی کرنے کا حق حاصل ہے۔ پوپ گریگری کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاص خاص حالتوں میں عیسائیوں کو کثرت نکاح کی اجازت ہے۔

دور حاضرہ میں کثرت النکاح برطانیہ میں قانوناً ممنوع ہونے کی وجہ سے حکومت برطانیہ کو جس قدر گراں بوجھ برداشت کرنا پڑ رہا ہے، اس کا صحیح اندازہ ناظرین مندرجہ ذیل اخباری بیانات سے لگا سکتے ہیں۔

انگلستان میں اسی ہزار کنواریاں

لندن کا اخبار ڈیلی ایکسپریس مورخہ ۱۰ جون ۱۹۳۸ء رقمطراز ہے کہ اس ملک میں اس وقت اسی ہزار کے قریب غیر شادی شدہ لڑکیاں اور بیوہ عورتیں موجود ہیں جن کو حکومت کی طرف سے پینسٹھ سال کی عمر میں جب کہ وہ نوکری کرنے کے قابل نہیں رہتیں۔ پنشن دی جاتی ہے اب یہ عورتیں کوشش کر رہی ہیں۔ کہ ان کو پچپن سال کی عمر میں پنشن دی جائے۔

حالانکہ ملکی قوانین کے مطابق کثرت ازدواج کو اس جگہ جرم قرار دیا جاتا ہے۔ مگر پھر بھی آئے دن اخبارات میں کسی نہ کسی شخص کا ذکر ضرور ہوتا ہے۔ جس نے پہلی بیوی سے طلاق حاصل کئے بغیر دوسری عورت سے شادی کی ہو۔ ڈیلی ایکسپریس نے آخر مارچ میں اپنی مختلف اشاعتوں میں کئی عورتوں کی تصاویر شائع کی تھیں جن کے خاوند کثرت النکاح کے جرم میں سزایاب ہوئے تھے۔ یہی اخبار اپنی اشاعت مورخہ ۲۶۔ اور ۳۱ مئی میں ایسے چند اور اشخاص کا ذکر کرتا ہے۔ جو کہ اسی جرم کی پاداش میں سزایاب ہوئے تھے۔ ڈیلی اسٹار اپنی اشاعت مورخہ ۳۱ مئی میں ایک پولیس کانسٹیبل کا ذکر کرتا ہے۔ جو کہ اسی جرم کا مرتکب ہوا۔

یہ شادی ہے یا عشق بازی

ڈیلی ایکسپریس مورخہ ۱۶ جون رقمطراز ہے کہ لندن میں متوسط طبقہ کے لڑکے اور لڑکیاں نوکری یا بیوپار کے سلسلہ میں ایک دوسرے

سے واقفیت پیدا کرتے ہیں۔ اکثر لڑکے پہلے ملاقات کے پانچ روز بعد منگنی کر لیتے ہیں اور ان میں سے زیادہ تر منگنیاں ایک سال تک قائم رہتی ہیں۔ اکثر شادیاں منگنی کے پانچ سال بعد ہوتی ہیں۔ منگنی کے ایام میں لڑکا اور لڑکی اپنا بیشتر وقت ایک دوسرے کی صحبت میں گزارتے ہیں اور اکثر حالتوں میں ان کے تعلقات میاں بیوی کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ان شادیوں میں سے بہت ہی کم ایسی ہیں جو کہ کامیاب ثابت ہوتی ہیں۔ کیونکہ بہت سے لوگ شادی کے تھوڑے ہی دنوں بعد طلاق کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انگلستان کی عدالتوں میں ہر سال ایک ہزار چھ سو کے قریب طلاق کے مقدمات ملتوی ہو کر پڑے رہتے ہیں۔ امسال ایسٹر میں (۲۰۰۰) دو ہزار طلاق کے مقدمات انگلستان کی عدالتوں میں پیش ہوئے اور جن میں سے تین سو آئندہ تاریخ پر ملتوی کر دئے گئے۔

بے شرمی اور بے حیائی کی انتہا

مجھے انگلستان میں دیکھنے اور سننے کا اتفاق ہوا ہے کہ جب کسی امیر گھرانے کی لڑکی عنفوان شباب کو پہنچتی ہے تو اس کے والدین گھر میں بال روم ناچ کا انتظام کرتے ہیں۔ اور اس تقریب پر وہ اپنے واقف جوان لڑکوں اور لڑکیوں کو مدعو کرتے ہیں۔ سب سے پہلے چار یا شراب کے دور چلتے ہیں۔ اس کے بعد سب مل کر ناچتے ہیں۔ ناچ کے دوران میں لڑکی کو جو لڑکا پسند آتا ہے وہ اس کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم کر لیتی ہے۔ یہ مراسم بعد میں منگنی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ متوسط طبقہ کے لوگ اپنی بیٹیوں کے لئے اس قسم کے ناچ کا گھر میں کوئی انتظام نہیں کرتے کیونکہ جب لڑکی چودہ سال کی ہو جاتی ہے تو والدین اس کو ملازمت کے لئے مجبور کرتے ہیں اور ملازم ہونے پر والدین کے ساتھ صرف اسی صورت میں رہ سکتی ہے جب کہ وہ ان کو اپنی تنخواہ کا ایک معقول حصہ رہائش کے صلہ میں دے اس طبقہ کی لڑکیاں خاوندوں کی تلاش میں پبلک ناچ گھروں میں جاتی ہیں۔ چنانچہ ہر کمسن اور باعمر مرد اور عورت بلا تمیز رنگ و ملت و مذہب ایک دوسرے کو ناچ کی دعوت دے سکتے ہیں۔ ناچ جس قدر اخلاق کے لئے تباہ کن ہے۔ اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ بغیر واقفیت کے ہر مرد غیر عورت سے بغلگیر ہو سکتا ہے ہر ناچ کے بعد جو مراسم ان لڑکوں اور لڑکیوں میں پیدا ہوتے ہیں ان کا اندازہ ان پینتیس ہزار (۳۵۰۰۰) لاولد بچوں سے جو کہ ہر سال اس ملک میں پیدا ہوتے ہیں بخوبی لگ سکتا ہے۔ ان بچوں میں سے کچھ تو اپنی ماؤں کے ہاتھوں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ کچھ باغوں۔ پارکوں اور جوہڑوں میں پھینک دئے جاتے ہیں اور باقی ماندہ...... یتیم خانوں وغیرہ میں پرورش پاتے ہیں۔ ناچ گھروں کے علاوہ تھیئٹروں اور سنیما گھروں کا منظر بھی نہایت حیا سوز ہے۔ جہاں کہ عریاں اور نیم عریاں لڑکیاں عوام کی تفریح طبع کے لئے اسٹیج پر مختلف قسم کے ناچ اور کرتب کرتی ہیں۔ ان ناچوں میں ایک بات جو دیکھنے میں آئی وہ یہ کہ کرسمس کے دنوں میں لڑکے اور لڑکیاں عوام کے سامنے ایک دوسرے کے بوسے بھی لے سکتے ہیں۔ یہ بات ناچ گھروں تک ہی محدود نہیں سکولوں اور کالجوں میں بھی دیکھنے میں آئی ہے۔ گزشتہ سال کرسمس کے ایام میں مجھے چند شرفا کے گھر جانے کا اتفاق ہوا۔ جہاں بہت سے عیسائی اور غیر عیسائی حضرات بھی مدعو تھے۔ میزبان نے مہمان نوازی کا آغاز شراب کے پیالوں سے شروع کیا۔ شراب نوشی کے بعد ناچ اور اس کے بعد مختلف قسم کے کھیل شروع ہوئے جن میں یہ شرط تھی کہ جو ہارے وہ دوسرے کھلاڑیوں کو بوسہ دے اور اس سے ہمکنار ہو۔ اس موقعہ پر بیٹی والد اور والدہ کے اور والدہ، بیٹی اور خاوند کے سامنے مہمانوں کی بوسوں سے تواضع کرتی نظر آئی۔

بے حجابی اور عیاشی

یورپ میں عورت کو مکمل آزادی ہے۔ ہر بالغ لڑکی اپنی مرضی کی مالک ہے اور رسم پردہ کو بڑا خیال کرتی ہے۔ پردہ سے میرا مطلب عورت کا برقع میں لپٹے رہنا یا مکان کی چار دیواری کے اندر قید رہنا نہیں بلکہ اس کا اپنے بدن کو غیر مردوں کی نظر سے ڈھانکنا اور ان سے رابطہ نہ رکھنا ہے۔ بالغ لڑکوں اور لڑکیوں کے راہ و رسم اور رابطہ میں چونکہ ان کے والدین اور قانون دخل انداز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے غیر شادی شدہ جوان اور باعمر مرد اور عورتیں کافی رات گئے تک باغوں اور پارکوں دیگر آرام گاہوں میں لپٹے رہتے ہیں۔ ہائیڈ پارک کلیپہم۔ کامن۔ ہمسٹیڈ ہیتھ اور دیگر باغوں میں دوپہر اور رات کے وقت ایک ساتھ پڑے رہتے ہیں اور پارکوں میں روزانہ متعدد استعمال شدہ آلات مانع حمل پڑے ہوئے ملتے ہیں۔ شام کو اکثر لڑکے اور لڑکیاں بازاروں میں بند دکانوں کے دروازوں کے آگے بغلگیر ہوئے گھنٹوں کھڑے رہتے ہیں۔ ان حیا سوز مناظر کا صحیح اندازہ صرف وہی اصحاب کر سکتے ہیں۔ جو ایک بار یورپ میں کچھ عرصہ قیام کر چکے ہوں۔ باوجود آلات مانع حمل کے استعمال کے پینتیس ہزار کے قریب لاولد بچے صرف برطانیہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ امریکہ کی ایک ناول نویس عورت مسز کلیر بوتھ بوس نصویر نے اپنے ناول میں امریکہ اور انگلستان کی عورتوں کے راہ و رسم کے بارہ میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان ممالک کی عورتیں خونخوار شیرنیاں ہیں۔

انگلستان میں مسئلہ طلاق

چند ماہ کا ذکر ہے کہ میں نے ایک رومن کیتھولک پادری فادر نلن کے

سابقہ طلاق کے مسئلہ پر تبادلہ خیال کیا اور اس نے دوران گفتگو میں بتایا کہ یسوع مسیح کے الفاظ کے مطابق عیسائیت میں طلاق حرام ہے اور جو عورت یا مرد طلاق کے بعد دوسری شادی کرے وہ زنا کا مرتکب ہے۔ انگلستان کے قوانین کے مطابق طلاق حاصل کی جا سکتی ہے۔ جب مرد یا عورت دونوں میں سے ایک زنا کا مرتکب ہوا ہو چند ماہ ہوئے کہ طلاق کے قانون میں تھوڑی سی ترمیم کی گئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قانون داں وں بدن اسلامی قانون کو عمل میں لا رہے ہیں۔

ہندوستانیوں سے گزارش

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں اگر میرے مسلم بھائی پردہ کے مسئلہ پر غور کریں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ یورپین تہذیب مشرقی اقوام کیلئے کس قدر تباہ کن ہے۔ اور پردہ کے کیا کیا فوائد ہیں۔ عیسائی اور دوسری یورپین اقوام اگر موجودہ بد اخلاقی سے بچ سکتی ہیں تو صرف ایک طریقہ سے اور وہ یہ کہ وہ دائرہ اسلام میں آکر ایک سچے مسلمان کی طرح زندگی بسر کریں اور اخلاق کا وہ معیار جو روئے زمین کے مسلمانوں نے ترمہ چودہ سال سے قائم کر رکھا ہے اس کو اپنا نظریہ حیات بنائیں۔

ہر شخص کو انعام ملے گا

چوتھا انعام	تیسرا انعام	دوسرا انعام	پہلا انعام
ہر شخص کو آٹھ آنے قیمت کی کتاب مفت	کتاب انگلش ٹیچر قیمتی ایک روپیہ	رسالہ محشر خیال ایک سال کے لئے	دس روپیہ کی کتابیں

یوں تو آپ نے بہت سے معمے حل کئے ہوں گے۔ اور فیس داخلہ بھیجکر کتنی افسوس ہی کیا ہوگا۔ لیکن آج ہمارے اس معمہ کو بھی حل فرمایئے۔ صرف پبلک کی اور اپنی دلچسپی کیلئے ہم نے یہ معمہ جاری کیا ہے ہمارے معمہ میں یہ کمال ہے کہ ہم ہر شخص کو انعام دیتے ہیں خواہ اس کا معمہ غلط ہی کیوں نہ ہو فرض کیجئے کہ ہمارے معمہ میں ایک ہزار آدمی شریک ہوئے تو تین انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیکر باقی تمام معمہ میں شریک ہونے والوں کو ایک کتاب قیمتی آٹھ آنے مفت بھیجدی جاویگی۔ ولایتی پر زور ڈالئے یہ بہترین علمی مشغلہ ہے اور حل کرنے کے بعد پانچ آنے کے ٹکٹ اور حل ہمکو بھیجدیجئے کیا عجب ہے کہ آپکے ہی نام پہلا انعام نکل آئے۔ اگر خدانخواستہ آپکا معمہ غلط بھی ہو تو بھی آپکو آٹھ آنے قیمت کی کتاب مفت اپنے پاس سے محصولڈاک لگا کر بھیجدی جاوے گی۔

معمہ حل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہمارے نیچے دئے ہوئے معمہ کے خالی نشان ——— کو پُر کردیجئے اور اس کا پورا لفظ جس کا مطلب سامنے لکھدیا ہے بنادیجئے مثلاً خانہ نمبر ایک میں ——— کے نشانوں پر "ح" "ر" "ی" لگانے سے محشر خیال لفظ بن گیا۔ جو ایک ہندوستان کے مشہور رسالہ کا نام ہے۔

شرائط:- ہر حل شدہ معمہ کے ہمراہ پانچ آنے کے ٹکٹ سادہ کاغذ پر آنے ضروری ہیں۔ ورنہ شرکت نہ ہوگی۔

نمبر	نامکمل الفاظ	مکمل لفظ	اشارہ
۱	م ـ ش ـ ر خ ـ ی ا ل	محشر خیال	ہندوستان کے ایک مشہور رسالہ کا نام
۲	ـــ ے ـــ ا ـــ		اس کے دھوکہ میں مت آؤ
۳	ـــ ا ـــ ی		بچپن کی بری ہوتی ہے
۴	د ـــ و ـــ ن ـــ		اس پر لوگ ہنستے ہیں
۵	ـــ ت ـــ ا ـــ ہ		ہر شخص نہیں لکھ سکتا
۶	ـــ ا ـــ گ ـــ ے ـــ		اس پر آجکل سرمایہ داروں کا قبضہ ہے
۷	ـــ ز ـــ و ـــ		بہت مشکل ہے

۲- اگر کوئی صاحب دو حل بھیجنا چاہیں تو دو آنے کے ٹکٹ ارسال کریں۔ تین حل بھیجنے والوں کو صرف بارہ آنے کے ٹکٹ بھیجنے چاہیئں۔

۳- تمام حل ۲۵ جولائی ۱۹۳۵ء تک آجانے ضروری ہیں۔

۴- ایک سے زائد صحیح حل آنے پر فیصلہ قرعہ اندازی سے ہوگا۔

۵- منیجر رسالہ محشر خیال کا فیصلہ آخری اور قانونی ہوگا۔

۶- تمام خطوط منیجر صاحب رسالہ محشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی کے نام آنے چاہیئں۔

نوٹ:- ادارہ محشر خیال اور ان کے عزیز اس مقابلہ میں شرکت نہیں کر سکتے۔ جواب طلب امور کے لئے ایک آنہ ٹکٹ بھیجنا چاہیے۔

خط و کتابت کا پتہ:- **جنرل منیجر رسالہ محشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی**

کتبے اور اعمالنامے

(از جناب خاور جبل پوری)

مجھے اپنی بیوی سے بے انتہا محبت تھی اور وہ بھی مجھ پر دل وجان سے فدا تھی۔ میں اس پر شیدا وہ مجھ پہ مفتون، میں اس پہ قربان وہ مجھ پہ نثار ہماری روحانی زندگی ضرب المثل بن چکی تھی، من تن شدم تو جاں شدی کا مقولہ مجھ پر صادق آگیا تھا میں اُسے اپنی روح حیات سمجھتا اور وہ مجھے محبت کا دیوتا خیال کرتی تھی۔

کبھی ہم ایک دوسرے سے جدا ہونا پسند نہیں کرتے۔ اور اگر ایسا اتفاق ہو بھی جاتا تو ہر ممکن عجلت کے ساتھ سفر ختم کی کٹھن گھڑیاں کاٹنے کی کوشش کی جاتی۔ مجھے اس کے اور اسے میرے بغیر ایک منٹ چین نہیں آتا تھا کیونکہ ہم دونوں یک جان دو قالب تھے۔

مجبوری اور ناچاری کا یہ پہلا اتفاق تھا کہ مجھے ایک خاص ضرورت کی بنیاد پر گھر سے دور اور تنہا رہنا پڑا۔ روزانہ خط و کتابت سے دل مضطرب کو تھوڑی تسکین ضرور ہو جاتی تھی۔ لیکن یہ زمانہ میرے لئے قیامت کی طوالت سے کم نہ تھا۔

ایک دن صبح جب کہ میں سو کر اٹھا بھی نہ تھا گھر سے آیا ہوا ضروری تار ملا جس میں میری محبوبہ کے سخت علیل ہو جانے کی اطلاع تھی اور جسے پڑھ کر میرے ہوش وحواس گم اور صبر وقرار رخصت ہو گئے۔ میں نے فوراً ہی واپسی کا ارادہ کر لیا۔ اور دوپہر کے اکسپریس سے روانہ ہو کر دوسرے دن شام کو گھر آگیا۔

اس کے بعد میرے دل ودماغ کی جو کیفیت ہوئی اس کا اندازہ صرف وہی کر سکتا ہے جسے کبھی اس قسم کا سابقہ پڑ چکا ہو۔ یعنی اپنے وہم وگمان کے خلاف جب اپنی بربادی کی خبر سنی تو مجھ پر بجلی گر پڑی۔ آنکھوں میں اندھیرا آگیا۔ دماغ چکرانے اور جسم تھرانے لگا۔ اور یہ محسوس ہوا کہ گویا میں وحشت ناک خواب دیکھ رہا ہوں لیکن یہ حقیقت تھی کہ قضا کے ستمگر ہاتھوں نے مجھ سے میری روح چھین لی، آہ جس سے مجھے جنون کی حد تک محبت ہو۔ جو میری زندگی کا سہارا دل کی تسکین اور روح کی راحت تھی۔ آخری وقت اس کا دیدار بھی نہ ہو سکا میں نے خودکشی کا ارادہ کر لیا۔ مگر لوگوں کے یہ سمجھانے پر کہ میری اس حرکت سے مرنے والی کی روح کو صدمہ پہنچے گا۔ اس خیال سے باز رہ کر دل پر پتھر کی سل رکھنی پڑی۔ اور اسی وقت قبرستان جا کر اس کی قبر پر پھول چڑھاتے مزار سے لپٹ کر خوب رویا۔

اسے معززین اور مشاہیر کے حلقہ میں جگہ دی گئی تھی اور دوسری قبروں کے توصیفی کتبوں کے ساتھ اس کی قبر کے کتبہ پر یہ عبارت کندہ تھی۔

یہ ایک وفا شعار خاتون کی یادگار ہے جس نے اپنے خاوند
کی مفارقت میں عزیز زندگی کو خیرباد کہہ دیا۔

اب میرے گھر کا نقشہ بدل چکا تھا۔ یہی گھر جو پہلے انتہائی دلچسپیوں کا مرکز اور نمونہ جنت بنا ہوا تھا اب کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ اس کے اندر قدم رکھتے ہی یاسیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور مجھے سوا رونے دھونے کے کچھ اچھا نہیں لگتا۔

ایک رات جب کہ میں روتے روتے سو گیا تھا۔ کسی نے چادر کا کونہ پکڑ کر کھینچا۔ میں گھبرا کر اٹھا کیا دیکھتا ہوں کہ میری بیوی منہ موڑ کر چلی جا رہی ہے میں پلنگ سے اتر کر اس کے پیچھے ہو لیا۔ اور دامن پکڑ کر کہا کہاں جاتی ہو سنو تو سہی اس نے تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے ذرا بگڑ کر جواب دیا ہٹو بھی اب تمہیں ہم سے کیا واسطہ؟ ہم تو انتظار کرتے کرتے مر گئے اور تم مزے سے سو رہے ہو۔ یہ کہہ کر وہ کمرہ کا دروازہ کھول کے باہر چلی گئی۔ اور میں جو آگے بڑھا تو ڈیوڑھی پر پیر پھسل جانے سے اوندھے منہ فرش پر جا رہا۔ آنکھ کھلنے پر گھڑی پر نظر ڈالی تو ایک بج چکا تھا۔

بارش کی اندھیری اور بھیانک رات بستی سے دور قبرستان کا پُر خطر اور وحشت ناک منظر بھلا کون ایسے وقت وہاں جانے کی ہمت کر سکتا تھا مگر مجھ پر جو محبت کا بھوت سوار تھا اس نے کسی سے کہے سنے بغیر قبرستان پہنچ جانے پر مجبور کر دیا۔

جب میں احاطہ کے اندر پہونچا تو یہ معلوم ہوا کہ جیسے میرے استقبال کو کھڑے ہیں مگر میں بے خوف وخطر آگے بڑھتا چلا گیا۔ تھوڑی دور چل کر ٹارچ کی روشنی سے ایک قبر پر یہ کتبہ پڑھا۔

یہاں...... محو استراحت ہیں، آپ نے اپنی زندگی
خدمت خلق کے لئے وقف کر دی تھی۔ شب وروز عیادت
آپ کا معمول اور دوسروں کی ہمدردی و اعانت
نصب العین تھا۔

دوسری قبروں کے کتبوں میں سب سے زیادہ پُرشکوہ الفاظ

استعمال کئے گئے تھے۔ میں اسی دھن میں آگے بڑھتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ ٹھوکر لگ کر گر جانے سے ٹارچ ٹوٹ گئی اور اب ٹٹول ٹٹول کر قدم رکھتا ہوا قدم قدم پر قبروں سے ٹھکراتا ہوا محبوبہ کی آرام گاہ تک پہونچنے کی سعی لاحاصل کرنے لگا کہ اندھیرے میں ایک قبر سے ٹکرانے کی وجہ سے چوٹ آگئی اور مجبوراً مجبوری ایک اونچی قبر پر بیٹھ کر دم لینا پڑا۔ ابھی آگے بڑھنے کا ارادہ بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ قبر جس پر میں بیٹھا تھا زور زور سے ہلنے لگی جیسے شدید زلزلے کو مکان لرز جاتے ہیں۔ میں گھبرا کر جلدی سے نیچے اترا اور قریب والی قبر پر جا کر بیٹھ گیا۔ اب کیا دیکھتا ہوں کہ زور کے دھماکے کی آواز کے ساتھ پہلی قبر شق ہو گئی، ایک کفن پوش مردہ برآمد ہوا اور اس نے دمیں سے نکیلا پتھر اٹھا کر اپنی قبر کے کتبہ کو چھیلنا شروع کر دیا پھر اسے حروف غلط کی طرح مٹا کر انگشت شہادت سے ریڈیم جیسے روشن حروف میں اس پر کتبہ لکھ دیا جسے پڑھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، اب اس قبر کے کتبہ پر یہ لکھا ہوا تھا۔

> یہ.........شیطان کے مرید کی قبر ہے جس نے
> عمر بھر لوگوں کو دھوکا دیا ہمیشہ ریاکارانہ زندگی بسر
> کرتا رہا۔ اور مرتے وقت تک اپنے تن و توش کی فکر
> دامنگیر رہی۔

ابھی پورا کتبہ پڑھا بھی نہ تھا کہ دوسری قبر بھی ہلنی شروع ہوئی اور میرے اترتے ہی اس کا حشر بھی پہلی قبر جیسا ہوا۔ اب یہ کتبہ یوں تبدیل ہو چکا تھا۔

> یہ......... علامہ کا مدفن ہے جس نے مذہب کو
> ذاتی مفاد کا آلہ بنا کر لوگوں کی گردن کشی کی ان کے
> حقوق پامال کئے اور مذہب کی آڑ میں جاہلوں کو لڑا کر
> خاندان کے خاندان تباہ کر دے۔

اب تو جس قبر کی طرف نظر اٹھتی ہے تو "چو دم برداشتہ بادہ برآید" کا مقولہ یاد آ جاتا ہے۔ ہر کتبہ پر مرنے والے کا خلاف توقع نامۂ اعمال روشن حروف میں نمایاں ہے، دو ایک کتبے جو میں نے پڑھے ان پر لکھا ہوا تھا۔

> یہاں ——— پیر و مرشد مدفون ہیں جو مریدوں کے حق میں
> خونخوار ڈاکوؤں سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئے یہ حضرت
> خدا کی بندگی کے بجائے اپنی پرستش کرنے کی ترغیب دیتے
> تھے اور غریبوں کے گاڑھے پسینہ کی کمائی سے خود
> ناجائز فائدہ اٹھایا کرتے تھے..........
>
> یہ ملک کے سب سے بڑے لیڈر ہیں جو حقیقتاً قومی
> غدار تھے۔ جنہوں نے اپنی ذاتی اغراض کے خلاف
> اور مفاد عامہ کی خاطر عمر بھر میں ایک کام بھی نہیں کیا

اب تو میں ہر ایک قبر کے کتبہ کو بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھتا ہوا چلا جا رہا تھا اور تھوڑی دیر کے لئے اپنا مقصد بھی بھول چکا تھا کہ ایک قبر کا کتبہ دیکھ کر میری چیخ نکل گئی۔ یہ وہی قبر تھی جس کی تلاش میں مجھے اس قدر پریشانی اٹھانی پڑی اور جب پر اس سے قبل مرنے والی کی مدح و ستائش کندہ تھی۔ لیکن موجودہ کتبہ کی عبارت نے میرے دل و دماغ پر تیر و سنان جیسا کام کیا۔ میری بیوی کے نام کے ساتھ یہ لکھا ہوا تھا کہ:۔

> یہ......... مکار اور دغاباز کی قبر ہے جس کی زندگی
> عصمت فروشوں سے زیادہ آلودۂ معصیت گزری جس
> نے عمر بھر اپنے خاوند کو مبتلائے فریب رکھا اور اس کی غیبت
> میں رات رات بھر گھر سے باہر رہنے سے نمونیہ میں مبتلا
> ہو کر مر گئی۔

بعد کے واقعات کا مجھے علم نہیں کیونکہ جب ہوش آیا تو خود کو ضعف دماغ والے مریضوں کے اسپتال میں پایا۔

اگر تمہاری محبت کو مجھ پہ ناز نہیں

(از جناب بسمل سعیدی ہاشمی)

نگاہِ ناز تری جب سے کارساز نہیں
جگر میں درد نہیں، قلب میں گداز نہیں

نفس نہیں کوئی ایسا کہ جاں گداز نہیں
یہ میرا عشق ہے زاہد تری نماز نہیں

جسے فرشتوں سے قدرت چھپا کے رکھتی ہے
شراب خانے میں وہ راز کوئی راز نہیں

ہوس کی زندگیٔ جاوداں یہ لعنت ہے
بلا سے عمرِ محبت اگر دراز نہیں

یہ جانتا ہوں کہ رحمت نثار ہے مجھ پر
یہ واقعہ ہے کہ میں کوئی پاکباز نہیں

تعلقاتِ محبت کی جان ہوتی ہے
وہ اک نگاہ بظاہر جو دل نواز نہیں

اگر کسی کی محبت میں کوئی راز نہ ہو
تو پھر کسی کی محبت تو کوئی راز نہیں

نگہ بھی جرم، کبھی جرم بے نگاہی بھی
کسی اصول پہ وہ جلوہ گاہِ ناز نہیں

بتوں کا عشق، مرا شوقِ دل، معاذ اللہ
یہ حال ہے کہ خدا بھی تو کارساز نہیں

تری ادائے تغافل کی جان ہے ظالم
وہ اک ادا تری، جس پر تجھے بھی ناز نہیں

اب اپنے جلووں کا للہ احترام معاف
نگاہِ شوق کو اب تابِ امتیاز نہیں

میں بے نیاز سہی تم سے بھی محبت میں
مگر تمہاری محبت سے بے نیاز نہیں

تم اپنے حسن کی کھا کر قسم مکر جاؤ
اگر تمہاری محبت کو مجھ پہ ناز نہیں

سنائی دیتی ہے محسوسِ جاں مجھے ہو کر
وہ اک صدا جو ہنوز آشنائے ساز نہیں

تمہاری بزم کی یہ دوستداریاں توبہ
کسی کو جیسے کسی سے کچھ احتراز نہیں

نگاہِ ناز کے اللہ رے یہ غلط انداز
کوئی یہ سمجھے ابھی ان کو مشقِ ناز نہیں

کھلا ہوا ہے وہ بابِ قبولِ مے خانہ
اگر نہیں درِ توبہ بلا سے باز نہیں

دوبارہ کس سے ملی عشق کی نگاہِ کرم
زمانہ سوز ہے۔ بسمل زمانہ ساز نہیں

بدبخت شیلا

(مسٹر عبدالحمید راز از دہلی ۔ جیل)

شیلا ایک ذی اقتدار گھرانے کی چشم و چراغ تھی۔ لاکھوں لاڈ اور پیار کی گود میں پلی تھی۔ شباب کی صبح گوناگوں حسرتوں سے طلوع ہوئی۔ حسین تھی بلا کی حسین تھی۔ مے بھری آنکھیں۔ وجد آفریں چال۔ نکھری ہوئی جوانی۔ پُر ادا نخرے۔ شیلا کی معصومیت کے دامن میں پرورش پا رہے تھے۔ ... ... زندگی کے سترھویں برس میں قدم رکھتے ہی اس کی زندگی کی پُرکیف ہوائیں سرشار فضائیں۔ رنگین گھڑیاں مفقود ہو گئیں... ... اس کی شادی نہایت ذی احتشام باعزت خاندان کے ایک ہونہار نوجوان سے کر دی گئی۔ اس طرح شیلا شباب کے سانچہ میں مکمل طور پر ڈھل چکی تھی۔ ہزارہا رنگین امنگیں لے کر گھر سے روانہ ہوئی تھی۔ آشاؤں کی دنیا ابھی رنگین تھی۔ تمنائیں لشا کا کے پس پردہ رقص کرتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ ... ... شادی کو چار برس گذر چکے تھے لیکن ابھی تک گود خالی تھی۔

خواہشات کے دوسرے درجے پر اولاد کی آرزو جو ہر ایک شادی شدہ عورت کے دل میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ شیلا کی قسمت میں نہ تھی وہ اس نعمت غیر مترقبہ سے محروم تھی۔ اس محرومیت نے اس کی تمام خوشیاں ایک ایک کر کے چھین لیں۔ ساس کی نظروں میں وہ ایک خار تھی اس کی مدبھری جوانی ساس اور محلہ کی عورتوں کے طعنوں کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھی جا رہی تھی۔ وہ منحوس تھی۔ کنواری دوشیزاؤں سے وہ مل نہ سکتی تھی۔ وہ عیش و طرب کی گھڑیاں جو شادی کی قیود میں جکڑے جانے سے پہلے آزادی میں بسر ہوئی تھیں۔ اب تاریک کوٹھڑیوں میں گزرنے لگیں۔ حسرتیں غم و اندوہ کی نظر ہو چکی تھیں۔ جذبۂ عشق و محبت میں کھیلنے والا منوہر اس سے پریم رکھتا تھا۔ شیلا صرف منوہر کے لئے ہی جی رہی تھی ... ... آٹھوں پہر اس کے گیسوئے تابدار اس کے خوشنما چہرہ کو دنیا کی نظروں سے ڈھانپے رکھتا اور اشک ہائے غم چند در چند گھڑیوں کے لئے مونس و غمخوار ہوتے۔ اور تسکین خاطر بن کر اس کی اجڑی ہوئی آشاؤں کی دنیا کو سہارا دیتے ... ... نخل شباب پر آہستہ آہستہ خزاں آنے لگی۔ آفتاب عین شباب پر پہنچ کر شام کی جانب ڈھل رہا تھا۔ اس کا ایمان بید و دھرم کی کتابوں سے اٹھ چکا تھا۔ فقیر۔ بید۔ سادھو سب اس کی نظروں میں مشتِ خاک تھے ان تمام ناکامیوں کے باوجود شیلا کے اوصاف حمیدہ مشعلِ راہ خیال کئے جاتے تھے۔ سماج کے شکار والدین کے دامن میں موقع نہ چھپا سکتی تھی ... ... خاوند اور ساس کی خدمت کرنا اس کا فرضِ اولین تھا اسے وہ دھرم خیال کرتی تھی۔ ہنر اور سلیقہ سے کما حقہٗ واقف تھی وہ سب کی عزت کرتی تھی ... ... برہمنوں کو کھانے کھلائے گئے۔ رشیوں کی خدمت کی گئی۔ وید جنتر منتر سب کچھ کئے گئے۔ لیکن شیلا کے چمن امید میں ابھی سکوت ہی طاری تھا ... ... لیکن اب بھی اس کے دل میں جھلک تھی اور اس کا عزیز شوہر اسے سونپور لے جائے گا۔ اس خیال پر وہ زندگی کی پرسکون وادی کے مرحلے صبر و سکون کے ساتھ طے کر رہی تھی ... ...

تین بج چکے تھے۔ نیند نام کو بھی آنکھوں میں نہ سمائی تھی۔ امید کے سنہری پردے پر ایک بچہ کھیل رہا تھا اور شیلا ماں ... ... اسے لوریوں سے بہلا رہی تھی۔ خوشی کا طوفان دل میں جگہ نہ پا کر آنکھوں میں جھکولے کھا رہا تھا۔ ہزاروں لوگ سونپور پہنچ گئے تھے۔ اور اپنی مرادیں لے کر گھروں کو لوٹ رہے تھے ... ... اشنان ختم ہو گیا۔ منوہر اور شیلا ایک سڑک پر سے گزر رہے تھے۔ اور بچہ ماں کہہ کر چیخا۔ شیلا کی آنکھ کھل گئی۔ گود پھر بھی خالی تھی۔ گھر کے سب چھوٹے بڑے شیلا کو منحوس کہتے ہیں۔ لیکن اس کا شوہر اس سے پریم رکھتا ہے۔ شوہر کا پریم ہی شیلا کی زندگی کا سہارا ہے۔

جلوۂ جانانہ بنادے

فرزانہ بنادے مجھے دیوانہ بنادے | جو چاہے ترا لطف کرم یا نہ بنادے
یا عین وفا بن کے محبت کو نبھادے | یا پھر اسے بھولا ہوا افسانہ بنادے
یہ دل مرا پیاسا ہے بڑی دیر سے ساقی | اٹھ اس کو چھلکتا ہوا پیمانہ بنادے
زاہد نہیں قاتل ترے اعجاز نظر کا | ہاں ایک نظر سے اسے دیوانہ بنادے
عالم پہ اگر ڈالے وہ مخمور نگاہیں | ہر چار سو میخانہ ہی میخانہ بنادے
اے عشق مجھے حسن بصیرت وہ عطا کر | ہر عکس کو جو جلوۂ جانانہ بنادے
پیمانے سے ساقی مری نیت نہ بھرے گی | بہتر ہے مرے دل کو ہی پیمانہ بنادے
ہر ذرہ ہستی ہے وہ عرفان کا طوفاں | جو صاحب پندار کو دیوانہ بنادے
دے دعوتِ نظارہ وہی قلب و نظر کو | ادراک کو جو طور کا افسانہ بنادے
سو جاں سے فدا جس پہ ہو جنت کی لطافت | کاشانۂ دل میرا وہ کاشانہ بنادے

جب تیری مشیت ہے مرے سود کی خواہاں
کہتا نہیں ایسا بنا ایسا نہ بنادے

چودھری فتح محمد رفیق بی۔ اے

اغیار سے ہشیار

(از حضرت جوش ملیح آبادی)

اے مردِ خدا! فتنۂ اغیار سے ہوشیار ہُشیار ہو، ہُشیار ہو، ہُشیار ہو، ہُشیار
ہم تجھ سے نہ کہتے تھے کہ ہونے کو ہے پیکار؟ لے آگئی وہ سر پہ چمکتی ہوئی تلوار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار!

بیدار ہو، بیدار!!

بیدار ہے پھر فتنۂ چنگیز جہاں میں اور تو ہے ابھی تک اثرِ خوابِ گراں میں
صیاد کمینوں میں ہیں، ناوک ہیں کماں میں پیشانیٔ دوراں پہ ہیں، شب خون کے آثار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار!

بیدار ہو، بیدار!!

تو نے روشِ خدمتِ اغیار نہ چھوڑی اب تک رسنِ سبحہ و زنار نہ چھوڑی
آشفتگیٔ اندک و بسیار نہ چھوڑی افسوس ہے اے جنسِ غلامی کے خریدار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

بیدار ہو، بیدار!!

شیون کبھی بلبل کو گوارا نہیں ہوتا جب تک گلِ رنگین کا اشارہ نہیں ہوتا
بے آگ جو چڑھتا ہے وہ پارا نہیں ہوتا بے وجہ نہیں کشمکشِ کافر و دیندار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار!

بیدار ہو، بیدار!!

مرہم ابھی طیار نہیں، زخم رسیدہ! افسوس ہے، اے صاحبِ اوصافِ حمیدہ
"گرگ دہن" آلودۂ یوسف نہ دریدہ اے مصر کے بازار میں یوسف کے خریدار!

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار!
بیدار ہو، بیدار!!

اب تک تری محرومیٔ تقدیر وہی ہے بدلے ہوئے الفاظ ہیں تقریر وہی ہے
گو روپ تو زلفوں کا ہے زنجیر وہی ہے ہر حلقۂ کاکل میں ہے زنجیر کی جھنکار
بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار!
بیدار ہو، بیدار!!

یک رنگ ہے جو، جیت ہے دنیا میں کسی کی اے صید کشاکش! یہ دورنگی نہیں اچھی
یا اپنے کف پا میں لگا ناز سے مہندی یا جامۂ ہستی کو بنا خوں سے گلنار
بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار!
بیدار ہو، بیدار!!

دم بھر تو کبھی غور کر اے خفتہ مقدر! مادہ تجھے قدرت نے بنایا ہے، کہ ہے نر
یا اوڑھ لے، اے زہرہ جبیں! مقنع و چادر یا کھینچ لے، اے مرد خدا! میان سے تلوار
بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار!
بیدار ہو، بیدار!!

یا حجلۂ رنگین میں دکھا عشوۂ پُرفن یا رَن میں کچھ اس شان سے آ گونج اٹھے رَن
یا گوندھ کے چوٹی کو پہن پھول سے کنگن یا سر سے کفن باندھ کے مرنے پہ ہو طیار
بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار!
بیدار ہو، بیدار!!

یا فرش عروسی پہ بدل ناز سے پہلو یا عرصۂ جرأت میں دکھا قوت بازو
یا رقص کی محفل میں بجا تال سے گھنگرو یا جنگ کے میدان میں سنا تیغ کی جھنکار
بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار!
بیدار ہو، بیدار!!

شاندار کتابیں

غدر کی دکھیا اسلامی سلطنت کے آخری چراغ کی تباہی کا دردناک منظر۔ لوٹ مار، قتل، غارت گری، اعزاز و شرفا کو پھانسیاں۔ بیگناہوں کی بربادی۔ باغیوں کے ظلم و ستم۔ اگر آپ کتاب غدر کی دکھیا میں پڑھیں گے تو آنکھ سے آنسو بہنے لگیں گے یہ وہ دردناک واقعہ ہے۔ اگر پتھر کا کلیجہ ہو تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے قیمت آٹھ آنہ علاوہ محصول ڈاک

بادۂ خیام فلاسفر اعظم عمر خیام کی دو سو آٹھ چیدہ رباعیوں کی پرکیف شرح جو شاید آج تک کسی نظر سے نہ گزری ہوگی درج کی گئی ہے خیام جیسے بلند پایہ شاعر کے کلام کی شرح کوئی معمولی بات نہیں ہے ایک ایک مصرعہ ہزار ہزار معنوی پہلو رکھتا ہے۔ اس کتاب میں رباعیات کے مطالب و معارف انوکھے انداز بیان میں تحریر ہیں۔ قیمت صرف ایک روپیہ

تہذیب المجالس آج کل کے بچے مغربی تہذیب کی بدولت بزرگوں کا ادب۔ گفتگو کرنے کا سلیقہ آداب طعام اور علم مجلس سے قطعی ناآشنا ہیں۔ تہذیب و اخلاق نام کو نہیں۔ اس کتاب میں کھانے پینے۔ اٹھنے بیٹھنے۔ پہننے سونے۔ لکھنے اور بولنے کے آداب۔ ہر قسم کی مجلس کے آداب کا بیان نہایت عمدہ طریقہ سے کیا گیا ہے۔ قیمت دس آنے۔

استاد مضمون نگاری مدارس کے طلباء اور اساتذہ کے لئے اور ان لوگوں کیلئے جو اپنی تحریر میں زور پیدا کرنا چاہتے ہیں بہترین کتاب ہے اور اس قدر جلد مقبول ہوگئی کہ اب اس کے کامیاب ہونے کے متعلق ذرا بھی شبہ نہیں رہا۔ اس کتاب میں تحریروں کے تمام پہلوؤں کو نمایاں کر کے مشاہیر اور مستند اہل قلم کی تحریروں سے مطابق ہے۔ اور ابتدائی باتوں سے آخر تک تمام ضروری ہدایتوں کو قلم بند کیا ہے اور یقین ہے کہ اس کتاب کو ذہن نشین کر لینے کے بعد انشاپردازی آجائے گی۔ قیمت صرف چھ آنے (۶/)

تعلیم تقریر تقریر وہ جادو ہے جو دنیا کو مطیع کر لیتا ہے۔ اس کتاب میں پبلک تقریریں انتخابی تقریریں۔ پارلیمنٹری تقریریں اصلاحی تقریریں، سوشل تقریریں۔ مذہبی تقریریں۔ تردیدی تقریریں، مولانا ابوالکلام آزاد۔ اور سرسید مرحوم کی تقریریں اصول اور قواعد درج ہیں جس پر عمل کرنے سے تھوڑی عرصہ میں نوآموز مبتدی بھی کامیاب خطیب مقرر اور مشہور لیکچرار بن سکتا ہے۔ قیمت دس آنے (۱۰/)

شاعری یہ ایک عجیب و غریب کتاب ہے۔ اس کے مطالعہ اور تھوڑی سی مشق کے بعد آپ ایسے شاعر بن جائیں گے کہ جس محفل میں شعر کہیں گا لوگ واہ واہ کریں گے اس کتاب میں شاعری کے ضروری قواعد و ضوابط تقطیع۔ وزن، امثال، تشبیہ۔ اصول۔ شعر، تخلص وغیرہ کے متعلق معلومات درج اور مشاہیر ہند کے خیالات بھی ہیں۔ قیمت صرف آٹھ آنہ

عربی ٹیچر اس کتاب سے عربی بولنا۔ عربی لکھنا، عربی پڑھنا، عربی اخبارات کا ترجمہ کرنا۔ بخوبی آجاتا ہے۔ ایک مہینہ کی مشق میں مبتدی بآسانی عربی لکھ پڑھ سکتا ہے۔ نہایت آسان طرز بیان اور مفید قواعد و ضوابط درج ہیں اور مصر و حجاز۔ بیت المقدس اور علماء عرب کے مشہور ادیبوں کے اقوال بھی درج ہیں نہایت مفید کتاب ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

انشائے بخاری خطوط نویسی، القاب و آداب، نجی خط و کتابت عدالتی تحریریں، رسیدیں تمسک وغیرہ لکھنے کے طریقہ اور مہر کے متعلق احکام شرعی اور قانون مہر انگریزی مع مجلسہ درج ہے اس کتاب میں مہر کی اہمیت۔ اس کے روزمرہ نکات پر عجیب تشریح کی گئی ہے، ضرورت مند یکار کے دریہ نہ جائیں بلکہ مہر کے متعلق یہ مفید کتاب منگائیں۔ قیمت بارہ آنہ (۱۲/)

کامیاب تاجر تجارتی نشیب و فراز سے ناواقفیت کے باعث لوگ تجارت میں لاکھوں روپیہ کا نقصان اٹھاتے ہیں یہ کتاب تجارت کے لئے نسخہ کیمیا ہے۔ اس میں انتخاب تجارت تجارتی حکمت عملیاں۔ تجارت کو ترقی دینے کے لئے۔ شہرت کے نرالے ڈھنگ۔ ایک سبق آموز افسانہ کی صورت میں درج ہیں قیمت صرف چھ آنہ (۶/)

مقالات نبوی یہ سو سے زائد آقائے نامدار کے اقوال زرین صحیح بخاری، مسلم۔ ترمذی وغیرہ میں سے انتخاب کر کے جمع کئے ہیں۔ زندگی کے ہر پہلو پر ایسی نادر و نایاب نصیحتیں ہیں کہ ایک ایک حدیث مبارک سونے کے حروف سے لکھنے اور آنکھوں سے لگانے کے قابل ہے۔ ہمارے عربی فلاسفر اعظم کے مقالوں کو پڑھنے کے بعد آپ انگریزی فلاسفروں کو بھول جائیں گے۔ ہر مسلمان کے لئے یہ کتاب ضروری ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲/)

قتل حسین ع کربلا کی تپتی ہوئی زمین پر خون شہداء کی گلکاریاں کوفیوں کے ہاتھوں بستان رسالت کی بربادی کا دردناک منظر اگر آپ پڑھیں گے تو آپ کی آنکھ سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جائے گی یہ کتاب حضرت امام حسین علیہ السلام کی سیرت اور کربلا کے المناک واقعات کی پردرد تصویر گیارہ مقامات مقدسہ کی ہاف ٹون تصاویر۔ قیمت ایک آٹھ آنہ (۸/)

نوٹ:۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار۔

ان سب کتابوں کے ملنے کا پتہ:۔ مینجر رسالہ محشر خیال جامع مسجد دہلی

دوزخی کی تعریف

(از شوکت علی فہمی)

جہنم کے داروغہ نے جہنم کے فرشتوں سے جھلا کر کہا "کیا تم اندھے ہو گئے ہو؟ کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا؟ کہ جہنم میں جگہ نہیں ہے ان کروڑوں انسانوں کو یہاں سے لے جاؤ۔ تم کو معلوم ہونا چاہئے۔ کہ ہر کس وناکس کو جہنم میں داخل نہیں کیا جاسکتا۔

فرشتہ نے مودبانہ انداز میں کہا۔ "والا جاہ آپ کو جہنم میں اضافہ کرنا ہوگا۔ کیونکہ ہندوستان کی بیشتر آبادی مغربی اثرات کی بناء پر جہنم کی حقدار بنتی چلی جارہی ہے۔ ان کو مجبوراً جہنم ہی میں ہم کو جگہ دینی پڑے گی۔ کیونکہ ان کے لئے جہنم کے علاوہ دوسرے عالم میں کوئی جگہ نہیں دی جاسکتی۔

داروغہ نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے کہا "کیا تمہیں خبر نہیں ہے کہ جہنم کا بیشتر حصہ ان مغربی اقوام کے لئے ریزرو ہو چکا ہے۔ جو اعمال کے اعتبار سے شیطان سے بھی آگے ہیں اور جو روزانہ حکومت کے نشہ میں سرشار ہو کر خلقِ خدا کا خون چوس رہے ہیں۔ جہنم کے صحیح حقدار یہی لوگ ہیں۔ بھلا ہندوستان کے کالے آدمیوں کو کس طرح ان پر ترجیح دی جاسکتی ہے۔ ان کو واپس لے جاؤ جہنم میں جگہ نہیں ہے۔

فرشتہ نے ڈرتے ڈرتے کہا "کم از کم ان کو تو جہنم میں داخلہ کی اجازت دیدیجئے جنہوں نے دنیا میں بڑے کارنمایاں کئے ہیں۔ کیونکہ ان کے لئے جہنم کے علاوہ میرے نزدیک کوئی جگہ نہیں ہے"

داروغہ نے ناگواری محسوس کرتے ہوئے کہا "پیش کرو۔ اگر واقعی وہ جہنم کی اہلیت رکھتے ہوں گے تو ضرور ان کو جہنم میں جگہ دی جائے گی"

سب سے پہلے ایک شرابی، زانی، جواری کو پیش کیا گیا۔ فرشتے نے اس گناہ کے پتلے کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ اس نے شراب کے نشہ میں اپنے آباؤ اجداد کی ساری دولت لٹادی ہے۔ جوئے میں سب کچھ ہار چکا ہے زناکاری کے معاملہ میں اس کا درجہ اس درجہ بلند ہے۔ کہ شاید اس نے ہزاروں عورتوں کو اپنی نفس پرستی کا ذریعہ بنایا ہوگا۔ شراب کے نشہ کی حالت میں کئی خون کر چکا ہے۔ بے حد ناپاک اور نجس انسان ہے اس کے لئے کیا حکم ہے۔

داروغہ نے کہا۔ اس کا اعمال نامہ پڑھ کر سناؤ۔

فرشتہ نے نامۂ اعمال پڑھنا شروع کیا "یہ شرابی ہے زانی ہے، جواری ہے لیکن ہمیشہ اپنے افعال پر پچھتاتا ہے۔ گھنٹوں اپنے گناہوں پر رویا کرتا ہے اپنے آپ کو بہت حقیر سمجھتا ہے۔ خدا کی رحمت کا امیدوار ہے لیکن شرابی ہے زانی ہے جواری ہے۔

داروغہ نے کہا۔ اسے واپس لے جاؤ یہ ہرگز جہنم کے قابل نہیں ہے۔ اس نے اپنا معاملہ خدا کے سپرد کر دیا ہے۔ احکام الٰہی کے بغیر صرف اس کی ذاتی بداعمالیوں پر ہرگز اسے جہنم میں داخل نہیں کر سکتے۔ چنانچہ یہ شخص جہنم سے واپس کر دیا گیا۔

(۲)

فرشتہ نے ایک پیشہ ور زانیہ کو داروغہ جہنم کے روبرو پیش کرتے ہوئے کہا۔ گزشتہ بیس برس سے زناکاری کے ناپاک پیشہ کی بدولت دنیا کو تاراج کر رہی ہے۔ اس نے صدہا نوجوانوں کو دولت اور شباب سے محروم کر دیا ہے۔ اس کی وجہ سے کئی نوجوان قتل ہوئے ہیں۔ اس کی محبت میں سرشار ہو کر چوریاں کی ہیں۔ اور دھوکہ دہی کے الزامات میں ماخوذ ہوئے ہیں یہ سرتاپا جہنمی ہے۔

داروغہ نے کہا "پہلے مجھے اس کا اعمال نامہ سناؤ پھر اس کے بعد اسے جہنم میں داخل کیا جاسکتا ہے۔

فرشتہ نے اعمال نامہ پڑھنا شروع کیا۔ زانیہ ہے، بدکارہ ہے فریب دیتی ہے۔ عیاری سے لوگوں کو لوٹتی ہے۔ لیکن یہ ابتدا میں زانیہ نہ تھی بلکہ اس کے شوہر کی لاپرواہی نے اسے گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ مدتوں ٹھوکریں کھاتی رہی اس کے بعد اس پیشہ میں پڑ گئی اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ خیرات پر صرف کرتی ہے۔ روزانہ صبح کو غسل کے بعد تلاوت قرآن میں مصروف رہتی اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتی ہے۔ نکاح کی خواہشمند ہے۔ لیکن کوئی اس سے نکاح کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا اپنے پیشہ پر شرمسار ہے۔

داروغہ نے اعمالنامہ سن کر غصہ میں کہا "تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے بھلا ہم ایسی عورت کو کیونکر جہنم میں داخل کر سکتے ہیں۔ جو عالم مجبوری میں اس پیشہ پر قائم رہی۔ اس کے علاوہ جس کی گناہ کی زندگی کے ساتھ ندامت بھی موجود ہے۔ ہم حکم الٰہی کے بغیر ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔ نکالدو اسے جہنم سے باہر نکالدو یہ ہرگز اس قابل نہیں ہے"

فرشتہ نے داروغہ کو غصہ میں چیختے ہوئے دیکھا تو وہ بہت گھبرایا اور اس نے ڈرتے ڈرتے ایک خونی ڈاکو کو پیش کرتے ہوئے کہا "والا جاہ اس نے ہزاروں انسانوں کو خاک و خون میں نہلایا ہے۔ نہیں معلوم کتنے انسان اس کے خنجر سے ذبح ہو چکے ہیں۔ اس سے بڑا جہنمی ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔ داروغہ نے شک کی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ غور کرو کہ جہنم کے لائق ہے یا نہیں۔

فرشتہ نے اعمالنامہ پڑھ کر سنانا شروع کیا "یہ خونی ہے بے شمار انسان اس کی تلوار سے موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں لیکن اس نے تمام عمر میں کسی ایک غریب کو بھی نہیں ستایا دولت مندوں کو لوٹتا رہا۔ اور انہی کو اس نے قتل کیا۔ ہمیشہ اس کا یہ طریقہ رہا کہ دولت پرستوں کو قتل کر کے غریبوں میں دولتمندوں کی دولت تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ لاکھوں غریبوں کی اس نے پرورش کی ہے۔ لیکن بہت ہی بڑا خونی اور ڈاکو ہے" داروغہ غصہ سے لال ہو گیا اور فرشتہ کو اپنی لال لال آنکھوں سے گھورتے ہوئے کہا تم کو آج تک جہنمی انسان کی شناخت نہیں ہوئی۔ حالانکہ تم لاکھوں برس سے یہی کام کر رہے ہو۔ اسے لیجاؤ کیونکہ ہم اسے جہنم میں کبھی نہیں داخل کر سکتے۔ وہ انسان بھلا جہنم میں کیسے داخل ہو سکتا ہے جو غریبوں اور محتاجوں کی امداد کرتا ہو خواہ وہ کتنا ہی بڑا خونی کیوں نہ ہو۔

(۳)

اس کے بعد داروغہ نے مجرموں کے مجمع پر نظر ڈالتے ہوئے فرشتے سے ایک بزرگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ کون بزرگ ہے اسے ہمارے سامنے پیش کرو۔ کیونکہ اس کی پیشانی پر جہنمی ہونے کی علامتیں نمودار ہیں"

فرشتہ ڈرتے ڈرتے اس بزرگ کو جہنم کی طرف لایا تھا۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ شاید اسے جہنم میں داخل نہ کیا جا سکے۔ فرشتہ نے بزرگ صورت بڈھے کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ یہ ایک نام کے مولوی اور پیر ہیں جو لوگوں کی غلط رہنمائی کرتے تھے"

داروغہ نے کہا۔ ان کا اعمالنامہ پڑھ کر سناؤ۔ کیونکہ اسکا نامہ اعمال یقینی پر وحشت ہوگا۔ فرشتہ نے پڑھنا شروع کیا۔ ظاہر میں یہ ایک بزرگ صورت انسان ہے صورت سے مولوی معلوم ہوتا ہے اور پیر بھی لیکن باطن میں شیطان سے بدتر ہے کیونکہ لوگوں سے کہتا ہے کہ ہماری پیروی کرو جو کچھ ہم کہتے ہیں وہی شریعت ہے وہی طریقت ہے۔ جاہل ہو مگر عالم بنتا ہے۔ نفس پرست ہے مگر پیر بنا ہوا ہے عورتوں کو دین کے سلسلہ میں بلا کر عصمت دری کرتا ہے یتیموں کا مال ہضم کرتا ہے۔ اپنے مطلب کے مطابق شریعت گھڑتا ہے غرضکہ وہ سب کچھ کرتا ہے جو دنیا میں ایک رند سے رند بھی کرتے ہوئے شرماتا ہے انتہا درجہ کی ناپاک زندگی ہے۔ اور خدا سے بالکل نہیں ڈرتا" داروغہ مسکراتے ہوئے کہا "یہ معزز" انسان درحقیقت جہنم کے لائق ہے ایسے ہی انسانوں کیلئے جہنم وقف ہے۔ اس کے بعد اس نے جہنم کے سنتری کو اشارے سے بلاتے ہوئے کہا "جہنم سب سے نیچے کے حصہ میں اس بوڑھے کو لیجا کر رکھو۔ اس کے بعد داروغہ نے جہنم کا داخلہ بند کر دیا

بیوہ کا خون اولیا کے سر

(از جناب سید مرتضیٰ صاحب قادری کرنول مدراس)

اچھی سلیمہ تم دریافت کرتی ہو کہ میں نے خط لکھنا کیوں ترک کر دیا سنو، میں نے خط لکھنا ترک تو نہیں کیا۔ البتہ جواب دینے میں دیر ضرور ہوئی۔ مگر یہ تاخیر بلا وجہ نہ تھی۔ آہ! سلیمہ اس تاخیر کی وجہ تمہیں کن الفاظ میں بتاؤں۔ اور کس دل سے کہوں کہ میں اپنی ایک عزیز سہیلی کو اس کے خاص وطن پہنچانے میں مشغول تھی۔ آہ میری بھولی بھالی سہیلی...... ......معصوم سہیلی .... اختر .... پیاری اختر .... اس دنیا کے ہر مزے سے محروم ہو کر دنیا کے تنگ نظروں پر لعنت بھیجتی ہوئی تلاش سکون میں ایسی جگہ چلی گئی جہاں سے اس کا دوبارہ آنا محال ہے۔

جس زمانے میں ہم دونوں ایک ساتھ پڑھتے تھے، وہ ایک شگفتہ پھول کی طرح ہنس مکھ اور بلبل کی طرح چہکتی نظر آتی تھی۔ لیکن افسوس اس کی جوانی کی تمام رعنائیاں اور عہد شباب کی ساری شوخیاں چند ہی روز میں گلشن خزاں رسیدہ ہو کر رہ گئیں۔ کس طرح؟ .... کیونکر؟ .... یہ ایک غم آلود کہانی ہے۔ اس کے اندھے اور لالچی والدین نے اس گل شگفتہ کو دولت کی طمع میں ایک دائم المریض بڈھے کے پلے باندھ دیا۔ آہ! فلک کج رفتار کو اس بے گناہ اور مظلوم پر ذرا بھی رحم نہ آیا۔ اس ستم گر کو اس کے بلوریں ہاتھوں میں سنہری چوڑیاں ایک آنکھ نہ بھائیں۔ آہ میری اختر ایک سال کے اندر اندر بیوہ ہو گئی۔ اور بدقسمتی ہندوستان جیسی سرزمین میں جہاں اندھی تقلید کا رتبہ شریعت سے بڑھکر ہے۔ اور جہاں رانڈوں کا نکاح بہت ہی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ دیکھو تو، رانڈ کا لفظ ہی کس قدر حقارت آمیز معلوم ہوتا ہے۔ کیوں نہ ہو۔ آخر ہے تو اسی بدنصیب اور قدامت پرست ہندوستان کی زبان کا۔

سلیمہ! اختر میری ہمراز اور دمساز سہیلی تھی اور میں اس کی۔ مگر آہ قضا و قدر کے قوی ہاتھوں نے اس کو مجھ سے چھین لیا۔ پانچ سال تک رنڈاپے کی دکھ بھری زندگی بسر کرنے کے بعد میری اختر اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کو اپنے دل میں دفن کر کے خود زمین میں مدفون ہو گئی۔ آہ سلیمہ! کیا بتاؤں کہ اس کے ساتھ کتنے ارمان دفن ہو گئے .... کس قدر تمنائیں خاک میں مل گئیں .... کچھ نہ پوچھو .... اس کی بیکسی .... اس کی لاچاری .... ایک دردناک داستان ہے۔ اس کے خیالات کا اندازہ اس کے آخری خط سے، جو مرحومہ نے مجھے لکھا تھا۔ اچھی طرح ہو سکتا ہے۔ خط یہ ہے:۔

اپنے یاد کرنے والوں کو بھولنے والی رشیدہ! تم مجھ سے اتنی بے رخ کیوں ہو گئیں؟ .... کیا میں تم کو یاد نہیں آتی .... آہ میرا آخری وقت بھی آ پہنچا .... مگر نہ تم آئیں نہ تمہارا خط .... تم جانتی ہو کہ دنیا میں سوائے تمہارے میرا دکھڑا سننے والا کوئی نہیں ...... پھر اس قدر بے توجہی کیوں برتی جاتی ہے؟ .... للہ رحم .... ایک مرتبہ اپنی صورت دکھا جاؤ .... صرف ایک مرتبہ .... میرا دل بھرا ہوا ہے .... میں اس کو ایک بار تمہارے روبرو خالی کر دینا چاہتی ہوں .....

آہ رشیدہ تمہارا مجھ پر بڑا احسان ہے۔ اگر تم میرے دل کو تسلی دینے کے لئے نہ ہوتیں اور مجھے ہر وقت نیک مشورہ نہ دیا کرتیں تو میں دونوں جہاں سے گئی گزری ہو جاتی ...... میرے جذبات اور خیالات مجھے کہیں کا نہ رکھتے۔ خدا تمہیں سکھی رکھے .... تم نے مجھے بچا لیا۔ سچ مانو مجھے ان دنوں اپنے والدین کی صورت سے کچھ نفرت سی ہونے لگی ہے ان کی ہر بات کڑوی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن میں نے کبھی اس قسم کے جذبات کو ظاہر ہونے نہ دیا۔ کیونکہ تمہاری باتیں ابتک میرے کانوں میں گونجتی ہیں اب میں بہت خوش ہوں کہ ایک فرمانبردار بیٹی اور عصمت مآب عورت کی طرح اپنے والدین اور دنیا والوں سے جدا ہو رہی ہوں۔ مگر رشیدہ میں تمہاری ملاقات کے لئے بیتاب ہوں .... بے چین ہوں .... رشیدہ تم آؤ اور ضرور آؤ .... صرف ایک بار .... مجھے تم سے کچھ کہنا ہے .... اگر تم نہ آؤ گی تو میری روح ہمیشہ کے لئے بے کل رہے گی .... آؤ گی نا؟ ....

مشتاق دید

اختر صبح دم

کیوں سلیمہ! کیسا خط ہے؟ اس خط کے پڑھتے ہی پیاری اختر کی ساری زندگی میری آنکھوں کے سامنے آگئی۔ بیوگی کے وہ دن جو انہیں اپنی سسرال میں بسر کئے۔ بہت ہی کٹھن تھے۔ اس کم عمری میں اس کے ہم عمر نواسے اور پوتے موجود تھے بے چاری جب تک سہاگن تھی کم از کم بڈھا شوہر ہی کچھ دلجوئی کی باتیں کر لیتا تھا مگر جوں ہی

بیوہ ہوئی اس کے سر پر آلام و مصائب کا ہمالہ ٹوٹ پڑا۔ نند۔ دیورانی اور جیٹھانی کے علاوہ وہ بیوٹیاں تک جو عمر میں اختر سے بڑی تھیں ان سب کی رات دن خدمت کرتی مگر اس کے حصہ میں لعن طعن کے سوا کچھ نہ تھا اختر اس ہمیشہ کی کاٹ سے تنگ آگئی تھی مگر چونکہ بیوہ تھی مجبوراً ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم پر عمل کرنا پڑتا تھا۔ آخر مظلوم اختر کے جاہل والدین نے اپنی لخت جگر کی جگر دوز و دل سوز حالت دیکھی تو رو دھو کر بیٹی کو اپنے گھر بلا لیا۔ اختر کو شوہر کی جائداد سے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ ملی۔ حتیٰ کہ مہر ادا کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ والدین چونکہ شریف تھے اس لئے مقدمہ بازی کو برا سمجھ کر گھر ہی میں خاموش ہو کر رہ گئے۔ اپنے کئے پر بہت آنسو بہائے مگر ؎ اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

اختر اب والدین کے گھر زندگی کے بقیہ دن گزارنے لگی۔ یہاں اس کے لئے کئی ایک پیغام آئے مگر یہ نرالی شریعت پر ایمان قربان کرنے والے، بھلا یہ بات کب گوارا کرتے۔ ہاں علانیہ عقد ثانی سے انکار تو نہیں کر سکتے تھے کہ اس میں شرعی حکم فَانکِحُوا الاَیَامٰی کی خلاف ورزی ثابت ہوتی تھی۔ اس لئے کسی پر بداخلاقی کا بہتان تراشا۔ کسی میں خاندانی عیب نکالا اور کسی کو غریب و بے روزگاری کے بہانے سے ٹالا۔ جو شخص ان تمام عیوب سے پاک نکلا اور اس میں کسی طرح کی کھوٹ نہ پائی اس کو منہ زبانی اختر کی رائے پر چھوڑ دیا۔ مگر اس کے بیوہ رہنے کے سبب کھانا چھوڑ دینے اس کی دائم المریضی اور اس کی تنہائی پسندی کی وجہ معلوم کرنے کی کبھی کوشش نہ کی وہ شرم و حیا کی پتلی اس معاملہ میں کس طرح زبان کھول سکتی وہ اپنے والدین بھائی بند کے خیالات سے خوب واقف تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ اگر ایک لفظ بھی میری زبان سے نکلا تو مجھ پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے اپنے والدین سے بچھڑ جاؤں گی۔ خاندان قبیلہ والوں میں بدنامی ہوگی۔ الغرض وہ محروم تمنا اختر اسی طرح دنیا کے چین و آرام کو ٹھکرا کر موت کے گھاٹ اتر گئی اس کے ظالم و جابر اور ناعاقبت اندیش والدین نے اس جوان لڑکی کو اندھی تقلید کی دیوی پر بھینٹ چڑھا کر دم لیا۔

میری اچھی سلیمہ! گو آج ہندوستان سے ستی کی رسم مٹ چکی ہے۔ مگر ہماری بہنیں ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں اختر کی طرح تقلید کی چتا میں جل کر ستی ہوتی رہتی ہیں اور تم نے اس برائی کو مٹانے میں کوئی خاص کوشش نہیں کی۔ ضرورت ہے کہ اس تباہ کن رسم کے خلاف جملہ خواتین مشرق کا ایک متحدہ محاذ قائم کرکے مسلسل جہاد شروع کر دیں۔ اور اس کے ختم ہونے تک دم نہ لیں۔ کیا تم بھی اس جنگ میں حصہ لوگی سلیمہ!

تمہاری اپنی

رشیدہ

غریب لڑکی کا انجام

(از جناب سید نقی حیدر صاحب بلگرامی)

وہ بے کس تھی...... مجبور تھی..... اسے آج معلوم ہوا کہ وہ وہ ہے...... جس کے لئے دنیا کی تمام نعمتیں حرام ہیں..... گھر والے اس کے وجود سے گھبرانے تھے اس کو منحوس ڈائن سمجھتے جیسے وہی تو اپنے شوہر کی موت کی ذمہ دار تھی اچھے کپڑے اور زیورات سے تو وہ پہلے ہی بے نیاز کر دی گئی تھی۔ مگر اب اچھا کھانے اور آرام کے ساتھ جینے کا تصور بھی اس کے لئے گناہ تھا...... وہ صرف کولہو کے بیل کی طرح زندگی کے محور پر گھوم رہی تھی اس کی زندگی صرف ایک بوڑھی گائے کے مانند تھی جس کو صرف اس لئے جینے کا حق ہے کہ وہ پیٹ بھر گئو ماتا ہے۔ بیوہ سماج کے نزدیک ایک بے جان مشین کے مانند ہے جس کے اندر کوئی حس اور جذبہ نہیں ہوتا اس کی زندگی کی قیمت صرف اتنی تھی جتنی کہ ایک بوڑھے مزدور کی جس کے اعضاء اس کو بھرپور قوت لایموت پہنچانے سے معذور ہوگئے ہوں اس کی شخصیت ایک زر خرید لونڈی سے زیادہ نہ تھی جس کی امنگیں اور جذبات آقا کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتے۔

(٢)

سروج اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی تھی مگر غربت و ناداری کیوجہ سے پرورش اس اعلےٰ پیمانے پر نہ ہوئی تھی جیسا کہ ایک اکلوتی بیٹی کو حق ہوتا ہے...... پریم بے چارہ ناداری کے پنجۂ آہنی میں جکڑا ہوا تھا مگر پھر بھی اپنی توجہات کا مرکز سروج کو سمجھتا تھا...... اس کی دلی خواہش تھی کہ سروج کو اعلےٰ پیمانے پر تعلیم دیجائے اس کے لئے اس کو بہت سخت محنت کرنی پڑتی تھی۔ دن بھر مل کی گندی اور بدبودار فضا میں کام کرکے جب گھر واپس آتا تو پھر اس کو کسی اور کام کے پکڑنے کی تمنا ہوتی کیونکہ مل کی آمدنی اس کے لئے ناکافی تھی گھر کی تمام ذمہ داری اس کے سر تھی بوڑھی ماں۔ اندھی بہن۔ بیوی اور معصوم سروج کی ذمہ داریوں سے اس کی کمر جھک گئی تھی تفکرات کی وجہ سے اعضاء بوڑھے ہو چلے تھے۔ گو کہ ابھی اس کی عمر تیس سال سے زائد نہ تھی مگر سخت محنت اور مل کی مسموم آب و ہوا نے اس کو ساٹھ سال کے بوڑھے کے مانند کر دیا تھا۔

(٣)

مثل مشہور ہے ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ سروج اپنی دسویں منزل سے گذر رہی تھی اس کا ننھا اور معصوم دل دنیا کی حیا لباز یوں سے قطعی ناآشنا تھا اس کے جسم کی نشو و نما اس طریق پر ہو رہی تھی کہ دیکھنے والوں کو وہ حسن کی دیوی معلوم ہوتی تھی اس کی نیلی آنکھیں سکے بادامی رنگ کے پیچ و خم کھانے ہوئے گیسو۔ خوشنما اور سڈول بازو متناسب اعضاء۔ غرضکہ وہ ایک پیکر حسن تھی سروج اپنی تعلیم کے سلسلہ میں اپنی سہیلی سرنا کے ہاں جایا کرتی تھی جو ایک بالدار سیٹھ کشوری کی لڑکی تھی ہم عمر لڑکیوں کا ایک دوسرے سے بے تکلف ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ سروج جب کبھی اپنی سہیلی کے ساتھ کھیلا کرتی تو اس کا جسم کسی جگہ سے عریاں ہو جاتا۔ عالم طفلی۔ شرم و حیا کے معیار سے بلند ہوتا ہے گلاب سے زیادہ نرم و نازک اور برف سے زیادہ سفید بازو اور چاند سا چہرہ کشوری جیسے عیاش بوڑھے کے لئے رہزن عقل و ہوش ثابت ہوا کشوری کی پر ہوس اور للچائی ہوئی نگاہیں سروج پر پڑنے لگیں بچے عموماً اس سے زیادہ مانوس ہو جاتے ہیں جو ان کی طرف نظر التفات سے دیکھتا ہے سروج کی معصومیت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے کشوری نے روپوں کا سنہرا جال بچھانا شروع کیا سروج کی زبانی اس کے والدین کی غربت کا حال بوڑھے کشوری کو معلوم ہو چکا تھا..... جس طرح چراغ دم واپسیں ایک آخری بھڑک دیتا ہے جس سے تمام گھر چمک اٹھتا ہے اسی طرح لب گور بوڑھے کشوری کے دل میں ایک شعلہ بھڑک رہا تھا جس کو وہ سروج کے چشمۂ حیات سے بجھانا چاہتا تھا۔

(٤)

تم کو اپنے کنبہ کی پرورش کے لئے کافی محنت کرنی پڑتی ہوگی کشوری نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا...... جی سرکار...... محنت تو بہت کرتا ہوں مگر پھر بھی پیٹ بھر روٹی میسر نہیں آتی...... پریم نے مری ہوئی آواز میں کہا جس طرح ایک یتیم بچہ کسی کو اپنا ہمدرد پاکر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا ہے..... اسی طرح پریم کی آنکھوں سے سیلاب اشک امنڈ آیا۔

تم ناحق اتنے دنوں تنگ دستی کی مصیبت اٹھاتے رہے۔ تم نے مجھ سے کبھی ذکر نہ کیا اچھا کل رات سے تم میرے ہاں بحیثیت منیب کام کرو میں اس کا معاوضہ تیس روپے ماہوار دونگا۔ کشوری نے نیچی نظروں

سے کہا۔

پریم کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اس کے سوکھے ہوئے دہان میں رحمت کی بارش ہونے لگی اسنے ہاتھ جوڑ کر کہا "سرکار" اس کی زبان میں لکنت پیدا ہوگئی میں کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں۔

کشوری نے تیر کو نشانے پر بیٹھا ہوا دیکھ کر کہا شکریہ ادا کر کے مجھے کیوں شرمندہ کرتے ہو۔ ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ جہاں تک ہوسکے وہ بنی نوع انسان کی خدمت کرے۔

بھگوان آپ کو اس کا اجر دے پریم نے تشکر آمیز لہجے میں کہا

(۵)

"بدلتا ہے دور آسماں کیسے کیسے" ایک دن وہ تھا جب پریم دن بھر محنت کرتا تو شام کو روٹی میسر آتی۔ مگر اب بغیر کسی سخت محنت کے اس کو دونوں وقت آرام سے روٹی مل جاتی۔

کشوری کی نگاہیں ہمیشہ سروج کے تعاقب میں رہتیں ....

.... پریم اس کو جذبہ ہمدردی تصور کیا کرتا۔ بوڑھے کا پیمانہ صبر لبریز ہوچکا تھا۔ اس کی دماغی جدوجہد کسی اندرونی سازش کو مرتب کرنے میں مصروف ہورہی تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ باوجود میرے احسانات کے غیور پریم سروج کو میرے حوالے نہ کرے گا۔ وہ تو صرف اسے اپنی داشتہ کے طور سے رکھنا چاہتا تھا۔ اس کی غلیظ اور ناپاک روح صرف سروج کے شباب کی بہار لوٹنے کی متمنی تھی۔ یہ کیونکر ہوسکتا تھا کہ ایک کمہار کی لڑکی کا مستحق کی استری ہوسکے وہ تو صرف روپیہ کے بدلے اس کی عزت و ناموس کو خریدنا چاہتا تھا ..... حریص بوڑھے نے ایک مرتبہ دبی ہوئی زبان سے پریم سے اس کا ذکر بھی کیا۔ مگر پریم کی غیرت نے اس کو ٹھکرا دیا وہ غریب تھا مگر اس کے پہلو میں ایک شریف دل تھا اس کے انکار نے کشوری کی ہمت کو پست کرنے کے بدلے اور بلند کردیا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ میری سازشیں اس کو میرے قدموں میں ڈالیں گی۔

(۶)

قدرت کے کرشمے نرالے ہوا کرتے ہیں۔ پریم موسمی بخار میں مبتلا ہوگیا امید تھی کہ جلد اچھا ہوجائے گا۔ مگر بدقسمتی سے مرض نے طول پکڑ لیا اس کی تیمارداری میں تمام جمع شدہ روپیہ صرف ہوگیا۔ اور نوبت یہ انجا رسید کہ قرض کے طاقتور چنگل میں پھنسنے لگا اور قرض دینے والا کشوری ہی تھا۔ امید موہوم نے قرض کے بار کو آسان سمجھا سمجھا تھا کہ شفا پانے کے بعد وہ اس قرض سے سبکدوش ہوجائے گا۔ مگر نوشتہ تقدیر کچھ اور ہی تھا مرض کی طوالت نے اس کو چارپائی سے اٹھنے نہ دیا اور وہ صاحب فراش ہوگیا کشوری کی دلی مراد بر آئی اس کی سازش مکمل ہوچکی تھی اور اس غیبی امداد سے مریض بوڑھا مسرور تھا اس نے آخری کوشش کی کہ شاید اب مگر پریم اس کی خواہش کو منظور کرے مگر یہ نہ ہوسکا۔ اب کشوری نے اس سازش اور تشدد کو آلہ کار بنانے کی ٹھانی۔

(۷)

قاضی کے گھر کے چوہے بھی سیانے ہوتے ہیں سرنا جو سروج کی سہیلی تھی اس کی خدمات نے سازش کو مکمل بنایا ہم یہ کہہ کر سرنا کو بری الذمہ کرسکتے ہیں کہ اس کی ناسمجھی اور کم عقلی نے اس سے ایسا فعل کرایا بہرحال سرنا نے اپنا ایک قیمتی ہار سروج کے گھر جاکر اپنی سہیلی کے بکس میں چھپادیا

....

کشوری نے بستر مرگ پر لیٹے ہوئے مریض سے کہا۔ پریم میں تم سے آخری فیصلہ کرنے کیلئے آیا ہوں۔ حضور میں ہر فیصلہ کے لئے تیار ہوں پریم نے نقاہت آمیز آواز میں کہا میری معمولی سی خواہش ہے کہ سروج کو میرے حوالے کردو۔

یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ پریم نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا اگر تم سے یہ نہیں ہوسکتا تو ہر مصیبت کے لئے تیار ہوجاؤ۔

میں ہر مصیبت کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ دیکھو پریم نادانی کی باتیں مت کرو۔ تمہارے ایک زبان کی جنبش تمکو قرضے اور سروج کے ناقابل معافی جرم سے سبکدوش کرسکتی ہے۔

جرم .... اور ...... سروج ...... ناممکن .... قطعی ناممکن .... او خدا۔ او خدا .... میں کیا سن رہا ہوں۔

ہاں! ہاں! تمہاری سروج نے جرم کیا ہے اور وہ بھی قابل دست اندازی پولیس۔ اب سروج کی زندگی تمہارے اقرار پر منحصر ہے۔

کشوری کا ایک ایک لفظ پریم کے دل پر نشتر کا کام کررہا تھا۔ وہ ایک حد تک کشوری کی چال سے واقف ہوچکا تھا۔ مگر وہ اب بھی سروج کو بےگناہ سمجھتا تھا۔ مگر سرنا کی چالاکی سے وہ قطعی بےخبر تھا لہذا اس نے نحیف آواز میں کہا ..... میری سروج سے کسی جرم کا ہونا غیر ممکن ہے۔

میرے الفاظ مہمل نہیں ہوسکتے جو کچھ میں کہتا ہوں لفظ بہ لفظ صحیح ہے .... اگر تمہارے گھر کی تلاشی لی جائے تو وہ ہار برآمد ہوسکتا ہے۔ سرنا کی غیر معمولی جستجو نے ہار کو برآمد کرلیا ...... پریم نے شادی کی شرط پر کشوری کے سامنے ہتھیار ڈال دئے۔

(۸)

پریم اس صدمہ جانکاہ سے بچ نہ سکا سروج کو کشوری کے رحم و کرم پر چھوڑ کر راہی ملک عدم ہوا .... سروج کو یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ اس کی شادی ہوئی ہے۔ وہ شادی کے مفہوم سے قطعی نابلد تھی۔

سروج اب کشوری کے قبضہ میں تھی وہ اب اپنی تیرھویں منزل سے گزر رہی تھی...... نزلہ کے ایک معمولی سے جھٹکے نے کشوری کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ سروج اب بیوہ تھی۔

(۹)

سروج اب جوان تھی۔ اس میں جذبات ابھر رہے تھے... زندگی کی آندھیاں چل رہی تھیں موسم گرما کی سفید اور تاروں بھری راتوں میں وہ پلنگ پر پڑی محبت کے خواب دیکھا کرتی تھی ایسی محبت جو اس کے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑ دے۔ اس تنگ زندگی میں ذرا سی جان ڈال دے اس کو ان کانٹوں سے نکال دے جن کی نوکیں ہر وقت چبھا کرتی تھیں۔ مگر محبت ایک بیوہ کے لئے قانوناً "جرم" ہے اس کا دل اندر ہی اندر برساتی لکڑی کے مانند دھواں دینے لگا۔ ہم عمر لڑکیوں کی چھیڑ چھاڑ سروج کے لئے نازیبا غم ثابت ہوتیں سماج نے اس کی زندگی چھین لی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ زندہ تھی۔ اس کا درد اور بڑھ گیا.... جس طرح ایک بیج کو خواہ کتنا ہی مٹی میں کیوں نہ دبایا جائے وہ پھوٹ ہی آتا ہے۔ اسی طرح سروج کی خواہشات بڑھ رہی تھیں وہ جوان تھی اس کے پہلو میں دل تھا اور دل میں وہ تمام امنگیں جو قدرت کی عطیہ میں فطرتاً اب تکمیل پذیر ہو رہی تھی۔ سیلاب زدہ دریا کو روکنے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی جائے مگر وہ نہیں رکتا۔

(۱۰)

جذبات کے آگے ہر ایک چیز فنا ہو جاتی ہے۔ مثل مشہور ہے محبت اندھی ہوتی ہے۔ سروج کی آنکھیں ایک نوجوان سے چار ہو گئیں روزانہ کی آمد و رفت نے ایک دوسرے کے دلوں میں کشش پیدا کر دی دونوں ایک دوسرے کو محبت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ وہ جوان تھا۔ اس کی نگاہوں میں مستی تھی سرور تھا۔ سروج اب وہ سروج نہ رہی۔ اس کے چہرے پر رونق آ گئی اس کی رگوں میں خون دوڑنے لگا۔ اس کی چال میں بے باکی اور تیزی آ گئی وہ مسرور تھی وہ راتوں کو چھپ کر اس سے ملتی گھنٹوں میٹھی جوانی کے مزے لوٹتی۔ اس چند لمحہ میں وہ اپنی تمام زندگی کی تلخی کو بھول جاتی۔ اس کو نوجوان کی گود میں وہ لذت و راحت حاصل ہوتی جس کا اسے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اس کو وہ آغوش بھی یاد آتی جب بوڑھا کشوری اس کو کھینچ کر اپنی گود میں لے لیتا اور زور سے بھینچا کرتا تھا اور بوسے پیار کرتا اس کی گھناؤنی ڈاڑھی اس کے نرم و نازک رخسار میں چبھتی اس وقت اس کو ایک ذہنی تکلیف محسوس ہوتی۔ مگر اس آغوش میں ایک کیف تھا سرور تھا وہ اس وقت تمام مصیبتوں کو بھول جاتی اس کی زندگی لہلہا نے لگتی اس کی آنکھوں میں نشہ انگوری جھلک آتی...... مشک اور محبت چھپ نہیں سکتی راز عشق فاش ہو گیا...... سروج کے چچا کو تمام کیفیت معلوم ہو گئی۔ سروج کے دل پر ایک ہلکا سا ڈر کا لگا۔ مگر گھر کی فضا کو دیکھ کر اس کا دل پھر لہلہا اٹھی جیسے گھر والوں کو اس کا علم ہی نہیں...... وہ دنیا کے نشیب و فراز سے ناواقف تھی۔

(۱۱)

برسات کی ڈراؤنی اور اندھیری رات ایک خوفناک دیو کی طرح معلوم ہو رہی تھی آسمان پر چلتے پھرتے بادل فیل مست کی طرح ہو رہے تھے ہوا کی سنسناہٹ بدن کے رونگٹے کھڑے کر دیتی تھی کی گڑگڑاہٹ بجلی کی چمک دلوں میں ہول پیدا کر رہی تھی۔ جیسے تند تیز ہوا درختوں میں سے ہو کر گزرتی تو ایسا معلوم ہوتا جیسا کہ شیطان خوفناک ہنسی ہنس رہا ہے اس خوفناک اور ویرانہ رات میں دو سائے ایک دوسرے کی طرف بڑھتے ہوئے دکھائی دئے یہاں تک کہ ایک دوسرے سے پیوستہ ہو گئے۔ بجلی چمکی اور ساتھ ہی ایک خوفناک چیخ بلند ہوئی۔

کلنکنی کہیں کی...... تمام خاندان کو کلنک کا ٹیکہ لگائے گی...... ایک خوفناک آواز فضا کو چیرتی ہوئی نکل گئی......

نہیں..... نہیں...... کیا...... پریم..... کرنا...... گناہ...... ہے...... چچا......

خاموش...... ایک خوفناک آواز چاروں طرف پھیل گئی بجلی چمکی...... ایک خوفناک انسان کے پنجۂ آہنی سے ایک ننھا سا پھول زمین پر گر پڑا...... زمین پر خون کی بھدی سی تصویر دکھائی دی...... مطلع صاف ہو گیا...... آسمان سے ایک تارا ٹوٹا اور دور تک اپنی لکیر چھوڑتا ہوا چلا گیا...... فضا خاموش تھی ہوا سسکیاں لے رہی تھی۔

کیف تغزل

(از حضرت جگر مرادآبادی)

جس کی نگہ ناز کے قابل نہ سمجھنا ۔ اے بے خبرو دل کو کبھی دل نہ سمجھنا
بیکار سی اک ہستی باطل نہ سمجھنا ۔ نقش قدم یار ہے یہ دل نہ سمجھنا
دل کو کبھی اے سعی طلب دل نہ سمجھنا ۔ حاصل ہے غم عشق کا حاصل نہ سمجھنا
دل ہی کو فقط درد کے قابل نہ سمجھنا ۔ اُس شوخ سے خالی کوئی محفل نہ سمجھنا
ہر سانس ہے در پردہ نگہبان محبت ۔ زنہار کبھی حسن کو غافل نہ سمجھنا
میں دل سے سہی دور مگر اے غمِ جاناں ۔ دل کو مرے آوارۂ منزل نہ سمجھنا
ہر جلوے کے پردے میں وہ خود سیر کناں ہے ۔ تنہا اُسے ہنگامۂ محفل نہ سمجھنا
کہتی ہے یہ اب وسعتِ دیوانگیٔ شوق ۔ منزل بھی جو آجائے تو منزل نہ سمجھنا
خود دے کے کہا درد محبت یہ کسی نے ۔ اب آج سے اپنا تم اسے دل نہ سمجھنا

ہر ذرہ ہے اک پیکرِ صد حسن حقیقت
ہستی کو جگر ہستی باطل نہ سمجھنا